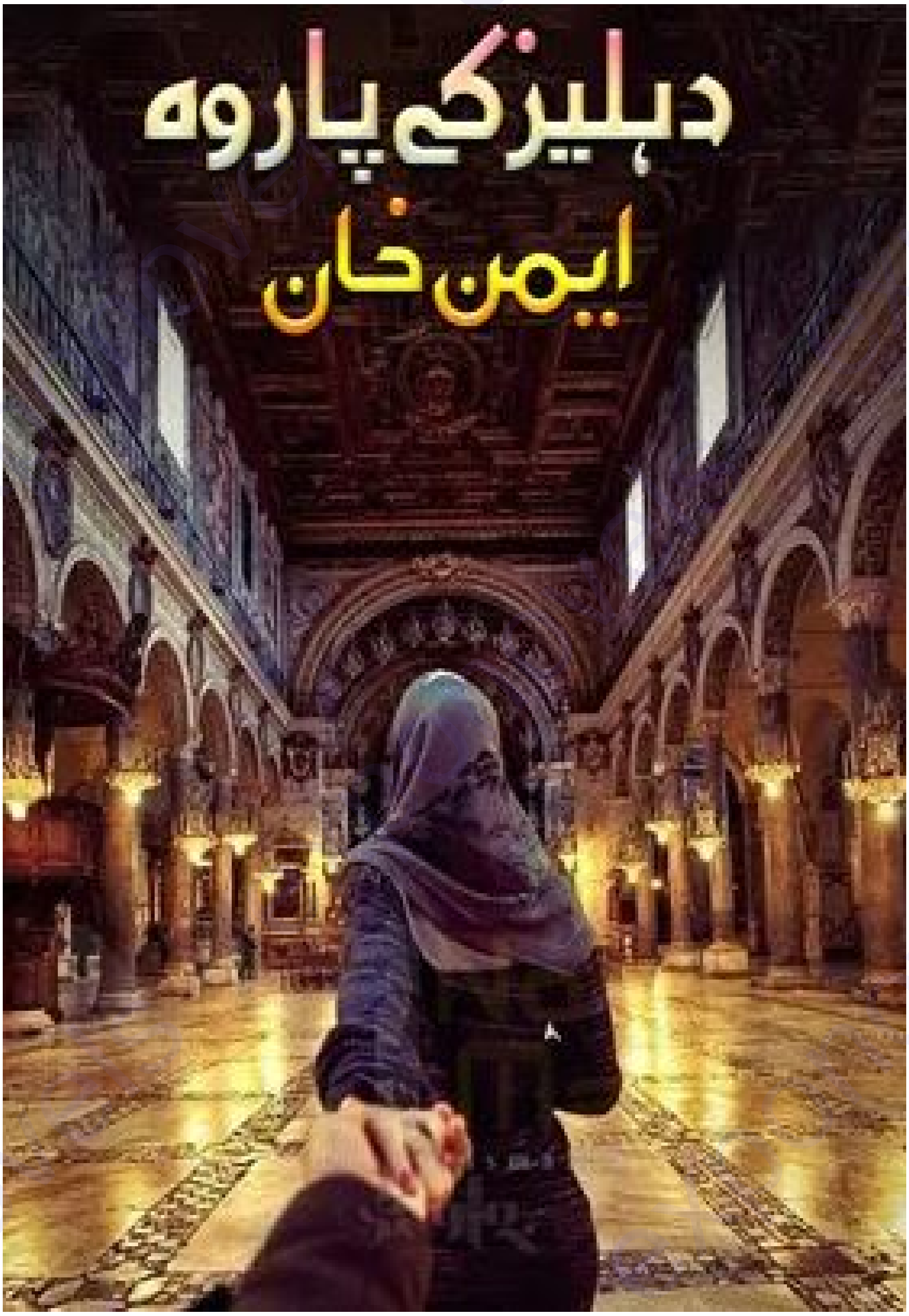

For more visit (exponovels.com)

دہلیز کے پار وہ۔۔

از قلم : ایمن خان

وہ پچھلے کئی مہینوں کی طرح آج بھی ایماندار آفسروں کی طرح اپنی ڈیوٹی پر نائن ایم ایم کی رائیفل تھامے چوکنا حالت میں کھڑا تھا اس نے ایک نظر اپنے آس پاس ڈالی تھی جہاں جوان اپنی اپنی بندوقیں سمبھالے ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ سب کشمیر باڈر پر کھڑے تھے جس کے دوسری جانب مقبوضہ کشمیر تھا۔ دور دور تک برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ نظر آتے تھے کچھ پہاڑوں کی برف پگھل کر کسی آبشار کی مانند پہاڑ سے گرتی ہوئی دیکھائی دے رہی تھی۔ اس قدر مکمل منظر تھا کہ وہ کتنی دیر بغیر آنکھیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"سر"!

شمس نے آکر اسے سیلوٹ کیا تھا۔

"جی کیپٹن شمس بیں سے کیا رپوٹ ہے؟"

اس نے اپنی مکمل توجہ کیپٹن شمس کی طرف مبذول کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سر! رپوٹ کچھ اچھی نہیں ہے دشمنوں نے کشمیری گھروں پر آج ایک بار پھر سے

فائرنگ کر دی ہے۔"

شمس نے ابھی صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"کیپٹن شمس پوری بات بتائیں پلیز"!

اس نے ذرا زور دے کر کہا تھا۔

"سر! اس دفعہ اطلاع یہ بھی ہے کہ وہ لوگ کشمیری لڑکیوں کو اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ کتنی ہی ماوں، بہنوں کی عزتیں غیر محفوظ ہیں۔"

کیپٹن شمس نے نظریں نیچی کر کے ذرا جھجھکتے ہوئے کہا تھا کیونکہ اس بات کے بعد وہ اس کا ردعمل کافی حد تک جان گیا تھا۔

"ہاو ڈیئر دے بلڈی ایڈیٹس ڈو ڈیٹ آئی سوئیر آئی ڈونٹ سپیر دیم آئی کیل دم بلڈی ڈیم مونسٹرز۔"

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے کہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نیچے چٹائی پر بیٹھی ایک لکڑی کے فریم میں کپڑا لگا کر سوئی دھاگے سے خوبصورت کشمیری کڑھائی کر رہی تھی جب نگت آرا اپنا سر سہلاتی ہوئی اس کے قریب آ بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوااماں سر میں کیا زیادہ درد ہے تیرے ایک کپ چائے بنا دو کیا تجھے ؟"

اس نے وہ فریم میں لگا ہوا کپڑا ایک جانب رکھا اور فکر مندی سے اپنی ماں کو دیکھا جو اس پوری دنیا میں اس کا واحد اکلوتا سہارا تھی ۔

"ارے نہیں پگلی چائے کی ضرورت نہیں ہے تو اپنی چادر مکمل کر لے تھوڑی سی تو رہ گئی بس پھر اسے اوڑھ کر کام پر جائی خوبصورت لگے گی ۔ "

انہوں نے فریم میں لگی سفید چادر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ جس کے خوبصورت کہنے پر زارا خوشی سے مسکرائی تھی ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زارا نور کشمیر کی رہنے والی ایک خوبصورت ننھی کلی تھی جس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور بورھے گھنگھریالے لمبے بال تھے جو اس نے ہمہ وقت سر پر باندھے رومال کے نیچے چھپائے ہوتے تھے سرخ گندمی رنگت اور تیکھے نقوش کی مالک وہ درمیانے قد کی دوبلی پتلی لڑکی تھی ۔ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کا باپ مر گیا تھا اس کی ماں ایک چھوٹے سے جھونپڑے نما مکان میں اس کے ساتھ رہتی تھی جہاں دو کرسیاں اور ایک چٹائی کے علاوہ کسی بھی قسم کا کوئی سامان نہیں تھا ۔

زارا کی ماں نگت آرا لوگوں کے سوٹوں اور تھانوں پر کشمیری کڑھائی کرتی تھیں جس سے جو

For more visit (exponovels.com)

چند پیسے ملتے وہ ان دونوں کے گزر بسر کے لیے کافی تھے۔
زارا کو بچپن سے پڑھنے کا بہت شوق تھا اس لیے اس کی ماں نے اسے وہی ایک قریبی سکول میں داخل کرایا تھا جہاں سے اس نے بے حد اچھے نمبروں میں میٹرک پاس کیا تھا اور اب وہ سال دوئم کے پیپر دے کر اپنی ماں سے ورثے میں ملے ہنر کو سیکھ کر کام پر جاتی تھی تاکہ اپنے اور اپنی ماں کے گزر بسر کا کچھ انتظام کر سکے۔ بے حد کشیدہ ماحول میں بھی وہ بہت بردباری سے اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں رہ رہی تھی ایسا نہیں تھا کہ وہ بے خوف تھی وہاں کی ہر لڑکی کی طرح اس کے اندر بھی خوف کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا مگر وہ عام لڑکیوں کی طرح ہار ماننا پسند نہیں کرتی تھی وہ عزت کی حفاظت کے لیے اپنی آخری سانس تک لڑنا جانتی تھی اور اسی باعث وہ اب تک محفوظ تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
رات کے اس پہر وہ جس پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی ابھی بھی وہ تصویر تھام کر ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے آنسو اس کے گال بھگو کر اس فریم پر گر رہے ہیں مگر وہ مسلسل ساکن بیٹھی ہوئی تھی جیسے سانس بھی لے گی تو اس کے دل کا چور اس کے برابر میں لیٹی اس کی بہن پر عیاں ہو جائے گا مگر صاریہ خان اس بات سے انجان تھی کہ جس راز کو اپنے دل میں وہ دو سال سے چھپاتی آرہی ہے وہ اس کی بہن بہت اچھے سے

جانتی ہے پر ہائے رہے بے خبری صاریہ بھی اسی بے خبری کی کیفیت میں تھی۔ وہ ابھی بھی ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھی جب زیبا کی آواز سن کر وہ ٹھٹکی تھی اوراس کے نکلتے ہوئے آنسو وہی پر تھمے تھے۔

"آپا! ہلکان مت ہو تمہارے دل کی چاہ راتوں کو تصویر تھام کر آنسو بہانے سے پوری نہیں ہوجائے گی دعا کرو جس کے لیے آنسو بہا رہی ہو وہ تمہاری چاہت قبول کرلے ورنہ ٹھکرائی گئی تو سمبھلنا مشکل ہوگا۔"

وہ جیسے اپنی چھوٹی بہن کی باتیں سن کر حیرت میں بتلا ہوئی تھی اس نے جلدی سے گھوم کر اس کی جانب دیکھا تھا جو آنکھیں کھولے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"تم۔۔ تمہیں کیسے معلوم؟"

اس نے بے یقینی کی کیفیت میں گھر کر زیبا سے پوچھا تھا؟"

"کیا مجھے کیسے معلوم کہ تم دو سال سے اپنے اس دل میں جبرئیل بھائی کو بسا کر بیٹھی ہوئی ہو اور ہر رات ان کی تصویر تھام کر آنسو بہاتی ہو کہ وہ تمہارے ہو جائیں۔"

وہ تو جیسے سب جانتی تھی۔ صاریہ کو زبردست حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"پر آپا تم نصیب سے کبھی بھی نہیں لڑسکتی تمہیں وہی ملے گا جو تمہارے مقدر میں ہوگا۔"

وہ اس سے چھوٹے ہوتے ہوئے بھی کسی بڑی بی کی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو انسان کو وہی ملتا جو مقدر کا لکھا ہوتا ہے ؟ نہیں زیبا بی بی یہ تمہارے جیسے لوگوں کی سوچ ہوتی ہے میں اپنا مقدر خود بنانے پر یقین رکھتی ہوں جو چیز مقدر میں ہو اچھی بات ہے جو نہ ہو اسے چھین کر اپنا بنا لینا خود مقدر بنانا ہوتا ہے اور یہی میں جبرئیل کے لیے بھی سوچتی ہوں اس نے میری محبت قبول کر لی تو ٹھیک ورنہ میں اسے اتنا مجبور کروں گی کہ اس کے پاس مجھے اور میری محبت کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارا نہیں بچے گا۔"

اس نے سختی سے اپنے آنسو رگڑے تھے زیبا کو حیرت کے ساتھ ساتھ افسوس نے بھی گھیرا تھا کم از کم وہ اپنی بہن سے اس سب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنی گن سائیڈ پر رکھ کر جھک کر اپنے بوٹ کا تسمہ باندھ رہا تھا پاس ہی فوجی جوان گشت کرتے دیکھائی دے رہے تھے اس نے اٹھ کر ادھر ادھر نگاہ ڈالی تھی پاس ہی فوجی کیمپ لگے ہوئے تھے سردی اپنے پورے جوبن پر تھی رات آسمان پر آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی اور اسی کے ساتھ سردی بھی بڑھ رہی تھی کیمپوں کے بیچ میں چند لکڑیاں جمع کر کے آگ لگائی گئی تھی جو ماحول کو قدرے گرم رکھے ہوئے تھی۔

اس کی وردی کی جیب میں رکھا ہوا وائیرلیس ایک دم چیخا تھا۔

212"کیپٹن موحد رپوٹینگ اینیمیز اٹیک ایٹ کشمیر زہاو سیس الارٹ داسکا وڈز۔"
اور اسی کے ساتھ خاموشی چھائی تھی مگر یہ صرف چند لمحوں کی تھی اس کے بعد فضا میں فائیر نگ کا شور بلند ہوا تھا۔
"ٹیک یور پوزیشنز"!
اس نے وہاں موجود تمام فوجیوں کو لیڈ کرتے ہوئے تقریبا دھاڑ کر کہا تھا۔لمحے کے ہزارویں حصے میں وہاں بھگ دوڑ مچ چکی تھی اور سب اپنی اپنی بندوقیں سمبھالے اپنی جگہیں لے چکے تھے ان سب میں وہ سب سے آگے تھا جو اس فوجی دستے کی کمانڈ سمبھال رہا تھا۔ تقریبا ایک گھنٹے کے بعد صورتحال قابو میں آئی تھی بہت سارے دشمنوں کو اس نے اپنے فوجی دستے کے ساتھ مل کر جہنم واصل کیا تھا اس ساری صورتحال میں اس کی کمانڈ میں بہت سے فوجی زخمی ہوئے تھے لیکن انہیں فوری کیمپوں میں جاکر طبعی امداد مہیا کی گئی تھی۔
رات کے اس پہر فضا میں ابھی ابھی گولیوں کی ایک مخصوص خوشبو موجود تھی اور اسی کے ساتھ اڑنے والا دھواں بھی وہاں ہونے والی واردات کی کارستانی بیان کر رہا تھا۔ وہ اپنی وردی کے بازو فولڈ کیے دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر صورتحال کا جائزہ لینے میں مگن تھا جب اچانک اس کی نظر سامنے سے بھاگ کر آتی ہوئی لڑکی پر پڑی تھی۔ بکھرے بال کندھے پر

آدھا لٹکا ہوا رومال جو شاہد سر پر تھا خون آلود کپڑے اور بغیر دوپٹے کے وہ آندھا دھند بھاگتی ہوئی ان کی جانب آ رہی تھی وہ حیرت کا مجسمہ بنا اس لڑکی کو بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ رہا تھا اور شاہد کئی لمحے پہلے بہنے والے آنسو اب بہہ کر خشک ہو چکے تھے لیکن ان کے نشانات ابھی بھی اس کے سرخ چہرے پر موجود تھے جو دور سے ہی میجر جبرئیل خان نے اپنی عقابی نظر سے ملاحظہ کر لیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پھولوں کے شہر پشاور کی گلیوں میں ایک حسین صبح نے اپنے پر پھیلائے تھے۔ خان ہاوس میں سناٹوں کا راج تھا سب سردیوں کی حسین اور سرد صبح کی وجہ سے اپنے اپنے بستروں میں دبکے بیٹھے تھے ایسے میں صرف عشرت بیگم واحد تھیں جو لاونج میں صبح صبح آتش دان کے قریب بیٹھ کر قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔ گھر کی سب کھڑکیاں دروازے سردی کے باعث بند تھے ہر کھڑکی کے پردے پوری طرح سے برابر تھے جس کے باعث اس لاونج میں قدرتی روشنی کا کوئی شائبہ موجود نہیں تھا صرف ہلکی سی پیلی بتی جل رہی تھی اور اسی کے ساتھ آتش دان کی دہکتی ہوئی آگ کی روشنی تھی۔

"اسلام علیکم بھابھی"!

انہوں نے آواز پر قرآن پاک سے سر اٹھا کر دیکھا تو ماہ رخ بیگم مسکراہٹ سجائے کھڑی

تھیں۔

"وعلیکم اسلام ماہ رخ نماز پڑلی کیا تم نے ؟"

انہوں نے سلام کے جواب کے ساتھ ان سے اپنا روز پوچھنے والا سوال دوبارہ دھرایا تھا جس پر انہوں نے اپنا روز کا دیا جانے والا جواب ہی دھرایا تھا۔

"کیسی باتیں پوچھتی ہیں بھابھی نماز بھی بھلا کبھی چھوڑوں گی۔"

پھر دونوں مسکرائی تھیں۔

"بچے اٹھ گئے ؟"

اب کی بار عشرت بیگم نے قرآن پاک بند کر کے چوم کر اس پر غلاف چڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"زیبا اور سبتین اٹھ گئے ہیں لیکن صاریہ ابھی تک سو رہی ہے پتہ نہیں اس لڑکی کی ایسی کونسی نیندیں ہیں جو پوری ہونے میں نہیں آتی۔"

وہ تاسف سے سوچتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اٹھ جائے گی ابھی کونسا سورج سوا نیزے پر آگیا ہے۔"

انہوں نے ہمشہ کی طرح صاریہ کی حمایت کی تھی۔ جس پر ماہ رخ بیگم نے خفگی سے انہیں دیکھا تھا۔

"اتنا مت سر چڑھائیں کہ اتارنا مشکل ہوجائے بھابھی میری اولاد ہے وہ اچھے سے جانتی ہوں اسے کسی کا کوئی احسان نہیں یاد رکھے گی وہ۔"

انہوں نے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اللہ کو مانو ماہ رخ کیوں صبح صبح دل دہلانے والی باتیں کر رہی ہو بچی ہے وقت کے ساتھ سمجھ جائے گی۔"

انہوں نے پھر سے ان سے کہا تھا۔

"اس سے چھوٹے بہن بھائی سمجھ چکے ہیں مگر وہ ابھی بھی ادھر ہی ہے۔"

"اچھا بس چھوڑو جاو اٹھاو جا کر اسے میں زرا اپنے بچوں کو دیکھ لوں۔"

وہ کہتے ہوئے قرآن پاک ہاتھ میں لے کر وہاں سے اٹھ کر اندر کی جانب بڑھیں تھیں جبکہ ماہ رخ بیگم کے ذہن میں پھر سے صاریہ لہرائی تھی۔

عشرت جہاں خان ولا کی سربراہ تھیں ان کے شوہر محمد ابراہیم خان کی تیرہ سال پہلے شہادت ہوئی تھی اور ان کی شہادت کے صرف ایک سال بعد ہی ان کے دوسرے بھائی اسمائیل خان نے بھی ایک کیس میں لڑتے ہوئے شہادت کا رتبہ پایا تھا۔ ماہ رخ اور عشرت بیگم کا حوصلہ غضب کا تھا جنہوں نے فوجیوں کی بہادر بیویاں ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے کمال ہمت کا مظاہرہ کیا تھا اور خان ولا کی چھت تلے اپنے بچوں کی پروش کی تھی۔

عشرت جہاں کے اور ماہ رخ دونوں کے ہی تین تین بچے تھے۔ عشرت جہاں کے دو بیٹے اور ایک بیٹی جب کہ ماہ رخ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ جبرئیل خان عشرت جہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور ان کے بعد خان ولا کا سرپرست بھی وہی تھا۔ تیرہ سال پہلے باپ کی شہادت کے بعد وہ اپنے دل میں ایک ہی خواب اور جذبے کے ساتھ جوان ہوا تھا اور وہ خواب اور جذبہ ملک کی خاطر لڑنے اور شہادت حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
اس نے بچپن سے اپنے باپ سے ملک سے محبت کرنا سیکھا تھا اور یہ محبت اب عشق کی صورت اختیار کر کے اس کے رگ و پا میں بس چکی تھی اور وطن کے لیے جبرئیل خان کوئی عام مرد ہرگز نہیں تھا وہ ایک دھاڑتا ہوا خطرناک شیر تھا جس نے بہت کم عرصے میں دشمنوں پر اپنی دھاک بیٹھا لی تھی اس کی ڈیوٹی اور پوسٹنگ مختلف جگہوں پر ہوتی رہتی تھی اور ہر دفعہ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ جاتا تھا۔
وہ ایک پر اثر شخصیت کا مالک تھا سیاہ سلکی بال جو ہمیشہ فوجی کٹ میں کٹے ہوتے اور سائیڈ مانگ نکال کر سلیقے سے سیٹ کیے رہتے تھے۔ سیاہ گھور آنکھیں جن پر ہلکلے گرے رنگ کی شبہی رہتی تھی تیکھی مغرور ناک جو غصے سے ہمشہ تنی رہتی تھی اور عنابی ہونٹ جو کم کم ہی مسکراتے تھے ورنہ ڈیوٹی ٹائم پر غصے سے بھینچے رہتے تھے سرخ و سپید رنگت پر سیاہ ہلکی داڑھی تھی جو اس کی سحر انگیز شخصیت کو اور بھی جاذب بناتی تھی۔ جب وہ وردی پہن کر کسی

شاہراہ سے اپنی فوج کی گاڑی خود ڈرائیو کرتے ہوئے گزرتا یا ڈرائیور کے ساتھ پیسنجر سیٹ پر اپنے سیاہ شیڈز لگا کر گزرتا تو نجانے کتنی ہی لڑکیوں کا دل دھڑکا جاتا تھا۔

جبرئیل سے چھوٹا آرون تھا جو کہ سی ایس ایس کرنے کے بعد پولیس ٹیرنگ کر رہا تھا بھائی سے تھوڑا کم مگر سحر پورا رکھتا تھا اپنی شخصیت میں اور پھر ان دونوں سے چھوٹی تھی آنیہ جو اپنے دونوں بھائیوں کی لاڈلی تھی۔ ماہ رخ کی دو بیٹیاں صاریہ اور زبیا جبکہ ایک بیٹا سبتین تھا جو آرون کے ساتھ ہی سی ایس ایس کے بعد پولیس ٹریننگ کر رہا تھا۔ صاریہ ایم۔بی۔اے جبکہ زبیا میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرنل خاور ایک بار پھر بے چینی سے اپنے یونٹ میں ٹہل رہے تھے کیونکہ یہ ایک ہفتے میں تیسری بار ہوا تھا کہ کشمیر باڈر کے قریب فائرنگ ہوئی تھی وہ مطمعن تو تھے کہ جبرئیل سمبھال لے گا مگر انہیں اندر ہی اندر کوئی خوف مسلسل ڈس رہا تھا۔

انہوں نے بے چینی سے اپنی میز پر پڑا ہوا ریسیور کرائیڈل سے اٹھایا اور کرنل احسن کا نمبر ڈائیل کیا۔

تقریبا تیسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔ دوسری طرف سے احسن کی پرجوش آواز ابھری تھی۔

"اسلام علیکم سر"!

"وعلیکم اسلام احسن کیسے ہو تم؟"

انہوں نے ریلیکس انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر پوچھا تھا۔

"الحمدواللہ سر آپ بتائیے؟"

احسن نے بھی ہلکے پھلکے انداز میں ان کا حال احوال پوچھا تھا۔

"میں کچھ پریشان ہوں احسن"!

کرنل احسن کرنل خاور کی پریشان کن آواز باآسانی سن سکتے تھے اس لیے ایک پل کو تو وہ بھی گڑبڑائے تھے۔

"احسن تمہاری پوسٹنگ اب کدھر ہو رہی ہے؟"

انہوں نے اسی لہجے میں ان سے پوچھا تھا۔

"ایبٹ آباد ہو گئی ہے سر بس ایک دو دن میں جوائینگ دینی ہے۔"

کرنل احسن نے اپنی حالیہ ہونے والی پوسٹنگ کے متعلق انہیں بتایا تھا۔

"میری بات دھیان سے سنو احسن"!

انہوں نے اپنے لہجے کو حتی المکان سرگوشیانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

"تم آج رات ایبٹ آباد جانے کی بجائے جبرئیل کے پاس سیدھا کشمیر جاو گئے اور وہاں

اس کے ساتھ وہاں کی صورتحال سمبھالو گئے آئے روز کی فائرینگ کی وجہ سے وہاں صورتحال کافی کشیدہ ہے اس لیے تمہاری پوسٹنگ میں نے کشمیر کردی ہے ایک گھنٹے کے اندر تمہیں تمہارا ٹرانسفر لیٹر مل جائے گا۔"

انہوں نے اس سے کہا تھا جس پر وہ پہلے تو کافی دیر حیرت کا شکار رہا تھا لیکن پھر یس سر کہ کر اس نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کال کاٹ دی اب وہ کافی حد تک پر سکون تھے لیکن انہیں اب جبرئیل سے ملنے خود کشمیر جانا تھا تیرہ سال پہلے والے واقعات نے ایک بار پھر سے انہیں تکلیف پہنچائی تھی۔

کچھ معاضی کی یادیں کچھ گزرے واقعات

کچھ بیتے لمحے اور کچھ تکلیف دے لمہات

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لڑکی مسلسل بھاگتی ہوئی اس کی جانب آرہی تھی اس کی چال میں جبرئیل کو ایک عجیب سی لڑکھڑاہٹ کا احساس ہوا تھا وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھ رہی تھی وہ جبرئیل کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی اتنی کہ اس میں اور سامنے کھڑی لڑکی میں صرف چند انچ کا فاصلہ تھا۔ وہ غور سے جبرئیل کو دیکھ رہی تھی اور صرف ایک لمحہ لگا تھا جب وہ جبرئیل کی بانہوں میں ہوش وخرد سے بیگانہ جھول گئی تھی۔

اس نے ایک دم ہڑبڑا کر اسے تھاما تھا تب تک کیپٹن شمس اور کیپٹن عبداللہ بھی اس تک پہنچ چکے تھے پتہ نہیں کیوں مگر جبرئیل نے ان دونوں کو اس لڑکی کو ہاتھ لگانے نہیں دیا تھا اور اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر قریب لگے کیمپ میں لے گیا تھا۔

رات کے اس پہر فضا میں سردی بڑھتی جا رہی تھی بیچ میں بہت سی لکڑیاں کی جمع آگ لگی ہوئی تھی تو آگ کے چاروں طرف گول دائروں کی صورت میں بہت سے کیمپ لگائے گئے تھے انہی میں سے ایک کیمپ میں جبرئیل اس لڑکی کو لے آیا تھا جس کے پیچھے ہی شمس اور عبداللہ دونوں تھے۔ جبرئیل نے اسے نیچے بچھے ہوئے نرم گداز فام کے گدے پر لٹایا اور اوپر لحاف ڈال دیا کیونکہ وہ سردی سے بہت بری طرح بے ہوشی میں کانپ رہی تھی۔ اس کی نظر یک دم اس کے بازو سے نکلتے ہوئے خون پر پڑی تھی اور پھر بے ساختہ اس نے اس کے چہرے کی جانب نگاہ کی تھی جہاں اسے تکلیف کے آثار نمایاں دیکھائی دے رہے تھے۔

اس نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا تھا تاکہ صورتحال قابو میں کر سکے وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس لمحے وہاں کوئی بھی لڑکی موجود نہیں تھی جو اس کی دیکھ بھال کر سکتی اس لیے وہ کافی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے مڑ کر شمس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیپٹن شمس"!

اس نے شمس کو مخاطب کیا تھا جو بے حد غور سے اس لڑکی کا جائزہ لینے میں محو تھا۔

"یس سر"!

شمس ایک دم گڑبڑا کر چوکنا ہوا تھا۔

"اگر آپ نے مکمل تخریب کاری کر کے ان کا جائزہ لے لیا ہو تو فوری بیس کال کر کے لیڈی ڈاکٹر کو بلوائیں یا جیپ لے کر خود جائیں اور یہاں لے کر آئیں انہیں یہ جو کوئی بھی ہیں ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے شاید ان کے بازو پر گولی لگی ہے میرے خیال کے مطابق گولی چھو کر گزری ہے مگر ان کا کافی خون بہہ گیا ہے۔"

وہ اپنی زیرک نگاہوں سے اس کا مشاہدہ کر چکا تھا اس لیے ہی اسے ڈاکٹر کو لانے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"یس سر"!

وہ اسے سیلوٹ کر کے فوری اپنا وائرلیس اٹھا کر کیمپ سے باہر نکلا تھا۔

"عبداللہ! فرسٹ ایڈ باکس لائیں فوری۔"

اس نے قریب چوکنا انداز میں کھڑے عبداللہ کو مخاطب کیا اور اسے فرسٹ ایڈ باکس لانے کے لیے کہا تھا۔

"یس سر"!

عبداللہ کہ کر فوری باہر نکلا تھا اور تقریبا دو منٹ کے بعد وہ فرسٹ ایڈ باکس اس کے ہاتھ میں تھما چکا تھا۔ اس نے فرسٹ ایڈ باکس کھول کر اندر سے پائیوڈین نکالی تھی جسے وہ کاٹن پر لگا کر اس کے بازو سے نکلنے والا خون صاف کرنے والا تھا لیکن اس سے پہلے اس کا بازو اوپر کرنا ضروری تھا۔ جبرئیل نے احتیاط سے اس کی قمیض کا بازو اوپر کیا تھا وہ بے حد سرخ رنگت کی مالک تھی جس میں تھوڑی تھوڑی سفیدی کی آمیزش بھی شامل تھی۔

"سر انہیں فرسٹ ایڈ ٹریٹ مینٹ آپ خود دیں گے؟"

کیپٹن عبداللہ نے اس موقعے پر انتہائی بے تکا سا سوال پوچھ ڈالا تھا جس پر اس نے رخ موڑ کر اچھا خاصہ گھور کر اس کی جانب دیکھا تھا وہ ایک دم سٹپٹا کر خاموش ہوگیا تھا جب کہ وہ واپس اپنے کام میں مگن ہوگیا تھا۔ اس نے پائیوڈین لگی کاٹن سے اس کا خون اچھے سے صاف کیا تھا اور پھر دوسری کاٹن زخم پر رکھ کر اچھے سے اس کے بازو پر پٹی باندھی تھی تاکہ مزید خون نہ نکلے اور ڈاکٹر کے آنے تک وہ پر سکون رہے۔

وہ بینڈیج کر کے فارغ ہی ہوا تھا جب لیفٹیننٹ طلال اندر آیا تھا اور اس نے اسے سیلوٹ کیا تھا۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے اندر آکر کھڑے ہوئے لیفٹیننٹ طلال کی جانب دیکھا تھا۔

"سر ابھی ابھی بیس سے رپوٹ آئی ہے کہ کرنل احسن کی پوسٹنگ ایبٹ آباد کی بجائے

یہاں کشمیر میں کر دی گئی ہے اور وہ صبح تک یہاں پہنچ جائیں گئے۔ "
اس نے جیسے ہی رپوٹ دی جبرئیل نے سامنے لیٹی ہوئی ہوش و خرد سے بیگانہ لڑکی کی جانب دیکھا تھا جو کرنل احسن کے آنے کے بعد اس کے اور اس کی ٹیم کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی لیکن فل حال وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اس لیے صرف گہرا سانس بھر کر کیمپ سے باہر آگیا تھا کیونکہ اس کا فون مسلسل بیپ دے رہا تھا جس پر آرون کی کال آرہی تھی۔
اس نے کال اٹھا کریس کی تھی دوسری طرف سے آرون کی پریشان کن آواز ابھری تھی۔
"بھائی آپ ٹھیک تو ہیں نہ؟ ہم نے ابھی ابھی نیوز میں دیکھا کشمیر باڈر کے قریب بہت زیادہ فائیرنگ ہوئی ہے۔ "
وہ مسلسل پریشانی سے بول رہا تھا اس کی فکر پر بے ساختہ جبرئیل کو ہنسی آئی تھی۔
"ارے یار سانس تو لے لو۔ "
جبرئیل نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا تھا۔
"میں یہاں اتنا پریشان ہو رہا ہوں اور آپ ہنس رہے ہیں شکر کریں ابھی میں نے امی کو اس فائیرنگ کے بارے میں نہیں بتایا ورنہ انہوں نے رو رو کر اپنا بلڈ پریشر ہائی کر لینا تھا۔ "
آرون نے اسے دھمکی لگائی تھی جس پر جبرئیل ایک دم پریشان ہوا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں رون تم امی کو کچھ مت بتانا وہ پریشان ہو کر اپنی طبعیت خراب کر لیں گی۔"

جبرئیل کے لہجے سے ماں کی محبت جھلک رہی تھی جس پر آرون مسکرایا تھا۔

"یہ بتائیں گھر کب آ رہے ہیں آپ؟"

آرون نے اس سے بے حد مشکل سوال پوچھ ڈالا تھا۔

"تم اچھے سے جانتے ہو میں گھر کیوں نہیں آتا۔"

اس نے بھی سوال اسی پر ڈالا تھا۔

"بھائی فار گاڈ سیک اس ایک لڑکی کی وجہ سے آپ اپنے باقی رشتوں سے کٹ کر تو نہیں رہ سکتے ایک میجر ہونے کے باوجود آپ اس چھٹانک بھر کی لڑکی کا سامنا کرنے کی وجہ سے آپ گھر نہیں آرہے انتہائی افسوس کی بات ہے۔"

آرون نے بے حد افسوس کی کیفیت میں گھر کر اس سے کہا تھا جس پر جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"میں مصروف بھی بہت ہوں رون آج کل یہاں حالات بہت کشیدہ ہیں اور پھر مجھے ایک نئے کیس پر بھی کام شروع کرنا ہے کرنل خاور کے گو کہنے اور بریفینگ دینے کی دیر ہے بس۔"

اس نے چند دن پہلے کرنل خاور سے کی گئی اپنی مختصر گفتگو اس کے گوش گزار کی تھی ۔
"لیکن تم فکر مت کرو میں جلد پشاور کا چکر لگاؤں گا مجھے لگتا شاہد کیس کی شروعات وہی سے ہونی ہے ۔ "
اس نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہا تھا پھر کچھ دیر بات چیت کے بعد جبرئیل نے فون بند کر دیا تھا کیونکہ سامنے کیپٹن شمس کے ساتھ ڈاکٹر مائرہ آتی ہوئی دیکھائی دے رہی تھیں جو جبرئیل کی کیڈٹ کالج اور ٹرینگ کے دوران اس کے ساتھ ہی تھی اور ان کی آپس میں کافی دوستی بھی تھی ۔
"ہیلو جبرئیل کیسے ہو یار تم کافی عرصے سے غائب ہی ہو گئے تھے ؟"
ڈاکٹر ماہرہ اپنے مخصوص دوستانہ انداز میں اس سے حال احوال دریافت کر رہی تھیں ۔
"فائن ماہرہ آپ کیسی ہیں اور یہاں کشمیر میں اچانک ؟"
جبرئیل نے بھی خوش اسلوبی سے اس سے پوچھا تھا ۔
"ہاں میری کل ہی ابھی یہاں کشمیر میں پوسٹنگ ہوئی ہے ۔ "
انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا جبرئیل انہیں لے کر اپنے ساتھ کیمپ میں آگیا جہاں وہ لڑکی بے ہوش تھی ۔
"مائرہ انہیں شاید گولی لگی ہے پلیز آپ چیک کر کے ٹھیک سے بینڈیج کر دیں کیونکہ آپ

اچھے سے جانتی ہیں کہ ہم انہیں ہوسپٹل لے کر جانے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں ہیں اور نہ ہی یہاں کہیں آس پاس کوئی ہوسپٹل موجود ہے بیس سے بھی یہاں تک کا فاصلہ ایک گھنٹے سے زیادہ کا ہے وہ تو کیپٹن شمس جلدی لے آئے آپ کو۔"

جبرئیل نے پریشان کن لہجے میں اس سے کہا تھا۔

"ڈونٹ وری میں دیکھ لیتی ہوں۔"

وہ کہ کراس کی جانب متوجہ ہوگئیں جبکہ جبرئیل باہر شمس عبداللہ اور طلال کے پاس آگیا جو آگ کے گرد خود کو گرم رکھنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔

"سر! میجر طراب کی چھٹی ابھی تک ختم نہیں ہوئی وہ کب تک جوائن کر رہے ہیں ہمیں؟"

لیفٹینینٹ طلال نے میجر طراب کے متعلق پوچھا تھا جو جبرئیل کا بیسٹ فرینڈ بھی تھا اور سب جانتے تھے کہ طراب اور جبرئیل کی ایک دوسرے میں جان بستی ہے۔ وہ آج کل چھٹی پر پشاور گیا ہوا تھا وہاں اس کی بہن کی شادی تھی حالات کی خرابی کی وجہ سے جبرئیل ڈیوٹی چھوڑ کر وہاں نہیں جا پایا تھا۔

"منڈے سے جوائن کرے گا وہ ہمیں ادھر۔"

جبرئیل نے سرسری سا جواب دیا تھا اس کا سارا دھیان اندر لیٹی ہوئی لڑکی اور ڈاکٹر مائرہ کی جانب تھا ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا جب ڈاکٹر مائرہ کیمپ سے باہر آتی ہوئی دکھائی دیں

تھیں۔

"جی مائرہ کیسی ہیں اب وہ؟"

جبرئیل نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

"ریلیکس جبرئیل گولی بس ان کے بازو کو چھو کر گزر گئی تھی میں نے اچھی طرح سے بینڈیج کر دی ہے اور میڈیسنز بھی اپنے پاس سے ہی دے دیں ہیں پین کلر کا انجیکشن لگا دیا ہے وہ آج رات پر سکون نیند سوئے گئیں۔"

ڈاکٹر مائرہ نے ہلکے پھلکے انداز میں اس سے کہا تھا۔

"چلیں آئیں میں آپ کو کافی پلاتا ہوں۔"

وہ اسے لے کر اپنے کیمپ کی جانب بڑھ گیا جو خاصی صاف ستھری حالت میں تھا۔

"مائرہ ایک جانب رکھی ہوئے سٹول پر بیٹھ گئی جبرئیل کافی بنانے میں مگن تھا۔

"یہ لڑکی کہاں ملی جبرئیل تمہیں؟"

ڈاکٹر مائرہ نے آخر کو وہ سوال پوچھ ہی ڈالا جو مسلسل ان کے ذہن میں مخل رہا تھا۔

جبرئیل نے کافی کا مگ اس کی جانب بڑھایا اور ایک کپ خود تھام کر دوسرے سٹول پر بیٹھ گیا۔

"آئی ڈونٹ نو مائرہ میں اس لڑکی کو بالکل بھی نہیں جانتا ہوں میں تو یہاں ڈیوٹی پہ تھا

فائرینگ کے بعد صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا جب یہ وہاں سامنے سے بھاگتی ہوئی آئی تھیں اور ایک دم بے ہوش ہو گئیں۔"

جبرئیل نے پیش آنے والی ساری صورتحال اس کے گوش گزار کی تھی۔

مائرہ پرسوچ دیکھائی دے رہی تھی۔

"ایک ریکویسٹ کرنی تھی آپ سے؟"

جبرئیل نے کچھ جھجک کر اس سے کہا تھا۔

"ریکویسٹ کیوں آپ حکم کریں۔"

ڈاکٹر مائرہ نے ہلکے پھلکے انداز میں اس سے کہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں آج رات آپ ادھر ہی رک جائیں کیونکہ یہ اکیلی لڑکی آئی مین۔"

اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"اٹس او کے جبرئیل آپ نہ بھی کہتے تو بھی میں یہاں رکنے والی تھی۔"

اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"تم کتنے دنوں سے گھر ریسٹ کرنے نہیں گئے؟"

ڈاکٹر مائرہ نے اپنی زیرک نگاہوں سے اس کی حالت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔"

For more visit (exponovels.com)

جبرئیل نے کچھ شرمندگی سے کہا تھا۔

"واو میجر جبرئیل خان کیا بات ہے آپ کی یہاں آپ کو کشمیر میں گھر ملا بھی ہوا ہے تب بھی آپ ایک ہفتے سے گھر نہیں گئے امیزنگ کچھ شرم کرلو جبرئیل۔"

اب وہ اس کے لتے لے رہی تھی جس پر وہ مسکرا رہا تھا۔

"یارا ایکچولی یہاں اتنا کام تھا کہ میں گھر جا ہی نہیں پایا اور پھر طراب بھی تو نہیں تھا۔"

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

"پھر بھی تمہیں اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے جبرئیل ورنہ تم کام کیسے کرو گے؟"

مائرہ فکرمندانہ لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"ڈونٹ وری کل کرنل احسن اور منڈے کو طراب واپس آرہا ہے پھر میں کچھ ریسٹ کروں گا۔"

اس نے مسکرا کر اس سے کہا تھا۔

پھر کافی دیر دونوں باتیں کرتے رہے تھے۔

"اچھا مائرہ آپ سو جائیں کیوں کہ آپ کا جاگنا کوئی مجبوری نہیں ہے آپ ریسٹ کریں میں باہر ہوں۔"

وہ اسے ریسٹ کرنے کا کہہ کر خود کیمپ سے باہر آگیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آنیہ اور زیبا دونوں کالج جانے کے لیے تیار تھیں جبکہ آرون اور عامل دونوں صبح ہی صبح ٹریننگ کے لیے جا چکے تھے۔ وہ دونوں ڈائینگ ٹیبل پر بیٹھی جلدی جلدی کھانے میں مصروف تھیں جبکہ عشرت جہاں ابھی ابھی آ کر بیٹھی تھیں جبکہ ماہ رخ بیگم کچن میں ناشتہ بنا رہی تھیں۔

"یہ تم دونوں اتنا تیار ہو کر کہاں جا رہی ہو؟"

صاریہ نے اپنا بیگ کرسی کی پشت پر لٹکا کر زیبا اور آنیہ سے پوچھا تھا جو اپنی روزمرہ جیسی تیاری میں ہی تھیں لیکن لگتا تھا آج صاریہ کا دماغ الٹ گیا تھا۔

عشرت جہاں نے حیرت سے پہلے صاریہ اور پھر ان دونوں کو دیکھا تھا جو بغیر کوئی بھی نوٹس لیے خاموشی سے کھا رہی تھیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ان دونوں نے اپنے لیب کوٹ اور بیگز اٹھائے اور عشرت جہاں سے مل کر باہر نکل گئیں جبکہ صاریہ منہ کھولے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"دیکھا بڑی اماں میرے کسی سوال کا جواب دینا یہ ضروری نہیں سمجھتی ہیں۔"

وہ اب ان سے شکایت کر رہی تھی۔

"ویسے صاریہ بیٹا تمہیں اندازہ ہے کہ سوال تم نے کچھ غلط ہی کیا تھا مجھے تو ان کی تیاری کوئی

بھی زیادہ یا معمول سے ہٹ کر نہیں لگی۔"

عشرت بیگم انتہائی نرمی سے اس سے کہہ رہی تھیں تب تک ماہ رخ بیگم بھی اپنا ناشتہ لے کر وہاں آ چکی تھیں اور ان کی گفتگو بھی کافی حد تک کچن کی کھلی ہوئی کھڑکی سے سن چکی تھیں۔

"بڑی اماں اب آپ بھی یہ کہیں گی کہ میں فضول بولتی رہتی ہوں۔"

وہ انتہائی صدمے کی کیفیت میں گھر کران سے کہہ رہی تھی جو اس کے اس طرح کرنے پر گڑبڑا گئی تھیں۔

"صاریہ تمہیں دیر ہو رہی ہے تم جاو یونی ورسٹی شاباش۔"

ماہ رخ بیگم کے کہنے پر وہ اپنا بیگ اٹھا کر پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی جبکہ ماہ رخ بیگم عشرت جہاں کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"دیکھا آپ نے ہر بات ہر یہ ایسے ہی بحث کرتی ہے خود کو کہیں بھی غلط نہیں سمجھتی مجھے اس کی سرکش طبعیت سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

ان کے چہرے پر عشرت جہاں کو خوف کے سائے صاف دیکھائی دے رہے تھے۔

"فکر مت کرو وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گی۔"

انہوں نے انہیں حوصلہ دینے کی کوشیش کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

For more visit (exponovels.com)

پہاڑوں پر صبح انتہائی خوبصورت انداز میں طلوع ہوئی تھی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سفید اور پیلے رنگ کا کوئی قالین پہاڑوں کی چوٹیوں کی زینت بنا دیا گیا ہو۔ ہلکی ہلکی دھوپ سردی کی شدت کو کچھ کم کر رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھوں کے پپوٹوں کو کھولا تھا اور اس نے ایک پل میں ہی آنکھیں گھما کر اپنے اردگرد کا جائزہ لیا تھا وہ کسی کیمپ میں تھی جس کے نرم و گداز فام کے گدے پر لحاف اوڑھے وہ پچھلی پوری رات بے خبر سوتی رہی تھی اس نے جوں ہی گردن گھما کر اپنے برابر میں دیکھا تو وہ چونک گئی ایک انتہائی معصوم اور تیکھے نقوشوں اور صاف رنگت والی لڑکی اس کے برابر میں اسی طرح کے نرم و گداز فام کے گدے پر سوئی ہوئی تھی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو خود کے اندر ایک تکلیف کی شدید لہر محسوس کی بے ساختہ اس کے منہ سے سی نکلا تھا۔ کسی کی کراہ کی آواز کے ساتھ مائرہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر اسے اٹھنے میں مدد دی تھی۔

"کیسی ہیں اب آپ؟ میں ڈاکٹر مائرہ ہوں رات میں آپ کا ٹریٹ منٹ میں نے ہی کیا تھا۔"

مائرہ نے خوش اسلوبی سے اس سے حال احوال دریافت کیا تھا۔

"پا۔۔پانی"!

اس نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے پانی مانگا تھا۔

"اوکے ایک منٹ میں ابھی لائی۔"

مائرہ اس سے کہ کر فوری کیمپ سے باہر نکلی تھی۔

باہر جبرئیل شمس کو کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھا۔ وہ قدم قدم چلتی ہوئی اس کے قریب چلی گئی۔

"گڈ مارننگ جبرئیل"!

مائرہ نے اسے مسکرا کر کہا تھا۔

"مارننگ مائرہ اٹھ گئی آپ نیند تو ٹھیک سے آئی نہ آپ کو؟"

جبرئیل نے پریشانی سے اس سے پوچھا تھا۔

"جبرئیل وہ رات والی لڑکی ہوش میں آگئی ہے اور وہ پانی مانگ رہی ہے۔"

مائرہ سیدھا مدعے پر آئی تھی۔

"کیپٹن عبداللہ کیمپ کیچن سے پانی لائیں فوری۔"

اس نے عبداللہ سے کہا اور خود مائرہ کے ساتھ کیمپ کی جانب بڑھ گیا۔ جبرئیل اندر داخل ہوا تو وہ چت لیٹی اوپر کو دیکھ رہی تھی۔ اتنی دیر میں شمس پانی لے کر آچکا تھا۔ جبرئیل نے وہ بوتل مائرہ کی جانب بڑھائی تھی۔ مائرہ نے بوتل لڑکی کو تھمائی تو وہ ایک ہی سانس میں پوری بوتل خالی کر گئی شاہد وہ کافی دیر سے پیاسی تھی۔

پانی پینے کے بعد جب اس کے حواس خاصے بیدار ہوئے تو جبرئیل پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا وہ ایک لمحے میں ہی ڈر کر پیچھے ہوئی تھی اس کی خوبصورت بھوری آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"جسٹ ریلیکس آپ ڈریں نہیں یو آر سیف ناو۔"

جبرئیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے نرمی سے کہا تھا جس پر اس کے تنے ہوئے اعصاب قدرے نارمل ہوئے تھے۔

"اب بتائیں کیا نام ہے آپ کا اور یہاں تک کیسے پہنچیں آپ اور یہ گولی کیسے لگی؟"

اس نے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس سے یہ تمام سوال کیے تھے۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔مجھ۔۔مجھے مار۔۔ماردیں گئے پلیز مجھے بچالیں۔"

اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"کوئی نہیں مارے گا آپ کو یہاں کوئی نہیں آسکتا۔"

مائرہ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر دلاسہ دیا تھا کچھ لمحے رونے کے بعد وہ خاموش ہوگئی تھی۔

تب تک لیفٹیننٹ طلال اس کے لیے ناشتہ لے آیا تھا۔

"آپ پلیز پہلے کچھ کھالیں۔"

مائرہ نے ٹرے اس کے آگے کی تھی۔

"نہ۔۔ نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا پتہ نہیں میری اماں کہاں ہوگئیں ان کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔"
وہ خوف سے دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی۔
"وہ ٹھیک ہوں گی تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ کیسے لگی یہ گولی تمہیں؟"
مائرہ نے جبرئیل کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے اسے خاموش رہنے کا کہا تھا اور خود اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ مائرہ کا لہجہ از حد نرمی سموئے ہوئے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں ماں بیٹی اپنے گھر میں پر سکون ماحول میں بیٹھی ہوئی ایک دوسرے کی دلجوئی میں مصروف تھیں۔
"اماں چائے بنا کر لے کر آتی ہوں دیکھنا تیری درد چٹکیوں میں بھاگ جائے"
وہ فریم ایک طرف رکھ کر سر پر لپیٹا ہوا سکاف صحیح سے باندھ کر اس چھوٹے سے گھر کے ایک طرف بنے چھوٹے سے باورچی خانے میں آئی تھی جہاں ایک ننھی سی الماری رکھی گئی تھی اور ساتھ میں ایک چھوٹا سا فریج تھا جس کا سائز تقریباً ایک روم ریفریجریٹر جتنا ہی تھا۔
اس نے الماری سے چائے کی پتی اور چینی نکال کر نیچے رکھے گئے چولہے کے پاس رکھی اور خود فریج سے دودھ نکالنے لگی۔ دودھ نکال کر وہ باورچی خانے میں رکھی ہوئی پیڑی چولہے کے پاس رکھ کر بیٹھ گئی اور چائے بنانے لگی۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مگن تھی کہ

اردگرد سے بالکل ہی بیگانہ تھی۔ وہ وہاں بیٹھ کر چایے کو ابال آنے کا انتظار کر رہی تھی جب چند سرگوشیوں نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ اس نے نگاہیں اوپر اٹھا کر دیکھا تو کیچن کی کھڑکی سے شام کے گہرے ہوتے سایوں میں اسے چند ہیولے ایک دوسرے سے گفتگو میں مگن دیکھائی دیے۔

اس کی سماعت نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب متوجہ ہوگئی کیونکہ چھوٹی چھوٹی گلیاں ہونے کی وجہ سے ہلکی سی سرگوشیاں بھی باآسانی سنائی دے دیتی تھی۔ اس کے ہاتھ سے ایک دم چائے پھینٹنے والی ڈوئی چھوٹ کر فرش پر گری تھی اور اسی کے ساتھ آوازیں بند ہوگئی تھیں۔

"کون ہے ادھر؟"

ایک بھاری مردانہ آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

وہ ایک دم ابلتی ہوئی چائے چھوڑ کر باہر برآمدے کی جانب بھاگی تھی جہاں اس کی ماں موجود تھی۔ اس کے خوفزدہ اور ہراساں چہرے کو دیکھ کر اس کی ماں کا بھی پریشانی سے برا حال تھا۔ اس نے اپنی ماں کو مختصر کر کے کھڑکی کے پار ہونے والی گفتگو سنائی تھی۔ ابھی وہ بات کر ہی رہی تھی کہ باہر کہیں فائیرنگ کا شور بلند ہوا تھا۔ خوف سے دونوں کا ہی برا حال

For more visit (exponovels.com)

تھا۔

"بھاگ جا زارا ورنہ یہ لوگ تجھے چھوڑیں گئے نہیں تیری عزت اور جان دونوں خطرے میں ہیں بھاگ تو بس جا بھاگ جا۔"

اس کی ماں روتے ہوئے اس سے کہ رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے اماں بھاگ جاوں؟ یہاں سے بھاگ کر کہاں جاوں گی میں میرا کونسا ٹھکانا ہے بتا مجھے؟

وہ روتے ہوئے اپنی ماں سے لپٹ گئی تھی۔ باہر گولیاں چلنے کی آواز تیز ہو چکی تھی۔ اسی کے ساتھ ان کے گھر کا لوہے کا دروازہ بھی دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

"میری بات غور سے سن تو پچھلے دروازے سے بھاگ جا باڈر کی طرف بھاگی فائیرنگ کے باعث باڈر پر کافی بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہوگی یہاں کے فوجیوں کی نظروں سے کسی طرح بھی بچ کر تو باڈر کی چھوٹی دیوار پھلانگ لینا بس وہاں پاک آرمی کے جوان ہونگے تیری مدد کے لیے جا اب تو۔"

انھوں نے اسے پچھلے دروازے کی جانب دھکا دیا تھا کیونکہ لوہے کے دروازے کا لاک کوئی توڑ چکا تھا اور اب قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔

"میں تجھے چھوڑ کر کیسے جاوں نہیں میں نہیں جا رہی ہوں۔"

وہ ضد پر آڑ گئی تھی۔

"زارا تجھے میری قسم ہے بھاگ جا یہاں سے۔"

اس کی ماں خود اٹھ کر اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ وہ دروازے کے باہر تھی اس کی ماں کو کسی نے پیچھے سے پکڑا تھا۔ زارا کے اندر جتنی بھی ہمت تھی اس نے ساری صرف کر دی تھی اور وہ بھاگی تھی۔ فضا گولیوں کی تھڑ تھڑاہٹ سے گونج رہی تھی اور وہ آندھا دھند بھاگ رہی تھی اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اچانک ایک گوکی زارا کے بازو میں لگی تھی اور اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اس کا پورا گوشت جلا ڈالا ہو شدید چھبن کا احساس اس کے سارے جسم کو تکلیف میں بتلا کر رہا تھا لیکن اس کے اندر اس کی ماں کے کہے گئے جملے مسلسل گردش کر رہے تھے۔

"تیری عزت اور جان دونوں خطرے میں ہیں۔"

اس نے ایک ہاتھ سے بازو کا زخم دبایا تھا تکلیف کی لہر اس کے پورے جسم کو نڈھال کر رہی تھی اس کے سر کا سکاف آدھا اتر گیا تھا وہ دو بار گرئی تھی اور اٹھ کر پھر چلی تھی اسے صرف اپنی منزل نظر آ رہی تھی اس کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے اسے صرف یہ نظر آ رہا تھا کہ سامنے ایک آفیسر کھڑا ہے۔ اس کی آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھیں اور وہ ایک

دم کسی کے مضبوط اور توانا بازوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چاروں طرف اندھیرا تھا۔ بڑی بڑی کھڑکیوں کے آگے بھاری مخملی پردے برابر کر رکھے تھے۔ کمرے کی بتی بند تھی اس لیے روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کمرے میں بیش قیمتی فرنیچر رکھا گیا تھا۔ بڑا سا کنگ سائز بیڈ خوبصورت مخملی صوفے اور ایک راکنگ چئیر۔ وہ اس لمبے کمرے میں تنہا نہیں تھی اس کے پاس دو لوگ بڑے ہی مودب انداز میں کھڑے تھے۔ خود وہ راکنگ چئیر پر ہاتھوں میں سگریٹ سلگائے جھول رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ شاہدان دو لوگوں کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے بھی نظرانداز کر رہی تھی۔

"ایس۔ کے"!

اسے اپنے قریب سے ایک مردانہ سرگوشی سنائی دی تھی۔ اس نے اپنی سرخ ہوتی ہوئی آنکھیں کھول کر آواز کے تعاقب میں دیکھا تھا۔

"ہمارے لیے کیا حکم؟"

ان میں سے ایک نے عاجزانہ لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے وہ لڑکی چاہئیے ہر قیمت پر پاتال سے بھی ڈھونڈنا پڑے تو نکالو اسے ورنہ بھول جاو کے تم لوگوں کے اس دنیا میں مزید دن بچے ہیں۔"

اس نے فضا میں دھوے کا مرغولہ چھوڑا تھا اور آنکھیں واپس بند کر کے جھولنے لگی تھی جیسے ساری بات ختم کر دی ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بات کر کے رک گئی تھی۔ وہاں سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔ اس کی آنکھیں آنسو مسلسل برسا رہی تھیں۔

"کیا بات کر رہے تھے وہ دونوں؟"

سوال جبرئیل کی جانب سے پوچھا گیا تھا۔ بدلے میں وہ بالکل خاموش تھی اور اس کی یہی خاموشی وہاں بیٹھے نفوس کے تجسس میں اضافہ کر رہی تھی۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ ایسی کون سی بات ہے جسے جان لینے کے بعد وہ لوگ زارا نور کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریخی پشاور میں اپنے پر پوری طرح سے پھیلا چکی تھی۔ ایسے میں وہ دونوں ٹریننگ کر کے تھک گئے تھے ان کی ٹریننگ ختم ہوئی تو وہ دونوں گھر کے لیے نکلے تھے۔

"کیا خیال ہے رون ایک کپ کافی ہو جائے؟"

سبتین نے آرون کو کافی پینے کے لیے پوچھا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"اوکے ایزیو وانٹ۔"

رون نے آنکھ دبا کر کہا اور کافی شاپ کی طرف جیپ موڑلی۔ کافی شاپ میں پہنچ کر وہ دونوں اپنے ہمشہ سے مقرر کردہ میز پر آ گئے اور چابیاں میز پر رکھ کر ریلیکس انداز میں بیٹھ گئے۔ دو کپ کافی کا آڈر دینے کے بعد سبتین آرون کی جانب متوجہ ہوا جو اپنے موبائل میں کچھ دیکھنے میں محو تھا۔

"آرون! آج پتہ نہیں مجھے بابا اتنے یاد کیوں آرہے ہیں۔"

سبتین نے افسردہ سی صورت بنا کر کہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے سبتے کہ بابا اور چاچو کی شہادت کیسے ہوئی تھی؟"

آرون نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"امی کہتی ہیں کہ کسی کیس کے خلاف لڑتے ہوئے ان کی شہادت ہوئی تھی۔

سبتین نے بہت عرصہ پہلے ماہ رخ بیگم سے سنی ہوئی بات آرون کو بتائی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کچھ کہ کس قسم کا کیس تھا؟"

آرون کی جاسوسی طبعیت امڈ کے باہر آئی تھی اس نے آنکھیں چھوٹی کیے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے سبتین سے پوچھا تھا۔

"مجھے کیا پتہ ہو یار میں تو تجھ سے بھی چھوٹا ہوں۔"

سبتین نے منہ بنا کر اپنے تین مہینے چھوٹے ہونے کی دھائی دی تھی۔

"میں پتہ کر کے ہی رہو گا کہ آخر یہ کونسا کیس تھا جس کی وجہ سے شہید ہی ہو گئے۔"

آرون کے لہجے میں سبتین کو ایک عزم نظر آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جبرئیل کے سوال پر زارا مزید سہم گئی تھی۔ جبرئیل نے اس کا سہمنا بغور دیکھا تھا مگر اس لمحے اسے صرف ہوش سے کام لینا تھا جوش سے کام اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔

"پلیز زارا کچھ بولیں آپ کی خاموشی پورے ملک کے لیے خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔"

اب کی بار تو جبرئیل خاصہ جھنجھلا گیا تھا۔

"دیکھو زارا تمہیں نہیں معلوم کہ ان دو آدمیوں نے تمہاری ماں کے ساتھ کیا کیا ہے یہ تم صرف اسی صورت پتہ لگا سکتی ہو جب تم ہماری مدد کرو اور ہمیں بتاؤ کہ تم کی نے اپنی کیچن کھڑکی سے کیا سنا تھا۔ وہ دو لوگ کیا بات کر رہے تھے آپس میں؟"

مائرہ نے انتہائی تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

زارا کی ماں کا چہرہ اس کے سامنے ایک پل کو لہرایا تھا اور پھر شاید وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی۔

"وہ لوگ بہت سی لڑکیوں کو کہیں رکھنے کی بات کر رہے تھے اور اس کے علاوہ کسی

سسٹم کی بھی جو شاہد پاکستان کا کوئی سیکیورٹی سسٹم ہے۔"
وہ دماغ پر زور ڈالتے ہوئے یاد کرتے ہوئے انہیں بتا رہی تھی۔
"اور؟ اور کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ؟"
جبرئیل نے بے تابی سے پوچھا تھا۔
"اور وہ کسی عورت کو بتانے کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ اسے رپوٹ دینی ہے۔"
زارا نے ان کے آخری کہے ہوئے الفاظ بھی وہاں موجود نفوس کے گوش گزار کیے تھے۔
"معلومات ادھوری ہے مگر کوئی بات نہیں کبھی کبھی ادھوری چیزیں ہی مکمل خاکہ پیش کرتی ہیں۔"
جبرئیل نے اٹھتے ہوئے کہا تھا اور اپنے بجتے ہوئے وائیرلیس کو آن کرتے ہوئے کیمپ سے باہر آگیا تھا جہاں اب بھرپور سردی کے ساتھ دھوپ نے بھی ہر طرف اپنے پر پھیلا لیے تھے۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
پھولوں کے شہر پشاور میں بھی ہر طرف سردی کا راج تھا۔ لاونج میں موجود واحد آتش دان روز کی طرح دہک رہا تھا اور عشرت جہاں اور ماہ رخ بیگم دونوں ہی اس کے قریب صوفوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بھابھی ایک بات بتانی تھی آپ کو؟"

ماہ رخ بیگم نے زندگی میں پہلی بار عشرت جہاں کے آگے تمہید باندھی تھی۔ جس پر عشرت جہاں نے غور سے انہیں دیکھا تھا۔

"سب خیر تو ہے نہ ماہ رخ آج سے پہلے کبھی تم نے اس طرح تمہید نہیں باندھی جو کہنا ہوتا ہے تم بلا جھجھک کہہ دیتی ہو۔"

عشرت جہاں نے پریشانی سے کہا تھا۔

"وہ بھابھی صاریہ کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔"

انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر انہیں پوری بات بتائی تھی۔

"رشتہ!کب اور کس کا؟ تم اچھے سے جانتی ہو ماہ رخ کہ وہ جبرئیل۔۔ میرا مطلب"!

وہ چاہ کر بھی جملہ مکمل نہیں کر پائیں تھیں۔

"جس طرح بھابھی آپ نے یہ جملہ ادھورا چھوڑا ہے نہ اسی طرح جبرئیل نے صاریہ کی شخصیت بھی ادھوری کر دی ہے۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سامنے گلہ کر گئی تھیں۔

"ماہ رخ بیگم کی بات سن کر عشرت جہاں کو منوں شرمندگی نے گھیرا تھا۔

"لیکن ماہ رخ صاریہ کبھی نہیں مانے گی وہ تو جبرئیل سے محبت کرتی ہے۔"

عشرت جہاں نے ان سے کہا تھا۔
"لیکن جبرئیل اس سے محبت نہیں کرتا ہے بھابھی ایک ان چاہے رشتے کا بوجھ میں دونوں ہی بچوں پر نہیں لادنا چاہتی کیوں کہ جبرئیل بھی مجھے اپنی اولاد کی طرح ہی عزیز ہے۔"
ماہ رخ بیگم کے لہجے سے جبرئیل کے لیے محبت ہی محبت ٹپک رہی تھی۔
"لیکن میں کسی اور سے شادی ہرگز نہیں کروگی۔ میری یہ بات آپ دونوں اچھے سے سن لیں اور جبرئیل کو بھی سمجھادیں تو بہتر ہے۔"
ان دونوں نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا تو صاریہ خون خوار تیور لیے اپنی ماں اور تائی کو گھور رہی تھی وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ چور ہوئی تھیں۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
وہ ایک وسیع و عریض بنگلے کا منظر تھا جہاں سڑک پر اس کی حدود شروع ہوتے ہی سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی باڑ لگائی گئی تھی باہر بے شمار گاڈز کھڑے تھے۔ بنگلے کے اندر باڑ کو پار کر کے ایک وسیع و عریض روش شروع ہوتی تھی جس کے دونوں جانب پودے لگا کر ایک راہداری کی شکل دی گئی تھی راہداری عبور کر کے ایک بہت بڑا صدر دروازہ تھا جو خوبصورت اور مضبوط لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی ایک اور

راہداری تھی جسے عبور کر کے ایک وسیع و عریض لاونج تھا جس کی تینوں دیواروں پر بڑی بڑی قدیمی طرز کی کھڑکیاں بنائی گئی تھیں جن کے آگے بھاری مخملی پردے کیے گئے تھے لاونج کے وسط میں نرم و ملائم ایرانی قالین بچھایا گیا جو کہ پردوں کا ہی ہم رنگ تھا۔ ویلوٹ کی پوشیش سے سجے صوفے اس قیمیتی اور پر آسائش لاونج کو اور بھی خوبصورت بنا رہے تھے۔ لاونج کے سامنے سے ایک گول دائرے کی صورت میں سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں جو کہ چوڑائی میں بنائی گئی تھیں اور انہیں بھی سرخ مخملی قالین سے سجایا گیا تھا۔ لاونج کے صوفے پر صمن بیگم انتہائی مختصر بلوز کے ساتھ شیفون کی ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی پہنے اپنے ڈائی شولڈر کٹ بال نفاست سے کھولے اپنی مخروطی انگلیاں اپنے سامنے کیے ان کے لمبے اور خوبصورت ناخن تراش رہی تھیں۔ ایک ایک ناخن تراشنے کے بعد وہ اس پر پھونک بھی مار رہی تھیں شاہد تراشیدہ گرد کو ہٹانا چاہتی تھیں وہ اپنے کام میں مگن تھیں جب سیڑھیوں سے اکیس بائیس سالہ خوبصورت سی صاف رنگت اور نارمل نقوش کی مالک لڑکی بلو جینز کے اوپر خوبصورت اور سٹائلش سا مہرون ٹاپ پہنے بالوں کو اونچی پونی میں قید کیے فون کان سے لگائے وہ شاہد کوئی کال سن رہی تھی اترتی ہوئی نیچے آئی تھی اور صوفے پر ان کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ اس نے تسلی سے اپنی کال ختم کی تھی اور پھر صمن بیگم کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"مام! نیڈ سم منی؟"

وہ خالصتن بیرٹش لہجے میں ان سے مخاطب تھی۔

صمن بیگم نے سر اٹھا کر اور کچھ چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"بٹ ہنی وائے یو نیڈ منی ریسنٹلی آئی گیو یو۔"

صمن بیگم حیران ہوتی ہوئی کہہ رہی تھیں۔

"مام پلیز میرے ساتھ انویسٹی گیشن مت کریں اور پیسے دیں مجھے اپنے فرینڈز کے ساتھ گوا جانا ہے۔"

اس نے کچھ برہمی سے ان سے کہا تھا۔ انہوں نے قریب رکھے ہوئے اپنے پرس میں سے اچھی خاصی رقم نکال کر اس کے حوالے کی تھی۔

"علینہ ہنی! جانے سے پہلے اپنے ڈیڈ سے پرمیشن لے کر جانا ورنہ پھر وہ مجھ پر غصہ ہونگے کہ میں نے تمہیں بغیر کسی انویسٹی گیشن کے جانے دیا ہے۔"

انہوں نے اپنے شوہر کے ڈر سے اپنی بیٹی سے کہا تھا۔

"شیور۔"

وہ کہہ کر ان کا گال ہلکا سا چومتی ہوئی باہر نکل گئی۔ یہ ممبئی کے پوش علاقے میں واقع ایک خوبصورت اور وسیع بنگلہ تھا جو کمال ولا کہلاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مارننگ سر"!

اس نے وائیرلیس کا سپیکر ان کرتے ہوئے اپنے لہجے کو حتی المکان سنجیدہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

"مارننگ جبرئیل! کیسے ہو؟"

سپیکر سے کرنل خاور کی تروتازہ آواز ابھری تھی۔

"فائن سر"!

اس نے پھر سے دو حرفی جواب دیا تھا وہ اس لمحے بالکل اپنے پروفیشنل لہجے میں گفتگو کر رہا تھا جس میں ہلکی سی بھی لچک نہیں پائی جاتی تھی۔

"لسن جبرئیل"!

دوسری جانب سے کرنل خاور کی سنجیدہ مگر تروتازہ آواز ایک بار پھر سے ابھری تھی۔

"یس سر"!

اس نے تابعداری سے انہیں جواب دیا تھا اس کی تمام تر سماعت کرنل خاور کے اگلے حکم کی منتظر تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر میں کرنل احسن یہاں پہنچنے والے ہیں میں نے ان کی ٹرانسفر یہاں کشمیر

میں کر دی ہے آئی تھینک یو نیڈ سم ون فار ہیلپ۔ "

انہوں نے اس کا خیال کرتے ہوئے کہا تھا۔

"او کے سر بٹ آپ کب تک آئیں گئے؟ "

جبرئیل نے کرنل خاور کی بات سن کر بے چینی سے ان کے آنے کی بابد پوچھا تھا۔

"ریلیکس ینگ مین آئی ریچیڈ ڈیئر ٹونائیٹ۔ "

انہوں نے ہلکا سا مسکرا کر کہا تھا۔

"او کے سر آئی ول ویٹ فار یو ڈیئر از لوٹ اف انفاریمشن فار یو۔ "

جبرئیل کے لہجے کی بے چینی دوسری جانب کرنل خاور کو بھی کھٹک سی رہی تھی اس لیے انہوں نے اس سے رات آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا تھا مگر ان کی پیشانی پر اس لمحے لاتعداد لکیروں کا جال تھا کیوں کہ وہ ہر ایک بات ایک مختلف پہلو سے سوچ رہے تھے۔

وہ وائیرلیس بند کر کے پیچھے پلٹا تو کیپٹن شمس مودب بن کر کھڑا تھا۔

"یس کیپٹن واٹ از رونگ؟ "

اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ایک آبرو اچکا کر سوالیہ نگاہوں سے شمس کی جانب دیکھا تھا۔

"کرنل احسن از ریچیڈ سر"!

اس نے ہاتھ پیچھے کو باندھ کر مودب بن کر کہا تھا۔

"اوکے لیٹس گو عبداللہ اور طلال کو بھی کہہ دو۔"

اسے کہ کر وہ خود کیمپوں والی جگہ سے ڈھلوان اترتا ہوا نیچے آیا تھا جہاں کرنل احسن اپنی جیپ پارک کررہے تھے۔

"سر"!

اس نے مودب بن کر اور الرٹ ہو کر کرنل احسن کو سیلوٹ کیا تھا۔ جس پر انہوں نے مسکرا کر سر خم کرنے کے بعد آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔

"کیسے ہو ینگ مین؟"

کرنل احسن نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا تھا جس پر جبرئیل بھی قہقہ لگا کر ہنسا تھا۔

"سر پلیز ڈونٹ کاپی کرنل خاور۔"

جبرئیل نے مشکل سے اپنی مسکراہٹ روک کر کہا تھا۔

"ہاہا کیوں بھئی ہم تمہیں ینگ مین نہیں کہہ سکتے کیا؟"

کرنل احسن خاصے اچھے موڈ میں اس سے مخاطب تھے۔

"کیوں نہیں سر پر آپ کو نہیں لگتا جب ایک اچھا خاصہ ہینڈسم اور ینگ مین اپنے جیسے دوسرے ہینڈسم اور ینگ مین کو ینگ مین کہے تو کچھ عجیب سا لگتا ہے؟"

اس نے مسکرا کر ان سے سوال کیا تھا وہ دونوں اب آہستہ آہستہ ڈھلوان چڑھ کر اوپر کی جانب آ رہے تھے جہاں پر آرمی کیمپ لگے ہوئے تھے۔

"ہاہا ویسے جبرئیل ماننا پڑے گا بھئی تم ہو بہت ہی ذہین۔"

کرنل احسن نے کھلے دل سے جبرئیل کی ذہانت کو سراہا تھا۔

"تھینک یو سو مچ سر! اور یہ بھی ماننا ہی پڑے گا کہ آپ مجھ سے بھی زیادہ ذہین ہیں تب ہی تو اتنی کم عمر میں آپ کا رینک کرنل کا ہے۔"

جبرئیل ہمشہ سے ہی احسن سے حد درجہ متاثر تھا اور وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی کم عمر میں اپنی قابلیت اور ذہانت کے بل بوتے پر ترقی کر کے آج کرنل کے عہدے پر تھا ورنہ عمر میں وہ جبرئیل، طراب اور اسامہ وغیرہ سے تھوڑا ہی بڑا تھا۔

"او بہت شکریہ۔"

احسن نے کھلے دل سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"پھر کیا خیال ہے سر؟"

جبرئیل انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوا تھا جس پر کرنل احسن چونکے تھے اور اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے بھی دیکھ رہے تھے۔

"شادی کے بارے میں سر اور کس بارے میں۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"ہاہا یار تم اس لمحے بالکل مجھے بی جان لگے ہو۔"

احسن کی مسکراہٹ کافی گہری تھی۔

"تو سر اپنی بی جان کی بات مان کیوں نہیں لیتے ہیں آپ؟"

جبرئیل نے پھر سے اس سے وہی بات کی تھی۔

"آہ سوچتے ہیں اس بارے میں بھی اب کچھ۔"

احسن نے مسکراہٹ دبا کر کہا تھا۔ وہ دونوں اب کیمپوں والی جگہ پر پہنچ چکے تھے۔ سامنے سے ڈاکٹر مائرہ زارا کے کیمپ سے نکلتی ہوئی دیکھائی دی تھیں۔

"مارننگ سر"!

اس نے بھی مودب بن کر اسے سلام کیا تھا۔ احسن مائرہ کو دیکھ کر قدرے حیران ہوا تھا کیونکہ وہ زارا کی موجودگی سے بالکل بھی واقف نہیں تھا۔

"مارننگ ڈاکٹر مائرہ آپ یہاں اس وقت؟"

احسن نے قدرے حیرانگی سے کہا تھا۔

مائرہ نے جبرئیل کی طرف دیکھا تھا اور پھر کرنل احسن کی جانب۔

"وہ اصل میں سر ایک مسئلہ ہو گیا ہے "

جبرئیل نے پریشانی سے کہا تھا۔

"کیسا مسئلہ میجر جبرئیل؟"

احسن نے حیرانگی اور نا سمجھی کی ملی جلی کیفیت میں جبرئیل سے پوچھا تھا۔ جواب میں جبرئیل نے گزشتہ رات کا سارا واقعہ کرنل احسن کے گوش گزار کیا تھا۔ ساری بات سننے کے بعد کرنل احسن بھی کافی پریشان ہوئے تھے۔

"او مائی گاڈ جبرئیل اٹس آ ہیوج نیوز۔"

وہ پریشانی اور جوش میں جبرئیل سے بولے تھے۔

"یس سر بٹ اٹس آ بیگننگ اف آوری بیگ کیس۔"

جبرئیل نے اپنی سمجھ کے مطابق اس سے کہا تھا جس پر احسن بھی اس سے متفق نظر آرہا تھا۔ مائرہ ابھی بھی ادھر ہی کھڑی تھی۔

"مگر سر اس سب سے پہلے اس لڑکی کی سیکیورٹی کی ضرورت ہے ورنہ جیسے وہ لوگ زارا کے پیچھے بھاگے تھے اس سے تو یہی لگتا ہے کہ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ زارا ان کے بارے میں کچھ ایسا جان گئی ہے جو ان لوگوں کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔"

مائرہ نے انتہائی مناسب وقت پر بہت ہی اچھی بات کی تھی جس سے کرنل احسن اور جبرئیل دونوں ہی متفق نظر آرہے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

"پر کرنل خاور کے آنے تک ہم کوئی سٹیپ نہیں لے سکتے۔"
جبرئیل نے اپنی شہادت کی انگلی اپنے دانتوں تلے کاٹی تھی۔ جب وہ پریشان ہوتا تھا تو ضرور اپنی شہادت کی انگلی اپنے دانت تلے کاٹتا تھا۔
"ہوں پر پہلے مجھے اس سے ملنا ہوگا پھر شام تک فائینل ڈسین تو کرنل خاور کا ہی ہوگا۔"
احسن کہتے ہوئے اپنے کیمپ کی جانب بڑھ گئے تھے جبکہ جبرئیل ان کے پیچھے گیا تھا مائرہ پہلے ہی زارا کے کیمپ کی جانب چلی گئی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پھولوں کے شہر پشاور میں شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے موسم آج اپنی رنگینیاں دیکھانے کے درپے تھا۔ شام کے گہرے سایوں کے ساتھ ہی پورے آسمان پر کالے بادلوں کا راج تھا وہ دونوں شام میں چائے کے مگ لے کر لان میں رکھی پلاسٹک کی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں ساتھ میں ہلکی پھلکی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری تھا۔
"آنیہ جبرئیل بھائی کب آرہے ہیں؟"
زیبا نے اپنے مگ میں سے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے آنیہ سے پوچھا تھا۔
"معلوم نہیں بھائی کا کچھ پتہ نہیں چلتا زیبی۔"

آنیہ نے پلیٹ میں سے چند کاجو اٹھا کر منہ میں رکھے تھے اور کندھے اچکا کر لاتعلقی کا اظہار کیا تھا۔

"کیوں ہماری موجودگی سے آپ ڈیپریشن کا شکار ہو جاتی ہیں جو جبرئیل بھائی کی آمد سے آپ کو فریشنس محسوس ہوتی ہے؟"

وہ چہرے پر بشاش مسکراہٹ سجائے پولیس کی وردی میں بال پیچھے کو سلیقے سے سیٹ کیے ایک پاوں میز پر رکھے زیبا کی جانب جھک کر پوچھ رہا تھا اس کے اس انداز پر زیبا تو زیبا آنیہ بھی ہک دک رہ گئی تھی۔

"رون حوصلہ کرو ذرا اور پیچھے ہو کر بات کرو تم۔"

زیبا نے اپنی کرسی زرا پیچھے سرکاتے ہوئے گھور کر اس سے کہا تھا۔

"کیوں پیچھے ہو کر بات کروں جو پوچھا ہے اس کا جواب دو نہ؟"

آرون کے تو آج رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے۔ اس کے انداز پر زیبا کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ آرون بڑی ہی دلچسپی سے اس کے چہرے کی سرخی اور ماتھے پر چمکتی ننھی پسینے کی بوندیں دیکھ رہا تھا ضبط سے اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"تمہاری ایسی حرکتوں سے نہ مجھے ڈیپریشن ہی ہو سکتا ہے کون کہے گا کہ اتنے ہینڈسم پولیس

والے کے پیچھے کس قدر کا چھچھورا مرد چھپا ہوا ہے۔"

اس نے اچھا خاصہ منہ بنا کر کہا تھا جس پر جیپ پارک کر کے آتے سبتین اور کا جو کھاتی آنیہ دونوں کا ہی قہقہ بلند ہوا تھا۔ جبکہ میز پر ایک پاؤں رکھ کر کھڑے آرون کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی لیکن زیبا اپنا ہی جملہ کہہ کر خاصی شرمندہ دیکھائی دے رہی تھ

"یہ اتنے ٹھٹے کس چکر میں لگ رہے ہیں؟"

صاریہ نے روش پر کھڑے ہو کر ان سب کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی آواز پر سب اپنی اپنی جگہ خاموش ہوئے تھے۔

"کیوں آپا ہمارے ٹھٹھوں سے تمہیں کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

سبتین نے جیپ کی چابی میز پر رکھتے ہوئے ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"میری بلا سے جو مرضی کرو میرا کیا جا رہا ہے۔"

اس نے نخوت سے منہ بنایا تھا اور واپس اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

داور کمال مخملی صوفے پر ٹانگ پے ٹانگ چڑھا کر انگلیوں میں سگار دبائے گہرے کش لیتے بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے دیوار گیر ایل۔ ای۔ ڈی ان تھی جس کی آواز بند تھی مگر کشمیر میں ہونے والے دنگا فساد کے مناظر صاف دیکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے انگلیوں میں

دبے ہوئے سگار سے گہرا کش لیا تھا اور پھر دھویں کا ایک بھاری مرغولہ فضا میں چھوڑا تھا ان کے چہرے پر استزایہ مسکراہٹ تھی۔
صمن بیگم نک سک سے تیار حسب معمول مختصر بلوز کے اوپر سیاہ سلک کی ساڑھی زیب تن کیے اپنے ڈائی شولڈر کٹ بال کھولے ٹک ٹک کرتی ہوئیں ان کے برابر میں آ بیٹھی تھیں۔
"علینہ کدھر ہے صمن ؟"
انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سگار سامنے میز پر رکھے ایسٹرے میں بجھا کر پوچھا تھا۔ صمن بیگم پہلے تو حیرت میں ڈوبی تھیں اور پھر جب بات سمجھ آئی تو انہیں ہمشہ کی طرح آلینہ پر غصہ آ رہا تھا جو ایسے ہی بغیر بتائے چلی جاتی تھی۔
"آپ کو پھر سے وہ بتا کر نہیں گئی میں تو تنگ آ گئی ہو ہمشہ کہتی ہے ڈیڈ کو بتا کر جاوں گئی اور پھر سے وہی کام کرتی ہے۔"
وہ ہاتھ سے اپنے بالوں کی لٹ میں انگلیاں چلاتی ہوئی نخوت سے کہہ رہی تھیں۔
"کیا مطلب ہے تمہارا کہ وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر سیر سپاٹے کو نکل گئی ہے؟"
وہ ان کی جانب سوال کرتے ہوئے خاصے غصے میں دیکھائی دے رہے تھے. جس پر صمن

بیگم ہمشہ کی طرح پہلے تو سہم گئ تھیں لیکن پھر کچھ ہی دیر میں نارمل ہو گئ تھیں۔

"میرے کہنے میں نہیں ہے آپ کی اولاد پہلے خود ہی آزادی دیتے ہیں اور پھر خود ہی روکتے ہیں۔"

صمن بیگم منہ بناتے ہوئے بولیں تھیں۔

"تم اچھے سے جانتی ہو صمن کہ میں کیوں روک ٹوک کرتا ہوں تمہاری یہ بیٹی بہت لاپرواہ ہے۔"

انہوں نے ایک اور سگار سلگا کر کہا تھا۔

"ہاں جانتی ہوں آپ نے ہماری زندگی کتنی مشکل بنائی ہوئی ہے اور میری بیٹی تو آپ ایسے کہہ رہے ہیں جیسے میں پیچھے جہیز میں لے کر آئی تھی۔"

صمن بیگم نے بال جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں جہیز کے نام پر تو تم ایک تنکا نہیں لے کر آئی تھی۔"

ان کا طنز بھرا انداز صمن بیگم کو بہت کچھ باور کرانے کے لیے کافی تھا وہ ایک جھٹکے سے ان کے برابر سے اٹھی تھیں اور ٹک ٹک کرتی ہوئی واک اوٹ کر گئ تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر مائرہ زارا کے ساتھ رات سے کیمپ میں ہی موجود تھیں اور ابھی بھی وہ زارا کے قریب

بیٹھی ہوئی تھیں۔

"سوزارا کیا کرتی ہو تم؟"

مائرہ اسے قدرے ریلیکس کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"میں سیکنڈ ائیر کے پیپر دے کر فری ہوئی تھی۔"

زارا نے کچھ جھجکتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا تھا جب کرنل احسن اور جبرئیل جھک کر کیمپ کے اندر داخل ہوئے تھے۔

"کیسی ہیں زارا آپ؟"

جبرئیل نے مسکرا کر اس سے حال پوچھا تھا جب کہ زارا نے غور سے اب جبرئیل کو دیکھا تھا اس کی سرخ ہوتی آنکھیں کتنی راتوں سے نہ سونے کی روداد با خوبی سنا رہی تھیں۔ بے ساختہ زارا کو احساس ہوا تھا کہ یہ لوگ جاگتے ہیں تو اندر ہم لوگ سکون کی نیند سو پاتے ہیں جیسے وہ گزشتہ رات سکون سے بغیر کسی خوف کے سوئی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ باہر یہ سب لوگ جاگ کر اپنا کام کر رہے ہیں۔

"زارا! آر یو اوکے؟"

اس نے ایک بار پھر سے پوچھا تھا اس بار لہجے میں تشویش اور فکر واضح تھی۔

"جہ۔۔ جی میں ٹھیک ہوں۔"

اس نے انگلیاں مڑوڑتے ہوئے کہا تھا۔

"اوکے گڈ زارا یہ کرنل احسن ہیں یہ آپ سے کچھ سوال پوچھیں گئے۔"

اس نے اسے ریلیکس کرتے ہوئے بتایا تھا۔

"مجھ۔۔مجھے کسی سوال کا جواب نہیں دینا ہے۔"

وہ کافی زیادہ ڈری ہوئی لگ رہی تھی کرنل احسن اور جبرئیل دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

"دیکھیں زارا ریلیکس آپ بالکل محفوظ ہیں میرا یقین کریں یہاں کوئی آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتا میرے ہوتے کوئی نہیں آئے گا یہاں پلیز تھوڑا کاپریٹ کریں۔"

جبرئیل نے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

"سر آپ پوچھیں جو بھی آپ کو پوچھنا ہے؟"

اس نے کرنل احسن سے کہا تو انہوں نے سر ہلایا اور گہرا سانس بھر کر اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"زارا! جب آپ نے اپنے کچن کی کھڑکی سے وہ ساری گفتگو سنی تھی تو اس وقت آپ کو کتنے آدمیوں کا گمان ہوا تھا؟"

کرنل احسن انتہائی زیرک نگاہوں سے اس کا مشاہدہ کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"سر۔۔سر دو آدمی تھے۔"

زارا نے کچھ اٹکتے ہوئے ان سے کہا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر موجود خوف اور پسینے کے قطرے واضح دیکھ سکتے تھے۔

"اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ ان کی گفتگو میں زیادہ زور کس بات پر دیا جا رہا تھا میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسی بات جس کے بارے میں بات کرتے ہوئے آپ کو لگا ہو کہ وہ تھوڑے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔"

وہ اس لمحے انتہائی پروفیشنل انداز میں اس سے سوالات کر رہے تھے جس پر زارا قدرے پرسوچ دیکھائی دے رہی تھی۔

"سر دو باتیں مجھے ایسی لگی تھیں جن پر وہ زیادہ بات کر رہے تھے اور اس بارے میں بات کرتے ہوئے مجھے ان کے لہجے میں تھوڑا خوف بھی محسوس ہوا تھا۔

"کون سی دو باتیں تھیں وہ؟"

احسن نے اپنی تھوڑی پر ہاتھ جما کر بے تابی سے پوچھا تھا۔

"سر ایک تو کسی سیکیورٹی سسٹم میں گھسنے کے لیے پاسورڈ کا کوئی مسئلہ تھا اور جو دوسری اور اہم بات تھی وہ یہ تھی کہ انہیں اس سب کے بعد کسی عورت کو پوری رپوٹ دینی تھی جو شاہد بہت خطرناک تھی انہیں اپنی جانیں جانے کا خطرہ تھا۔"

کچھ ہی لمحوں میں زارا کے اندر کا اعتماد کافی حد تک بحال ہو چکا تھا اور وہ پہلے والی زارا بن گئی تھی۔

"جبرئیل! میرے ساتھ آو زرا۔"

انہوں نے سنجیدگی سے جبرئیل سے کہا اور خود باہر نکل گئے۔ باہر نکل کر وہ انتہائی پرسوچ دیکھائی دے رہے تھے۔

"سیکورٹی سسٹم کونسا ہو سکتا ہے جس کے پاسورڈ سے وہ گھسنا چاہتے تھے۔"

احسن پرسوچ دیکھائی دے رہا تھا اور یہی حال جبرئیل کا بھی تھا۔

"سر کہیں پنڈی والا سسٹم تو نہیں جس پر پورے ملک کی سیکیورٹی ڈیپینڈ کرتی ہے؟"

جبرئیل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا جب کہ احسن اس کی بات پر بے حد فکرمند نظر آرہا تھا۔

"سر مجھے لگتا ہے کوئی بہت ہی بڑی سازش رچائی جا رہی ہے کوئی بہت بڑی پلیننگ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے یہ جو خاموشی ہے نہ کسی طوفان کے آنے کی خبر دے رہی ہے۔"

جبرئیل پریشانی سے کہہ رہا تھا جب کہ احسن اس کی باتوں کے جواب میں خاموش تھا۔

"جبرئیل! ایسا کرو تم اب اپنے گھر جاو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم مسلسل کافی راتوں سے جاگ رہے ہو اگر فریش نہ ہوئے تو کام کرنا مشکل ہو گا اس لیے ابھی تم ریسٹ کر لو تھوڑا جیسے ہی

کرنل خاور یونٹ پہنچے گئے میں تمہیں رپوٹ کروں گا۔"

کرنل احسن نے نرمی سے اسے آرام کرنے کے لیے کہا تھا کیونکہ انہیں اس کی حالت واقعی ہی بہت غیر لگی تھی اس لیے انہوں نے اسے گھر جانے کو کہا تھا۔

"لیکن سر وہ زارا؟"

اس نے کچھ جھجھکتے ہوئے زارا کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ڈونٹ وری میں ابھی کچھ ہی دیر میں زارا کو ڈاکٹر مائرہ کے فلیٹ میں ان کے ساتھ بھجوا دونگا جب تک ان کے رہنے کا کوئی پراپر انتظام نہیں ہوجاتا۔"

احسن نے پرسوچ انداز اپنا کر کہا تھا۔

"ٹھیک ہے تھینک یو سر میں چلتا ہوں۔"

وہ ان کا شکریہ ادا کرکے سیلوٹ مار کر ڈھلوان سے نیچے اتر آیا تھا جہاں اس کی جیپ کھڑی تھی اس نے اپنی کیپ ڈیش بورڈ پر رکھی اور آنکھوں پر اپنے سیاہ شیڈز لگا کر جیپ سٹارٹ کی اور آہستہ سے چڑھائی اترنے لگا۔ آج کشمیر میں سردی کے ساتھ دھوپ کا عنصر بھی شامل تھا۔ اس کی ہلکے سبز رنگ کی جیپ جو کہ خالصتن فوج کی تھی کشمیر کے خوبصورت راستوں سے گزر رہی تھی۔ ایک جانب پہاڑ تھے اور دوسری جانب گہری گہری کھایاں لیکن وہ انتہائی مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

اس نے ایک جھٹکے سے جیپ ایک لکڑی کے گھر کے سامنے پارک کی تھی وہ گھرا نتہائی خوبصورت تھا ایک ننھی پہاڑی کے اوپر بنایا گیا تھا وہ جیپ سے اترا تھا لکڑی کی چھوٹی سی باڑ گھر کے چاروں طرف لگائی گئی تھی جس کے درمیان میں چھوٹا سا لکڑی کا گیٹ تھا جو باڑ کے ہی سائز کا بنایا گیا تھا۔ باڑ کے پار چھوٹا سا ہرا بھرا لان تھا جہاں مختلف پیڑ، پودے لگائے گئے تھے اور ایک طرف خوبصورت لکڑی تراش کر بیٹھنے کے لیے کرسیاں اور میز بھی بنایا گیا تھا۔ لان کو پار کرتے ہی خوبصورت سفید ماربل کے دو تین سٹیپ تھے جس پر چڑھ کر وہ مین دروازے کی جانب آیا تھا وہاں کھڑے ہو کر اس نے لاک میں چابی گھمائی تھی تو دروازہ کھڑل کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا تھا پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اس نے اندر داخل ہو کر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور جیب سے اپنا سیل فون نکال کر اس کی ٹارچ روشن کی راہداری میں لکڑی کے فرش پر ایک درمیانے سائز کا رگ بچھا ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا راہداری کے آخر میں آیا تھا جہاں سوئچ بورڈ تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر راہداری میں لگا ہوا اکلوتا بلب جلایا تو اس کی حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی سامنے لاونج میں لکڑی کے خوبصورت اور جدید طرز کے ڈائننگ ٹیبل پر ایک کیک رکھا ہوا تھا اور ساتھ میں کچھ گفٹس بھی تھے ایک بوکے بھی رکھا گیا تھا جو خالصتن گلاب کے پھولوں کا تھا کیک کے اوپر موم بتی روشن تھی لیکن اسے لگانے والے یکسر کہیں غائب تھے وہ مسکراتا ہوا لاونج میں آیا

تھا اور ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑا ہو گیا تھا اس کے چہرے پر شرارت واضح تھی۔

"پھر میں اکیلے کیک کاٹ لوں؟"

اس نے اپنی مسکراہٹ دبا کر انتہائی سنجیدگی سے اونچی آواز میں کہا تھا لیکن کوئی باہر نہیں آیا تھا اب کی بار مسکراہٹ نے پھر سے اس کے خوبصورت چہرے کو چھوا تھا اس نے بڑی مشکل سے اپنے لب کاٹ کر اپنے بے ساختہ امڈنے والے قہقے کا گلہ گھونٹا تھا۔

"میں کاٹنے لگا ہوں۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو می ہیپی برتھ ڈے ٹو می ہیپی برتھ ڈے ٹو جبرئیل ہیپی برتھ ڈے ٹو می۔"

اس نے اونچی آواز میں گانا گا کر زور سے تالیاں بھی بجائی تھیں۔

"ابے سالے بڑی جلدی ہے تجھے ہیپی برتھ ڈے کرنے کی ہیں؟"

طراب ایپرن باندھے منہ پر اچھے خاصے لوازمات لگائے کچن سے برآمد ہوا تھا اور راب دانت پیس کر جبرئیل کو دیکھ رہا تھا جو قہقے لگا رہا تھا۔

"ہاں تو میں نے پوچھا کہ کیا خود اکیلے کاٹ لوں تو تم لوگ کیا منہ میں گھنگریاں ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے جو بول نہیں سکتے تھے۔

"بے غیرت ہے یہ طراب ایک نمبر کا احسان فراموش نہ ہو تو ایک تو سارے کام چھوڑ کر بے بی بوائے کی برتھ ڈے اریج کرو اوپر سے یہ نخرے بھی دیکھا رہا ہے۔"

اسامہ ہاتھ میں ڈوئی لیے کسی لڑاکا عورت کی طرح تیلی بھڑکانے کا کام کر رہا تھا۔

"بکواس نہ کرو تم دونوں اب جلدی دفع ہو جاو ادھر اور یہ کیچن میں کیا کر رہے تھے تم لوگ؟

اگر میرے کیچن کا بیڑا غرق کیا نہ تم لوگوں نے دیکھنا پھر۔"

وہ انگلی اٹھاتے ہوئے دونوں کو گھور کر کہہ رہا تھا۔

"ینگ مین ٹینشن نہ لو میں نے خود ساری صفائی ان دونوں سے کروائی ہے۔"

کرنل احسن بھی کیچن سے برآمد ہوئے تھے اور جبرئیل کو حیرت بھی ہوئی تھی کیونکہ ہمشہ اسے اس طرح کا سرپرائز طراب اور اسامہ ہی دیتے تھے لیکن آج تو کرنل احسن بھی شامل ہو گئے تھے۔

"سر آپ بھی؟"

جبرئیل نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات میں گھر کر کرنل احسن سے کہا تھا۔

"ہاں بھئی تمہاری برتھ ڈے تھی تو سوچا تمہیں ہم بھی سرپرائز کر دیں۔"

انھوں نے نرم مسکراہٹ سے کہا تھا۔

"تھینک یو سو مچ سر"!

جبرئیل جذباتی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اچھا بھئی کیک کاٹو اب۔"

طراب اور اسامہ نے کہا تو وہ بھی چپ چاپ ڈائننگ ٹیبل کی جانب آگیا۔ پھر چاروں نے مل کر کیک کاٹا اور طراب اور اسامہ کا بنایا ہوا کھانا بھی کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر قہوے کا دور چلا تھا اور پھر ہلکی پھلکی گپ شپ کے بعد کرنل احسن نے ان تینوں کو صبح یونٹ میں ہونے والی میٹنگ کے متعلق آگاہ کیا اور خود چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد جبرئیل اپنے کمرے میں آیا تھا جب کہ طراب اور اسامہ کچن سمیٹ رہے تھے کیونکہ جبرئیل کا باورچی دو دن کی چھٹی پر گیا ہوا تھا اس لیے کام سارا ان دونوں کو ہی کرنا پڑ رہا تھا۔ اس نے شاور لیا تھا اور شاور لینے کے بعد وہ خود کو قدرے ہلکا محسوس کر رہا تھا شاور لے کر اس نے ہلکی پھلکی سی نیوی بلو ٹی شرٹ بلیک ٹراوزر کے ساتھ پہنی اور بالوں میں برش کر کے اپنے فون کی طرف متوجہ ہوا جسے اس نے گھر آ کر چارج پر لگایا تھا چونکہ کیمپ میں سگنل نہیں آتے تھے اس لیے اسے بالکل بھی نہیں اندازہ تھا کہ کن لوگوں نے اسے کالز اور مسیجز کیے ہیں جوں ہی اس نے فون ہاتھ میں لیا بے شمار نوٹی فیکشنز آنے لگے جس میں آرون، آنیہ، زیبا کے مسیجز جبکہ صاریہ کی دس مسڈ کالز اور لاتعداد مسیجز تھے اور ایک کال عشرت جہاں کی بھی تھی۔

صاریہ کے مسیجز اور کالز سے تو اس کا دماغ ایک پل میں گھوما تھا۔ ابھی فون اس کے ہاتھ میں ہی تھا جب ایک بار پھر سے اس کا فون بجا تھا اور حسب توقع کال صاریہ کی جانب سے ہی کی

گئی تھی جبرئیل نے ہونٹ بھینچ کر اور اپنے آپ کو قدرے قابو میں کر کے مسلسل آتی ہوئی کال اٹھائی تھی۔

"بولو کیا مصیبت آگئی ہے؟"

اس نے دانت پیس کر کہا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے جبرئیل"!

صاریہ نے دوسری جانب مترنم آواز میں اسے سالگرہ کی مبارکباد دے رہی تھی۔

"تھینکس۔"

جبرئیل نے انتہائی بیزاری سے کہا تھا۔

"تم ہمشہ مجھ سے ایسے بات کیوں کرتے ہو؟"

دوسری جانب صاریہ کا لہجہ دکھی ہوا تھا۔

"کیونکہ تم ہمشہ مجھ سے خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کرتی ہو۔"

اب کی بار اس کے لہجے میں الجھن واضح محسوس کی جا سکتی تھی۔

"میں محبت کرتی ہوں تم سے۔"

صاریہ نے زندگی کی سب سے تلخ حقیقت اسے یاد کروائی تھی۔

"بکواس بند کرو صاریہ اپنی اس فضول سی محبت کے پیچھے تم الریڈی بہت کچھ کر چکی ہو مزید

بس کرو رحم کھاؤ مجھ پر۔ "

جبرئیل نے تلخی سے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے اسامہ کی رنگت پل بھر میں بدلی تھی لیکن وہ جبرئیل تک پہنچتے ہی خود کو کافی حد تک سمبھال چکا تھا۔

"آجا اب باہر بہت خدمتیں کروالی ہیں ہم سے اب کافی بنا کر پلا ہم دونوں کو۔ "

اسامہ نے ہلکا پھلکا انداز اپنا کر کہا تو وہ بھی سر جھٹک کر مسکرا کر اس کے پیچھے باہر نکل گیا۔

......

کمرے میں حسب معمول اندھیرے کا راج تھا۔ بھاری مخملی پردے بڑی بڑی کھڑکیوں پر ویسے ہی برابر کرر کھے تھے اور ہر رات کی طرح وہ وجود پھر سے ہاتھ میں سگریٹ دبائے راکنگ چئیر پر جھول رہا تھا۔ تھوڑا سا جھول کر وہ کرسی روکتی تھی اور پھر ہاتھ میں دبائے ہوئے سگریٹ کا گہرا کش لیتی تھی کش لینے کے بعد وہ دھویں کا بھاری مرغولہ فضا میں چھوڑتی تھی اور پھر ایک اور گہرا کش لگاتی اسی طرح وہ پچھلے دو گھنٹوں میں بارہ سگرہٹ پھونک چکی تھی۔

"ایس کے"!

اسے اپنے عقب سے کسی کی پکار سنائی دی تھی اس نے سرخ ہوتی آنکھوں کے بھاری پپوٹوں کو بامشکل کھول کر آواز کی سمت دیکھا تھا جہاں ایک درمیانے سے تھوڑے

چھوٹے قد کا آدمی کھڑا تھا۔

"بس کردیں اتنے سگریٹ پیئں گئ تو بیمار پڑ جائیں گی۔"

اس آدمی کے لہجے سے اس کے لیے احترام اور بے حد فکر جھلک رہی تھی۔

"اور اگر اتنے سگریٹ نہ پیے نہ تو میں مر جاوں گئ غلام بخش۔"

غلام بخش کو مضبوط و توانا عورت کا لہجہ آج ٹوٹ پھوٹ کا شکار لگا تھا اسے لگا تھا جیسے آج شیرنی کو کوئی توڑ گیا ہو۔

"غلام بخش !ایک اچھی سی اور سٹرونگ سی ڈرینک بنا کر لاو۔"

اس کے شکستہ لہجے میں دیے جانے والے حکم پر غلام بخش کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ایس۔کے پاگل ہوگئیں ہیں کیا آپ؟"

غلام بخش صدمے سے چلا ہی اٹھا تھا۔

"تمھیں کیا پتہ ہو غلام بخش جب دل میں بدلے کی آگ لگی ہوتی ہے نہ تو پورا وجود اس آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے پھر سگریٹ کا دھواں اور شراب کا نشہ بھی مدہوش نہیں کرپاتا روح بے چینی کی زد میں آجاتی ہے۔"

اس کے لہجے کی شکستگی کی جگہ اب غصے نے لے لی تھی اور جس راکنگ چئیر پر وہ جھول رہی تھی اس کے ہلنے میں بھی تیزی آگئی تھی۔ غلام بخش نے شراب کا گلاس بھر کر اس کی

جانب بڑھایا تھا جسے وہ ایک ہی سانس میں ختم کر گئی تھی پورا گلاس بھر کر پینے کے باوجود بھی ایس۔ کے اپنے پورے ہوش و حواس میں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمیر میں سردی کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ مائرہ کے فلیٹ میں بھی آتش دان جل رہا تھا اور وہ لاؤنج میں رکھے صوفوں میں سے ایک پر لحاف اوڑھے بیٹھی ہوئی تھی۔ مائرہ نے ایک کافی کا بھرا ہوا بھاپ اڑاتا مگ اس کی جانب بڑھایا اور دوسرا خود لے کر اسی کے ساتھ لحاف میں گھس گئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے زارا کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے؟"

مائرہ نے گرم گرم کافی کا گھونٹ بھر کر زارا سے پوچھا تھا۔ جس پر زارا نے چونک کر کچھ نا سمجھی کی کیفیت میں مائرہ کی جانب دیکھا تھا۔

"میں سمجھی نہیں آپ کی بات۔"

زارا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نا سمجھی سے اس سے کہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے زارا تم بھاگ کر انڈیا سے باڈر کراس کر کے یہاں پاکستان آگئی ہو تو وہاں کی آرمی تمہیں چھوڑ دے گی نہیں زارا وہاں کی آرمی تمہارے پیچھے ہے صرف وہاں ابھی یہ بات پھیلی نہیں ہے کہ تم ان کی نظروں سے بچ کر بغیر ویزے کے باڈر کراس کر چکی ہو اور

دوسری بات وہ لوگ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون تھے اور ان کا کیا مقصد تھا لیکن اگر وہ تمہارے پیچھے بھاگے تھے تو اس کا مطلب صاف تھا کہ ضرور تم نے کوئی ایسی بات سنی ہے جو ان کے لیے خطرے کا باعث بن سکتی ہے اور جو تم نے سنا وہ تم نے جبرئیل اور کرنل کو بتا دیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ان باتوں میں ایسی کیا خاص بات ہے. جس کے کھلنے کے ڈر سے انہیں نقصان ہو سکتا ہے ۔"

مائرہ آرمی میں ڈاکٹر تھی اس کی ٹریننگ بھی سارے کیڈٹس کی طرح ہی ہوئی تھی اس لیے وہ زارا کو وہ سارے پہلو بتا رہی تھی جن پر ممکنہ طور پر تمام آفسران کو سوچنا تھا اور وہ سوچ بھی رہے تھے ایسے میں سب سے زیادہ قیمتی جان زارا کی ہی تھی کیونکہ وہ واحد شاہد تھی جس نے ان کی آوازیں سنی تھی اور گفتگو بھی اور سب سے زیادہ خطرہ بھی زارا نور کی جان کو ہی تھا۔

مائرہ کی باتیں سن کر زارا کا رنگ لمحوں میں فق ہوا تھا اور خوف سے اس کی رنگت پیلی پڑ رہی تھی۔

"ریلیکس زارا تمہیں کچھ نہیں ہو گا جبرئیل نے خود تمہاری زمہ داری لی ہے اور تم یقین نہیں کرو گی مگر جبرئیل از ا ایکسٹرا بریلیٹ ان ہز ورک ۔"

مائرہ کے لہجے میں زارا کو جبرئیل کے لیے ایک عجیب سا مان محسوس ہوا تھا نجانے کیوں مگر

جبرئیل پرزارا کا اعتماد بھی مزید پختہ ہوا تھا۔

وہ گھڑی وہ پل وہ وقت ہی تو تھا

وہ لمحے وہ سماں وہ رنج ہی تو تھا

تیرا دل وہ وجود اور لمس ہی تو تھا

میری دھڑکن اور دھڑکتا دل ہی تو تھا

وہ مسکان وہ شرم اور درد ہی تو تھا

تیرا بچھڑنا چھوڑنا اور جانا ہی تو تھا

میرا ٹوٹنا بکھرنا اور مرنا ہی تو تھا

)ایمن خان(

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ تینوں جبرئیل کے لاونج میں بیٹھے اسی کی بنائی گئی کافی سے انصاف کر رہے تھے۔

جبرئیل کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی کا راج تھا شاہدیہ صاریہ کی کال کا اثر تھا کہ اس کا دن برباد ہو چکا تھا۔

"کیا ہو گیا یار؟"

طراب نے اس کی خاموشی محسوس کر کے آخر کپ میز پر رکھ کر سوال پوچھ ہی ڈالا تھا۔

"آہ کچھ نہیں بس یہی جو آج کل ہو رہا ہے میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"
اس نے اپنے کپ سے آخری گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تھا۔
"کیا ہو رہا ہے آج کل جو بھی ہو رہا ہے یار یہ تو ہماری زندگیوں کا حصہ ہے اور اس سب کو فیس کرنے کی اب تو عادت ہو چکی ہے اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"
طراب کو جبرئیل کی خاموشی کی سمجھ بالکل بھی نہیں آ رہی تھی ہمشہ جب کوئی کیس آتا وہ پرجوش ہو جاتا تھا کہ اسے کم نقصان کے ساتھ کیسے نپٹائے مگر اس دفعہ وہ خود خاصہ جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔
"تو سمجھ نہیں رہا طراب اس دفع معاملہ ایک لڑکی کا ہے یار اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے مجھے اس کے لیے کوئی بہت ہی محفوظ ٹھکانہ تلاش کرنا ہے جہاں پر اس تک کوئی پہنچ نہ پائے۔"
جبرئیل انتہائی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا جب کہ اسامہ بے حد خاموش تھا۔
"اب تجھے کیا ہو گیا ہے؟"
طراب نے اب کی بار اسامہ کو آڑھے ہاتھوں لیا تھا۔
"آہ۔۔ ہاں کچھ نہیں میں تو بس ایسے ہی۔"
اسامہ نے گڑبڑا کر جواب دیا تھا۔

"چلو تم دونوں نکلو اب ٹائم کافی ہو گیا ہے مجھے بھی صبح ڈائیر کٹ کرنل خاور کے پاس یونٹ پہنچنا ہے۔ "

جبرئیل نے ان دونوں سے کہا تھا اور خود اٹھ کر تینوں کافی کے کپ ٹرے میں رکھے تھے اب اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔

"چل پھر صبح میٹنگ پر ملتے ہیں۔ "

وہ دونوں اس سے مل کر باہر نکل گئے تھے جب کہ وہ کچن سے کپ دھو کر اپنے بیڈروم میں آگیا تھا اس کی سوچ کا مرکز مسلسل صاریہ اور زارا تھیں اس نے سر جھٹک کر سائیڈ لیمپ اف کر کے آنکھیں موند لیں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آنیہ لاونج میں ہلکی پیلی روشنی میں صوفے پر لحاف اوڑھے بیٹھی ہوئی تھی اس لمحے اس نے آنکھوں پر اپنے نظر کے چشمے لگا رکھے تھے جن کو وہ صرف پڑھنے وقت استعمال کیا کرتی تھی اس کے آگے صوفے پر دو تین موٹی موٹی کتابیں کھلی ہوئی تھیں ساتھ میں ایک رجسٹر رکھا ہوا تھا کچھ چیزیں میز کی زینت بنی ہوئی تھیں چیزوں کے ساتھ ہی میز پر بھاپ اڑاتا ہوا گرما گرم چائے کا مگ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنے سلکی سیاہ بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں لپیٹے مکمل طور پر کچھ لکھنے میں غرق تھی جب اس کے فون کی مسیج ٹون نے اس کی توجہ اپنی

جانب کروائی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اوران باکس اوپن کیا تو سبتین کا مسج چمک رہا تھا۔

"فری ہو تو ایک کپ چائے دے جاو زیبا تو شاہد سو گئی ہے اور آپا سے کہنا تو تمہیں معلوم ہی ہے۔"

اسی کے ساتھ افسردہ ایموجی بنائی گئی تھی جسے دیکھ کر آنیہ کو ہنسی آ گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا تھا۔

"فری تو نہیں ہوں مگر میں نے اپنے لیے چائے بنائی ہے ابھی ابھی آپ فری ہیں تو وہ لے جائیں آکر میں بعد میں خود دوسری بنا لوگی۔"

اس نے سینڈ کر کے فون ایک طرف رکھ دیا اور خود واپس لکھنے میں مگن ہو گئی۔ کچھ ہی دیر میں سبتین اپنے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ سیڑھیوں پر کھڑا تھا جب اس کی نظر نیچے بیٹھی لکھنے میں مگن آنیہ پر پڑی تھی وہ اپنے کام میں اتنی مگن تھی کہ اسے کسی اور بات کا کوئی ہوش نہیں تھا اور زندگی میں شاید پہلی بار سبتین نے آنیہ کو اتنے غور سے دیکھا تھا اسے ایک عجیب سے احساس نے گھیرا تھا۔ وہ آہستگی سے سیڑھیاں اترتا ہوا لاونج میں آ گیا تھا۔

آہٹ پر آنیہ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اور مسکرائی تھی۔

"یہ چائے یہاں رکھی ہے ٹیبل پر میں نے کچھ دیر پہلے ہی بنائی ہے ابھی گرم ہی ہے۔"

اس نے سر سری سا کہا تھا اور کپ اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا تھا جسے شکریہ کے ساتھ اس نے تھام لیا تھا۔

"اتنی رات گئے تک تم پڑھ رہی ہو سو جاؤ بس کرو۔"

اس نے چائے کے مگ سے گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میرا کل ایک امپورٹنٹ ٹیسٹ ہے اسی کی تیاری کر رہی ہو۔"

اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا تھا۔

"او کے یو کیری ان اینڈ تھینکس فار دس۔"

اس نے مسکرا کر چائے کی جانب اشارہ کیا تھا اور پھر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔"

اس کے جاتے ہی آنیہ نے گہرا سانس بھرا تھا وہ ہمشہ اسے یونہی نروس کر جاتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہاں کچھ پتہ چلا کہ کہاں گئی وہ؟"

داور کمال نے سگار سلگاتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے آدمی سے پوچھا تھا۔

"صاحب بی بی اپنے کہنے کے مطابق گوا میں ہی ہیں۔"

سامنے کھڑے آدمی نے مودب لہجے میں ان سے کہا تھا۔

"ہوں"!

انہوں نے گہرا ہنکارا بھرا تھا اس لمحے وہ اپنے جدید طرز کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے کھڑا ہونے والا ان کا خاص ملازم تھا۔

"گو وامین کس کے ساتھ ہے وہ؟"

اب کی بار انہوں نے سامنے کھڑے شخص سے وہ سوال کر ڈالا تھا جو کافی دیر سے ان کے دل میں مچل رہا تھا۔

"صاحب ویسے تو پورا ایک گروپ ہے لیکن انہیں دو تین بار اکیلے کسی لڑکے کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔"

ملازم نے ایک بار پھر سے ان کے اوسان خطا کیے تھے۔

"اس پر نظر رکھو امین! اس کے پل پل کی خبر کرو مجھے وہ کہاں جاتی ہے کب جاتی ہے اور کس کے ساتھ جاتی ہے ساری ڈیٹیل چاہیے مجھے ہر ایک ایک تفصیل سمجھے نہ آئیندہ تمہاری آنکھوں سے ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہونی چاہیے سمجھے نہ؟"

ساری ہدایات جاری کرنے کے بعد انہوں نے تائیدی نگاہوں سے امین کو دیکھا تھا جو ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"جو حکم صاحب"!

وہ ان سے اجازت لے کر کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ انہوں نے سامنے پڑا ہوا اپنا فون

اٹھا کر کسی کو کال ملائی۔ تقریبا دوسری بیل پر ہی دوسری جانب سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔
"ہاں وہ گوا میں ہی ہے اپنے دوستوں کے گروپ کے ساتھ۔"
انہوں نے کچھ دیر پہلے کی جانے والی گفتگو کسی کے گوش گزار کی تھی۔
"ہاں ہاں میں نے اس پر نظر رکھوائی ہوئی ہے تم فکر مت کرو علینہ کی طرف سے.بس تم اپنے کام کرو۔"
ایک بار پھر سے کہہ کر انہوں نے چند رسمی جملوں کے بعد فون کاٹ دیا تھا۔ اب وہ قدرے پر سکون تھے ورنہ انہیں آلینہ کی فکر کھائے جا رہی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
صبح آٹھ بجے کے قریب سب یونٹ پہنچ چکے تھے۔ یونٹ کے ایک بہت بڑے حال میں یہ میٹنگ رکھی گئی تھی۔ میز کے دونوں جانب کرسیاں رکھی گئی تھیں اوران کرسیوں پر کرنل خاور کی ٹیم براجمان تھی اس لمحے اس حال میں کیپٹن شمس، کیپٹن عبداللہ، لیفٹننٹ طلال، کیپٹن معضم، میجر اسامہ رحمان، میجر طراب علی اور میجر جبرئیل خان کے علاوہ کرنل احسن اور کرنل خاور موجود تھے۔ یہ سب افسران کرنل خاور کی ٹیم میں تھے جو پچھلے تیرا سال سے ایک کیس پر کام کر رہے تھے اور کسی وجہ سے تب وہ کیس بند ہو گیا تھا لیکن اب جبکہ کشمیر میں دنگے فساد شروع ہوئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر کے قریب باڈر پر کئی مہینوں

سے ڈیوٹی دینے کے بعد کچھ بہت ہی اہم حقائق تھے جو وہاں موجود افسران کے سامنے آ یے تھے اور ان حقائق کو کرنل احسن کی زبانی سننے کے بعد یہ تمام قصہ چیف تک پہنچ چکا تھا اور اس لیے بات اب بہت آگے جا چکی تھی اسی پر لاحہ عمل کے لیے باقاعدہ میٹنگ رکھی گئی تھی کیونکہ اب وقت آگیا تھا کہ سب کو سب کی زمہ داریاں دی جا سکیں۔

کرنل خاور نے سربراہ کی کرسی سمبھالی توان کے سامنے والی کرسی پر کرنل احسن براجمان ہو گئے۔ باقی سب افسران سائیڈ پر رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھے ان کے بولنے کے منتظر تھے۔

میٹنگ میں کرنل خاور نے تمام افسران کو کچھ ضروری ہدایات دی تھیں اور تقریبا ایک گھنٹے کے بعد وہ میٹنگ اپنے اختتام کو پہنچی تھی سب جونیر افسران میٹنگ کے ختم ہوتے ہی باہر چلے گئے تھے جبکہ سینئیر افسران ابھی بھی اسی کمرے میں موجود تھے۔

"ہاں تو تم بتاو جبرئیل کیا معاملہ ہے؟"

کرنل خاور نے اپنی انگلیوں کے درمیان بال پوائنٹ گھما کر سنجیدگی سے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"سر! احسن سر آپ کو ساری صورتحال تو بتا ہی چکے ہیں کہ کس طرح سے وہ لڑکی میرے پاس آئی اس وقت اس کی کیا حالت تھی اور پھر اس کے ہوش میں آنے کے بعد جو کچھ اس نے بتایا وہ سب آپ کے سامنے تھا۔"

جبرئیل نے اپنی بات ختم کرکے ان کے جواب کے لیے ان کی جانب دیکھا تھا جو بالکل خاموش کسی اہم نقطے پر سوچ رہے تھے۔

"جبرئیل!کیا تم نے یہ سوچا اگر وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہوئی پھر؟"

انہوں نے بال پوائینٹ اپنے نچلے ہونٹ پر رکھ کر اس سے پوچھا تھا۔

"سر اس کی باڈی لینگویج سے کسی صورت ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے وہ بہت ڈری ہوئی تھی سر اس کے بازو میں گولی لگی ہوئی تھی اس کا سکارف ایک جانب کو ڈھلکا ہوا تھا اور وہ یہاں میرے بازوں میں بے ہوش ہوئی تھی۔"

وہ حد درجہ جذباتی ہو کر ان سے کہہ رہا تھا جس پر سب منہ کھولے اسے دیکھ رہے تھے مگر کرنل خاور ہنوز سنجیدہ ہی تھے۔

"اس پر نظر رکھو جبرئیل اور اس پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی سیکیورٹی کی زمہ داری بھی تمہیں ہی لینی ہوگی تو بہتر ہے تم اسے پشاور لے جاو اور اپنے گھر میں رکھو اس طرح سے تم اس پر نظر بھی رکھ سکو گئے اور حفاظت بھی کر سکو گئے۔"

انہوں نے اسے حکم دے کر اس کی جانب دیکھا تھا جو حیرت میں گھرا ہوا تھا۔

"مگر سر میرے گھر"!

اس نے نا سمجھی سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اینی پرابلم میجر جبرئیل؟"

کرنل خاور نے اسے نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

"نو۔۔ نو سر"!

وہ جلدی سے بولا تھا۔

"ڈیٹس گڈ آپ مجھے کچھ دیر میں میرے آفس میں ملیں ضروری بات کرنی ہے اور آپ سب لوگ زارا کیس کے سلسلے میں کرنل احسن کے انسٹرکشنز فولو کریں سب سے پہلے پتہ لگائیں کہ وہ دو آدمی کون تھے اور دوسری بات جس سیکیورٹی سسٹم کی بات وہ لوگ کر رہے تھے وہ خصوصی پاکستان کا تھا اس بات پر زور دیا گیا ہے تو پاکستان میں بہت ساری سیکیورٹی ایجنسیاں ہیں جس میں سے کسی ایک کا پاسورڈ حاصل کرنے سے بھی ملک کی ساکھ بہت زیادہ متاثر ہو سکتی ہے ملک کو خطرہ ہو سکتا ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان ایجنسیوں میں سے ایسی کونسی ایجنسی ہے جس کے اندر گھسنے سے اتنا بڑا نقصان ہو گا کہ اس کا سارا فاعدہ دشمن ملک کو پہنچے گا۔"

کرنل خاور نے پورا شجرہ نصب کھول کر رکھ دیا تھا اور اس لمحے اس میٹنگ میں بیٹھا ہر فرد فکر مند اور پر سوچ دیکھائی دے رہا تھا۔

"اس پر ورکنگ کریں اور پھر کچھ پتہ چلتا ہے تو مجھے انفارم کریں سب سے پہلے تو ہمیں

لڑکیاں بچانی ہیں۔"

وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے جبکہ باقی سب ابھی بھی وہی جمے ہوئے تھے انہیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کام شروع کہاں سے کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جلتی بلی کے پیر کی طرح کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی غصے اور اہانت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو کہ میں اس کے آگے اپنے پیار کی بھیک مانگتی رہو گئی اور وہ ہر بار مجھے ٹھکراتا رہے گا لیکن کب تک آخر مجھ سے پیچھا چھڑائے گا وہ۔"

وہ کمرے میں چکر کاٹتی ہوئی مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔ بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھی زیبا اس کی بڑبڑاہٹ بخوبی سن رہی تھی اور اسے ہمشہ کی طرح افسوس نے ہی گھیرا ہوا تھا۔

"آپا! کبھی تو خود سے ہٹ کر بھی سوچ لیا کرو ہر بار اپنا ہی خیال سب سے پہلے کرتی ہو تم؟" زیبا نے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو یہ جو آجکل تمہارا اور آرون کا چل رہا ہے نہ دیکھ رہی ہوں میں سب اندھی نہیں ہوں مجھے سب نظر آرہا ہے۔"

اس نے زیبا کی جانب ایک اور تیر پھینکا تھا جو سیدھا نشانے پر لگا تھا اس کے کیے جانے

والے وار پر تو زیبا صدمے سے بے ہوش ہونے کے قریب تھی کچھ نہ کر کے بھی اس پر اتنا بڑا الظام اسی کی بہن نے لگایا تھا۔

"خدا کا نام لو آپا! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اپنی سگی بہن کے بارے میں ایسا سوچتی ہو؟" ناچاہتے ہوئے بھی زیبا کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں شاہد خود کے بارے میں ایسا الظام زیبا کے لیے ناقابل فراموش تھا۔

"ہاں تو جو ہے وہی بولوں گی نہ دونوں بھائی ہی پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتے ہیں بڑے کے مزاج نہیں ملتے اور چھوٹا پھسانے کے چکر میں ہے۔"

وہ نخوت سے منہ بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپا! اللہ نے ہر انسان کے اندر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھی ہے شعور دیا ہے کہ وہ خود کے بارے میں کچھ بہتر فیصلہ لے سکے تو معاف کرنا جبرئیل بھائی کی جگہ تو اگر میں بھی ہوتی نہ تو تم جیسی خود غرض لڑکی کی محبت کبھی قبول نہ کرتی محبت میں جو خراج تم جبرئیل بھائی سے چاہ رہی ہو نہ وہ ناقابل فہم ہے۔"

وہ آنسو صاف کرتی ہوئی غصے سے کہہ کر بیڈ سے اپنا تکیہ اور چادر اٹھا کر باہر نکل گئی اب اس کا رخ آنیہ کے کمرے کی جانب تھا جبکہ صاریہ کو تو اس کے جملے پتنگے ہی لگا گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ سفید خوبصورت چہرے کے گرد سرخ سکارف لپیٹے وہ کوئی نورانی مورت والی گڑیا لگ رہی تھی۔ وہ سکارف پلیٹ کر آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ صاف رنگت پر نارمل نقوش اس کے سکاف کے ہالے میں لپٹے ہوئے چہرے پر بہت جچ رہے تھے۔ وہ ابھی وہی کھڑی تھی شاہد آج سے پہلے اس نے اپنا اتنا خوبصورت روپ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود میں محو تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی اس نے مڑکر دیکھا تو وہ عورت شفیق مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

"ماشاءاللہ بیٹا! تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"

انہوں نے اس کے قریب آکر اسے کندھے سے تھام کر کہا تھا جس پر وہ بھی مسکرائی تھی شاہد زندگی میں پہلی بار سب کچھ بھول کر وہ مسکرائی تھی اور یہ مسکراہٹ اس کے دل کی دنیا عیاں کررہی تھی۔

"شکریہ اماں! یہ آپ کی اور بابا کی بدولت معمکن ہوا ہے کہ مجھے اتنا سکون مل رہا ہے ورنہ شاہد میں تو سکون ہی بھول گئی تھی۔"

اس نے اپنی آنکھ کے گوشے سے نکلتے ہوئے آنسو کو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات سے مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مائرہ کی کہی گئی باتیں بار بار زارا کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ ایک ہی رات میں ٹھیک ٹھاک ہراساں ہو چکی تھی۔ وہ دو دن سے انہی کپڑوں میں ملبوس تھی جو گرد آلود تھے مائرہ کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی زارا نے اپنی کشمیری کڑھائی والا سوٹ نہیں اتارا تھا۔ وہ سوٹ اس کی ماں نے اپنے ہاتھوں سے زارا کے لیے بنایا تھا اس لیے وہ اسے بدل نہیں رہی تھی۔ ڈر اور خوف اس کے دل و دماغ میں بری طرح گھر کر چکا تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی ہوئی تھی جب مائرہ نے اس کے قریب آکر اسے کندھے سے ہلایا تھا۔

"زارا! بس کرو اب اٹھو اور یہ سوٹ لو میرا اور جا کر شاور لو دیکھو کیا حالت ہوئی ہے تمہاری۔"

مائرہ نے اسے اٹھاتے ہوئے زبردستی سوٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

"مائرہ آپی مجھے نہیں پہننا یہ میری اماں کے ہاتھ کا بنایا ہوا سوٹ ہے میں کیسے اسے الگ کردوں۔"

زارا تکلیف سے کہہ رہی تھی جس پر مائرہ بھی کچھ نرم پڑی تھی۔

"جانتی ہوں میں زارا لیکن تم ایسے نہیں پھر سکتی ہو اپنی حالت دیکھو کیا بنی ہوئی ہے۔"

مائرہ نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ لوگ مجھے ماردیں گئے نہ؟"

وہ ہراساں چہرے کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"کوئی نہیں مارے گا تمہیں زارا ہمارے ہوتے کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا یو جسٹ ریلیکس تم فریش ہو کر آو پھر میں نے تمہاری بینڈیج بھی تبدیل کرنی ہے۔"

مائرہ نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ قدرے ریلیکس بھی ہوگئی تھی اور اس سے کپڑے تھام کر وہ شاور لینے چلی گئی تھی جبکہ اس کے جانے کے بعد مائرہ نے جبرئیل کو کال ملائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پشت پر ہاتھ باندھے انتہائی مودب انداز میں کرنل خاور کے سامنے ان کے آفس میں کھڑا تھا۔

"سٹ ینگ مین"!

انہوں نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی جانب اشارہ کیا تو وہ سر ہلا کر اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو بتاو جبرئیل کیسے ہو تم؟"

وہ اب اپنے سابقہ دوستانہ انداز میں لوٹ آئے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

"الحمدواللہ سر "!

اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"جبرائیل! تم جانتے ہو کہ آج سے تیرہ سال پہلے کیا ہوا تھا؟"

کرنل خاور یک دم سنجیدہ ہوئے تھے جس پر جبرائیل حیرت اور نا سمجھی کی ملی جلی کیفیت میں کرنل خاور کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"سر آج سے تیرہ سال پہلے تو بابا کی شہادت ہوئی تھی۔"

اس نے کچھ الجھے ہوئے لہجے میں تیرہ سال پہلے شہید ہونے والے اپنے بابا کے بارے میں کہا تھا۔

"یس ایگزیکلی! لیکن کیا تمہیں یہ پتہ کہ وہ شہید کیسے ہوئے تھے؟"

کرنل خاور پتہ نہیں اسے آج کیا بتانا چاہ رہے تھے.

"سر! وہ کوئی ڈرگز کا کیس تھا جس پر انہوں نے کوئی فائل کھلوائی تھی شاہد لیکن پھر کسی حملے میں وہ مارے گئے تھے۔"

وہ انتہائی سوچ سوچ کر بول رہا تھا جیسے شاہد خود کو بھی اصل بات معلوم نہ ہو۔

"جبرائیل وہ کسی حملے میں شہید نہیں ہوا تھا اسے شہید کیا گیا تھا اور نہ صرف اسے بلکہ تمہارے چچا کو بھی۔"

کرنل خاور کے چہرے پر ایک عجیب سی اذیت تھی جسے جبرئیل سمجھنے سے قاصر تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ کہ میرے بابا کا مرڈر!۔۔۔؟؟"

اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس قسم کے تاثرات کا اظہار کرے۔

"ہاں نہ صرف برگیڈیر ابراہیم کا مرڈر کیا گیا تھا بلکہ کرنل اسمائیل کو بھی مارا گیا تھا۔"

کرنل خاور اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو خود میں اتارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"کون تھا وہ؟ کس نے کیا ہے سر بتائیں مجھے میں اسے ایسی موت دوں گا کہ اس کی آنے والی سات پشتیں یاد رکھیں گی۔"

جبرئیل کی رگیں غصے کی زیادتی سے تن رہی تھیں اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ شخص اس کے سامنے ہو تو وہ اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے۔

"ریلیکس ینگ مین یہاں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہے۔"

کرنل خاور نے پانی کا گلاس اس کے آگے سرکاتے ہوئے کہا تھا۔

"کیسے سر کیسے ہوش سے کام لوں آپ خود بتائیں تیرہ سال پہلے میرے بابا اور چچا کو مارا گیا تھا اور مجھے اس بات کا علم ہی نہیں تھا یعنی کہ میں اتنا بے خبر تھا کہ یہ تک نہیں جان سکا کہ وہ خود شہید نہیں ہوئے تھے انہیں شہید کیا گیا تھا۔"

وہ اپنی ہتھیلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر بے چینی سے کہہ رہا تھا۔

"یہی کیس اب تمہیں پھر سے ری اوپن کرنا ہے میجر جبرئیل خان"!

کرنل خاور نے فیصلہ کن انداز میں اس سے کہا تھا۔

"آپ نہ بھی کہتے تو بھی میں اس کیس کو ری اوپن ضرور کرتا آخر جس راز کو فاش کرنے کے پیچھے میرے بابا اور چچا نے جان گنوائی ہے وہ کھلے عام گھومتیں پھرے یہ میں کیسے برداشت کرلوں میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے تب تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک ان لوگوں کو پھانسی کے تختے تک نہ پہنچا دوں۔"

جبرئیل نے سرخ چہرے کے ساتھ میز پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"آئی نوینگ مین کہ تم ایسا ہی کرو گئے مگر اس بار میں تمہاری جان کا رسک نہیں لے سکتا اس دفع ہم مل کر کام کریں گئے اور یہ ایک سیکرٹ مشن ہوگا جس میں صرف تمہارے ساتھ طراب، اسامہ اور احسن شامل ہوں گئے اور میں خود بھی ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں جو کرنا ہے سوچ کر کرنا ہے ہمیں اگر انہیں زرا بھی بھنک پڑ گئی تو ہم کسی اور جان سے بھی ہاتھ دھو سکتے ہیں۔"

کرنل خاور نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا جس پر اس نے سر ہلایا تھا اور ان سے اجازت لے کر یونٹ سے باہر آگیا تھا اب اس کا رخ ڈاکٹر مائرہ کے فلیٹ کی جانب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ شاور لے کر باہر نکلی تھی۔ مائرہ کے دیے ہوئے گلابی سوٹ میں اس کی گندمی سرخ رنگت دمک رہی تھی۔ گیلے بال اس نے پشت پر ہی کھلے چھوڑ رکھے تھے لیکن سر پر دوپٹا ٹکانا نہیں بھولی تھی وہ ہمشہ کشمیر میں سر پر رومال باندھتی تھی یہ کشمیر میں رواج تھا کہ سب عورتیں کڑھائی والے لباسوں کے ساتھ ہم رنگ رومال استعمال کرتی تھیں مگر زارا کے پاس رومال نہیں تھا اسے بے اختیار اپنا گاوں یاد آیا تھا جہاں وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو چمکے تھے جنہیں اس نے صاف کیا تھا اور بجتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا تو سامنے مائرہ ہاتھوں میں فرسٹ ایڈ باکس لیے کھڑی تھی۔

"آو زارا تمہارے بازو کی بینڈیج کروں۔"

اس نے احتیاط سے زارا کو تھام کر بیڈ پر بیٹھایا تھا اور خود اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے احتیاط سے اس کی قمیض کی آستین اوپر کی تھی زخم ابھی بھی گہرا تھا مائرہ نے روئی پر دوائی لگا کر اس کا رخم اچھے سے صاف کیا اور پھر احتیاط سے کریم لگائی کریم لگانے کے بعد اس نے سفید پٹی کا گولہ تھام کر دائرے میں روئی کے اوپر اس کے بازو پر لپیٹا تھا اور آخر میں قینچی سے کاٹ کر اس نے آرام سے اس کی آستین نیچے کی تھی۔

"درد تو نہیں ہو رہا تمہیں؟"

مائرہ نے ڈبے کا ڈھکن بند کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں بس تھوڑی سی۔"

زارا نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اچھا باہر آجاو جبرئیل آیا ہے تم سے ملنے۔"

مائرہ نے اسے جبرئیل کے آنے کی خبر دی تھی جس پر زارا کا دل ایک دم عجیب ہوا تھا۔

اسے پتہ نہیں کیوں شروع سے ہی جبرئیل کی شخصیت بہت متاثر کن لگتی تھی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ مائرہ کے ساتھ باہر آئی تھی جہاں لاونج میں وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ موجود تھا۔ اپنے مخصوص آرمی یونی فارم میں فوجی کاٹ بال سلیقے سے بنائے اور کلائی میں مہنگی گھڑی پہنے وہ صوفے پر ٹیک لگائے ریلیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

"اسلام علیکم"!

زارا نے زرا ہچکچاتے ہوئے دھیمی آواز میں اسے سلام کیا تھا وہ مسلسل اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ جبرئیل نے اسکا نکھرا نکھرا روپ بڑے غور سے دیکھا تھا مگر اس کا نروس انداز جبرئیل کو قدرے محتاط کر گیا تھا۔

"وعلیکم اسلام! کیسی ہے آپ زارا؟"

اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اس سے حال احوال پوچھا تھا۔

"جی ٹھیک۔"

زارا نے ہنوز نظریں جھکائے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"پلیز بیٹھیں۔"

اس نے اپنے سامنے والے صوفے کی جانب اشارہ کرکے اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔

جبرئیل کا انداز زارا کے دل میں عجیب وغریب قسم کے خدشات پیدا کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بے حد سے بھی تو بے خبر یوں ہوا
کہ دکھا گیا مجھ کو یہ ان دیکھا طلسم

ایمن خان

وہ جھجکتے ہوئے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کا زخم کیسا ہے اب زارا؟"

اس نے اس کے بازو کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جہ جی اب کافی بہتر ہے۔"

زارا تو اس کے سوالات پر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ اس کے جواب پر جبرئیل بے اختیار

For more visit (exponovels.com)

مسکرایا تھا مسکراتے ہوئے اس کے گال کا بڑا سا سیاہ تل کچھ نمایاں ہوتا تھا زارا اسے مسکراتا ہوا دیکھتی رہ گئی تھی۔

"ایک بات تو بتائیں زارا؟"

جبرئیل نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر زارا جو اسے غور سے دیکھ رہی تھی فوری سنبھل کر بیٹھی تھی۔

"جہ جی"!

زارا کے منہ سے پھر بے اختیار وہی نکلا تھا جبرئیل کا فلک شگاف قہقہ گونجا تھا جس پر زارا قدرے نروس ہو گئی تھی۔

"آئی ایم سوری"!

اس نے ہاتھ بلند کر کے مسکراہٹ روک کر معذرت کی تھی۔

"آپ اتنا ڈرتی کیوں ہیں مجھ سے؟"

اس نے سنجیدگی سے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا جو اس لمحے ضرورت سے زیادہ ہی سرخ نظر آ رہا تھا۔

"کیونکہ مجھ۔۔مجھے فوجیوں سے ڈر لگتا ہے اتنی بڑی بڑی گنز لے کر پھرتے ہیں۔"

زارا نے باقاعدہ ہاتھوں سے گن کی لمبائی بتائی تھی۔ جبرئیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہنس

ہنس کر برا حال کر دے لیکن وہ زارا کی موجودگی کا لحاظ کیے اپنے قہقہوں کا گلہ گھونٹ رہا تھا دروازے پر کھڑی ہوئی مائرہ کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

"نہیں فوجی معصوم لڑکیوں کو کچھ نہیں کہتے اور میرے جیسے فوجی جو ہوتے ہیں نہ وہ بے گناہوں کو کچھ بھی نہیں کہتے سو ریلیکس۔"

اس نے نرمی سے اسے کہا تھا جس پر زارا کے تنے ہوئے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے تھے۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں نہ؟"

وہ اسے تائید چاہ رہی تھی۔

"ہاں بھئی پکا۔"

اس نے دونوں ہاتھ آپس میں ملا کر ہونٹوں پر رکھے تھے۔

"اچھا آپ میرے ساتھ پشاور چل رہی ہیں۔"

اس نے آخر اس سے وہ بات کہی تھی جو کہنے وہ آیا تھا۔

"پشاور! لیکن کیوں؟"

اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیونکہ وہاں آپ محفوظ رہیں گی۔"

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

"اور ایک بات اور میں آپ کو یوں دن کے وقت نہیں لے کر جا سکتا اور نہ ہی ایسے اکیلے بھجوا سکتا ہوں کیونکہ آپ کی سیفٹی کی زمہ داری کرنل نے مجھے دی ہے اس لیے آپ آج رات کو تیار رہیے گا ہم رات میں نکلے گئے۔"

اس نے اسے ساری بات سمجھائی تھی مگر زارا کا چہرہ ہنوز ہراساں ہی تھا۔ جبرئیل نے بغور اس کے تاثرات ملاحظہ کیے تھے اور پھر گہرا سانس بھر کر گویا ہوا تھا۔

"ٹیک اٹ ایزی زارا ٹرسٹ می آپ کو کچھ نہیں ہوگا کیونکہ میں ہونے نہیں دوں گا۔"

اس کے لہجے میں زارا کو ایک عجیب سا عزم محسوس ہوا تھا اس کے آنچ دیتے لہجے نے زارا کے اندر کے سارے خوف لمحوں میں ختم کر دیے تھے کیونکہ کہیں نہ کہیں یہ بھی سچ تھا کہ اس واقعے کے بعد زارا نور اپنی بہادری کچھ کھو سی چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ گودام میں ایک واحد روشن دان تھا جس سے کچھ روشنی کی لکیر چھن کر کے اندر آرہی تھی اور اس سیاہی میں ڈوبے ہوئے واحد روشن دان کو ناکام روشنی دینے میں مصروف تھی۔ سردی کے پرسوز دنوں میں سیاہ اینٹوں کے ٹھنڈے ٹھار فرش پر وہ وجود دیوار کے ساتھ چپک کر بیٹھا ہوا تھا۔ کئی روز سے بے ترتیب بال اب کچھ الجھ چکے تھے۔ چہرے پر

جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے ہونٹ پھٹ چکا تھا اور سانسیں بے ترتیب تھیں وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی ہوئی تھی چہرے پر بلا کا سکون تھا جیسے یہ ساری سختیاں اور زیادتیوں سے اسے کوئی فرق نہ پڑ رہا ہو۔ وہ وجود یونہی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا ہوا تھا جب نیچے آتی سیڑھیوں سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

قدموں کی چاپ نزدیک سے نزدیک تر آتی جا رہی تھی اور اسی کے ساتھ اس وجود کی مسکراہٹ بھی گہری سے گہری ہو رہی تھی فرق صرف اتنا تھا کہ یہ مسکراہٹ خود میں خوشی کے بجائے طنز کا عنصر لیے ہوئی تھی۔ قدموں کی چاپ کے ساتھ سیاہ اینٹوں کے فرش پر کسی کا عکس بھی ابھرا تھا۔

دیوار سے ٹیک لگائے وجود نے آنکھیں ایک بار پھر موند لی تھیں۔

"ماننا پڑے گا بہت سخت جان ہو تم۔"

سائے کی جگہ اب جیتے جاگتے وجود نے لے لی تھی۔

اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور چہرے پر ایک بار پھر سے طنز بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"سختی تم نے ابھی دیکھی ہی کہاں ہے۔"

اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاہا"!

سیاہ انٹوں والے تحہ خانے میں قہقے کی آواز پوری طرح سے گونجی تھی۔

"اتنی سختی کی ہے تم پر پھر بھی تم کہہ رہی ہو سختی دیکھی ہی کہاں ہے۔"

قہقے کی آواز ایک دم بند ہوئی تھی ایک بار پھر سے سیاہ اینٹوں والے تحہ خانے میں سناٹا چھا گیا تھا وہاں موجود نفوس کے صرف سانس لینے کی آواز آرہی تھی۔

"ہاں کیونکہ اتنے سالوں سے میں تمہارے دیے ہوئے زخموں کے ساتھ جی رہی ہوں اتنا سخت جان کر دیا ہے تم نے مجھے کہ اب یہ معمولی سی سختی مجھے سختی لگتی ہی نہیں ہے۔"

ٹیک لگائے ہوا وجود اب سیدھا ہوا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر آنکھوں میں آتے بال پیچھے ہٹائے تھے۔

"رسی جل گئی پر بل نہیں گئے۔ کہنا پڑے گا اتنے سالوں بعد بھی تم ویسے ہی حسین ہو۔"

وہ شخص دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور اپنی شہادت کی انگلی اس نحیف وجود کے چہرے پر پھیری تھی۔ اس نے ایک دم اپنا چہرہ پیچھے کیا تھا اور اس کے چہرے پر تھوکا تھا۔

"تیری جرات کیسے ہوئی میرے چہرے پر تھوکنے کی؟"

گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا وجود اشتعال میں آیا تھا اور اس کے بال بری طرح جکڑے تھے۔

سامنے بیٹھے نحیف وجود کی کراہ گونجی تھی۔

"ایک بار چھوڑ کر ہزار بار تھوکوں گی۔"

اس نے کہہ کرایک بار اوراس کے چہرے پر تھوکا تھا۔

"ذلیل عورت! تو اس قابل ہی نہیں ہے کہ تجھ سے عزت سے بات کی جائے۔"

اس نے بے دریغ اس نحیف وجود کے چہرے پر تھپڑ مارے تھے۔

"بتا کہاں ہے زارا؟"

اس نے اب کی بار اپنے مطلب کی بات کی تھی۔

"نہیں بتاوگی تو ڈھونڈتا رہ جائے گا مگر کبھی اس تک نہیں پہنچ پائے گا۔"

اس نے قہقہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"بکواس بند کر اور شرافت سے بتا دے۔"

ایک بار پھر موہوم سی کوشیش کی گئی تھی۔ لیکن اب کی بار بدلے میں بالکل خاموشی تھی جس کا مطلب صاف تھا کہ وہ اب بات نہیں کرنا چاہتی اور یہ بات تو شاہد سامنے بیٹھا وجود بھی جانتا تھا کہ جب وہ خاموش ہوتی پھر پوری طرح سے خاموش ہوجاتی تھی شاہد بہت سالوں سے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بڑے سے پینٹ ہاوس کا منظر تھا جس کی بڑی بڑی کھڑکیاں شیشے کی بنائی گئی تھیں وسیع و عریض لاونج می خوبصورت صوفوں میں سے ایک ماسٹر چئیر پر وہ بہت دنوں بعد روشنی میں بیٹھی تھی۔ انتہائی سادہ مگر بیش قیمتی لباس وہ ہلکے نرنجی رنگ کی کھلی سی لمبی قمیض کو سفید شلوار کے ساتھ پہنے ہوئے تھی اپنے سیاہ لمبے بال اس نے پشت پر کھلے چھوڑ رکھے تھے مہرون چادر نے اس کے دونوں شانوں کو اچھے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بڑی بڑی بھوری آنکھوں پر لمبی گھنی پلکوں کا سایہ تھا اور وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر اپنی مخروطی انگلیوں سے چائے کا مگ تھامے ہوئے بیٹھی تھی۔

"لڑکی کا پتہ چلا؟"

اس نے مگ لبوں کو لگاتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کے سامنے کھڑے ہوئے آدمیوں کا اس کے سامنے نظر نیچی کر کے بات کرنا ہمشہ مشکل ہوتا تھا کیونکہ وہ انتہائی دلکش تھی۔

"نہیں ایس۔ کے"!

آدمی کے لہجے میں شرمندگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"کب تک چلے گا؟"

ایک اور گھونٹ بھر کر اس نے کہا تھا۔

"ہم کوشیش کر رہے ہیں۔"

آدمی نے سہم کر کہا تھا۔

"غلام بخش"!

اس نے سکوت کو اپنی دلفریب آواز کی دھاڑ سے توڑا تھا۔ غلام بخش بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔

"یہ اب نکارہ ہو چکا ہے اس سے کام نہیں ہو گا غلام بخش اسے اٹھا کر باہر پھینک آو اور آس پاس نظر بھی آئے تو بے شک گولی مار دینا۔"

ایس۔ کے نے اپنے سب سے زیادہ قریبی اور وفادار بندے سے کہا تھا۔

"پلیز ایس۔ کے ایسا مت کریں میں وعدہ کرتا ہوں بہت جلدی لڑکی آپ کے سامنے ہوگی۔"

آدمی نے گڑگڑا کر اس سے کہا تھا۔

"دفع ہو جاو یہاں سے۔"

ایس۔ کے نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ اور اپنی چادر شانوں پر برابر کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پشاور کا موسم بڑھتے ہوئے دنوں کے ساتھ سرد ہوتا جا رہا تھا۔ رات کو وہ اپنے کمرے میں

جانے سے پہلے کافی کی شدید طلب لیے کچن میں آئی تھی اور ساس پین میں دودھ گرم ہونے کے لیے رکھ کر وہ مگ میں کافی پھینٹ رہی تھی وہ اپنے کام میں بے حد مصروف دیکھائی دے رہی تھی۔ کافی پھینٹتے ہوئے مسلسل اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا گمان ہو رہا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی کی گرم سانسیں اس کی گردن کی جیلد کو جھلسا رہی ہوں اسے زندگی میں پہلی بار اس قسم کی حدت محسوس ہوئی تھی۔ کافی پھینٹتے اس کے ہاتھ ایک دم کانپے تھے۔

وہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی مگر پیچھے جگہ ہوتی تو پھر نہ وہ کسی کے بھاری بھر کم فولاد جیسے سینے سے ٹکرائی تھی۔

"آرام سے۔"

آرون کی سرگوشی نما آواز زیبا کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھی اسے کسی اور بات سے زیادہ صاریہ کے دیکھ لینے کی فکر تھی۔

"تہ۔۔تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

زیبا نے اپنا حلق تر کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تمہاری خوشبو مجھے یہاں لے آئی ہے۔"

آرون نے آنچ دیتے لہجے میں کہا تھا۔

"کہ۔۔کیا مطلب؟"

زیبا کی جان ہوا ہو رہی تھی۔

"کافی کی خوشبو۔"

آرون نے کافی پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

"آہاں اچھا۔"

زیبا نے پرسکون سانس خارج کی تھی۔

"پیار کروگی مجھ سے؟"

زیبا اس سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو لگتا تمہارا میٹر شارٹ ہوگیا ہے۔"

زیبا تو بے ہوش ہونے کے قریب ہوگئی تھی۔

"شادی کروگی زیبا مجھ سے؟"

اب کی بار آرون نے اسے کندھوں سے تھام کر اپنی جانب کیا تھا۔ اس کی پلکیں اس کے رخساروں پر سجدہ ریز تھیں اور ہلکی ہلکی لرز رہی تھیں۔ آرون کا خود پر قابو مشکل ہو رہا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے لرزتے ہوئے لبوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھوے۔

زیبا بالکل خاموش تھی لیکن خاموشی سے زیادہ وہ حیران تھی ایسے ایک دم اچانک سے

For more visit (exponovels.com)

آرون کا یہ بات کرنا زیبا کو بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"تمہاری خاموشی کو میں کیا سمجھوں؟"

اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے تھے اور دلچسپی سے اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"پہلے ڈیوٹی جوائن کرو اور پھر امی سے بات کرنا۔"

زیبا نے نظریں جھکائے ہی ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا اور اپنے ہاتھ چھڑا کر کافی کا مگ تھام کر وہاں سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

معمبی میں کمال ولا میں صمن بیگم اپنے نائیٹ سوٹ میں ملبوس بیڈ پر بیٹھی مساج کر رہی تھیں اس قسم کی زندگی کی وہ اتنی زیادہ عادی تھیں کہ داور کمال کا اپنے کمرے میں نہ آنا اور ان کے برابر میں لیٹنا ان کے لیے کوئی اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ وہ زیادہ تر اپنے اس ماسٹر بیڈروم میں تنہا ہی ہوتی تھیں آج بھی وہ اپنے کمرے میں اکیلی ہی تھیں مساج کرنے کے بعد انہوں نے کریم کا جار رکھنے کے لیے سائیڈ میز کا دراز کھولا تھا جار رکھ کر وہ دراز بند کرنے لگی تھیں لیکن دراز اٹک رہا تھا انہوں نے ایک دم دراز باہر کو کھینچا تھا جس کے باعث پورا دراز باہر نکل آیا تھا۔

"او شٹ! واٹ دا ئیل ۔"

انہوں نے اچھا خاصا منہ بنایا تھا اور نیچے جھک کر دراز اٹھانے لگیں تھیں دراز اٹھا کر وہ جونہی فٹ کرنے لگیں ان کی نظر ایک دم دراز کے نیچے بنے دوسرے خانے میں رکھی کچھ تصاویر پر پڑی تھیں۔ انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا کر وہ تصاویر باہر نکالی تھیں اور جوں جوں وہ تصاویر دیکھ رہی تھیں ان کے چہرے کی رنگت فق ہو رہی تھی ان کے چہرے پر اتنی سردی کے باعث بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ دروازے پر کھٹکے کی آواز نے ان کی جان نکالی تھی انہوں نے تیزی سے تصاویر اندر پھینکی تھیں اور دراز بند کیا تھا۔

دروازے سے داور کمال لڑکھڑاتے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے۔

انہوں نے حواس باختہ ہو کر انہیں تھاما تھا۔

"آج پھر پی کر آ رہے ہیں آپ؟ کتنی بار کہا ہے اتنا ہی پیا کریں جتنا سہہ سکیں۔"

انہوں نے جھنجھلاہٹ سے کہہ کر انہیں تھاما تھا اور بیڈ پر لے کر آئی تھیں بیڈ پر لٹا کر انہوں نے پانی کا گلاس بھر کر ان کی جانب بڑھایا تھا جسے کچھ نا سمجھی سے دیکھتے ہوئے انہوں نے تھاما تھا اور پھر غٹا غٹ کر کے ایک ہی سانس میں پی گئے تھے۔

"کہاں سے آ رہے ہیں؟"

صمن بیگم نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے ان سے پوچھا تھا۔

"تم ۔۔تم سے مطلب میں جہاں بھی جاوں کتنی بار کہا ہے جاہل عورتوں کی طرح بازپرس مت کیا کرو۔"

انہوں نے مدہوش لہجے میں کہا تھا۔

"تو کیا کرو میری بیٹی کو اتنے دن ہو گئے گھر سے گئے ہوئے کوئی رابطہ نہیں کیا اس نے۔"

وہ پریشان ہو رہی تھیں۔

"زندہ ہے تمہاری بیٹی آج کل ایک آوارہ کے ساتھ عشق کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔"

انہوں نے دانت پیس کر کہا تھا۔

"کون آوارہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

صمن بیگم نا سمجھی کی کیفیت میں ان کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

"ہوں افسوس ہے صمن بیگم کہ اپنی بیٹی کی تربیت تو تم صیح کر نہ سکی کم از کم میری بیٹی کی تو کر دیتی۔"

داور کمال چھنگاڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا میری بیٹی کی تربیت صیح نہیں ہے واہ داور کمال صاحب واہ ابھی اس کی تربیت صیح نہیں ہے تو وہ تمہارا دایاں بازو بنی ہوئی ہے سوچ لو اگر اس کی تربیت

صیح ہوتی تو وہ تو تمہیں تباہ ہی کر دیتی۔"

صمن بیگم کے لہجے کی کاٹ نے داور کمال کا چہرہ سرخ کیا تھا۔

"بکواس بند کرو گھٹیا عورت خبردار جو میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات کی ہو تو۔"

داور کمال نے تنبہی کرنے والے لہجے میں کہا تھا۔

"کیوں آگ لگ گئی ہے نہ تمہیں مت بھولو داور کمال کہ جس دن میری بیٹی کو تمہاری سچائی معلوم ہو گئی نہ وہ تھوکے گی بھی نہیں تمہارے منہ پر۔"

صمن بیگم تو لگتا تھا آج سب کچھ ہی اگلنے کے موڈ میں تھیں۔

"صمن بیگم میرے بغیر بھی وہ بہت کچھ تباہ کر سکتی ہے۔"

داور کمال نے جتاتے ہوئے کہا تھا۔

"کر سکتی نہیں ہے کر رہی ہے۔"

صمن بیگم کے لہجے میں زور کی آمیزیش شامل تھی۔ داور کمال ایک پل کو تو کھسیا گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمیر میں ہر سورات کے سائے گہرے ہو رہے تھے گہرے ہوتے سایوں کے ساتھ سناٹوں کا راج بھی بڑھ رہا تھا۔ وہ اپنی ملیٹری جیپ لیے سیاہ جینز پر پوری آستینوں والی

مہرون ٹی شرٹ اوپر اپنی براون لیدر کی جیکٹ پہنے مائرہ کے فلیٹ کے باہر کھڑا تھا۔
سردی کے باعث فضا میں دھند چھائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اپنے ہاتھ آپس میں رگڑ رہا تھا اور ان کو منہ کے قریب لے کر جاتا اور پھر گرم ہوا کا مرغولہ چھوڑ کر ہاتھ رگڑتا ایسے وہ کئی بار اپنے ہاتھوں کو گرم رکھنے کی کوشش کر چکا تھا۔ اتنی سردی میں انتظار کرنا مشکل تھا مگر میجر جبرئیل خان کے لیے نہیں۔ کچھ ہی دیر کے انتظار کے بعد زارا بلڈنگ سے باہر آتی ہوئی دیکھائی دی تھی۔
اس نے سیاہ پشمینہ کی چادر سے اپنا پورا وجود ڈھانپ رکھا تھا چہرے کے اوپر بھی چادر کا پلو تھا جس کے باعث صرف اس کی آنکھیں دیکھائی دے رہی تھیں۔
"اسلام علیکم"!
زارا نے قریب آکر خوش دلی سے سلام کیا تھا جس پر جبرئیل مسکرایا تھا۔
"وعلیکم اسلام !کیسی ہیں آپ ؟"
اس نے بھی خوش اسلوبی سے جواب دیا تھا۔
"جہ جی ٹھیک۔"
ہمشہ کی طرح اس بار بھی وہ جبرئیل کے سامنے اٹک گئی تھی۔
"چلیں ؟"

جبرئیل نے اس سے اجازت چاہی تھی جس پر اس نے سر ہلایا تھا۔ جبرئیل نے پہلے فرنٹ ڈور اس کے لیے کھولا تھا اور پھر اسے بیٹھانے کے بعد وہ جیپ کی دوسری جانب سے آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ مائرہ بلنڈنگ کے باہر کھڑی تھی وہ قدم قدم چلتی ہوئی جبرئیل کی سائیڈ پر آئی تھی۔

"خیال رکھنا اپنا بھی اور زارا کا بھی اور پہنچ کر مجھے کال ضرور کرنا میں انتظار کروں گی۔"

مائرہ نے فکرمندانہ لہجے میں اس سے کہا تھا۔

"تھینک یو مائرہ یو ہیلپ اس الاوٹ۔"

جبرئیل نے مشکور لہجے میں اس سے کہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو یار یہ میرا فرض تھا میں بھی اسی فوج کا حصہ ہوں۔"

مائرہ کچھ برہم ہوئی تھی۔

"اوکے میں فون کروں گا اللہ حافظ"!

جبرئیل نے مائرہ سے کہا اور جیپ سٹارٹ کر دی۔

کچھ لمحے میں وہ پہاڑوں کے گرد بنی ہوئی بل کھاتی ہوئی سڑک پر بڑی مہارت سے جیپ چلا رہا تھا۔ اس کے برابر میں سیاہ چادر میں لپٹی زارا نور بیٹھی ہوئی تھی وہ بہت سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی اور بالکل خاموش تھی۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں زارا؟"

اس نے موڑ کاٹتے ہوئے اس سے پھر وہی سوال پوچھا تھا جو کچھ دنوں سے اسے دیکھنے کے بعد اس کے ذہن میں آتا تھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔"

زارا نے اپنے لہجے کو حتی المکان ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کی تھی۔

"کیا آپ کو ڈر لگ رہا ہے،"

جبرئیل نے پھر سے اسے جانچتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہ۔۔ نہیں آپ کے ہوتے ہوئے کیسا ڈر۔"

وہ روانی میں بے ساختہ کہہ گئی تھی جبرئیل کا جاندار قہقہ جیپ میں گونجا تھا۔

"اتنا بھروسہ کرتی ہیں؟"

اس نے پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے آپ کے ہی رحم و کرم پر ہوں۔"

زارا نے آہستگی سے کہا تھا کہ اسے آواز نہ چلی جائے لیکن اس کے بھی فوجی کان تھے کیسے نہ آواز جاتی۔

"یعنی بھروسہ نہیں کرتی ہیں مجھ پر۔"

اس نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اس کے لہجے میں ایک عجیب سی آمیزش شامل تھی۔

"میں نے ایسا کب کہا؟"

وہ بھی اب ہلکے پھلکے انداز میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"مطلب تو یہی تھا آپ کا۔"

وہ کچھ برہم دیکھائی دے رہا تھا جس پر زارا گڑبڑا گئی تھی۔

"دیکھیں زارا آپ پتہ نہیں مجھے کیا سمجھتی ہیں کیا سوچتی ہیں لیکن ایک بات یاد رکھیے گا ہماری زندگی آپ سے زیادہ مسائل کا شکار ہوتی ہے جب دو تین کیس اکھٹے آتے ہیں تو ہم بہت زیادہ الجھ جاتے ہیں اور آپ کے کیس میں آپ کی حفاظت کی زمہ داری میں نے خودلی ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اپنی زمہ داری پوری کروں گا اگر آپ بھروسہ نہیں کرنا چاہتی تو مت کریں بے شک لیکن آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔"

اس نے عجیب سے لہجے میں زارا سے یہ سب باتیں کہی تھیں۔ وہ شرمندگی کی گہرائی میں ڈوب رہی تھی اس کے پاس شاہد اس کی باتوں کے جواب میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج سے اس کا پہلا سبق شروع تھا۔ ادھیڑ عمر جوڑے نے اس کے سامنے ریل پر قرآن مجید رکھا تھا۔

"اسے چوم کر کھولو بیٹا"!

عورت نے اسے قرآن مجید کھولنے کا کہا تھا۔ اس لڑکی کے ہاتھ کانپ رہے تھے ہاتھ کانپنے کے ساتھ ساتھ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ شبنم کے قطرے اس کی آنکھوں کے راستے باہر آکر اس کے دل پر جمی گرد کو دھو رہے ہیں اس کی مخروطی انگلیاں بھی اس کے وجود کے ساتھ ساتھ کپکپاہٹ کا شکار تھیں۔

اس نے احتیاط سے قرآن پاک چوم کر کھولا تھا۔

:یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْ◌ْنَ اٰمَنُوْ◌ْا تُوْ◌ْبُوْ◌ْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْ◌ْبَۃً نَّصُوْ◌ْحًا◌ؕ عَسٰی رَبُّکُمْ ◌ْاَنْ ◌ْیُّکَفِّرَ عَنْ◌ْکُمْ ◌ْسَیِّاٰتِکُمْ ◌ْوَیُدْ◌ْخِلَکُمْ ◌ْجَنّٰتٍ تَجْ◌ْرِیْ ◌ْمِنْ ◌ْتَحْ◌ْتِہَا الْ◌ْاَنْ◌ْہٰرُ◌ۙ یَوْ◌ْمَ لَا یُخْ◌ْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْ◌ْنَ اٰمَنُوْ◌ْا مَعَہٗ◌ۚ نُوْ◌ْرُہُمْ ◌ْیَسْ◌ْعٰی بَیْ◌ْنَ اَیْ◌ْدِیْ◌ْہِمْ ◌ْوَبِاَیْ◌ْمَانِہِمْ ◌ْیَقُوْ◌ْلُوْ◌ْنَ رَبَّنَآ اَتْ◌ْمِمْ ◌ْلَنَا نُوْ◌ْرَنَا وَاغْ◌ْفِرْ◌ْ لَنَا◌ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْ◌ْءٍ قَدِیْ◌ْرٌ﴿۸﴾

ترجمہ:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ 19، بعید نہیں کہ اللہ تمہاری

برائیاں تم سے دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمادے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی20 ۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہ کرے گا21 ۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب، ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کردے اور ہم سے درگزر فرما، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے22 ۔

)سورت توبہ آیت نمبر 22،21(

بابا جی نے آیتیں پڑھی تھیں اور پھر اس کا ترجمہ کیا تھا۔

"میں نہیں جانتی بابا کہ ان آیات کا مطلب کیا ہے مگر انہیں سن کر میرے وجود میں یک گونا سکون سراہت کرگیا ہے آپ پلیز مجھے تفصیل سے بتائیں۔"

اس نے تجسس سے مسکرا کر ان سے درخواست کی تھی۔

"بیٹا قرآن کی ہر آیت میں انسان کے لیے سکون کا مادا رکھا گیا ہے۔ سورت توبہ تو خالصتن توبہ کی کنجی ہے اس میں موجود ہر حرف ہر لفظ ہم جیسے گناہ گار انسانوں کو شرمندگی کی انتہا گہرائیوں میں ڈال دیتا ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ اے ایمان والوں یعنی لوگوں جو اللہ کو مانتے ہیں ایمان کی طاقت جن کے سینوں کو منور کرتی ہے انہیں چاہئیے کہ وہ اللہ سے اپنے گناہوں کے لیے توبہ کرلیں ایسی

خالص اور سچے دل سے توبہ ہو جس کے باعث اللہ تمہارے وجود کی برائیوں کو تم پر سے جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔ جب انسان کا وجود برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے نہ تو میرے بچے اللہ اس کے لیے صرف ایک ہی تحفے کا انتخاب کرتا ہے اور بے شک وہ تحفہ جنت سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتا اور وہ جنت بھی وہ جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر سو رہی تھی۔ رات آہستہ آہستہ سرک گئی تھی کچھ ہی لمحوں میں ہر جانب دن کا اجالا پھیلنے والا تھا وہ تقریباً رات دس بجے کشمیر سے روانہ ہوئے تھے پشاور پہنچنے میں ابھی بھی تین گھنٹے باقی تھے۔

اس نے رخ موڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا رات والی گفتگو سے غصے کی شدید لہر اس کے رگ و پا میں سرایت کی تھی۔ وہ مدہوش ہو کر سو رہی تھی کہ اچانک اس کا سر ڈھلکا تھا اور سیدھا جبرئیل کے کندھے پر آ کر گرا تھا۔ جبرئیل نے گاڑی چلاتے ہوئے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا اسے شدید غصہ آیا تھا۔۔

"بھروسہ کرتی نہیں ہیں اور کندھے پر سر رکھ کر کیسے مزے سے سو رہی ہیں۔"

اس نے غصے سے سوچ کر لب بھینچے تھے اور اپنی توجہ سامنے سڑک کی جانب کی تھی۔ کچھ ہی دیر میں کسی غیر معمولی جذبے کے تحت اس کی آنکھ کھلی تھی اس نے جب اپنا سر جبرئیل

کے کندھے پر دیکھا تو بے اختیار اسے ڈھیروں شرمندگی نے گھیرا تھا۔
وہ جلدی جلدی سیدھی ہوئی تھی اور اپنی ڈھلکتی ہوئی چادر کو سر پر درست کیا تھا۔
"میں کب سے سو رہی تھی؟"
اس نے نقاہت زدہ آواز میں پوچھا تھا۔
"رات سے۔"
جبرئیل نے جواب انتہائی روکھے انداز میں دیا تھا۔ زارا کو اس کا انداز شدید چبھا تھا لیکن وہ برداشت کر گئی تھی۔ فضا پر اب دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ ہر جانب چڑیوں کی چہچہاہٹ تھی آسمان کی نیلگیوں پر پرندوں کا راج تھا۔ اس نے ایک دم کسی ڈھابے کے سامنے جیپ روکی تھی۔
"کیا کھائیں گی آپ؟"
اس نے بے نیازی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"کچھ بھی۔"
زارا نے ناچاہتے ہوئے بھی اس سے کہا تھا کیونکہ یہ سچ تھا کہ رات اس نے صبح سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ گہرا سانس بھر کر جیپ کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور زارا نے گہرا سانس بھر کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اسے جبرئیل کا خود کے ساتھ بے

رخی سے پیش آنا بہت برا لگا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر جیپ کی ونڈ سکرین سے باہر دیکھا تھا جہاں وہ سیاہ جینز پر مہرون ٹی شرٹ پہنے اوپر لیدر کی جیکٹ پہنے اور آنکھوں پر سیاہ شیڈز لگائے کلائی پر قیمتی گھڑی پہنے انتہائی وجیہ لگ رہا تھا۔

زارا نے اپنی انیس سالہ زندگی میں اپنے اتنے قریب کسی بھی مرد کو نہیں دیکھا تھا۔ اس نے آنکھ کھولتے ہی اپنے قریب صرف ایک ہی وجود کو دیکھا تھا اور وہ وجود صرف اور صرف اس کی ماں کا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی مرد سے بہت قریب سے ملی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ جبرئیل سے محبت میں بتلا ہو رہی تھی وہ تو شاید محبت جیسے جذبے کو جانتی بھی نہیں تھی اسے صرف اس سے شکر، عقیدت اور حفاظت ملی تھی۔ جبرئیل کو اللہ نے اس کا محافظ بنا کر بیجھا تھا اور وہ اس کے لیے اس کی دل سے مشکور تھی۔ جبرئیل کا وجود اسے کچھ دنوں سے اپنے گرد ایک ان دیکھا طلسم محسوس ہوتا تھا جس کے رہتے وہ خود کو امان کے ہاتھ میں محسوس کرتی تھی۔

اپنی سوچوں سے باہر آ کر اس نے ایک بار پھر سے اسی جگہ پر دیکھا تھا مگر اب وہاں وہ نہیں تھا۔ اس کی نظروں نے مسلسل اسے تلاشا تھا مگر وہ اسے نہیں دکھا تھا۔

وہ ابھی پریشانی کے عالم میں ہی تھی جب کسی نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر کو کھینچا تھا۔ وہ کوئی نقاب پوش تھا جو اپنی پوری طاقت لگا کر اسے باہر کی

جانب کھینچ رہا تھا۔ زارا نے اپنا پورا زور لگا کر جبرئیل کو پکارنے کی کوشش کی تھی مگر وہ ہوتا تو اس کی آواز سنتا نہ وہ ایک نازک لڑکی اور مقابل ایک بھرپور مرد دونوں کا مقابلہ تو بنتا ہی نہیں تھا۔ اس نقاب پوش نے اسے گاڑی کے باہر کھینچ لیا تھا زارا کی ساری مذاہمت آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ پیچھے کی جانب کھنچی چلی جا رہی تھی۔ وہ اسے مسلسل کھینچتے ہوئے لے کر جا رہا تھا۔ زور لگا لگا کر زارا نور تھک چکی تھی اس کی ساری ہمت جواب دے گئی تھی وہ آہستہ آہستہ ہار رہی تھی اس نے اپنا آپ مکمل اس کے رحم و کرم پر ڈال دیا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ وہ کوئی بڑی سی وین تھی جس کی جانب اسے گھسیٹا جا رہا تھا۔ وہ چیخ نہیں سکتی تھی کیونکہ اس شخص کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا جس کے باعث اس کی آواز دبی ہوئی تھی۔ اسے دھکا دے کر کوئی اس وین میں بیٹھا رہا تھا جب فضا گولیوں کی تھر تھراہٹ سے گونجی تھی۔ اسے بالکل بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہو رہی وہ بے ہوشی کی جانب جا رہی تھی وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ڈیم اٹ۔"

اس نے چلاتے ہوئے میز پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر پوری قوت سے پینٹ ہاوس کی کھڑکی پر

دے مارا تھا۔ کھڑکی پر بے دریغ کئی لکیروں کے جال ابھرے تھے اور خوبصورت کھڑکی کے شیشے کے چند ٹکرے صاف اور شفاف ماربل کے فرش کی زینت بن گئے تھے۔

"ایک چھٹانک بھر کی لڑکی ان مسٹنڈوں سے نہیں پکڑی گئی۔"

اس نے غصے سے سگریٹ کی ڈبی میں سے ایک سگریٹ نکال کر لائیٹر سے سلگایا تھا اور گہرا کش لیا تو اس کے منہ سے نکلنے والا دھواں فضا میں تحلیل ہو گیا۔

"ایس۔کے !انھوں نے پکڑ لیا تھا اسے مگر پھر۔۔"

غلام بخش نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مگر پھر کیا غلام بخش ؟ کہ میجر جبرئیل آگیا یہی نہ ؟"

ایس۔کے کے لہجے میں جبرئیل کے لیے نفرت بول رہی تھی وہ اس سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتی ہے یہ صرف وہی جانتی تھی جبرئیل کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ اس دنیا کے ایک دوسرے کونے میں ایسی عورت بھی موجود ہے جو اس سے نفرت کی آگ میں بے دریغ جل رہی ہے وہ اپنے انتقام میں اتنی اندھی ہو چکی ہے کہ صیح اور غلط اس کی ڈکشنری سے باہر نکل چکے ہیں اب صرف مرنا اور مار دینا ہی دو ایسے الفاظ ہیں جو ستائیس سالہ ایس۔کے کی زندگی کے محور ہیں۔

"آپ میجر جبرئیل کے لیے ہمشہ ایسے بات کیوں کرتی ہیں ؟"

اتنے عرصے کے بعد آج غلام بخش نے اس سے پوچھا تھا۔
"جبرئیل کا تعلق ایسے گھر سے ہے جنہوں نے میری ساری زندگی تباہ کردی غلام بخش! مجھ سے میرا سارا بچپن، میری ساری معصومیت مجھ سے چھین لی۔"
اس کی آنکھ سے ایک آوارہ آنسو ٹوٹ کر گرنے کے لیے بے تاب تھا مگر اس سے پہلے ہی اس کے مضبوط اعصاب نے اپنی دلی کیفیت کو قابو کر لیا تھا۔
"ایس۔کے لیکن اللہ نے محبت بھی تو آپ کے اس دل کے لیے پیدا کی ہے اگر وہ آپ کے دل میں کسی کے لیے محبت ڈال سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے آپ کا دل پتھر کا نہیں بنایا۔"
غلام بخش نے اس کے پیروں کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
"ہوں! وہ مجھ جیسی عورت کو کیا اپنائے گا۔"
اس نے طنز بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
"کیوں آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں جو محبت پیدا کر سکتا ہے وہ محبت دے بھی سکتا ہے۔"
غلام بخش نے اس سے کہا تھا۔
"کچھ محبتیں عزتوں پر غالب آجاتی ہیں غلام بخش میری محبت بھی میرے جنون پر کہیں غالب نہ آجائے ایک یہی خوف ہے جو مجھ جیسی عورت کو اندر ہی اندر ڈس رہا ہے۔"

ایس۔کے کے الفاظ غلام بخش کا سینہ چیر رہے تھے کیونکہ یہ بھی سچ تھا کہ غلام بخش پندرہ سال سے ایس۔کے کی حفاظت کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دھیرے دھیرے ہوش میں آرہی تھی اس نے جب اپنی آنکھیں پوری طرح سے کھولیں تو اسے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا وہ کسی ہسپتال کے کمرے میں تھی قریب ہی نرس اس کی ڈرپ میں کوئی انجیکشن بھر کر لگا رہی تھی۔اسے ابھی بھی اپنا سر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔

"مہ۔۔میں کہاں ہوں؟"

اس نے اپنا سر سہلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"مس آپ ہوسپٹل میں ہیں۔"

نرس نے مصروفیت بھرے انداز میں اس سے کہا تھا۔

"مجھے یہاں کون لے کر آیا تھا؟"

وہ ایک بار پھر سے پوچھ رہی تھی۔

"میڈم وہ فاریسی تک گئے ہیں آپ ریلیکس ہو جائیں آپ ڈسچارج ہو گئی ہیں بس یہ ڈرپ ختم ہونے کے بعد آپ گھر جا سکیں گی۔"

نرس نے تسلی سے اس سے کہا تھا اور فائل تھام کر باہر نکل گئی تھی۔ کمرے میں وہ تنہا رہ گئی تھی شاید زندگی میں تنہا رہنے کی طرح۔

"آہاں گھر! کونسے گھر لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مجھ جیسے لاوارث لوگوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا کبھی کبھی زندگی کچھ لوگوں کے ساتھ عجیب سا کھیل کھیل جاتی ہے ایک پل میں آپ اپنی پناہ گاہ میں ہوتے ہیں اور اگلے پل ہی بہت بے دردی سے آپ سے وہ آپ کی واحد پناہ گاہ چھین لی جاتی ہے جیسے اس سے چھین لی گئی تھی وہ مکمل طور پر اب غیروں کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تھا۔ زارا نے نظریں پھیر کر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آیا تھا۔

"اب کسی طبعیت ہے آپ کی؟"

اس نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"زندہ بچ گئی ہوں۔"

وہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی تھی۔

"او پلیز زارا بس آپ کا سٹریس سے بلڈ پریشر لو ہوا تھا آپ ٹھیک ہیں چلیں گھر چلتے ہیں۔"

اس نے اس سے کہتے ہوئے ہی آگے بڑھ کر اس کی ڈرپ نکالی تھی نرس نے آگے بڑھ

کر اسے سہارا دیا تھا۔

"پلیز یہ چادر لے لیں۔"

اس نے اس کی سیاہ چادر اسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔ چادر اوڑھ کر وہ دونوں باہر تک آ گئے تھے جہاں جبرئیل کی جیپ کھڑی تھی۔ تقریبا ایک گھنٹے کے بعد وہ دونوں پشاور پہنچ گئے تھے۔ خان ولا دو کینال پر پھیلا ہوا ایک خوبصورت بنگلا تھا جو پشاور کے ملٹری ایریا میں واقع تھا۔ اس نے جیپ وسیع و عریض گیٹ کے سامنے روکی تھی اور ہارن دیا تو چوکیدار نے اس کی جیپ کا ہارن سن کر فوری گیٹ کھول دیا۔ وہ جیپ خوبصورت روش سے پورچ تک لے آیا جہاں الریڈی دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جبرئیل نے جیپ پورچ میں پارک کرنے کے بعد اسے اترنے کے لیے کہا تھا وہ جو اس گھر کی خوبصورتی میں ہی کھوئی ہوئی تھی جھجھکتے ہوئے نیچے اتری تھی۔

"چلیں۔!

اس نے اسے اشارہ کیا اور خود آگے چل پڑا زارا اس کے پیچھے پیچھے تھی وہ ہر چیز کو انتہائی غور سے دیکھ رہی تھی کیونکہ یہ سچ تھا کہ کشمیر میں وہ ایک چھوٹے سے دو کمروں کے مکان میں رہتی تھی۔ مین دروازہ کھول کر وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ خوبصورت کاریڈور میں ماربل کے فرش پر انتہائی قیمتی سینٹر پیس بچھا ہوا تھا کاریڈور سے ہو کر سامنے وسیع لاونج

تھا جس کی کھڑکیاں پچھلے لان میں کھلتی تھیں لاونج کی سامنے دیوار پر خوبصورت آتش دان تھا اور بیچ میب خوبصورت صوفے رکھے گئے تھے سامنے دیوار گیر ایل ای ڈی روشن تھی جہاں بغیر آواز کے کوئی نیوز چینل چل رہا تھا۔ لاونج کے ساتھ بائیں جانب ڈرائینگ روم اور دائیں جانب کیچن تھا جس کے باہر کچھ حصہ ڈائنگ آئیریا کو دیا گیا تھا۔ کیچن کے ساتھ دو کمرے تھے ایک عشرت جہاں کا اور ایک ماہ رخ بیگم کے پاس تھا۔ آتش دان کے ساتھ خوبصورت چکور سیڑھیاں تھیں جو اوپر کے حصے میں جاتی تھیں۔ ایک کمرہ ڈرائینگ روم کے ساتھ تھا جو گیسٹ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

اوپر کے حصے میں پانچ کمرے تھے ایک صاریہ اور زیبا کے پاس تھا ایک آنیہ کے پاس ایک آرون کے پاس تھا ایک سبتین اور سب سے کونے والا کمرہ جبرئیل کا تھا جو زیادہ وقت بند ہی رہتا تھا کیونکہ وہ یہاں کم ہی ہوتا تھا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو عشرت جہاں لاونج میں ایک جانب جانماز بچھا کر نماز پڑھ رہی تھیں اور گھر میں اس لمحے کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں آرام سے میں حمیدہ بی کو آپ کے لیے پانی لانے کا بولتا ہوں۔"

وہ اپنی لیدر جیکٹ اتار کر صوفے پر پھینک کر خود کیچن کی جانب چل دیا تھا جہاں حمیدہ بی دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

"اسلام علیکم حمیدہ بی! کیسی ہیں آپ؟"

اس نے ہمشہ کی طرح مودب بن کر انہیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام! میرا فوجی گبرو جوان پتر آگیا ہے۔"

حمیدہ بی ہمشہ کی طرح اس سے اپنا ئیت سے ملی تھیں۔

"جی جی حمیدہ بی آپ کا فوجی گبرو جوان پتر آگیا ہے آپ ایسا کریں ایک پانی کا گلاس باہر لے کر آئیں۔"

وہ انہیں ہدایات جاری کرتا ہوا خود واپس لاونج میں آگیا تھا جہاں زارا نروس انداز میں صوفے پر بیٹھی اپنی انگلیاں مڑوڑ رہی تھیں جبکہ دوسری جانب عشرت جہاں نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہی تھیں۔ جبرئیل وہی ایک جانب کھڑا تھا جب حمیدہ بی پانی کا گلاس لے کر آئی تھیں۔ جبرئیل نے اشارے سے انہیں زارا کو پانی دینے کے لیے کہا تھا۔ زارا نے ان کے ہاتھ سے گلاس تھام کر دو تین گھونٹ بھر کر سامنے رکھے میز پر رکھ دیا تھا۔ تب تک عشرت جہاں فارغ ہو کر جانماز طے کر چکی تھیں انہوں نے کچھ پڑھ کر جبرئیل پر پھوک ماری تھی جس پر وہ مسکرایا تھا۔

"کیسے ہو میرے بچے"!

انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے پوچھا تھا۔

"امی میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟"

اس نے ان کے ہاتھ چومتے ہوئے پوچھا تھا۔ دونوں ماں بیٹے اس لمحے زارا کی موجودگی سے یکسر لاپرواہ دیکھائی دے رہے تھے۔ زارا کو اس لمحے نگت آرا شدت سے یاد آئیں تھیں کہیں ایک آنسو اس کی پلکوں کی باڑ توڑ کر نکلا تھا جسے اس نے رگڑنے کی بری طرح کوشش کی تھی۔ جبرئیل کا دھیان اس کی جانب گیا تو اس نے عشرت جہاں کو اپنے بازو کے حلقے میں لیتے ہوئے ان کا رخ زارا کی طرف موڑا تھا جو سیاہ چادر میں سر جھکائے ناک لیے سہمی کھڑی تھی۔ عشرت جہاں نے جبرئیل کی جانب معنی خیزی سے دیکھا تھا جس پر اس نے گڑبڑا کر جلدی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"امی ان سے ملیں یہ زارا ہیں۔"

اس نے زارا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اسلام۔۔علیکم"!

زارا نے نظریں جھکا کر انہیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام جیتی رہیں بیٹی"!

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا بس وہی لمحہ تھا جب زارا کا ضبط ٹوٹا تھا اور وہ بری طرح سسک پڑی تھی۔

"ارے ارے رو کیوں رہی ہیں آپ؟"

وہ بھی اس کے رونے پر ایک دم پریشان ہو گئی تھیں جبکہ جبرئیل کا اچھا خاصہ غصہ آگیا تھا۔

"غلط جگہ پر محترمہ کو رونا آجاتا ہے اچھی خاصی میری پوزیشن خراب کررہی ہیں یہ۔"

وہ جی بھر کر اس کی حرکت پر تلملا رہا تھا۔

"امی! انہیں آپ گیسٹ روم میں بجھوا دیں ان کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس نے زرہ آہستگی سے کہا تھا جس پر عشرت جہاں نے حمیدہ بی کو بلوا کر ان کے ساتھ اسے گیسٹ روم میں بھجوا دیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد وہ جبرئیل کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"تم آؤ زرا میرے کمرے میں۔"

انہوں نے اسے حکم جاری کیا اور خود کیچن کے ساتھ بنے اپنے کمرے میں آگئیں۔ ان کے پیچھے ہی جبرئیل بھی اندر داخل ہوا تھا۔

"یہ سب کیا ہے بیٹا کون ہے یہ لڑکی؟"

انہوں نے چھوٹتے ہی اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کردی تھی۔

"اف امی سانس لے لیں میں آپ کو سب بتاتا ہوں۔"

اتنا تو وہ بھی جانتی تھی اپنے بیٹے کو کہ وہ بغیر بہت بڑی وجہ کے کوئی کام نہیں کرتا تھا اور اگر آج وہ کسی لڑکی کو اس طرح سے اپنے گھر لے کر آیا تھا تو ضرور اس کے پیچھے کوئی بڑی وجہ ہو گی۔

اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر انہیں شروع سے لے کر آخر تک ساری بات بتا دی تھی کہ کس طرح اسے زارا ملی اور اس کے ساتھ کیا ہوا اور یہ کہ کرنل خاور نے اس کی حفاظت کی زمہ داری اسے سونپی ہے مگر اس ساری بات میں وہ اپنے بابا اور چچا کی شہادت والی بات ان سے دانستہ چھپا گیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جو باب بارہ تیرہ سال پہلے بند ہوا تھا وہ ان کے سامنے اس طرح سے کھلے لیکن وہ خود بھی اس بات سے انجان تھا کہ کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جو اسی لمحے آشکار ہو جاتی ہیں ہاں ان سے نظریں چرا کر انہیں نظر انداز ضرور کر دیا جاتا ہے مگر وہ ایک تلخ یاد کی طرح ہمیشہ دل کے کسی کونے میں رہ کر سانپ بن کر آپ کو ڈستی رہتی ہیں جیسے کچھ حقیقتوں سے عشرت جہاں آشنا تھی اور برسوں سے ان کا بوجھ اپنے دل پر اٹھا کر گھوم رہی تھیں مگر بہت جلد وہ وقت آنے والا تھا جب وہ اپنے دل کا یہ غبار اپنے اس بیٹے سے بانٹتی جو باپ کے بعد ان کا فخر تھا۔

"تم فکر نہیں کرو میں اس کا پورا دھیان رکھوں گی۔"

انہوں نے اپنے گھٹنے پر رکھے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تھینک یو امی"!

اس نے اپنا سر ان کے گھٹنے پر ٹکاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا جس پر انہوں نے اپنی نرم انگلیاں اس کے سیاہ سلکی بالوں میں چلائی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ وجود کئی راتوں کی طرح آج بھی سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں سرد فرش پر بکھری حالت میں موجود تھا۔ بکھرے بال اور شکن آلود کئی دنوں کے میلے لباس میں سوکھے ہوئے لبوں کے ساتھ وہ نڈھال تھا۔ آج پورا ایک ہفتہ ہو چکا تھا اسے اس تہہ خانے کی مہمان بنے ہوئے۔ ایک ہفتے کے بعد آج کہیں جا کر اوپری سیڑھیوں سے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی ایک زہریلی مسکراہٹ پھر سے اس شخص کی آمد پر اس کے چہرے پر ابھری تھی۔

قدموں کی آواز آہستہ آہستہ نزدیک آتی جا رہی تھی۔ سیڑھیوں سے سیاہ اینٹوں والے فرش پر سایہ نمودار ہوا تھا اور پھر سگار کا دھواں تہہ خانے میں ابھرا تھا اور کش لیتا ہوا وہ شخص بھی۔

"کیسی ہو؟"

اس نے اس وجود کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سکون میں۔"

جواب زہر خند لہجے میں دیا گیا تھا۔

"اس سیاہ کوٹھری میں بغیر کچھ کھائے تم کس طرح سکون میں ہو؟"

دوسری جانب شدید حیرت کا اظہار کیا گیا تھا۔

"ہاں سکون کیونکہ جب انسان کے پاس کچھ کھونے کے لیے نہ بچے تو اس کی زندگی کے طلاطم میں خود بخود ہی ٹھہراو آجاتا ہے۔

سرد زمین پر بیٹھے ہوئے وجود نے سکوت کے عالم میں ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا جس پر گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا شخص لڑکھڑایا تھا اور پھر انتہائی زوردار قہقہ بلند ہوا تھا۔

"تم بھول رہی ہو آرا کہ تمہارے پاس کھونے کے لیے اب بھی بہت کچھ ہے۔"

اس کے لہجے میں ایک عجیب سا طنز شامل تھا جو آرا کو بہت کچھ باور کرانے کے لیے کافی تھا۔ آرا کے چہرے پر ایک بار پھر سکون آور مسکراہٹ ابھری تھی۔

"جسے کھونے کی بات تم کر رہے ہو نہ یاد رکھنا تم اس تک کبھی بھی نہیں پہنچ پاو گئے۔ میں نے وہ تمہاری دسترس سے اتنی دور کردی ہے کہ تم چاہ کر بھی اسے چھو نہیں سکتے۔

آرا کے لہجے میں بے تحاشہ سکون کی امیزیش شامل تھی۔

"کب تک؟ چاہے جتنا مرضی دور کرلو بچا نہیں پاوگی۔"

سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے لہجے میں ایک عجیب سی چھبن تھی۔
"بھروسہ اور یقین دو ایسی چیزیں ہیں جو اگر قائم رکھی جائیں نہ تو بڑے بڑے پہاڑ سر ہو جاتے ہیں تم سمجھ لو میرا برسوں کا بھروسہ اور یقین ہی تمہاری کشتی کو ڈوبائے گا۔"
آرا کے لہجے کے یقین نے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو حیرتوں میں ڈال دیا تھا۔
"چی۔۔چی۔۔رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔"
اس نے آرا کو بالوں سے تھاما تھا۔درد کی شدت سے دو تین آنسو ٹوٹ کر آرا کی آنکھوں سے بہے تھے۔
"مان لو کہ تم آج بھی کمزور ہو وہی پہلے والی آرا جو میری ایک دھاڑ سے سہم جایا کرتی تھی۔"
اس شخص کے لہجے میں اپنے لیے فخر بول رہا تھا۔
"بھول ہے تمہاری کہ میں آج بھی وہی والی آرا ہوں جو تمہاری ایک دھاڑ سے سہم جاتی تھی یاد رکھو کہ آج یہ آرا اپنے وجود میں اتنی طاقت رکھتی ہے کہ تم جیسے حیوان کو مسل سکے سب کچھ طاقت کے بل پر نہیں ہوتا کچھ جنگیں جذبوں پر بھی جیتی جاتی ہیں۔"
آرا کے لہجے میں اب کی بار سکون کے ساتھ چٹان جیسی سختی بھی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ عشرت جہاں کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آیا تھا اس نے دروازہ کھولا تو اس کا کمرہ اسی حالت میں تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ خوبصورت گرے وال پیپر سے سجی سامنے والی دیوار جس کے آگے خوبصورت لکڑی کا کنگ سائز بیڈ تھا۔ ماربل کا خوبصورت اور شفاف فرش جس کو گرے کارپیٹ سے سجایا گیا تھا۔ سامنے دو بڑی بڑی کھڑکیاں جن پر گرے رنگ کے پردے برابر کر رکھے تھے کھڑکیوں کے آگے صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا۔
ڈریسنگ ٹیبل جس پر اس کی ضرورت کا ہر چیز موجود تھی اور اسی کے ساتھ ڈریسنگ روم جس میں پوری دیوار کے ساتھ اس کی واڈروب بنی ہوئی تھی۔
اس نے اپنی جیکٹ صوفے پر پھینکی اور فریش ہونے واشروم کی جانب بڑھ گیا جب وہ پانچ منٹ بعد واشروم سے باہر نکلا تو اس کا فون بج رہا تھا اس نے ٹاول بیڈ پر پھینک کر جلدی سے کال رسیو کی کیونکہ کال کرنے والے کرنل خاور تھے۔

"اسلام علیکم سر"!

اس نے چوکنا انداز میں انہیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام ینگ مین پہنچ گئے ہو پشاور؟"

انہوں نے عجلت بھرے انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"یس سر بس آدھے گھنٹے پہلے ہی پہنچا ہوں۔"

اس نے اپنے پہنچنے کی بابت انہیں خبر کی تھی۔

"گڈ شام میں ہیڈ کواٹر رپوٹ کرو میں بھی واپس آگیا ہوں۔"

انہوں نے مطلب کی بات کی تھی۔

"یس سر! مگر راستے میں کسی نے زارا کو اغوا کرنے کی کوشیش کی تھی۔"

اس نے بتانا ضروری سمجھا تھا۔

"واٹ! از شی اوکے؟"

وہ ایک دم پریشان ہوئے تھے۔

"یس سر شی از آلرائیٹ۔"

اس نے ان کی تسلی کرائی تھی۔

"تھینک گاڈ۔ سی یو ان ایوننگ۔"

انہوں نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا اور چند رسمی جملوں کے بعد کال بند کردی تھی۔ اس نے بھی فون بند کیا تھا اور کچھ دیر کے لیے بیڈ پر لیٹ گیا تھا ساری رات کی مسلسل ڈرائیونگ نے اسے تھکا دیا تھا۔

زارا گیسٹ روم میں آئی تو عجیب سی کشمکش سے دوچار تھی نئی جگہ نئے لوگ کیسے رہے گی وہ یہاں اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ابھی وہ اسی کشمکش میں تھی جب دروازہ ناک ہوا تھا

اور عشرت جہاں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

"ارے بیٹا! تم ابھی تک یونہی کھڑی ہو؟"

انہوں نے پیار سے اس سے پوچھا تھا۔

"جہ۔۔جی؟"

وہ خاصی نروس دیکھائی دے رہی تھی۔

"بیٹا فریش ہو جاؤ پھر باہر آؤ کھانا کھالو آ کر یہ کپڑے لو چینج کرلو پھر میں جبرئیل سے بولوں گی تمہیں شاپنگ کرا لائے گا۔"

ان کے لہجے میں اپنائیت ہی اپنائیت تھی جس نے زارا کو کچھ حوصلہ دیا تھا۔

"انٹی! اس میں کوئی سکارف ہے کیا؟"

اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں بیٹا ہے تو نہیں مگر میں حمیدہ بی سے کہہ کر بھجوا دیتی ہوں۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا اور اس کا گال تھپک کر باہر نکل گئیں۔ وہ فریش ہونے واشروم کی جانب بڑھ گئی جب وہ باہر نکلی تو سکن خوبصورت کرتے کو لائٹ ریڈ پجامے کے ساتھ پہنے ہوئے تھی گیلے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے گندمی سرخ وسپید رنگت دمک رہی تھی اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گیلے بالوں میں برش کیا اور انہیں ایسے ہی پشت پر

کھلا رہنے دیا جبکہ بیڈ پر رکھے ہوئے خوبصورت ریڈ سکارف کو اٹھا کر اس نے سر پر ویسے ہی باندلیا جیسے وہ کشمیر میں باندھا کرتی تھی خوبصورت ریڈ اور سکن شال کو کندھوں پر ڈال کر وہ دروازے کی جانب آ گئی جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا سامنے ایک خوبصورت سی لڑکی کو کھڑے پایا۔

"ہائے میں آنیہ ہوں جبرئیل بھائی کی بہن۔"

آنیہ نے خوش اسلوبی سے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"میرا نام زارا ہے۔"

زارا نے انتہائی آہستگی سے کہا تھا کہ بامشکل ہی آنیہ سن پائی تھی۔

"نائس ٹو میٹ یو زارا امی تمہیں کھانے پر بلا رہی ہیں۔"

اس نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھاما اور بغیر اس کی سنے ڈائننگ ٹیبل پر لے آئی جہاں اس وقت ساری خواتین بیٹھی دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں۔

صاریہ نے چبھتی نظروں سے اوپر سے نیچے تک زارا کا معائنہ کیا تھا اور پھر آدھ میں ہی کھانا چھوڑ کر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی تھی۔

"آو بیٹا یہاں بیٹھو"!

ماہ رخ بیگم نے اسے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ چپ

چاپ وہاں بیٹھ گئی تھی۔ وہاں بیٹھے نفوس میں سے کسی نے بھی صاریہ کے اس طرح سے اٹھنے پر نوٹس نہیں لیا تھا سب مگن ہو کر کھانا کھا رہے تھے۔ زارا نے جبرئیل کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جو اسے یہاں لا کر اکیلا چھوڑ کر پتہ نہیں کہاں نکل گیا تھا۔

عشرت جہاں نے اس کی پلیٹ میں کھانا نکالا تھا اور پھر اسے زبردستی کھانے پر راضی بھی کیا تھا۔

اس نے ان کے بہت زیادہ کہنے پر زبردستی تھوڑا سا کھایا تھا اور پھر اس نے پلیٹ آگے کو سرکا دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر عشرت جہاں اور ماہ رخ بیگم تو اپنے اپنے کمروں میں آرام کرنے چلی گئی تھیں جبکہ زیبا اور آنیہ اسے لیے لاونج میں صوفوں پر آ گئی تھیں۔

"تو کیا کرتی ہو تم؟"

پوچھنے والی زیبا تھی جو کب سے ضبط کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں کچھ نہیں کرتی ہوں سیکیڈ ائیر کے پیپر دے کر رزلٹ کا ویٹ کر رہی تھی اور میں کشمیری کڑھائی بہت اچھی کرتی ہوں۔"

وہ بھی ان دونوں کے دوستانہ انداز پر ہلکے پھلکے انداز میں بولی تھی۔

"واو! کشمیری کڑھائی تو بہت مشکل ہوتی ہے اور خوبصورت بھی کیسے کر لیتی ہو تم۔"

زیبا کا تجسس کسی طور بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"جیسے تم نکمی سے کچھ نہیں ہوتا نہ ویسے یہ کرلیتی ہے۔"

آرون باہر سے چابی گھماتا ہوا اندر آیا تھا۔

"تم۔۔ تم چپ رہا کرو ہر وقت بولتے رہتے ہو۔"

وہ بھی ہمیشہ کی طرح چڑی تھی آرون نے اسے گہری نظروں سے دیکھا تھا گزشتہ رات کا منظر زیبا کے ذہن کی سکرین پر نمودار ہوا تھا اور وہ پل میں سرخ ہوئی تھی۔ دونوں کا رشتہ عجیب سا تھا بے حد لڑنا لیکن پھر بھی ایک دوسرے کی خواہش ہی کرنا آرون نے بڑے ہوتے ہی جب ہوش سنبھالی اس کے دل پر صرف ایک نام لکھا گیا تھا اور وہ نام صرف اور صرف زیبا النسا خان کا تھا یہ سچ تھا کہ اس کی سب سے زیادہ لڑائی بھی زیبا النسا ہی سے ہوتی تھی لیکن پھر بھی اس کا دل مسلسل اسی کی خواہش کرتا تھا۔

"آہم"!

آنیہ نے گلا کھنکار کر دونوں کو ہوش میں واپس آنے کا علمیہ تھمایا تھا جس سے وہ دونوں صورتحال سے آشنا ہوئے تھے۔

"زارا تم ایک کڑھائی والا سوٹ زیبا اور میرے لیے بھی بنانا۔"

آنیہ نے محبت سے کہا تھا۔

"یہ کیا اجنبی کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے ہو تم لوگ چلو جاو یہاں سے۔"

صاریہ اپنے کمرے سے نکلی تو اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"آپا کیا ہوگیا ہے تمہیں خاموش ہو جاو؟"

زیبا نے اسے دبی دبی آواز میں تنبہ کی تھی مگر وہ صاریہ ہی کیا جو کسی کی دھمکیوں میں آجائے۔

"تم چپ رہو زیادہ میری اماں بننے کی ضرورت نہیں ہے اور تم لڑکی جو بھی ہو نہ جتنی جلدی یہاں سے چلی جاو اتنا ہی بہتر ہے ورنہ میں تمہارے ساتھ وہ کرونگی نہ کہ سوچ ہے تمہاری۔"

وہ اب زارا کی طرف دیکھ کر انگلی اٹھا کر اسے کہہ رہی تھی۔

"بس صاریہ آپا بی ہیو یور سیلف یہ ہماری مہمان ہیں اور آپ کا کوئی رائیٹ نہیں ہے ان سے ایسے بات کرنے کا۔"

آرون نے درشتگی سے صاریہ کو کہا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ آرون تمیز سے بات کرو مجھ سے تم اور تمہارا بھائی پتہ نہیں سمجھتے کیا ہیں خود کو۔"

صاریہ کی توپوں کا رخ اب آرون کی جانب ہو چکا تھا۔

"کیا سمجھتے ہیں یہ اور اس کا بھائی اپنے آپ کو زرا روشنی ڈالنا پسند کریں گی آپ؟''

وہ اپنے یونیفارم میں نک سک سے تیار سیڑھیوں میں کھڑا تھا۔ صاریہ سمیت سب کو وہاں سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا باقی کی سیڑھیاں بھی عبور کرتے ہوئے اب بالکل صاریہ کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس سارے عرصے میں زارا نیچے دیکھ رہی تھی شاہد اس کا چہرہ آنسوں سے تر ہو چکا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے جبرئیل اور یہاں ہمارے گھر میں تمہارے ساتھ کیا کر رہی ہے؟"

اس نے ہاتھ باندھ کر اس سے سوال کیا تھا۔

"یہ جو بھی ہے اٹس نن اف یور کنسرن اور ہاں اگر آئندہ میں نے تمہیں دیکھا یا کسی سے بھی سنا کہ تم نے زارا سے کوئی بدتمیزی کی ہے تو آئی سوئیر آئی فارگیٹ ایوری ریلیشن۔"

وہ بالکل ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا اس کے لہجے میں بلا کی سرد مہری تھی جس نے صاریہ کا سارا وجود برف کر دیا تھا۔ اس سے کہہ کر وہ زارا کی جانب بڑھا تھا اور بغیر اس سے کچھ بھی کہے اس نے اس کی کلائی تھامی تھی زارا کے پورے وجود میں جیسے ایک بجلی سی دوڑی تھی وہ کسی مومی گڑیا کی طرح اس کے پیچھے گھسیٹتی چلی گئی تھی گیسٹ روم میں پہنچ کر اس نے اس کی کلائی آزاد کی تھی۔

"لسن آئی ایم سوری!۔"

جبرئیل نے اس سے کہا تھا۔

"لیکن جب آپ خاموش رہتے ہیں تو لوگ آپ کی خاموشی کا ناجائز فاعدہ اٹھا کر آپ کو دبا لیتے ہیں سو پلیز آپ نے یہی رہنا ہے تو صاریہ جیسے لوگوں کو جواب دینا سیکھیں زندگی میں مضبوط بننا سیکھیں میں ہمشہ نہیں آو گا آپ کو صاریہ یا اس جیسے کسی اور انسان سے بچانے کے لیے آپ کو خود اپنے اندر اتنا سپارک پیدا کرنا ہو گا کہ صاریہ یا اس جیسے کسی بھی انسان کی جرات نہ ہو کہ وہ آپ کو آکر کچھ کہہ سکے بی سٹرونگ ان لائف آپ ریسٹ کریں میں ہیڈکوارٹر جا رہا ہوں ٹیک کئیر۔"

وہ اس سے انتہائی نرمی سے کہہ کر اب دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا جب زارا نے اسے پکارا تھا اس کے بڑھتے ہوئے قدم وہی پر رکے تھے اور اس نے مڑ کر اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"تھینک یو فار ایوری تھینگ۔"

اس نے مسکرانے کی ناکام کوشیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"سٹے ہیپی۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا کیونکہ میجر جبرئیل خان کو شکریہ کبھی بھی نہیں پسند تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ اپنے پینٹ ہاوس میں ایک جانب بنے چھوٹے سے بار میں آئی تھی جہاں عجیب اور جدید طرز کی شراب کی بوتلیں رکھی گئی تھیں آج ہجر اسے پہلے سے زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ وہ پاگل تھی بالکل کسی کو ایک نظر دیکھنے سے بھی بھلا کبھی محبت ہوئی ہے لیکن ہاں ایس کے کو ایک نظر دیکھنے سے ہی بڑی ظالم محبت ہوئی تھی ایسی محبت جو ہر رات اس کے دل میں آگ لگا دیتی تھی اور پھر وہ اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے شیکاگو میں بنے اپنے اسی پینٹ ہاوس کے بار میں آتی تھی جہاں وہ رہ رہی تھی۔ آج غلام بخش کو وہ ساتھ نہیں لائی تھی کیونکہ غلام بخش اسے زیادہ پینے سے روکتا تھا۔

اس نے کاوئینٹر پر رکھی ہوئی سگریٹ کی ڈبائی اٹھائی اور اس میں سے ایک سگریٹ سلگا لیا جوں ہی اس نے سگریٹ کا ایک کش لیا اس کے رگ و پا میں سکون ابھرا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔

"سچ کہتے ہیں سگریٹ غم کی دوا ہے۔"

اور پھر اپنی ہی بات کہہ کر وہ بے ہنگم انداز میں ہنسی تھی۔ وہ سادی سفید لمبی قمیض کو کالی جینز کے ساتھ پہنے ہوئی تھی اپنے سیاہ لمبے بال اس نے ایک ڈھیلے جوڑے کی شکل میں باندھے ہوئے تھے اور اپنی نرم مخروطی انگلیوں کے بیچ اس نے سلگایا ہوا سگریٹ تھاما تھا۔

"انسان برا نہیں ہوتا لوگ اسے برا بنا دیتے ہیں اس کی کچھ ایسی تلخ حقیقتوں سے آشنائی کرا دیتے ہیں کہ خوبصورت دل کا انسان برائی کی دلدل میں اترتے ہوئے ایک لمحہ بھی نہیں لگاتا اور پھر گاہے بگاہے اندر دھنستا ہی جاتا ہے تب تک جب تک اس کے لوٹنے کی امید ختم نہ ہوجائے۔"

یہ الفاظ ایس۔کے کے اپنے تھے۔ ظالم لوگوں کو محبت کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا کیونکہ پھر وہ محبت بھی بہت ظالم کرتے ہیں اتنی کہ محبوب کی فرار کے سارے راستے بند ہوجاتے ہیں جیسے ایس۔کے نے اپنے محبوب کی فرار کے راستے بند کرنے کی ٹھان لی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا میں ہر روز مرنا اور ہر روز جینا کسے کہتے ہیں یہ کوئی صمن کمال سے پوچھتا جو اس بڑے سے بنگلے میں بظاہر بڑی شان و شوکت سے رہتی تھیں مگر یہ بھی سچ تھا کہ کچھ حقیقتیں انہیں اندر ہی اندر ڈس رہی تھیں۔ کبھی کبھی آپ اپنی زندگی کی وہ غلطیاں کرجاتے ہو جس میں صرف پچھتاوا آپ کا مقدر رہ جاتا ہے اور یہی کچھ صمن بیگم کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔

وہ سرخ رنگ کے بغیر آستینوں والے ٹاپ کو نیلی جینز کے ساتھ پہنے ہوئے تھیں وہ اتنی ہی سمارٹ اور ماڈرن تھیں جتنی کہ آج کل کی لڑکیاں ہوتی ہیں سرخ لپ اسٹک سے رنگے ہوئے ان کے لب پیچے سے ہوئے تھے اور ڈائی شولڈر کٹ بل کندھوں پر بکھرے ہوئے

تھے وہ آج ضرورت سے زیادہ اداس لگ رہیں تھیں وہ وہی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں جب ملازمہ ان کا بجتا ہوا سیل فون لائی تھی۔ انہوں نے فون تھام کر نمبر دیکھا تو علینہ کی کال تھی ان کے بھینچے ہوئے لب مسکرائے تھے۔

"ہنی! پلیز کم بیک۔"

انہوں نے فون کان سے لگاتے ہی پہلا جملہ یہی بولا تھا۔

"پلیز مام ڈانٹ وانٹ ٹو کم بیک انفیکیٹ آئی جسٹ کال یو ٹو ٹیل دیٹ آئی لو ارجن نے السو وانٹ ٹو میری ود ہیم۔"

علینہ کے الفاظ صمن بیگم کے کانوں میں پگلا ہوا سیسہ انڈیل رہے تھے۔

"بکواس بند کرو پاگل ہو گئی ہو تم ایک ہندو سے شادی کرو گی؟ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی علینہ فوری واپس آو۔"

صمن بیگم کا لہجہ غصہ اور گھبراہٹ لیے ہوئے تھا۔

"سوری مام بٹ میں یہی کرو گی وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتا ہے اور ہم دونوں جلد شادی کرنے والے ہیں میں اب گھر واپس نہیں آو گی کیونکہ ڈیڈ کبھی بھی ارجن سے میری شادی نہیں کرائیں گئے۔"

علینہ کے لہجے کی ہٹ دھرمی صمن بیگم کے ہاتھ پاوں پھلا رہی تھی کیونکہ اس کے بعد اور

کمال ان کے ساتھ کیا کر سکتے تھے یہ سوچ کر ہی ان کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

"دیکھو ہنی، میری جان پلیز تم گھر واپس آ جاو آئی پرامس یو کہ میں خود تمہاری شادی باقاعدہ ارجن سے کرواوگی۔"

وہ تو جیسے منت پر آ گئی تھیں۔

"سوری مام آئی ڈونٹ ٹرسٹ یو بائے۔"

دوسری جانب سے فون بند کر دیا گیا تھا لیکن صمن بیگم ایسے تھیں جیسے کاٹو توان کے جسم سے لہو کا ایک قطرہ بھی نہ نکلے۔ خوف سے ان کا پورا وجود کانپ رہا تھا کہ آخر کو وہ داور کمال کو یہ خبر سنائیں گی کیسے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ شام میں پانچ بجے ہیڈ کوارٹر میں تھا اور اس لمحے وہ اور کرنل خاور وسیع و عریض میٹنگ روم میں موجود تھے جس کے ہیڈ کی کرسی پر کرنل خاور بڑی شان سے براجمان تھے اور ان کے ساتھ والی کرسی پر جبرئیل اور کسی کی بھی پوسٹنگ نہیں ہوئی تھی پشاور صرف میجر جبرئیل پشاور پوسٹڈ ہو گئے تھے۔

"ہیو یو اینی آئیڈیا کہ کون تھے وہ جو زارا کو لے کر جا رہے تھے؟"

کرنل خاور نے موچھوں کو تاو دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"سر ویسے تو آئیڈیا لگانا مشکل ہے مگر جہاں تک مجھے لگتا ہے یہ وہی لوگ ہیں جن کو زارا سے خطرہ ہے مجھے لگتا ہے کہ وہ اسے مارنا نہیں چاہتے وہ صرف ابھی اسے اپنے پاس رکھ کر پتہ لگانا چاہتے ہیں کہ آخر وہ ان کے بارے میں جانتی ہی کتنا ہے۔"

جبرئیل نے اپنی عقل کے مطابق انتہائی اہم نقطہ اٹھایا تھا جس سے کرنل خاور بھی متفق نظر آرہے تھے۔

"یہ ایک ایسا کیس ہے جبرئیل! جسے سمجھ میں نہیں آرہا کہ شروع کہاں سے کیا جائے۔"

کرنل خاور بھی انتہائی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

"ڈونٹ وری سر سارے سرے آہستہ آہستہ خود ہی سامنے آتے جائیں گئے۔ یہ وہ فائلز جو آپ نے منگوائی تھیں۔"

جبرئیل نے سنجیدگی سے کہہ کر وہ دو فائلز ان کے سامنے کی تھیں۔

"اسے کھولو جبرئیل"!

انہوں نے اس میں سے ایک لال فائل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ جبرئیل نے ہاتھ آگے بڑھا کر فائل اپنے سامنے کی تھی اور پھر وہ فائل کھولی تھی۔

"ریپ کیسز 1990"

ابھی اس نے فائل کا پہلا صفحہ کھولا ہی تھا تو اس کی نظر اس تحریر پر پڑی۔

For more visit (exponovels.com)

"یہ تو انتیس سال پہلے کی فائل ہے سر"!

جبرئیل کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"ایگزیکلی اب یہ دوسری فائل کھولو؟"

انہوں نے اس سے کہہ کر اب دوسری فائل کی جانب اشارہ کیا تھا اس نے اب دوسری فائل کھولی تھی۔

"ریپ اینڈ سمگل کیسز 2006"

"او یعنی کہ پچھلے انتیس سال میں دو بار سیم کیسز اوپن ہوئے ہیں۔"

جبرئیل کو بات کچھ کچھ سمجھ میں آگئی تھی۔

"بالکل یعنی تیرہ سال پہلے برگیڈئیر ابراہیم اس کیس کو لیڈ کر رہے تھے؟"

جبرئیل نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں یہ وہی کیس ہے جس پر پہلے برگیڈیر ابراہیم کام کر رہے تھے اور پھر ان کی شہادت کے بعد کرنل اسمائیل نے کام کیا تھا اور صرف دو سالوں میں ہی دونوں کو شہید کر دیا گیا تھا۔"

کرنل خاور جب اپنی بات ختم کر چکے تو انہوں نے اس کی تائید چاہی تھی جس کا چہرہ بس ضبط کے آخری مراحل پر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج ٹریننگ کے بعد ان دونوں کا باقاعدہ پولیس اسٹیشن میں پہلا دن تھا ایس۔پی آرون خان کو علاقے کے تھانے کا چارج دیا گیا تھا جبکہ سبتین کو کسی دوسرے تھانے کا چارج سمبھالنا تھا مگر وہ اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر آرون کے دفتر میں ہی موجود تھا۔

"کیا مصیبت ہے جو تم نے مجھے یہاں روک رکھا ہے یار میں اگر اپنی ڈیوٹی پر نہ پہنچا تو ڈی اس پی پہلے دن ہی مجھے ٹرمینیٹ کردے گا۔"

سبتین نے جھنجھلا کر اپنے سامنے بیٹھے آرون سے کہا تھا جو مسلسل کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"کیا بات ہے اب بول بھی چکو۔"

اب کی بار تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہی ہو گیا تھا۔

"سبتہ بابا کی شہادت کس سن میں ہوئی تھی؟"

آرون نے اپنے ہونٹ پر انگلی رکھتے ہوئے زرا آگے ہو کر پوچھا تھا۔

"اب سے تقریبا تیرہ سال پہلے یعنی کہ 2006 میں۔"

سبتین نے حساب کرتے ہوئے کہا تھا۔ اس نے اس کی بات سن کر خاموشی سے اپنے میز پر رکھا ہوا لینڈ لائن فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

"انسپکٹر دانش 2006 کے جتنے بھی کیسز تھے ان سب کی فائلیز لے کر میرے آفس میں آیے۔"

اس نے فون واپس رکھا تو سبتین نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو رون ؟"

اس نے حیرت سے اس سے پوچھا تھا۔

"صرف پتہ لگانا چاہتا ہوں کہ اس اچانک بغیر کسی آپریشن کے شہادت کے پیچھے آخر وجہ کیا تھی جس نے صرف برگیڈیر ابراہیم کو ہی نہیں ٹھیک ایک سال بعد اسی تاریخ کو کرنل اسمائیل کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

اس کا کہا گیا ایک ایک لفظ سبتین کو سوچنے پر مجبور کر رہا تھا ابھی وہ دونوں بات کر ہی رہے تھے جب دانش اندر داخل ہوا تھا اس کے ہاتھ میں فائلز کا پلندا موجود تھا جو اس نے آرون کے سامنے میز پر رکھا تھا اور پھر اسے سیلوٹ کیا تھا۔

"دانش آپ کو اس تھانے میں کام کرتے کتنا عرصہ بیتا ہے ؟"

اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے دانش کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سر مجھے تین سال ہو گئے ہیں اس تھانے میں۔"

دانش نے خوش اسلوبی سے اس کے سوال کا جواب دیا تھا جس پر آرون پر سوچ دیکھائی

دے رہا تھا۔

"دانش! کیا اس تھانے میں کوئی ایسا کانسٹیبل یا افسر ہے جو تیرہ چودہ سال سے ادھر ہو؟"

اسے خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب آخر کر کیوں رہا ہے۔

"سر زیادہ لوگ تو ویسے نئے ہی ہیں لیکن ایک ڈی ایس پی ہے جو پچھلے پندرہ سال سے اس تھانے میں تھا لیکن وہ صرف ایک ہفتہ پہلے ہی ریٹائر ہوا ہے ان کا نام ڈی ایس پی سرمد احمد تھا۔"

دانش نے اپنے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے اسے سرمد کے متعلق بتایا تھا۔

"ہمم سرمد کا کوئی پتہ ہے تمہارے پاس؟"

آرون نے پرجوش ہوتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"یس سر میں ابھی لا کر دیتا ہوں آپ کو۔"

وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا کچھ دیر بعد وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک سفید چھوٹا کاغذ تھا جس میں شاہد سرمد کا پتہ درج تھا۔ آرون نے اس سے وہ کاغذ تھام لیا تھا اور خود 2006 میں آئے کیسز کی فائلوں کی جانب متوجہ ہو گیا تھا سبتین نے بھی اس کی مدد کے لیے فائلز دیکھنی شروع کی تھیں۔ دیکھنا یہ تھا کہ ان فائلوں سے آخر اسے کیا ملے گا جس سے وہ اپنا اگلا قدم اٹھا پائے گا۔ آرون کا دماغ تیزی سے تیرہ سال قبل کی الجھی ہوئی گوتھی سلجھانے میں مگن

تھا صرف آرون وہ واحد انسان نہیں تھا جو اس الجھی ہوئی ڈور کو سلجھا رہا تھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری جانب جبرئیل اور کرنل خاور بھی تھے فرق صرف اتنا تھا کہ وہ دونوں کیس کے بارے میں پھر تھوڑا جانتے تھے جبکہ آرون کے پاس کسی بھی قسم کی جانکاری نہیں تھی۔ بہت سی گتھیاں ان کا انتظار کر رہی تھیں جنہیں صرف یہی سلجھا سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بکھرے تبسم کی موجودگی کو ختم کرو کوئی

سارے زمانے میں پھیل گئی ہے گل لالہ کی مہک

)ایمن خان(

"تم جانتے ہو جبرئیل انتیس سال پہلے یہ سارا کھیل شروع ہوا تھا۔ تب میں میجر تھا انتیس سال پہلے کشمیر سے لڑکیاں غائب ہونا شروع ہوئی تھیں تمہارے بابا کرنل اور چچا بھی میجر تھے ہم تینوں کی دوستی پورے یونٹ میں مشہور ہوا کرتی تھی تمہارے بابا بے شک ہم دونوں سے سنئیر تھے مگر جب وہ میری اور اسمائیل کی کمپنی میں بیٹھے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ہمارا ہی کوئی ہم خیال ہو۔ تمہارے بابا کی تب نئی نئی شادی ہوئی تھی تمہاری امی سے ہم نے بہت ہنگامہ کیا تھا ان کی شادی پر۔

تمہیں معلوم کے ان دنوں تمہارے چچا اسمائیل میری بہن کو پسند کرتے تھے اور اس سے شادی کے خواہش مند بھی تھے لیکن پھر۔۔۔"

اس پھر سے آگے کرنل خاور ایک دم خاموش سے ہو گئے تھے شاید پھر کے آگے کوئی بہت ہی تلخ سچائی چھپی ہوئی تھی۔

"پھر کیا ہوا تھا سر؟"

جبرئیل نے تجسس سے پوچھا تھا کیونکہ کہانی اتنی سیدھی نہیں تھی جتنی وہ سمجھ رہا تھا کرنل خاور کا سنجیدہ انداز جس میں اسے ضبط زیادہ نظر آرہا تھا اس کے دل میں عجیب وہم اور خدشے ڈال رہا تھا اسے نہیں معلوم تھا کہ جلد ہی اس پر بہت سی حقیقتیں واضح ہونے والی ہیں۔

1990"میں کشمیر سے پہلی عورت اغوا ہوئی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بہت ساری آئے دن خبر ملتی کہ اتنی لڑکیاں اغوا کرلی گئی ہیں اور ہم چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کرپاتے میں اسمائیل اور برگیڈیر ابراہیم اور ہماری پوری ٹیم عجیب سی کشمکش میں تھی کہ آخر اس سب کے پیچھے ہے کون۔ ہم نے اس کیس پر کام کرنا شروع کیا تھا لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ موصول نہیں ہوا پھر ایک دن میری بہن اغوا ہوگئی۔ وہ یونی ورسٹی گئی تھی اور پھر واپس نہیں آئی اور جانتے ہو اس دن کیا تھا جس دن وہ اغوا ہوئی؟"

کرنل خاور نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ جس پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اس دن اس کی منگنی تھی جبرئیل اور کسی نے اسے آغوا کر لیا اسمائیل کے دل پر کیا بیتی ہوگی میری ماں کس قرب سے گزری تھی تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کتوں کی طرح بو سونگھی تھی ہم نے کہ آخر کون ہے اس سب کے پیچھے شاہد انہیں بھی معلوم ہو چکا تھا وہ بھی نہیں ملی اور اغواوں کا سلسلہ بھی ایک دم رک گیا کتنی دیر کوشش کے بعد بھی جب کوئی سراغ نہ ملا تو ہمیں اوپر سے کیس بند کرنے کے آڈرز جاری ہو گئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی یہ کیس بند ہو گیا۔"

وہ بولتے بولتے تھک سے گئے تھے سانس لینے کو لمحہ بھر رکے تھے کمرے میں سکوت تھا جبرئیل ساکن بیٹھا ان کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا کرنل خاور اور اپنے باپ اور چچا کا قرب اسے آج محسوس ہو رہا تھا۔

"سر! آپ نے کبھی اپنی مسز اور بچوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

جبرئیل کے ذہن میں نجانے کیوں یہ سوال آیا تھا۔ کیونکہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا تب سے کرنل خاور کو تنہا ہی دیکھا تھا۔ اس کے سوال پر کرنل خاور کے چہرے کا رنگ یک لخت بدلا تھا جو جبرئیل کی زیرک نگاہوں نے فوری دیکھ لیا تھا۔

"میری کوئی فیملی نہیں ہے۔"
انہوں نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا جیسے اب اس بارے میں مزید وہ کوئی بات نہ کرنا چاہتے ہوں۔
"تم جاواب باقی کے پوائنٹس ہم کل ڈسکس کریں گئے۔"
وہ وہاں سے اسے اٹھانا چاہتے تھے کیونکہ جبرئیل کی سوال کرتی ہوئی نظریں انہیں پریشان کررہی تھیں اور فل حال وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تھے وہ پھر سے اپنے تکلیف دہ ماضی میں چلے گئے تھے۔جس سے پیچھے چھڑاتے چھڑاتے انہیں انتیس سال بیت گئے تھے۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
ان کے لفظ ماحول میں سحر کی طرح چھا رہے تھے ان کے الفاظ بالکل گل لالہ کی طرح تھے بے داغ بغیر کسی جھول کے ایک دم پر کشش اور طاقت ور کسی کے بھی دل کی گہرائی میں اترنے والے جیسے اس لمحے وہ اس کی گہرائی میں اتر رہے تھے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی قرآن کی ان خوبصورت آیات کی وضاحت کرتا رہے اور وہ بس بغیر کسی حرکت کے ساکن ہو کر سنتی رہے۔
"اب سمجھ میں آیا بچے کہ توبہ کے کیا فوائد ہیں؟"

انہوں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جہاں یک گونہ سکون کی بے شمار لہریں موجود تھیں۔

"جی میں سمجھ گئی کہ اگر ایک بار اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کرلو تو وہ اپنے گناہ گار بندے کو معاف کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاتا۔ لیکن نا جانے کیوں بابا مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں بہت گناہ گار ہوں میرے گناہوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔"

وہ چہرے پر پریشانی طاری کیے ان سے پوچھ رہی تھی۔ آنکھیں جیسے خوف سے بھیگ سی گئی تھیں۔ اس کی بات سن کر وہ مسکرائے تھے اور پھر گویا ہوئے تھے۔

"گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ایک نہ ایک واپسی کا راستہ ضرور رکھا گیا ہے حضرت آدم علیہ سلام اور اماں حوا نے بھی اللہ کی نافرمانی کی تھی اور وہ اس درخت کے پاس چلے گئے تھے جس کے پاس جانے سے انہیں اللہ نے منع فرمایا تھا اور اللہ نے انہیں سزا کے طور پر اس دنیا میں بھیج دیا تھا لیکن ان کی توبہ پر اللہ نے انہیں معاف فرما دیا تھا اور کل کائنات کے والدین کے عہدے پر فائز کیا تھا یہ تھا اللہ کا ان کی توبہ پر ان کے لیے انعام اسی طرح وہ توبہ کے در ہمشہ کھلے رکھتا ہے صرف توبہ کے لیے دل کی گہرائی ہونا ضروری ہے نیت کا صاف اور گناہ سے بچنے کا عزم ہو گا تو اس کے توبہ کے در تک رسائی آسان ہو جائے گئ

اور بے شک وہ تو خاموشیوں کو بھی سن لیتا ہے۔"
ایک بار پھر سے ہر جانب سکوت تھا اس کا دل توبہ کے نور سے منور ہو گیا تھا اور یہ اس کا توبہ کی جانب پہلا قدم تھا جسے اس نے بڑی ہی کامیابی سے رکھا تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
اس کے جانے کے بعد سے وہ وہی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہستی کھیلتی زندگی پل میں بدل جاتی ہے یہ صرف زارا کا ذاتی خیال تھا اور واقعی ہی ایسا ہوتا ہے وہ اپنے گھر میں اپنی ماں کے ساتھ کتنی خوش تھی چھوٹے سے جھونپڑے میں وہ زندگی کی رنگینیوں کو کھل کر جی رہی تھی مگر اب اس طرح کسی کے گھر رہنا وہ بھی موت کے مسلسل منڈلاتے ہوئے خوف کے ساتھ یہ زارا نور کے لیے ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ وہ یہاں پر کیوں تھی؟ یہ وہ سوال تھا جو اس کے ذہن نے سب سے پہلے کیا تھا۔
"وہ یہاں اس لیے تھی کیونکہ اسے زندہ رہنا تھا۔"
"کیا زندہ رہنا اس کے لیے بہت ضروری تھا مر بھی جاتی تو اس کے پیچھے رونے والا کون تھا۔"
نہیں اسے اپنی ماں کے لیے زندہ رہنا تھا اسے پتہ لگانا تھا کہ اس کے بعد اس کی ماں کے ساتھ کیا ہوا ہے اس کے بعد اس کی ماں کہاں گئی تھی۔

بے شمار سوالات اس کے ذہن میں چل رہے تھے صاریہ کے رویے نے اسے سختی سے اپنے اس گھر میں ہونے کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ابھی ادھر ہی بیٹھی ہوئی تھی جب دروازے پر کھٹکا ہوا تھا وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔

آنے والی زیبا تھی۔ زارا اس قدر گم تھی کہ اس کے آنے پر مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

"میں اندر آجاو زارا؟"

اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی۔ زارا نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اور سر کے اشارے سے اندر آنے کا کہا تھا جس پر زیبا مسکرا کر اندر آئی تھی۔

"پلیز بیٹھیں"!

زارا نے اپنے سامنے رکھے کاوچ کی جانب اشارہ کیا تو زیبا آرام دہ انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"مجھے تم سے معافی مانگنی تھی زارا"!

اس نے زارا کو مخاطب کر کے تمہید باندھی تھی۔

"معافی کس چیز کی؟"

زارا نے کچھ الجھ کر اس سے پوچھا تھا۔

"صاریہ آپا نے ابھی جو کچھ بھی تم سے کہا وہ انہیں نہیں کہنا چاہئیے تھا۔"

وہ قدرے شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"اٹس اوکے زیبا آپ کی اس میں کوئی بھی غلطی نہیں تھی غلطی کسی کی بھی نہیں ہے شاید غلطی حالات کی ہے جو میرے ساتھ ایسے ہو گئے اور میں اپنے گھر سے بے دخل ہو کر کسی کے گھر کی پناہ میں آ گئی۔"

اس نے انتہائی بے بسی سے کہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے زارا کہ انسان کے حالات کب بدلتے ہیں؟"

وہ اس کی جانب منہ کر کے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ جس پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"انسان کے حالات تب بدلتے ہیں جب اس کے قدم کسی آزمائش کی جانب بڑھ رہے ہوتے ہیں اور یہ تو تم جانتی ہی ہو گی کہ آزمائش اللہ کے علاوہ بندے پر کوئی بھی نہیں ڈال سکتا اور اللہ اپنے جس بندے کو آزمائش کے لیے چنتا ہے نہ ضرور وہ اس کی نظر میں کوئی خاص حیثیت اور مقام رکھتا ہے۔ ڈٹ کر کھڑی رہو گی تو منزل آسان ہو جائے۔"

آخر میں اس نے اسے کچھ ہمت دلائی تھی۔

"منزلیں ان کی آسان ہوتی ہیں زیبا جن کی کوئی منزل ہوتی ہے جن لوگوں کی راہیں ہی سنسان اور کھوٹی ہوں وہ بھلا منزل کا اور اس کے سہل ہونے کا انتظار کیوں کریں گے؟"

اس نے اپنی بات سے زیبا کو لاجواب کر دیا تھا کیونکہ واقعی میں زیبا کے پاس اس کے اس سوال کا کوئی بھی جواب موجود نہیں تھا۔

"نہیں ہے نہ جواب؟ اس لیے نہیں ہے کیونکہ آپ نے خود کو کبھی بغیر منزل کے تصور ہی نہیں کیا آپ کے دل و دماغ میں ہر لمحہ ایک عزم ایک منزل کی جستجو چل رہی ہوتی ہے آپ کا دل اس تک رسائی کی آسانیاں تلاش کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے میں اپنے خالی دل کے لیے کیا کر سکتی ہوں بھلا۔"

وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"کوئی بھی انسان کچھ نہیں کر سکتا کرتا تو صرف وہ ہے جو اوپر بیٹھا ہوا ہے زارا! مایوس کبھی مت ہونا ہمشہ امید پر قائم رہنا۔"

وہ مسکرا کر کہہ کر اس کا کندھا تھپک کر باہر نکل گئی تھی اور وہ خاموشی سے وہاں بیٹھی رہی تھی۔ ابھی تو بہت کچھ دیکھنا باقی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلا تو شدید الجھا ہوا تھا۔ اس کا ذہن بے شمار الجھنوں کا شکار تھا۔ آج پرانی فائلوں کے ساتھ پرانے زخم بھی کھلے تھے اور جبرئیل نئے سرے سے گھائل ہوا تھا۔ یہ سوچ ہی کہ اس کے بابا اس کے چچا کو کسی نے مارا تھا اس کا خون کھولا رہی تھی۔

بے شمار سوالات اس کے ذہن میں مچل رہے تھے اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان سوالات کے جواب کہاں سے لے کس سے پوچھے کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

حال میں غائب ہونے والی لڑکیوں نے ماضی کے پرخچے کھول کر رکھ دیے تھے اور اب میجر جبرئیل خان کو ایک ایک گو تھی بڑی ہی عقل مندی سے سلجھانی تھی کیونکہ چھوٹی سی غلطی زارا کی جان لے سکتی تھی۔

وہ ہیڈ کوارٹر سے نکل کر اپنی جیپ کی جانب جا رہا تھا جب اس کا فون بجا تھا۔ اس نے جیب سے فون نکال کر دیکھا تو طراب کی کال تھی اس نے مسکرا کر یس کی اور کال اٹھائی تھی۔

"اسلام علیکم "!

جبرئیل نے ہمشہ کی طرح سلام میں پہل کی تھی۔

"وعلیکم اسلام میرے یار کیسا ہے تو؟"

طراب اپنے ازلی پرجوش انداز میں شروع ہو چکا تھا جس نے جبرئیل کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تیری بریکس ہر لمحہ فیل کیوں ہوتی ہیں؟"

جبرئیل نے ہونٹوں میں مسکراہٹ کا گلا گھونٹتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"کیونکہ میری بریکس بنی ہی فیل ہونے کے لیے ہیں اور تیری بریکس کو بھی فیل کرنے

کے لیے ہی میں دنیا میں آیا تھا۔ "
وہ بشاش لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔
"یہ بتا طراب وہاں کی کیا رپوٹ ہے؟"
اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا تھا۔
"رپوٹ کچھ اچھی نہیں ہے جبرئیل! صرف دو دن میں چار لڑکیاں غائب ہو چکی ہیں اور ہمارے سارے ذرائع بیکار جا رہے ہیں کہیں سے بھی کوئی سرا ہاتھ میں نہیں آ رہا ہے۔"
طراب کے لہجے کی سینگینی اور پریشانی نے جبرئیل کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"کرنل خاور کو رپوٹ کی ہے؟ ان کا کیا کہنا ہے اس بارے میں؟"
اس نے پرسوچ انداز میں اس سے پوچھا تھا۔
"ہاں کرنل خاور کو رپوٹ کر دی ہے انہوں نے آج رات ہی کشمیر بیس میں میٹنگ بلائی ہے۔ وہ اور تم پشاور ہیڈ کواٹر سے سکائپ پر رہو گئے اور باقی پوری ٹیم کشمیر بیس میٹنگ روم میں آج رات جمع ہو گی اور پھر ہی کوئی لاحہ عمل طے کیا جائے گا۔"
طراب نے اسے ساری بات بتا کر چند رسمی جملوں کے بعد کال بند کر دی تھی جبکہ جبرئیل کے لیے سوچ کے در وا ہو گئے تھے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فل حال اسے گھر جانا تھا اور پھر ہی اس کے بعد کوئی اور قدم اٹھانا تھا۔ معاملہ الجھتا ہی جا رہا تھا

اوراس کے ساتھ ساتھ جبرئیل کی ذات بھی الجھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دنوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ موسم بھی سرد ہوتا جارہا تھا۔ پشاور میں دھوپ کے ساتھ ساتھ فضا میں سردی کا عنصر بھی ہوتا تھا لیکن پچھلے دو دنوں سے پشاور میں دھوپ کا ایک لمحہ بھی یسر نہیں آیا تھا اور مسلسل نیلے آسمان پر بادلوں کا راج تھا جس کے باعث فضا میں سردی کا زور بڑھ رہا تھا۔ خان ہاوس میں سارے کھڑکیاں دروازے مکمل طور پر بند تھے دھوپ نہ ہونے کے باعث تمام کھڑکیوں پر پردے برابر کر رکھے تھے اور لاونج میں موجود واحد آتش دان بھی وہاں کے مکینوں کو گرمائش فراہم کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا۔

کچن کا چولہا جل رہا تھا اور حمیدہ بی کے ساتھ ساتھ آنیہ اور زیبا بھی آج کچھ نئے تجربات کرنے میں مصروف دیکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے بے حد اصرار کے باعث زارا بھی کچن میں موجود چھوٹے ڈائینگ ٹیبل پر چائے کا مگ رکھے بیٹھی ہوئی چائے اور ان دونوں کی ہلکی پھلکی گپ شپ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ صاریہ کی تلخ گفتگو کا اثر کب کا زائل ہو چکا تھا اور اب صرف خوشگوار ماحول ہی چل رہا تھا۔

"تم کیا کیا بنا لیتی ہو زارا؟"

آنیہ نے کڑاہی میں اچھا خاصہ تیل ڈالتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"امم ویسے توسب کچھ ہی بنا لیتی ہوں لیکن میری اماں نے کبھی مجھے اتنا کام کرنے ہی نہیں دیا تھا۔"

اس نے چائے کے مگ میں سے گھونٹ بھرتے ہوئے افسردگی سے کہا تھا۔

"ہائے ہاو لکی اور ادھر ہماری اماں ہیں کہ کہتی ہیں بس کیچن سے باہر ہی نہ نکلو۔"

زیبا نے بیسن لگی بون لیس مچھلی گرم کیے ہوئے تیل میں ڈالی تھی اور ساتھ میں ماہ رخ بیگم پر بڑا سنگین تبصرہ بھی کیا تھا۔

"ہائے زیبی قسم سے ہماری ماوں نے یونہی ہماری ہڈیاں گلا دینی ہیں کام کرا کرا کے۔"

آنیہ نے سلاد کے لیے گاجر کاٹتے ہوئے افسردہ شکل بنا کر کہا تھا۔ دونوں کی افسردگی بھری کہانی سن کر زارا کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ اس کی ہنسی کی آواز اتنی تو ضرور تھی کہ کیچن کی جانب پانی کی غرض سے آتے جبرئیل کے کان فیض یاب ہوتے۔

"کام کرنا اتنا مشکل تو نہیں ہوتا ہے۔"

زارا نے کندھے اچکاتے ہوئے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن نکمے اور ہڈحرام لوگوں کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔"

اس نے اندر آتے ہوئے سنجیدگی سے تبصرہ کیا تھا اور فریج کی جانب بڑھ گیا تھا۔ زارا

سمیت وہ تینوں اس کی اچانک آمد پر سٹپٹائی تھیں۔ تب تک وہ پانی کی بوتل اور گلاس سٹینڈ سے گلاس لے کر زارا کے سامنے والی کرسی سمبھال چکا تھا۔ کیچن میں کڑھائی میں فرائی ہوتی مچھلی کی شوں شوں کی آواز فضا میں بڑا سوز پیدا کر رہی تھی اور اسی کے ساتھ مچھلی کی دلفریب مہک نے جبرئیل کو یاد کرایا تھا کہ اس نے تو صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں ہے۔ اس نے بوتل سے گلاس میں پانی انڈیل کر پیا تھا اس سارے عرصے میں زارا اسے غور سے دیکھ رہی تھی جو جبرئیل کی زیرک فوجی نگاہیں بھانپ چکی تھیں۔ اس نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھا تھا اور دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر ابرو اچکاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"کیا آپ کو بھی پیاس لگی ہے؟ پانی پینا ہے کیا؟"

اس نے سنجیدگی سے اس سے پوچھا تھا جس پر زارا دو سیکنڈ کے اندر اندر ماحول میں لوٹی تھی اور جلدی جلدی نفی میں سر ہلایا تھا۔

"لیکن ہمیں پانی پینا ہے۔"

کیچن کے دروازے میں آرون اور سبتین کھڑے شرارت سے مسکرا رہے تھے جبرئیل کو بھی ان کی شرارت سمجھ میں آ چکی تھی۔

"تو پی لو روکا کس نے ہے وہ فریج ہے اور وہ گلاس پکڑو اور پیو۔"

اس نے کندھے اچکاتے ہوئے بڑے ہی آرام سے کہا تھا تب تک آنیہ سلاد اور زیبا مچھلی

کے کافی پیس فرائی کر چکی تھی اس نے میز پر فرائی کیے ہوئے پیس رکھے تھے اور ساتھ میں سلاد بھی آرون اور سبتین بھی وہی پر بیٹھ گئے تھے۔ اب منظر کچھ یوں ہو گیا تھا کہ چھ کرسیاں تھیں جن پر جبرئیل اور زارا آمنے سامنے تھے زارا کے ساتھ کرسی خالی تھی جبرئیل کے ساتھ آرون جبکہ ماسٹر چئیر کی جگہ سبتین براجمان تھا اور مچھلی سے بھرپور طریقے سے انصاف کیا جا رہا تھا۔ زارا کی چائے کب کی ختم ہو چکی تھی اور اب وہ ان تینوں کو مچھلی کھاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"امی اور چچی کو بھی بلا لیتی؟"

جبرئیل نے کانٹے سے مچھلی کا ٹکرا کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

"میں گئی تھی مگر ان دونوں کے بلڈ پریشر کے مسائل ہیں آپ کو پتہ تو ہے تو وہ کہہ رہی کہ انہوں نے نہیں کھانی۔"

آنیہ نے مصروف انداز میں اسے بتایا تھا جس پر اس نے سر ہلایا تھا اور پھر زارا کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"آپ کی بھوک ہڑتال ہے کیا آج؟"

لہجے میں ہنوز سنجیدگی کا عنصر تھا۔

"نہ۔۔ نہیں تو۔"

وہ ایک دم گڑبڑا گئی تھی۔

"پھر کھا کیوں نہیں رہیں؟"

اس نے اس کے آگے رکھی پلیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ سبتین اور آرون نے بیک وقت مسکراہٹیں دبا کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔ جبکہ زیبا اور آنیہ کے تاثرات بھی ان سے مختلف نہ تھے۔ زارا نے کچھ نروس ہو کر کھانا شروع کیا تھا۔ وہ دونوں بھی ادھر ہی بیٹھ گئی تھیں جب صاریہ کچن میں داخل ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

جبرئیل کی پشت صاریہ کی جانب تھی اس لیے اسے احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ بھی وہی موجود ہے۔ جبرئیل نے صاریہ کو یکسر نظر انداز کیا تھا اور اپنے کھانے پر متوجہ رہا تھا۔

"تم لوگوں نے فش فرائی کی اور مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا؟"

صاریہ صدمے کی کیفیت میں گھر کران لوگوں سے کہہ رہی تھی۔

"آپا مچھلی کی تیز ترین خوشبو اپنے ہونے کی گواہ خود تھی تم تو ویسے ہی اپنی سماعتوں کا علاج کروالو آئے دن شکایتیں رہتی ہیں۔"

سبتین نے مچھلی کاٹتے ہوئے منہ بنا کر اس سے کہا تھا۔

"اور یہ ہماری فیملی میں کہاں سے آگئی؟"

For more visit (exponovels.com)

صاریہ نے منہ بناتے ہوئے اونچی آواز میں کہا تھا۔

"ہولڈاون مس صاریہ شی از فیملی تمہیں آخر پرابلم کیا ہے؟"

جبرئیل نے اپنا کانٹا پلیٹ میں پٹخا تھا اور غصے سے کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ زارا نے شرمندگی سے سر جھکایا تھا اور صاریہ کو جبرئیل کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ بھی اپنی جگہ گڑبڑا گئی تھی۔

"مہ۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا۔"

کچھ دیر پہلے شیر بنی ہوئی صاریہ ایک پل میں بھیگی بلی بنی تھی۔

"تمہارا جو بھی مطلب تھا وہ میں نے یہاں پر ابھی ابھی سن لیا ہے اور دیس از اونلی لاسٹ ٹائم اس کے بعد میں معاف نہیں کرونگا اینڈ ریمبر دیس۔"

وہ کہہ کر کچن سے باہر نکل گیا تھا جبکہ باقی سب نے صاریہ کو اچھا خاصہ گھور کر دیکھا تھا۔

"یہ سب اس لڑکی کی وجہ سے ہوا ہے ہمشہ جبرئیل کو مجھ سے بدگمان کرتی ہے آخر وہ اس کی اتنی طرفداری کرتا کیوں ہے لگتی کیا ہے یہ اس کی؟"

صاریہ تو غصے میں آپے سے باہر ہی ہو رہی تھی۔

"پلیز آپا آپ بھی تو ہر دفع خوامخواہ میں بھائی کے سامنے اوور ہو جاتی ہیں بھگتیں اب۔"

آرون نے کہہ کر سبتین کو بازو سے تھاما اور باہر نکل گیا جبکہ زارا بھی وہاں سے جانے کے

چکر میں تھی جب صاریہ نے اس کی کلائی تھامی تھی۔
صاریہ کی گرفت زارا کی کلائی پر اتنی سخت تھی کہ زارا کی آنکھوں سے بے اختیار پانی بہا تھا۔
"میرے جبرئیل سے دور رہنا سمجھی جس لمحے میں نے تمہیں اس کے آس پاس بھی دیکھا نہ اس دن تمہارا اس گھر میں آخری دن ہو گا۔"
صاریہ نے اس کی کلائی اپنی گرفت سے آزاد کرتے تنبہی کرتے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور خود وہاں سے جانے لگی تھی۔ بے ساختہ زارا کے ذہن میں جبرئیل کے کہے گئے جملے گونجے تھے۔
"لوگ آپ کو تب تک دباتے رہیں گئے جب تک آپ ان سے دبتی رہیں گئی میں ہمشہ آپ کو صاریہ یا اس جیسے کسی اور شخص سے بچانے نہیں آوں گا آپ کو اپنا دفاع خود کرنا ہو گا۔"
زارا کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس میں اتنی ہمت کہاں سے آئی تھی اس نے بے ساختہ صاریہ کی کلائی تھام کر اسے روکا تھا اور خود بالکل اس کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔
اس کی جرات پر صاریہ کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔
"اور آپ کو یہ غلط فہمی کیوں کر ہے صاریہ جی کہ میجر جبرئیل آپ کے ہیں میں نے تو ان کا آپ میں ایسا کوئی انٹرسٹ نہیں دیکھا۔"

زارا کے لہجے کی کاٹ اور طنز نے صاریہ کے اندر جھکڑ برپا کردیے تھے۔ وہ ابھی کچھ بولنے ہی والی تھی جب زارا پھر سے گویا ہوئی تھی۔

"یک طرفہ محبت کی راہ ایک ایسا سراب ہے. جس کے پیچھے بھاگتے ہوئے آپ کا جذبہ نہیں قدم تھکتے ہیں صاریہ جی! جذبے تو تب تھکتے ہیں جب محبوب کا رد کردیا جانا قلب بشر قبول کرتا ہے اور یقین جانیے اس لمحے صرف افسوس اور پچھتاوے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا اور جانتی ہیں وجہ کیا ہوتی ہے؟"

اس نے اس سے پوچھ کر کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کیا تھا مگر جب وہ خاموش رہی تو وہ خود ہی گویا ہوگئی تھی۔

"کیونکہ افسوس غالب آجاتا ہے کہ ایک ایسے شخص کے پیچھے اپنی بے قدری کی جسے زندگی میں آپ کے ہونے نا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے دعا اور کوشش کرنا اچھی بات ہوتی ہے لیکن تقدیر سے لڑجانے کے دعوے پتھروں سے ٹھوکر لگ کر زخمی ہونے کے مترادف ہوتے ہیں۔"

وہ صاریہ کو حیرت میں چھوڑ کر وہاں سے تیزی سے نکل گئی تھی جبکہ صاریہ حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ایک چھوٹی سی لڑکی کیسے اسے حقیقت کا آئینہ دکھا گئی تھی لیکن کبھی کبھی انسان سب کچھ جانتے ہوئے بھی آنکھیں بند کرکے انجان بن جاتا ہے اور یہی صاریہ کررہی تھی

وہ جانتی تھی کہ وہ غلط ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے غلط کو صیح کرنے پر بضد تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پینٹ ہاوس میں دیوارگیر ایل آی ڈی پر کوئی پریس کانفریس چل رہی تھی اور ایل ای ڈی کے سامنے رکھی کمفٹ چئیر پر سگریٹ کے کش لگاتی وہ ہلکی مسٹڈ شلوار قمیض پر سفید دوپٹہ لیے بال کھولے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایل ای ڈی پر نظر آتا شخص مسلسل اس کی نظروں کے حصار میں تھا ایس۔ کے اسے پلکیں جھپکے بغیر مسلسل دیکھ رہی تھی شاہد بہت دنوں بعد دل پر بنی ہوئی تصویر سامنے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

وہ بغیر کسی حرکت کے بالکل ساکن سامنے دیکھ رہی تھی۔ ٹی وی پر موجود وجود نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا ایس۔ کے بے ساختہ مسکرائی تھی غلام بخش جو کسی کام سے اس کے پاس آرہا تھا اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر وہی رک گیا تھا۔ اس نے بہت عرصے بعد ایس۔ کے کو دل سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بہت غور سے ایس۔ کے کو دیکھا تھا وہ پندرہ سال سے ایس۔ کے کے ساتھ تھا تب سے جب وہ بے حد معصوم ہوا کرتی تھی وہ سمجھتا تھا کہ غلاموں کو محبت کا کوئی حق نہیں ہوتا مگر غلام بخش یہ بات خود سے بھی چھپاتے چھپاتے تھک چکا تھا کہ پندرہ سال سے وہ ایس۔ کے کی محبت میں گرفتار تھا اسے بے حد قریب سے دیکھنے اور جاننے والا صرف اور صرف وہی تھا۔

محبت کے باوجود وہ ایس۔کے کو اس کی محبت مل جانے کی دعائیں کرتا تھا۔ اسے تکلیف ہوتی تھی جب ایس۔کے سگریٹ کے دھویں اور شراب کے نشے کو بغیر دریغ اپنے اندر اتارتی تھی اور پھر اس کے لیے تکلیف کے لمحات بڑھ جاتے تھے جب ضرورت سے زیادہ سگریٹ اور شراب کے استعمال سے بھی وہ ہوش کا ایک ذرہ بھی نہیں کھوتی تھی۔
بعض اوقات غلام بخش کو لگتا جیسے سگریٹ اور شراب ہی اس کی زندگی میں راحت کے واحد سکون آور ہتھیار ہیں جنہیں وہ اپنے جسم کے اندر اتارتی اور کچھ لمحوں کے لیے پرسکون ہوجاتی ورنہ بے سکونی کے لمحات میں وہ ہر وقت شدت پسند ہوتی تھی جن لڑکیوں اور لوگوں کو وہ اٹھواتی ان پر ظلم و ستم کے ڈھیروں پہاڑ توڑتی اور دل جب پھر بھی پرسکون نہ ہوتا تو اپنے نازک ہاتھوں میں بندوق تھام کر گولیوں سے اوروں کا سینہ چھلنی کر دیتی۔
اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا وہ اس سب کی زمہ دار کچھ لوگوں کو گردانتی تھی اور اپنا غصہ وہ معصوموں پر نکال کر پرسکون محسوس کرتی تھی۔ ایس۔کے ایک ایسا نام تھا جو دنیا کی نظر میں بے حد پوشیدہ تھا وہ پندرہ سال سے دنیا کی نظروں سے کہیں غائب تھی۔ ایس۔کے ایک ایسا نام بن چکا تھا جو اپنی مرضی سے لوگوں کو اپنے اشارے پر چلاتا تھا اور بدلے میں بھی اتنا ہی پوشیدہ تھا جتنا اس سے پہلے۔
وہ ابھی بھی ٹی وی سکرین کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر وہی دل چھو لینے والی

مسکراہٹ تھی وہ اپنے یونی فارم میں ملبوس آنکھوں پر سیاہ شیڈز لگائے کھڑا مائیک میں کچھ بول رہا تھا۔ ایس۔ کے اس لمبے انٹرنیشنل چینل لگائے بیٹھی تھی جہاں اس کی پریس کانفرنس دنیا بھر میں دیکھائی جا رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ٹی۔ وی سکرین پر نظر آنے والے وجود کا ایک ایک نقش چرا کر اپنے پاس سمبھال لے وہ مکمل طور پر اس شخص کی شخصیت کے اثر میں کھوئی ہوئی تھی اتنی کہ اسے یہ تک پتہ نہیں چلا کہ اس کی پریس کانفرس کی جگہ اب نیوز کاسٹر آ چکی تھی غلام بخش نے آگے بڑھ کر ریموٹ سے ٹی وی بند کیا تھا وہ ایک دم ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔

"کبھی کبھی جب آپ خیالوں کی دنیا میں جاتی ہیں نہ تو ایک عام عورت لگتی ہیں؟"

غلام بخش نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"عام عورت اور مجھ میں کیا فرق ہے غلام بخش"!

اس نے سوال پوچھ کر سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا تھا فضا میں خاموشی

کا راج تھا شاہد وہ غلام بخش کے جواب کی منتظر تھی مگر جب کچھ دیر بھی اس کا جواب نہ آیا تو وہ بول پڑی۔

"جب تم خاموش ہوتے ہو نہ تو مجھے تمہاری خاموشی سے خوف محسوس ہوتا ہے غلام بخش"!

اس نے آنکھیں موندے ہی آہستگی سے کہا تھا۔

"عام عورت ایک مومی گڑیا ہوتی ہے.جس میں جذبات کا ایک ٹھاٹے مارتا سمندر ہوتا ہے جب کہ آپ ایک ٹھہرا ہوا سمندر ہیں جو جتنا پر سکون ہے اتنا ہی گہرا اور خطرناک بھی.جس میں جھانکنے کی کوشیش ہی خود میں نگل لیتی ہے اور پھر ایسا نگلتی ہے کہ نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔"

غلام بخش کے لہجے کے سکون نے ایس۔کے کو قہقہ لگانے پر مجبور کیا تھا۔

"یعنی کہ تم کہنا چاہ رہے ہو کہ مومی گڑیا قاتل ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

"میں کہنا چاہ رہا ہوں کہ مومی گڑیا سمندر ہے۔"

غلام بخش نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"اور اگر اس سمندر نے تمہیں ہی سب سے پہلے نگل لیا تو پھر کیا کھو گئے تم؟"

وہ پتہ نہیں اس سے کیا پوچھنا چاہ رہی تھی۔

"تو میں خوشی خوشی اس سمندر کا نوالہ بن جاوں گا کیونکہ جہاں چاہ ہوتی ہے وہاں سوال نہیں ہوتا وہاں صرف ہاں ہوتی ہے یا پھر نہ ہوتی ہے نہ بھی اسی صورت میں صرف جب فائدہ چاہ کا ہوتا ہے۔"

اس نے ہاتھوں کو باہم پھنسا کر کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا اسے بھی لگ رہا تھا کچھ دیر اور بیٹھا تو کہیں دل کا چور زبان پر عیاں نہ ہو جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں آج ایک ہفتے بعد کھانے کی پلیٹ آئی تھی اب سے پہلے صرف اسے اتنا دیا جاتا جتنا اسے زندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتا لیکن آج ایسا ہوا تھا کہ پلیٹ میں وافر مقدار میں کھانا موجود تھا۔ آرا کو کھانے میں ہمشہ کی طرح بالکل بھی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ کھانے کی بھری ہوئی پلیٹ دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"واہ رہے اپنے مطلب کی خاطر تو لوگ فقروں کو بھی بادشاہ سمجھ لیتے ہیں۔"

اس نے مسکرا کر پلیٹ اپنی جانب کھسکائی تھی اور اس میں سے نوالہ لیا تھا۔ ہر ہفتے کی طرح آج پھر سے سیاہ اینٹوں کے سرد تہہ خانے کی اندھیری سیڑھیوں سے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی اور پھر ہمشہ کی طرح فرش پر سیاہ ابھرا تھا۔ آرا نے اس شخص کی آمد میں کوئی بھی دلچسپی محسوس کیے بغیر اپنا سارا دھیان کھانے کی پلیٹ کی جانب ہی رکھا تھا۔

"بڑی بے مروت ہو تم آج کھانا دیکھ کر میرا انتظار کرنا بھی بھول گئی تم؟"

وہ اس کے سامنے پیروں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

"ہاہا! میں اور تمہارا انتظار بہت خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں ویسے وہ ایک زمانہ

ہی تھا جب یہ آرا سارا سارا وقت تمہارا انتظار کیا کرتی تھی اور تم! تمہیں اپنی رنگ رلیوں سے فرصت نہیں ملا کرتی تھی اب وہ زمانے گزر گئے ہیں نوریز جب یہ آرا تمہارا انتظار کیا کرتی تھی اب تو صرف نفرت ہے وہ بھی ایسی کہ تم مجھے اب کھولو اور میں تمہاری بوٹیاں کر کے چیل کووں کو کھلا دوں اور افسوس کا ایک لمحہ بھی مجھ پر حاوی نہیں ہوگا۔"

آرا کا لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا جس سے سامنے بیٹھے نوریز کی رگیں تن رہی تھیں۔

"زارا کہاں ہے آرا میں پھر تم سے پوچھ رہا ہوں؟"

اس نے ایک بار پھر سے اس کا منہ تھوڑی سے پکڑ کر بلند کیا تھا۔

"زارا تک تو تم کبھی بھی نہیں پہنچ پاؤ گے نوریز اب وہی ہے جو تم جیسے ناسور کا خاتمہ جڑ سے کرے گی اور یقین جانو اسے تمہیں مارتے ہوئے زرا بھی تکلیف نہیں ہوگی کہتے ہیں کہ انسان وہی کاٹتا ہے جو اس نے بویا ہوتا ہے تو سمجھ لو نوریز تمہیں بھی وہی کاٹنا ہے جو تم نے زندگی بھر بویا ہے۔"

آرا کے کہنے کی دیر تھی نوریز نے اس کے منہ پر بے دریغ تھپڑوں سے وار کیا تھا نوریز کے بھاری ہاتھ آرا کے نحیف وجود پر کسی فولاد کی طرح برس رہے تھے۔

"اپنی بکواس بند کرو اور جہاں تک بات رہی زارا کی تو اسے تو میں ڈھونڈ ہی نکالوں گا اور یاد رکھنا آرا اگر ایک بار وہ مجھے مل گئی نہ تو اس کا وہ حال کروں گا کہ میرا خاتمہ کرنے سے پہلے

اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

وہ نفرت سے کہتا ہوا اس کے قریب سے اٹھا تھا اور جاتے جاتے زور سے اپنے بھاری جوتے سے اس کے پیٹ میں وار کر گیا تھا۔ آرا کی کراہ سے پورا تہہ خانہ گونج اٹھا تھا اب ایک اور رات وہاں آرا کی سسکیاں گونجی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ دیر بعد دانش واپس آرون کے آفس میں داخل ہوا تھا اس کے ہاتھ میں اس لمحے ایک سفید کاغذ بھی موجود تھا جس میں شاہد سرمد کا پتہ اور نمبر تھا۔ اس نے مودب بن کر وہ کاغذ آرون کی میز پر رکھا تھا اور اجازت لے کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

"رون!"

سبتین نے ایک فائل دیکھتے ہوئے آرون کو مخاطب کیا تھا۔

"ہوں!"

آرون جو کہ کاغذ دیکھنے میں مگن تھا فوری اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"یہ دیکھو 2006 میں تقریباً زیادہ تر کیسز اغوا کے تھے جس میں نشانہ عورتوں کو بنایا گیا تھا۔"

سبتین نے ایک فائل اس کی جانب بڑھائی تو اس نے بھی سیدھے ہوتے ہوئے اپنی تمام

تر توجہ فائل کی جانب مبذول کرلی ۔ آرون فائل دیکھنے میں مگن تھا جب اچانک اس کی نظر ایک تاریخ پر پڑی تھی جو اس کے بابا کے شہید ہونے سے تقریباً ایک مہینے پہلے کی تھی ۔

فائل میں ساری تفصیل درج تھی جس کے مطابق یہ کیس آرمی بھی الگ سے دیکھ رہی تھی ۔

اس نے وہ فائل ایک طرف کی تھی اور اپنی چابیاں اور والٹ اٹھا کر کھڑا ہوا تھا ۔

"کہاں جارہے ہو تم ؟"

سبتین نے حیرت میں ڈوب کر اس سے پوچھا تھا ۔

"غلام دین کے گھر ۔"

اس نے کہا اور باہر کو نکل گیا سبتین بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکلا تھا ۔ دونوں پولیس جیپ میں بیٹھ کر کاغذ پر درج پتے پر پہنچے تھے ۔ وہ ایک خوبصورت دس مرلے کا گھر تھا جو انتہائی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا ۔ آرون نے جیپ اس گھر کے باہر پارک کی تو دونوں اتر کر گھر کے گیٹ کی جانب بڑھ گئے جس پر سرمد ریٹائرڈ ڈی ۔ ایس ۔ پی کی پلیٹ لگی ہوئی تھی ۔ اس نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا تھا اور بیل بجائی تھی ۔ نجانے کیوں اس لمحے ان دونوں کی ہی دھڑکنیں بے قابو ہورہی تھی عجیب وہم اور وسوسے انہیں ستا رہے تھے کہ نجانے اب کونسی حقیقت ان کی منتظر تھی ۔

کچھ ہی لمحوں بعد گیٹ کھلا تھا اور ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلا تھا چونکہ وہ دونوں پولیس کی وردی میں تھے اس لیے اس نے مودب بن کر دونوں کو سلام کیا تھا۔

"جی صاحب کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

اس شخص نے ان دونوں کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"سرمد صاحب کا گھر یہی ہے کیا؟"

سبتین نے اس سے پوچھا تھا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کیا وہ گھر پر ہیں اس وقت اصل میں ہمیں کسی ضروری کام کے سلسلے میں ان سے ملنا تھا۔"

آرون نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"ایک منٹ میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں تب تک آپ یہی پر انتظار کریں۔"

وہ کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا تقریبا پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا تھا۔

"صاحب آپ لوگوں کا اندر انتظار کر رہے ہیں آیے میرے ساتھ!"

اس نے ان دونوں کے آگے چلتے ہوئے کہا تھا وہ دونوں بھی اس کی تقلید میں چل دیے تھے۔ چھوٹا سا لان عبور کر کے ایک راہداری تھی جس پر چل کر ایک لکڑی کا دروازہ آتا تھا۔

اس شخص نے ان سے پہلے وہ دروازہ کھولا تھا۔ شاہد وہ اس گھر کا ڈرائینگ روم تھا جو کہ

بہت ہی اچھے انداز سے سجایا گیا تھا۔ اس کی ہر چیز خریدنے والے کے اعلی ذوق کی گواہ محسوس ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ایک جانب رکھے ہوئے ٹوسیٹر صوفے پر ریلیکس انداز میں بیٹھ گئے تھے۔ ابھی انہیں بیٹھے چند لمحے ہی بیتے تھے جب ڈرائینگ روم کے دروازے سے قدموں کی چاپ ابھری تھی۔

وہ بہت پر اثر شخصیت کے حامل انسان تھے دراز قد گھنی موچھیں بارعب شخصیت ان دونوں نے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں سیلوٹ کیا تھا جس کا مسکرا کر جواب دیا گیا تھا۔

"سوری میں نے آپ لوگوں کو پہچانا نہیں۔"

انہوں نے الجھ کر ان سے کہا تھا۔

"سر وہ اس لیے کہ آج سے پہلے ہم ملے ہی نہیں۔"

آرون نے ان کی جانب متوجہ ہو کر ان سے کہا تھا۔

"تو پھر آپ لوگ یہاں میرا مطلب!"

وہ خاصے الجھے ہوئے لگ رہے تھے۔

"اصل میں سر ہم آپ سے تیرہ سال پہلے پیش آنے والے چند واقعات کے بارے میں جاننے آئے تھے۔"

وہ دونوں یونیفارم میں ہونے کی وجہ سے وہاں اس طرح سے بات کر رہے تھے۔

"آپ لوگ ہیں کون؟"

اب کی بار انہوں نے باضابطہ سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"اصل میں سر جس تھانے سے آپ ریٹائیڈ ہوئے ہیں میں نے باضابطہ طور پر آج ہی ایس۔پی کی حیثیت سے اس کا چارج سمبھالا ہے۔"

آرون نے انہیں تفصیل سے بتایا تھا۔

"تو چارج آپ آج سمبھال رہے ہیں مگر تفصیل تیرہ سال قبل کیس کی جاننے آئے ہیں۔"

سرمد نے حیرت سے اس سے پوچھا تھا۔

"سر! تیرہ سال پہلے ایک کیس آیا تھا آپ کے ہی تھانے میں جس میں مختلف عورتیں یہاں پشاور سے اغوا کی گئی تھیں لیکن اس سے پہلے کشمیر میں بھی بہت سی عورتیں اغوا ہو چکی تھیں ان کیسز کو آئی تھنک 1990 کے بعد ری اوپن کیا گیا تھا کیونکہ وہی مسئلہ تب شروع ہوا تھا اور وہی مسئلہ اب پھر سے شروع ہو گیا ہے۔ اس کیس کو آئی ایس پی آر افیسرز میں سے کون دیکھ رہا تھا اور پھر کیا ہوا تھا؟"

آرون کو خود سے جتنی معلومات تھی اس نے ان کے گوش گزار کی تھی جبے وہ بڑے ہی

تحمل سے سن رہے تھے اس کی بات مکمل ہونے کے بعد وہ آرون کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"تمہارا اس کیس سے کیا لینا دینا ہے؟ تم کیوں جاننا چاہتے ہو یہ سب؟"

ڈی ایس پی سرمد غصے میں آ گئے تھے۔

"سوری سر اگر آپ کو برا لگا ہو تو مگر یہ سب میرے لیے جاننا بہت ضروری ہے تیرہ سال پہلے ایسے ہی کسی کیس میں میرے بابا کی شہادت ہوئی تھی اور اس کے اگلے ہی سال اسی کیس میں میرے چچا بھی شہید ہو گئے تھے۔"

آرون کے لہجے میں افسردگی کا عنصر صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔

"میں خود اس کیس پر کام کرنا چاہتا ہوں اور ان کے مجرموں کو پھانسی کے تختے تک لے کر جانا ہے مجھے۔"

اس کا نوجوان خون جوش مار رہا تھا باپ کی موت کا بدلہ لینے کے جنون نے اس کے اندر سر اٹھایا تھا۔

"کیا نام تھا تمہارے باپ کا؟"

انہوں نے اب کی بار اس کی بات میں بھرپور انداز میں دلچسپی دیکھائی تھی۔

"برگیڈیئر ابرائیم!"

آرون نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ لیکن مقابل ایسے تھا جیسے کسی نے اس کو سانپ سونگھا دیا ہو مانو کہ جسم میں کاٹو تو لہو کا قطرہ بھی میسر نہ آئے۔

****

کمال ولا کی سٹڈی آج اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی جس سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ وہاں کا مکین روشنی سے تنگ آگیا ہے اس لیے روشنی کے ہوتے ہوئے بھی اندھیرے کو ترجیح دے رہا ہے۔ مکمل اندھیرا ابھی اس کے اعصاب پر صحیح ثابت نہیں ہوتا تھا اس لیے کہیں کہیں کتابوں کے ریکس کی ابھری ہوئی پٹیوں پر جلتی ہوئی موم بتیاں روشن تھیں جو اس وسیع و عریض سٹڈی کے ماحول کو خاصہ خواب ناک اور پراسرار بنا رہی تھیں۔

راکنگ چئیر پر اس سٹڈی کے مکین کا وجود ہاتھوں میں سگار دبائے جھول رہا تھا۔ آنکھیں شدت ضبط سے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ سائیڈ میز پر رکھا ہوا اس کا فون مسلسل چیخ رہا تھا اور سٹڈی میں موجود سکون کو غارت کر رہا تھا۔ داور کمال نے بیزاری سے فون اٹھایا تھا لیکن اوپر موجود نام نے ان کی آنکھیں پوری طرح سے کھول دی تھیں۔

"نہ۔ نہیں علینہ کسی ہندو سے شادی نہیں کرے گی کر بھی لے تو تمہارا کیا جاتا ہے ؟"

دوسرہ طرف سے شاہد علینہ کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔

"تم اپنے کام پر دھیان دو صرف علینہ کی فکر چھوڑ دو میں سنبھال لوں گا اسے بھی اور اس کی

ماں کو بھی۔"

اب کی باران کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔

"اچھا بھئی دونوں کو کچھ نہیں کروں گا صرف علینہ کوڈھونڈنکالوں گا۔"

ان کے لہجے میں ایک دم خوف کی لہرابھری تھی۔

کیونکہ فون کے پارانسان ان کا بازو تھا جس کے ماسٹر مائینڈ دماغ کی بدولت ہی وہ اپنے منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچا پاتے تھے اوراب انہیں خوف تھا کہ اگرانہوں نے اس کی بات ٹالی توجوسب کچھ بنانے کی طاقت رکھتی ہے توسب کچھ تباہ کرنے کی طاقت بھی رکھتی ہے۔ وہ وجودداورکمال کے لیے ایسا تھا جیسے اپنے ہی شاگردکواپنے سارے گن سکھانے کے بعداستاداسی کی شاگردی کا محتاج ہوجائے۔ وہ عجیب سی سوچ میں گھرے ہوئے تھے جب سٹڈی کا دروازہ دھکیل کرگرین سلک کی ساڑھی انتہائی مختصر بلوزکے ساتھ پہنے ہاتھوں میں دوکافی کے مگ تھامے صمن بیگم اندرداخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے کافی کامگ سائیڈ میز پررکھا تھااورخوداپنامگ لے کرسائیڈپررکھے صوفے پربیٹھ گئی تھیں۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

انہوں نے آنکھیں بند کیے ہوئے ہی ان سے پوچھا تھا۔

"مجھے لگاآپ کوکافی کی ضرورت ہے اس لیے میں خودلے کرآگئی۔"

انھوں نے اپنے مگ میں سے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"تمھاری بیٹی سے بات ہوئی تمھاری؟"

انھوں نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ آپ کی بھی بیٹی ہے۔"

صمن بیگم نے منہ بنا کر کہا تھا۔

"کب گھر آرہی ہے وہ؟"

ان کے لہجے کی لاپرواہی نے صمن بیگم کو اتھاہ تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا۔

"آپ نہیں جانتے کیا کہ وہ اب گھر نہیں آئے گی میری بیٹی کسی ہندو سے شادی کرلے گی۔"

ان کے آنسوان کی آنکھوں سے یک لخت ہی چھلک پڑے تھے۔

"خاموش کرجاو صمن ہر وقت جاہل عورتوں کی طرح رونا دھونا مت شروع کر دیا کرو اور وہ کسی ہندو سے شادی کر بھی لے تو کیا مسئلہ ہے تمھیں ہم ان کے ملک، ان کے شہر میں رہتے ہیں۔"

انھوں نے کندھے اچکاتے ہوئے اتنے آرام سے کہا تھا جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔

"کمال کی بات ہے ویسے داور کمال کہ تم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو ان ہندوں کے

For more visit (exponovels.com)

آگے بیچنے کی بات کر رہے ہو؟"

وہ چہرے پر بے یقینی کی کیفیت طاری کیے ہوئے ان سے کہہ رہی تھیں وہ داور کمال کے کاروبار سے یکسر انجان تھیں وہ ان عورتوں میں سے تھیں جنہیں بس پیسے سے مطلب تھا چاہے اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو۔

" بکواس بند کرو صمن مت بھولو کہ تمہاری بیٹی خود اس ہندو کی جھولی میں پکے ہوئے پھل کی مانند گر رہی ہے میں نے اسے بولا تھا کہ کسی ہندو سے عشق کی پینگیں بڑھائے نہیں نہ؟ تو کرنے دو جو کرتی ہے جب در در کی خاک چھانے کی تو خودی عقل واپس آجائے گی۔"

وہ ہلکے پھلکے انداز میں اپنی ہی بیٹی کے لیے گفتگو کر رہا تھا۔

"تمہیں خوف نہیں آرہا داور کمال؟"

انہوں نے چہرے پر حیرت سمو کر ان سے پوچھا تھا۔

"کس چیز کا خوف؟"

کافی کے بعد اب داور کمال سگار کے گہرے کش لگا رہے تھے۔

"وہی خوف کہ جو تم نے میری بیٹی کے ساتھ کیا کہیں تمہاری بیٹی کے ساتھ نہ ہوجائے۔"

صمن بیگم کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی جس کے باعث داور کمال کو صرف ہوش میں آنے میں ایک لمہہ لگا تھا۔ سائیڈ میز پر رکھا ہوا کافی کا خالی مگ اٹھا کر انہوں نے پوری قوت سے

صمن بیگم کی جانب اچھالا تھا جس کی نوک سیدھی ان کے ماتھے پر جا لگی تھی۔ تکلیف سے ان کی چیخ بلند ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ کپ فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا تھا۔

"آئندہ کوئی بھی بکواس کرنے سے پہلے یہ تکلیف یاد کر لینا تمہارے حق میں بہتر ہو گا اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں ان سے کہہ کر سٹڈی کے دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا جسے پاتے ہی وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھ کر خون روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے باہر کو بھاگی تھیں جہاں سے سونیتی نے انہیں تھاما تھا اور ان کے کمرے میں لے گئی تھی۔

****

زارا کی باتیں صاریہ کے دل میں کہیں تو تھیں لیکن کہاں یہ اسے فل حال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"محبت سے دستبردار ہو جاؤں یہ چاہتی وہ چھٹانک بھر کی لڑکی؟"

وہ خود سے ہمکلام تھی۔

"نہ۔۔۔ نہیں جبرئیل صرف میرا ہے میں اسے زارا کا کبھی بھی نہیں ہونے دوں گی وہ چاہتی ہے میں جبرئیل اور اس کے راستے سے ہٹ جاؤں تاکہ وہ میری جگہ پر قابض

ہوجائے نہ زارابی بی ایسا تو صاریہ کبھی بھی نہیں ہونے دے گی بس اب تم دیکھتی جاوکہ میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں تمہاری سات نسلیں اس خواہش پر نہ پچھتائی نہ تو میرا نام بھی صاریہ نہیں۔"

وہ کہہ کر جلدی سے اٹھی تھی اور واشروم کی جانب گئی تھی اس کا ارادہ اپنا منہ ہاتھ دھو کر فریش ہونے کا تھا۔

لان میں گولیوں کی تھرتھراہٹ گونج رہی تھی رات کے سناٹے میں گولیوں کا شور کمرے میں سوئی ہوئی زارا کے حواس بیدار کر گیا تھا کچھ وقت پہلے کا عرصہ اس کے ذہن کی سکرین پر نمودار ہوا تھا جس نے اس کے پورے وجود میں خوف و ہراس بھر دیا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کانپ رہی ہو اور یہ سچ بھی تھا کہ اس کا پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا اس کے بال اس لمحے کھولے ہوئے رومال سے آزاد تھے وہ اپنے بستر سے نیچے اتری تھی پیروں میں سلیپر پھنسا کر وہ گیسٹ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی پورا گھر اندھیرے میں نہایا ہوا تھا ہر جانب سناٹے کا راج تھا۔ وہ شدید حیرت میں مبتلا ہو رہی تھی کہ اتنی زیادہ گولیوں کے باوجود گھر کے کسی فرد کی آنکھ کیوں نہیں کھلی کوئی بھاگ دوڑ کوئی خوف و ہراس کیوں نہیں پھیلا وہ دوپٹے سے بے نیاز آگے بڑھ رہی تھی۔ لان کی جانب کھلتے ہوئے دروازے کے ہینڈل پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی تھی اس نے تجسس اور دھڑکتے دل کے

ساتھ آنکھیں زور سے میچ کر دروازہ کھولا تھا اور باہر آئی تھی۔ پورا لان بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا مگر گولیوں کی تھرتھراہٹ ویسے ہی جاری وساری تھی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھا کر آگے بڑھ رہی تھی اچانک اس کی نظر سامنے پڑی تھی وہ پشت سے آسانی سے پہچان سکتی تھی کہ گولیاں چلانے والا وجود کس کا ہے۔ وہ عام سے حولیے میں ٹراوزر کے اوپر ٹی شرٹ پہنے بغیر کسی سوئیٹر اور جیکٹ کے ہاتھ میں اپنی نائن ایم ایم کی پسٹل سے سامنے موجود بورڈ پر نشانے لگانے میں مصروف تھا اس کے کانوں میں ہیڈ فون ہونے کی وجہ سے وہ بہت آرام سے نشانے لگا رہا تھا۔ گھر میں سب جانتے تھے کہ وہ اسی طرح رات میں ٹارگٹ کیلینگ کی پریکٹیس کرتا تھا اس لیے سب آرام سے سو رہے تھے لیکن زارا اس بات سے بالکل ہی انجان تھی۔ جبرئیل کو دیکھ کر زارا کا سانس کچھ بحال ہوا تھا جب سانس بحال ہوا تو اسے اپنی حالت کا اندازہ ہوا تھا کہ وہ کس حولیے میں باہر کھڑی تھی اگر جبرئیل مڑ جاتا اور اسے اس طرح دیکھتا تو اس کے لیے کس قدر شرمندگی کا مقام ہوتا لیکن بعض اوقات آپ جو سوچتے ہو وہی ہو جاتا ہے جبرئیل بھی اسی لمحے پلٹ گیا تھا زارا اچھا خاصہ شرمندہ ہوئی تھی اور شرمندگی کے مارے نظریں جھکا گئی تھی۔ جبرئیل نے ہیڈ فون اتار کر لکڑی کی میز پر رکھے اور اس کے قریب آ گیا۔

"پیچھے ٹیبل پر میری شال پڑی ہوئی ہے وہ اوڑھ لیں۔"

اس نے زارا کے پیچھے رکھے میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر پیچھے مڑی تھی جہاں جبرئیل کی سیاہ شال رکھی ہوئی تھی زارا نے جلدی سے وہ شال اٹھا کر اوڑھی تھی تب تک وہ اس کے قریب آگیا تھا۔

"آپ اس وقت باہر کیا کر رہی ہیں؟"

اس نے پسٹل میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا اب اس نے کافی کا بھاپ اڑاتا مگ اٹھایا تھا اور اس میں سے چند گھونٹ بھرے تھے۔

"وہ۔۔ وہ میں ڈر گئی تھی مجھے لگا وہ لوگ یہاں بھی آ گئے ہیں۔"

وہ سانس روکے انتہائی خوفزدہ لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔

"یہاں بیٹھیں زارا اور میری بات سنیں دھیان سے۔"

اس نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تھا اور خود اپنا مگ لے کر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

اس نے اس کی جانب نگاہیں مرکوز کیے ہوئے ایک ابرو اچکا کر اس سے پوچھا تھا جس پر بے ساختہ زارا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ جبرئیل نے فضا میں ایک گہرا سانس خارج کیا تھا اور پھر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"آپ اس وقت پشاور کے ملٹری ایریا میں واقع میجر جبرئیل کے گھر پر ہیں جہاں کوئی آدمی تو دور کی بات ہے چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی سمجھی آپ؟"

اس نے دونوں ہاتھ فولڈ کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"جہ۔جی۔"

اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"یوار فری ٹو ٹیک بریتھ ان دیس ہاوس ناو گو اینڈ ٹیک آ گڈ سلیپ۔"

اس نے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس سے کہا تھا اور خود ٹیبل پر رکھا اپنا ہیڈ فون اور گن اٹھا کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا کچھ لمحے وہاں کھڑے رہنے کے بعد زارا بھی اس کے پیچھے اندر چلی گئی تھی۔

اپنے کمرے میں آکر جبرئیل نے گن اور ہیڈ فون سائیڈ میز پر رکھے اور واشروم میں فریش ہونے چلا گیا تقریبا پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا تھا۔ اپنے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس کی سوچ کا محور زارا کی ذات تھی۔ کچھ حادثات آپ کو کتنا بزدل بنا دیتے ہیں یا شاید یہ کہنا زیادہ صیح رہے گا کہ کچھ حادثات آپ کو کمزور کر دیتے ہیں کہ ان حادثات میں آپ نے وہ کھویا ہوتا ہے جو آپ کی کل حیات کی قیمتی متہ ہوتی ہے اور جب ہم کوئی قیمتی چیزیوں کھو دیتے ہیں تو خود بخود دل کمزور ہو جاتا ہے اسے بھی یاد تھا جب اس نے اپنا باپ کھویا تھا کتنی

راتوں تک وہ سو نہیں پایا تھا اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے اسے برہنہ کر دیا ہو اس کا مضبوط سایہ اس سے چھین لیا ہو وہ پھر بھی خوش قسمت تھا کیونکہ اس کے پاس اس کی ماں موجود تھی لیکن زارا اس کے پاس تو تھی ہی صرف ماں وہ بھی کسی نے انتہائی سفاکی سے اس سے چھین لی تھی۔ ایک دم جبرئیل اشتعال میں آیا تھا اپنے باپ اور چچا کی موت اسے ایک بار پھر شدت سے یاد آئی تھی اور اسی کے ساتھ اس کے خون میں بدلہ لینے کا جوش ابھرا تھا لیکن وہ ایک عام انسان نہیں تھا جو قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا وہ ایک فوجی تھا جس کی رگ رگ میں ملک و قوم کی خدمت گردش کر رہی تھی بدلہ تو اس نے ایسا لینا تھا کہ قاتل کی سات پشتیں یاد رکھتی نجانے کب سوچتے سوچتے وہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کی ڈیوٹی اب بھی کشمیر میں ہی تھی وہ مسلسل تین دن سے جاگ رہا تھا ایک کے بعد ایک لڑکی غائب ہو رہی تھی لیکن کوئی بھی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ اس لمحے وہ تینوں یونٹ سے نکل رہے تھے۔

"کیا بات ہے سر از ایوری تھینگ آلرائیٹ؟"

طراب نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس سے پوچھا تھا جس پر احسن نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ اسامہ، طراب اور احسن کشمیر باڈر کی جانب جا رہے تھے۔

"یس میجر طراب آئی ایم فائن۔"

لہجے میں پھر سے ایک عجیب سا تاثر تھا جو وہ دونوں محسوس کیے بغیر نہیں رہ پائے تھے۔

"سر آپ ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں کیا کیس کی ٹینشن ہے؟"

اسامہ نے بھی اپنے مطابق پوچھ ڈالا تھا۔

"ارے نہیں یار کیس کی ٹینشن تو ہے ہی وہ تو انشاء اللہ اللہ نے چاہا تو ہم نے حل کر لینا ہے تم لوگ یہ بتاؤ کہ جبرئیل سے بات ہوئی تم لوگوں کی؟"

اب کی بار اس نے بات شدید ٹالنے کی کوشش کی تھی اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا کیونکہ جبرئیل ایک ایسا موضوع تھا جس پر وہ دونوں نان سٹاپ بول سکتے تھے۔

"یس سر وہاں کے کام نمٹا کر وہ کل یہی آرہا ہے واپس۔"

طراب نے پر جوش طریقے سے کہا تھا۔

"چلو شکر ہے اب کل سے باقاعدہ پیلنگ کے تحت کام شروع ہو گا یہ توزارا کی وجہ سے جبرئیل کو پشاور جانا پڑا تھا۔"

احسن نے ہلکے پھلکے انداز میں ابھی کہا ہی تھا کہ جیب میں رکھا ہوا اس کا فون بج اٹھا۔ وہ دھیرے دھیرے اوپر کی جانب جا رہے تھے جہاں سگنل کا مسئلہ رہتا تھا پھر ایسے میں وہ لوگ رابطے کے لیے وائیرلیس فونز ہی استعمال کیا کرتے تھے وہ ان دونوں کو دھیرے

دھیرے اوپر جانے کا کہہ کر خود فون سننے ایک جانب ہو گیا تھا۔

"اسلام علیکم بی جان!"

اس نے اپنی آواز کو قدرے بشاش بنانے کی کوشش کی تھی مگر مقابل بی جان تھیں کیسے نہ اس کی آواز میں چھپی ہوئی تھکاوٹ کو پہچانتی۔

"ٹھیک ٹھیک بتا پتر کتنے دن ہو گئے تو سویا نہیں ہے؟"

بی جان نے ہمشہ کی طرح بڑا درست اندازہ لگایا تھا۔

"تین دن بی جان!"

اس نے قدرے شرمندہ ہوتے ہوئے بی جان سے کہا تھا جس پر دوسری جانب بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ احسن کو بی جان کی خانوشی سے ہمشہ خوف محسوس ہوتا تھا کیونکہ جب وہ خاموش ہوتی تھیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ کسی گہرے دکھ کو کشادہ پشانی سے برداشت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

"بی جان کتنی بار آپ سے کہا ہے کہ یوں خاموش مت ہوا کریں۔"

اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

"اور میں نے بھی تجھے کتنی بار کہا ہے کہ میرے لیے تکلیف کا باعث مت بنا کر آج ستائیس سال ہو گئے احسن تیرے ماں باپ کو گزرے اور مجھے لگتا ہے تیری خوشیوں کے

انتظار میں میرا وقت بھی یونہی پورا ہوجانا ہے۔"

بی جان تو فل جذباتی ہورہی تھیں۔

"پلیز بی جان میری کمزوری مت بنا کریں آپ میری طاقت ہیں اور وہی رہا کریں آپ جانتی ہیں کہ میں ابھی کس صورتحال میں ہوں ایسے میں آپ مجھے شادی کا کہہ کر کسی کی زندگی کیوں خراب کرنا چاہتی ہیں؟ سو جائیں رات کافی ہو چکی ہے آپ کی طبعیت خراب ہوجائے گی۔"

اس نے ان سے کہہ کر فون بند کردیا تھا مگر یہ سچ تھا کہ ہمشہ کی طرح ان کے فون کے بعد وہ پریشان ہوگیا تھا۔

اس کا رخ باڈر کی جانب تھا جہاں مقبوضہ کشمیر کی جانب جانے والی سرنگیں کھودنے کا کام جاری تھا اب جو بھی سرا ملنا تھا وہ تو مقبوضہ کشمیر جا کر ہی ملنا تھا زارا کے گھر سے لے کر اس کے باڈر آنے کے بیچ میں کیا ہوا تھا یہ سب کچھ انہیں انڈیا جا کر ہی پتہ چلنا تھا اور انڈیا وہ لوگ فل حال نارمل سویلین طریقے سے جا نہیں سکتے تھے کیونکہ آئی ایس پی ار سے تعلق جان کر ہی ان کے پکڑے جانے کا ڈر تھا اس لیے وہ غیر قانونی طریقہ استعمال کر رہے تھے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی چارہ نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

For more visit (exponovels.com)

وہ رات کی تاریکی میں ہمشہ کی طرح پینٹ ہاوس سے نکلی تھی لمبی گلابی قمیض کے ساتھ جینز پہنے اس نے اپنے سر کو اور چہرے کو اچھے سے سکارف سے ڈھانپا ہوا تھا شکاگو میں سردی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے ایک بھاری بھرکم اوورکوٹ اپنی لمبی گلابی قمیض کے اوپر پہن رکھا تھا جس کی لمبائی بھی تقریبا قمیض جتنی ہی تھی پیروں کو لمبے بوٹوں میں قید کیے وہ تیزی سے سڑک پر چل رہی تھی اس کے پیچھے ہی کچھ فاصلے پر غلام بخش بھی آرہا تھا۔
اردگرد رات کو لوگوں کا رش تھا کچھ اپنے دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں مصروف تھے تو کچھ ایک دوسرے کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے وہ سڑک پر چلتے ہوئے سب لوگوں کا مشاہدہ کررہی تھی وہ چلتی ہوئی بھیڑ والے علاقے سے نکل کر قدرے سنسان علاقے میں آگئی تھی جہاں مین سڑک کے اردگرد تین گلیاں تھیں جو اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں وہ ان تین گلیوں میں سے بیچ والی میں مڑگئی تھی غلام بخش گلی کے شروع میں ہی کھڑا تھا۔ گلی کے آخر میں اندھیرے میں چند سائے ابھرے ہوئے تھے جن کے عکس گلی کی پچھلی دیوار پر ابھر رہے تھے وہ ایک دم گلی کے آخر میں جاکر ٹھہر گئی تھی۔

"گڈ ایوننگ میڈم!"

ان میں سے ایک سائے نے اس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"گڈ ایوننگ مسٹر براٹ!"

اس نے بھی سر خم کرتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"دیس از یور اوڈرڈ پارسل میڈم! (یہ آپ کا منگوایا ہوا پارسل ہے محترمہ)"

اس نے لکڑی کا بڑا سا بکسہ اس کے سامنے زمین پر رکھا تھا۔

"وائے یو ریفیوز ٹو گیو دس ٹو مائی مین؟ (تم نے یہ میرے آدمی کو دینے سے کیوں منع کیا تھا۔؟"

ایس۔کے نے درشتگی سے اس سے کہا تھا۔

" بیکاز آئی وانٹ ٹو میٹ یو (کیونکہ میں تم سے ملنا چاہتا تھا)"

براٹ کے لہجے کے اشتیاق نے ایس۔کے کے اشتعال میں مزید اضافہ کیا تھا۔

"او پن اٹ!" (کھولو اسے)"

اس نے بکسے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بیزاری سے کہا تھا۔ براٹ نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں کو اشارہ کیا تھا اور انہوں نے آگے بڑھ کر لکڑی کے بڑے سے بکسے کا ڈھکن کھولا تھا ایس۔کے کی مکمل توجہ اس بکسے کی جانب تھی جس میں ڈھیر سارے بورے کے نیچے اور اوپر 32 بور کی بڑی بڑی رائیفلز موجود تھیں۔

"آئی وانٹ ٹو سی دا کوالٹی (میں اس کی خاصیت دیکھنا چاہتی ہوں)"

ایس۔کے نے کہا تو براٹ کے اشارے پر اس آدمی نے لکڑی کے بکسے میں سے ایک

رائیفل نکال کر ایس۔کے کی جانب بڑھائی جس کا وزن اتنا تھا کہ عام عورت کو پکڑنے میں مشکل ہوتی مگر ایس۔کے کوئی عام عورت نہیں تھی اس لیے اس نے آرام سے وہ رائیفل اپنے ہاتھ میں تھام لی تھی اور باریک بینی سے اس کا معائنہ کیا تھا اچھی طرح سے تسلی کرنے کے بعد اس نے وہ رائیفل واپس اس آدمی کے ہاتھ میں دی تھی جسے اس نے بکسے میں واپس رکھ دیا تھا۔

"یو مسٹ پارسل دیس ٹو دا اڈریس یوٹیک فرام مائی مین اینڈ آئی نیڈ دیس ایز سون ایز پوسبل مسٹر براٹ!" (اسے اس پتے پر پہنچا دینا جو تم میرے آدمی سے لو گے اور یہ مجھے جلد سے جلد چائیے)"

ایس۔کے نے اس سے کہنے کے بعد اپنے پرس میں سے چیک بک اور پین نکالا تھا اور چیک سائن کر کے براٹ کی جانب بڑھایا تھا۔براٹ نے ہاتھ ملانے کے لیے آگے کیا تھا جسے ایس۔کے نے دیکھ کر نظرانداز کیا تھا اور پھر گویا ہوئی تھی۔

"آئی کین ناٹ شیک ہینڈ ود مین یو کین شیک آ ہینڈ ود مائی مین اِٹس آ سسٹم اف سائننگ دا ڈیل۔ (میں مردوں سے ہاتھ نہیں ملاتی تم میرے آدمی سے ہاتھ ملا لو یہ اس چیز کی علامت ہو گا کہ ہمارے درمیان معائدہ طے ہو چکا ہے۔)"

اس نے بے نیازی سے کہہ کر غلام بخش کو اشارہ کیا تھا جو گلی کے شروع میں کھڑا تھا اس کا

اشارہ ملتے ہی وہ آگے آیا تھا اور براٹ سے ہاتھ ملایا تھا۔ ڈیل سائین کرنے کے بعد وہ خاموشی سے جیسے اس گلی میں آئی تھی ویسے ہی وہاں سے نکل گئی تھی اور متواتر چال چلتی ہوئی سب وے کی جانب بڑھ گئی تھی جہاں سے اس نے اپنے پینٹ ہاوس پہنچنا تھا۔ وہ تیزی سے سب وے کی جانب بڑھ رہی تھی غلام بخش بڑی مشکل سے اس کے برابر میں آیا تھا۔

"آپ نے یہ ڈیل کیوں کی ایس کے؟"

غلام بخش کے دل میں کب سے مچلتا ہوا سوال اس کی زبان سے پھسل ہی گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے کیوں کی ایسی ہزاروں ڈیلز تو یوتی رہتی ہیں غلام بخش کم اون۔"

اس نے سر پر جمایا ہوا اپنا سکارف صیح کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ایسی ہزاروں ڈیلز ہوتی ہیں ایس۔ کے لیکن کوئی بھی ڈیل آپ اس طرح سے خود نہیں کرنے جاتیں۔"

غلام بخش نے اس کے ساتھ سب۔ وے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے اتنا مت جانا کرو غلام بخش نگل لوں گی کسی دن تمہیں بھی۔"

اس نے عجیب سے انداز میں اس سے کہا تھا۔ غلام بخش نے کچھ لمحے تک اس کی جانب دیکھا تھا جو بالکل ساکن سامنے دیکھ رہی تھی۔

"جب منگلیں گی تو دیکھ لیجیے گا شکوہ کر جاؤں تو جو نمک آپ کا کھاتا رہا ہوں وہ حرام جائے۔"

غلام بخش کے لہجے میں کچھ تھا جس نے ایس۔کے کو اس کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یوں مت دیکھیں یقین نہیں ہے تو آزما کر دیکھ لیجیے گا۔"

غلام بخش نے مسکرا کر کہا تھا جس پر ایس۔کے نے نظریں پھیر کر کھڑکی سے باہر کر لی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لیپ ٹاپ اپنے سامنے رکھے بڑے سے دالان میں بچھے تخت پر دونوں پاؤں فولڈ کیے بیٹھی ہوئی تھی۔ سکارف نے اس کے سر اور چہرے کو چاروں اور سے ڈھانپ رکھا تھا صرف اس کی آنکھیں، ناک اور ہونٹوں کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا وہ سورت توبہ کی تفسیر پڑھنے میں مصروف تھی وہ جب سے یہاں آئی تھی سورت توبہ کو روح میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کتنی گناہ گار ہے وہ اپنے لیے توبہ کے در کھولنا چاہتی تھی وہ جاننا چاہتی تھی کہ جس اللہ کے سامنے کبھی سر نہ جھکایا ہو اس سے توبہ کا طریقہ کیا ہوتا ہے وہ اس بات سے انجان تھی کہ وہ تو تب بھی معاف کر دیتا ہے جب اسے صرف دل میں پکارا جائے وہ تو تب بھی سنتا ہے جب صرف خیال ہی کیا جائے کہ اس سے پکارنا ہی

ہے وہ تو تب بھی سن لیتا ہے جب صرف توبہ کی نیت باندھی جاتی ہے وہ تو ہے ہی شہ رگ سے زیادہ قریب تو وہ کیسے نہ سنے لیکن اس کے دل میں جیسے اللہ کو جاننے کا جنون سوار ہوگیا تھا وہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ کتنا غفور رو رحیم ہے اس کے فضل کی حد کیا ہے اس کی رحمت میں کتنی وسعت ہے وہ خود کو اس کے سامنے جانے کے قابل بنا رہی تھی ابھی تک اس نے ایک بھی نماز ادا نہیں کی تھی کیونکہ اسے لگتا تھا کہ نماز ادا کرنے کے لیے ہمت درکار ہے جا نماز پر اس کے حضور کھڑے ہونے کے لیے پاکیزگی درکار ہے اور وہ خود کو گناہ میں لپٹی ہوئی کوئی شے سمجھتی تھی۔

وہ مکمل طور پر مگن تھی جب دالان کے اس پار بڑے سے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی تھی اور اسی کے ساتھ وہ وردی میں اندر داخل ہوا تھا وہ اپنے دھیان مگن انداز میں چلتا آرہا تھا جب اچانک سے دالان میں موجود تخت پر بیٹھی لڑکی پر اس کی نظر پڑی تھی۔ شمس کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کوئی لڑکی اس طرح سے اس کے گھر میں بڑے ہی نارمل انداز میں بیٹھی ہوئی اسی کا لیپ ٹاپ تھامے کچھ کر رہی تھی دھچکا تو اسے لگنا ہی تھا۔

"او ہیلو محترمہ آپ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

وہ بغیر کچھ بھی سوچے سمجھے سیدھا دروازہ بند کر کے دالان میں آیا تھا۔ تخت پر بیٹھی لڑکی کا طلسم ٹوٹا تھا اور اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا وہ بے حد خوفزدہ ہوئی تھی۔ اس

For more visit (exponovels.com)

کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"یہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہیں اور ایسے کیسے کسی کی بھی چیزوں کو ہاتھ لگا لیا آپ نے کچھ تمیز ہے کہ نہیں؟"

شمس تو آگ بگولہ ہی ہو گیا تھا۔

"جی۔وہ۔۔میں!"

اس سے کچھ بھی بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

"کیا جی وہ میں لگا رکھی ہے بولنا نہیں آتا کیا آپ کو؟"

اسے تو پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

"ارے ارے شمش بیٹا! کیا ہو گیا ہے کیوں آتے ہی بچی پر غصہ شروع کر دیا ہے۔"

سمعیہ بیگم جو اندر عصر پڑھ رہی تھیں ایک دم شور کی آواز سن کر باہر آئیں تھیں انہیں بھی سمجھ آگئی تھی کہ ان کا سپوت آندھی طوفان کی طرح تشریف لا چکا تھا۔

"ماں! یہ کون ہے اور میرا لیپ ٹاپ ان کے پاس کیا کر رہا ہے؟"

اس کا سوال ابھی بھی وہی تھا۔

"فاطمہ! بیٹا تم کچن سے پانی لے کر آؤ زرا شمس کے لیے۔"

انہوں نے تخت پر ہکا بکا بیٹھی ہوئی فاطمہ کو کہا تھا جس پر وہ سر ہلا کر فوری اندر کی جانب

بڑھی تھی۔

"کیا بدتمیزی تھی یہ؟"

انہوں نے اب شمس کو گھیرا تھا جو ابھی بھی تیوری چڑھائے کھڑا تھا۔

"یہ تو آپ بتائیں کہ کیا تھا یہ سب کون ہے یہ؟"

اس نے ان کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جس پر انہوں نے اسے کندھوں سے تھام کر تخت پر بیٹھایا تھا اور فاطمہ کے متعلق اسے ساری بات بتائی تھی لیکن سچائی کا کچھ حصہ وہ اس سے مصلحتن چھپا گئی تھیں۔

"ماں! ایسے کیسے آپ کسی پر بھی یقین کر سکتی ہیں کوئی گڑبڑ ہوئی یا کسی سازش کا حصہ ہوئی یہ لڑکی تو پھر؟"

اس نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"بس کردو شمس ہر جگہ ہر کسی کو اپنی فوجی نظروں سے مت دیکھا کرو وہ لڑکی بہت اچھی ہے اور تمہارے بابا کو بھی بہت پسند آئی ہے۔"

انہوں نے اب کی بار اس کے بابا کا حوالہ دیتے ہوئے یقین دلایا تھا۔

"اچھا مجھے کیا جو بھی کریں آپ دونوں لیکن نظر رکھیے گا۔"

اس نے ابھی ان سے کہا ہی تھا کہ اس کی نظر لاونج کے دروازے پر پانی کا گلاس تھامے

کھڑی فاطمہ پر پڑی تھی وہ قدرے شرمندہ بھی ہوا تھا لیکن پھر نظر انداز کر کے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھا ما تھا اور ایک ہی سانس میں خالی کر کے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا دو آنسو ٹوٹ کر فاطمہ کی آنکھ سے بہے تھے جنہیں اس نے بے دردی سے رگڑا تھا کیونکہ یہ آنسو تو اب مقدر کا حصہ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرا دل بھی گویا ایسا ہو گیا ہے بچھڑنے کے بعد

جیسے خوب ہریالی میں چند سوکھے ہوئے پتے

وہ مسلسل رات میں پچھلے لان میں ٹہل رہا تھا جب وہ پریشان ہوتا تنہائی میں ٹہلنا اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا اور آج بھی وہ اسی طرح ٹہل رہا تھا اس کا ذہن مسلسل ڈی۔ایس۔پی سرمد احمد کے لفظوں میں تھا۔ جب انہوں نے کہا تھا کہ 2006 میں اس کے بابا بہت سارے کیسز کو لیڈ کر رہے تھے اور وہ تمام کے تمام کیسز سمگلنگ اور کڈنیپنگ کے تھے اور ان تمام کیسز میں سے ہی ایک ایسا کیس تھا جس کو کھولنے کی صورت میں انہیں بے پناہ دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اسی کیس پر کام کرنے کے دوران ایک دن اچانک ان کی موت کی اطلاع آ گئی تھی۔ ان کے لفظ آرون کا دماغ پاگل کر رہے تھے اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر بھول چوک کہاں سے ہو رہی ہے وہ کونسا سرا ہے جو اس کے ہاتھوں سے

چھوٹ رہا ہے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تھا۔ لان کے وسط میں رکھی ہوئی کین کی کرسیوں میں سے وہ ایک پر جا بیٹھا تھا اس کے سر میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی جسے اس نے اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے مسلا تھا۔ وہ ابھی سر تھام کر بیٹھا ہی ہوا تھا جب گیٹ پر مخصوص ہارن ہوا تھا یہ ہارن جبرئیل کی جیپ کا تھا۔ چوکیدار نے جلدی سے گیٹ وا کیا تھا گیٹ کے کھلتے ہی وہ زن سے جیپ پورچ میں لے آیا تھا لیکن اس سب میں وہ پچھلے لان کی بتی جلتی ہوئی دیکھ چکا تھا جو صرف تب ہی جلائی جاتی تھی جب وہاں کوئی موجود ہوتا۔ وہ جیپ پارک کر کے چابی چوکیدار کی طرف بڑھا کر خود یونیفارم میں ہی پچھلے لان کی جانب چل دیا تھا جب وہ لان میں پہنچا تو اس کی نظر کین کی کرسی پر بیٹھے آرون پر پڑی تھی۔ وہ قدم قدم چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا۔

"رون! کیا بات ہے ایسے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟"

جبرئیل نے تفکر سے اس سے پوچھا تھا اور میز پر اپنا سیل فون رکھتے ہوئے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"کچھ نہیں بھائی بس ایسے ہی سر میں درد تھا تو یہاں بیٹھ گیا۔"

آرون نے اپنے لہجے کو حتی المکان ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کی تھی۔

"کیا ہوا ہے خیریت کوئی میڈیسن لی ہے کیا تم نے؟"

جبرئیل کو اب پریشانی نے گھیر لیا تھا۔

"بھائی! آپ کو زارا کیسی لگتی ہے؟"

اس نے جبرئیل سے اچانک ہی پوچھا تھا اس کے پیچھے اس کا مقصد صرف اسے موضوع سے ہٹانا تھا جس میں وہ اس سوال کے بعد کافی حد تک کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ جبرئیل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا مطلب کیسی لگتی ہے جیسی ساری لڑکیاں ہوتی ہیں وہ بھی ویسی ہی ہے کہ اس میں کوئی خاص قسم کے ہیرے موتی جڑے تھے؟"

جبرئیل نے ایک ابرو اچکا کر اس سے کہا تھا گویا وہ حیران ہو رہا ہو جیسے آرون کے عجیب سے سوال پر۔

"او ہو نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا جیسے آپ ہر بار صاریہ آپا کے سامنے زارا کی حمایت میں فوری کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے تو دال مجھے کچھ کالی کالی سی لگ رہی ہے۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر دونوں بازو میز پر رکھے ہوئے آگے کو ہو کر بیٹھا اس سے کہہ رہا تھا۔

"انسان بن جاو اور یہ جو زبان ہے نہ تمہاری جو ہر وقت بے دریغ قینچی کے جیسے چلتی ہے اسے قابو کر لو ایسا نہ ہو کسی دن ضائع ہو جاو میرے ہاتھ سے۔"

جبرئیل نے منہ بنا کر اس سے کہا تھا اور میز سے اپنا والٹ اور فون اٹھا کر اندر کی جانب

For more visit (exponovels.com)

بڑھ گیا تھا اسے تھوڑی دیر میں کشمیر کے لیے نکلنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا میں سناٹے اپنے جوبن پر تھے ایسے میں داور کمال علینہ کو ڈھونڈنے کے لیے اپنے سارے ذرائع استعمال کر چکے تھے مگر وہ تو جیسے روپوش ہی ہو گئی تھی کہیں۔ یہ تو طے تھا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ گوا نہیں بلکہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اس ہندو لڑکے سے شادی کے لیے بھاگ گئی ہے کیونکہ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ داور کمال کبھی بھی اس کی شادی اس ہندو سے نہ کرتا اور وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ہندو تھا اس کے پیچھے وجہ داور کمال کی کمزوری تھی جو اگر کسی کے ہاتھ لگ جاتی تو جو محل اتنے عرصے سے اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ کھڑا تھا اس نے زمین بوس ہونے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرنی تھی۔

وہ کمال ولا میں بنے اپنے چھوٹے سے قدیمی طرز کے بنے دفتر میں بیٹھے کچھ فائلوں میں غرق تھے مگر ان کا ذہن بیک وقت دو لوگوں کو سوچ رہا تھا ایک کے جانے سے وہ پریشان تھے تو دوسرے کو جواب دینے کی فکر انہیں ستا رہی تھی اور اسے جواب دینا شاہد داور کمال کی زندگی میں رونما ہونے والی سب سے بڑی مجبوری تھی۔ سگار سلگائے اپنی کنپٹیاں مسلتے وہ قابل رحم لگ ضرور رہے تھے مگر شاہد وہ قابل رحم تھے نہیں۔

وہ اپنی بے دریغ امڈنے والی سوچوں میں غرق تھے جب میز پر ایک جانب رکھا ہوا ان کا لینڈ لائن فون چیخا تھا وہ جانتے تھے کہ اس لمحے انہیں فون کون کر سکتا ہے اور ایسا کون تھا جو انہیں ہمیشہ لینڈ لائن پر فون کرتا تھا پھر چاہے وہ ان کے آفس کا ہو یا سٹڈی کا۔ کمرے کی دل دہلا دینے والی خاموشی میں فون کی آواز دوسری جانب موجود شخص کے جلدی میں ہونے کا عندیہ دے رہی تھی۔ داور کمال کی دھڑکنیں ڈوب کر ابھر رہی تھیں انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے فون اٹھایا تھا اور دھیرے دھیرے کان کی جانب لے کر گئے تھے۔

"ہہ۔ ہیلو!"

ان کی آواز مضبوط ہونے کے باوجود لڑکھڑائی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

دوسری جانب سے بہت دوستانہ انداز اپنایا گیا تھا جو معمولی بات شاہد ہرگز نہیں تھی کیونکہ ہمیشہ سرد مہری اور لیہ دیا انداز ہی دیکھنے کو ملا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں تم بتاو؟"

وہ بھی اب دوسری جانب سے نارمل انداز دیکھ کر قدرے نارمل ہو گئے تھے۔

"علینہ کا پتہ چلا کچھ؟"

دوسری طرف سے شاہد کچھ کھایا جا رہا تھا ساتھ ساتھ اس لیے آواز صاف نہیں آئی تھی۔

"میں کوشیش کررہاہوں بہت جلد پتہ لگالوں گا۔"

ان کے لہجے میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"کب پتہ لگوائیں گے تب جب وہ کسی ہندو سے شادی کرلے گی اور آپ کو کسی قابل نہیں چھوڑے گی جن ہندوں اور انتہا پسندوں کے پینل کے ساتھ آج آپ بڑے فخریہ انداز میں اٹھتے بیٹھتے ہیں نہ یاد رکھیے گا آپ کو یوں مسلیں گے کہ آپ کا نشان بھی پورے انڈیا میں کہیں نہیں ملے گا۔"

دوسری جانب سے ایسی حقیقت آشکار کی گئ تھی کہ ایک پل کو تو داور کمال کانپ گئے تھے۔

"مہ۔۔میں ڈھونڈلوں گا وہ کسی ہندو سے شادی نہیں کرے گی۔ میں ایسا نہیں ہونے دونگا۔"

انہوں نے دوسری جانب موجود شخص سے زیادہ شاہد خود کو یقین دلایا تھا۔

"ایسا ہی ہونا چاہئیے پھر بات ہوتی ہے خدا حافظ۔"

دوسری جانب سے فون کاٹ دیا گیا تھا مگر داور کمال ابھی بھی سن بیٹھے ہاتھ میں تھامے فون کو گھور رہے تھے وہ دل ہی دل میں سوچ چکے تھے کہ انہیں کسی بھی حال میں علینہ کو ہندو سے شادی کرنے سے روکنا ہے انہیں یہ کرنے سے پہلے ہی اسے ڈھونڈنا تھا لیکن ان

کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ کس نوعیت کا قہر ان کا منتظر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے یونٹ سے بے شمار کالز آچکی تھیں اسے ہر حالت میں آج رات واپس کشمیر کے لیے نکلنا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ گھر میں کسی کو بھی اس کے جانے کے بارے میں معلوم نہیں تھا اس نے اپنے کمرے میں آکر اپنا کچھ ضروری سامان پیک کیا اور کندھے پر بیگ لٹکا کر سیڑھیاں اتر آیا۔ اس کا رخ عشرت بیگم کے کمرے کی جانب تھا اس نے آہستگی سے ان کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان کا کمرہ بھی نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا اور وہ بیڈ پر کمفٹر اوڑھ کر سوئی ہوئی تھیں۔ اس نے کندھے سے بیگ اتار کر آہستگی سے صوفے پر رکھا اور خود ان کے بیڈ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ان کا نحیف ہاتھ اپنے مضبوط اور توانا ہاتھوں میں لیا تھا اور ان کے ہاتھوں کی پشت پر اپنے لب رکھ کر ان کا بوسہ لیا تھا جبرئیل کے لمس سے شاید ان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے قریب بیٹھے دیکھا تو پوری طرح سے بیدار ہوگئیں۔

"کیا ہوا بیٹا! اس وقت اتنی رات کو یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نہ؟"

انہوں نے ایک ساتھ اس سے بہت سے سوال پوچھ ڈالے تھے۔ جس پر وہ بے اختیار

مسکرایا تھا۔ وہ اس لمحے بلو جینز پر وائٹ چیک ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا جس پر اس نے اپنی براون لیدر جیکیٹ پہن رکھی تھی۔ ان کے بے دریغ سوالات پر اس کے لب خود بخود مسکرائے تھے۔

"امی! میں کشمیر واپس جا رہا ہوں۔"

اس نے انتہائی تحمل اور آرام سے انہیں یہ بات بتائی تھی۔

"لیکن کیوں جبرئیل؟ تمہاری پوسٹنگ تو پشاور میں ہوگئی تھی۔"

وہ ایک دم اس کے جانے سے پریشان ہوگئی تھیں۔

"امی! وہاں میری ضرورت ہے اس لیے مجھے جانا ہوگا آپ بس دعا کیجیے گا کہ میں جس کام کے لیے جا رہا ہوں وہ کر کے ہی لوٹوں ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی۔"

اس نے ان کے ہاتھ ہنوز تھامے ہوئے تھے اور وہ دھیرے دھیرے ان سے مخاطب تھا۔

"تم میرا مان ہو جبرئیل میرا فخر جس پر میں سر کڑا کر کے چلتی ہوں ہم سے زیادہ ملک کو ضرورت ہے تمہاری جاؤ میرے بیٹے اور اگر شہادت تمہارا مقدر ہوئی تو اس سے اجتناب مت کرنا شہید کی ماں کہلوانے پر میں فخر محسوس کروں گی جیسے آج تک شہید کی بیوی کہلاوانے پر کر رہی ہوں۔"

انھوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تھا جس پر جبرئیل نے سر ہلایا تھا۔

"امی! آپ پلیز زارا کا خیال رکھیے گا ابھی اس کی امی کا بھی پتہ لگوانا ہے پتہ نہیں زندہ بھی ہیں کہ نہیں اسے اکیلے ہرگز بھی باہر نکلنے مت دیجیے گا اس کی جان کو خطرہ ہے۔"

اس نے پریشانی سے ان سے کہا تھا۔

"تم فکر مت کرو میں اس کا پورا دھیان رکھوں گی۔"

انھوں نے مسکرا کر اس سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے اب میں نکلتا ہوں آپ اپنا خیال رکھیے گا خدا حافظ۔"

وہ ان سے کہہ کر ان کے قریب سے اٹھا تھا صوفے سے اپنا بیگ اٹھا کر وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا بے ساختہ اس کی نظر سامنے والے کمرے کے بند دروازے پر گئی تھی جس کے پار زارا نور خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی اس کا دل کیا تھا کہ وہ ایک بار جانے سے پہلے اس سے ملتا ہوا جائے لیکن پھر اپنی ہی سوچ کو جھٹک کر وہ مین دروازہ تیزی سے پار کر گیا تھا جس کے باہر پورچ میں اس کی ملٹری جیپ کھڑی تھی جو چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتی تھی اس نے اپنا بیگ ساتھ والی سیٹ پر پٹخا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر جیپ زن سے خان ہاوس کے گیٹ سے پار کر گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیمپوں کے گرد معمول کی طرح لکڑیاں جل رہی تھیں اور کشمیر میں برف باری اپنے پورے جوبن پر تھی آسمان سے برف جب جلتی ہوئی آگ پر گرتی تو بے ساختہ لاتعداد چنگاریاں نمودار ہوتیں۔ چاروں اور سناٹوں کا راج تھا ایسے میں سرنگیں کھودنے کا کام بھی تیزی سے جاری تھا کیونکہ وقت کم تھا اور وہ لوگ یہ کام صرف رات کی تاریکی میں ہی سامنے بھارتی فوجیوں کی نظروں سے بچ کر کر سکتے تھے باڈر کی پچھلی طرف ہی انہوں نے سرنگیں کھودنا شروع کیں تھیں کیونکہ اگر اگلی طرف کرتے تو بہت بڑی مصیبت میں پھس سکتے تھے۔

احسن اپنے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے آگ کے قریب بیٹھا ہوا تھا وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا اسے معلوم ہی نہیں ہوا کب کرنل خاور ڈھلوان چڑھ کر اس تک آ گئے انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا وہ پوری طرح سے چونک کر ان کی جانب مڑا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو احسن؟"

انہوں نے سیدھے اس کی محویت کو نشانہ بنایا تھا۔ وہ ایک دم چونک کر ان کی جانب مڑا تھا۔

"کچھ بھی نہیں سر بس ایسے ہی۔"

اس نے مسکرانے کی ناکام کوشیش کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"وہ خط آج پھر سے آیا ہے نہ؟"

For more visit (exponovels.com)

انہوں نے اچانک ہی اس سے پوچھا تھا جس پر اس نے حیرت سے کرنل خاور کی جانب

دیکھا تھا۔

"سر! آپ؟"

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے اس کے چہرے کی حیرانی کرنل خاور کو مزہ دے

گئی تھی۔

"دو سال ہو گئے ہیں نہ؟"

انہوں نے آگ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا برف باری میں تیزی آ گئی تھی وہ دونوں

کیمپوں کے داخلی راستوں پر آگ جلا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا سر کہ یہ خط مجھے کون اور کیوں بھیجتا ہے؟"

وہ انہیں بے بس دیکھائی دے رہا تھا۔

"تم ایک بہادر فوجی ہو احسن ایسے خطوط سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چائیے۔"

کرنل خاور نے ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا تھا۔

"سر بہادر فوجی ہونے کے ساتھ ساتھ میں ایک انسان بھی ہوں جو اپنے اندر دل، جذبات،

روح سب رکھتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ جب آپ اپنا رشتہ ملک اور فوج سے جوڑ لیتے ہیں تو

آپ کے سارے دل، جذبات اور روح تک مرجاتی ہے لیکن پھر بھی سر نہ چاہنے کے

باوجود مجھے لگ رہا ہے میں کمزور پڑ رہا ہوں وہ لفظ مجھے کمزور کر رہے ہیں۔ میں کمزور نہیں پڑنا چاہتا مگر ان لفظوں کی تاثیر اتنی زیادہ ہے کہ وہ میرے جیسے مضبوط و توانا انسان کو بھی دھیرے دھیرے کھوکھلا کر رہی ہے۔"

اس کے لہجے کی بے بسی نے کرنل خاور کو ایک پل میں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ احسن ایک ان دیکھے سراب کے پیچھے بھاگے جس کا وجود صرف ہوا میں تحلیل ہو جو کبھی سامنے آنے کی جرات نہ رکھتا ہو جس کے لفظ صرف کتابی حیثیت رکھتے ہوں وہ ایک شیر کو گیدڑ بنتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

"نفس کی مار سب سے مشکل ہے احسن! نفس مارتے مارتے سالوں لگ جاتے ہیں پھر بھی کہیں کوئی جراثیم باقی رہ جاتا ہے جو آپ کے کردار اور خواہشات کو پھر سے کھینچ کر آپ کے سامنے لے آتا ہے اور یقین کرو دوسری بار نفس مارنا پہلی بار مارنے سے زیادہ دردناک اور مشکل ہے۔"

وہ سامنے دیکھتے ہوئے اس سے کہہ رہے تھے ان کے لہجے میں نا جانے کیا تھا کہ احسن ان کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"جذبات مارنا نفس مارنے سے منسلق ہے نہ سر؟"

اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"بالکل جذبات اور نفس ایک دوسرے سے منسلق ہیں کیونکہ جذبات مارنا نفس مارنے کی
پہلی سیڑھی ہے اور جب پہلا زینہ کامیابی سے طے ہو جائے تو باقی کی زینے پر قدم
لڑکھڑاتے ضرور ہیں مگر منزل مل ہی جاتی ہے۔
انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا اور اٹھ کر پچھلی جانب چل دیے تھے
جہاں سرنگیں کھودنے کا کام جاری تھا۔
****
وہ برآمدے کے کونے میں بنے ہوئے اپنے کمرے میں سو رہی تھی آسمان پر کہیں سے
سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں ابھر رہی تھیں اسی کے ساتھ اذانوں کی آواز بھی فضا میں گونج رہی
تھی مگر وہ بے خبر سو رہی تھی جن لوگوں کو صبح اٹھنے کی عادت نہ ہو وہ اسی طرح سوتے رہ
جاتے ہیں فاطمہ کا بھی یہی حال تھا وہ دین پڑھ رہی تھی مگر ابھی تک اس نے خود کو اس
قابل نہیں سمجھا تھا کہ وہ اللہ کے حضور کھڑی ہو سکے اس لیے اذان سنتے ہوئے بھی اس کی
آنکھیں بند تھیں اور سماعتیں اذان کے لفظوں پر لگی ہوئی تھیں وہ بے انتہا محو تھی۔
وہ نماز کے لیے ابھی اٹھا تھا اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر جب وہ باہر برآمدے میں آیا تو
اس کی نظر فاطمہ کے کمرے کے آدھ کھلے دروازے پر پڑی اندر اندھیرا تھا جس کا مطلب یہ
تھا کہ فاطمہ نماز کے لیے نہیں اٹھی تھی اس کے قدم نا چاہتے ہوئے بھی فاطمہ کے کمرے

کی جانب اٹھے تھے۔ اس کے دروازے پر پہنچ کر اس نے گہرا سانس بھرا تھا اور پھر دستک دی تھی۔ دستک کے بعد وہ اندر سے کسی بھی قسم کی اجازت کا انتظار کیے دروازہ دھکیل کر اندر کی جانب داخل ہو گیا تھا۔ سامنے وہ چت اپنے بستر پر لحاف اوڑھ کر لیٹی ہوئی تھی شمس کا گھر کشمیر کے ہی ایک چھوٹے سے گاوں میں واقع تھا اس لیے وہ جب بھی ڈیوٹی اورز سے فارغ ہوتا سیدھا اپنے گھر آجاتا جیسے اب وہ کچھ دنوں کے لیے چھٹی پر آیا ہوا تھا۔

"فاطمہ!"

اس نے دھیرے سے اسے پکارا تھا اس کی پکار اس قدر آہستہ تھی کہ فاطمہ بامشکل ہی سن پائی تھی لیکن اس کی پکار میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ فاطمہ نے آنکھیں پٹ سے کھول لیں تھیں لیکن اس کے وجود میں ہلکی سی بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

"سکون کی تلاش میں ہیں اور جو سکون کا گڑھ ہے اسی سے بچتی ہیں یہ کیسا راستہ ہے؟"

اس نے اپنی موڑی ہوئی آستینوں کی تہیں کھولنا شروع کی تھیں لیکن دھیان کمبل میں لپٹی فاطمہ کی جانب تھا جو وہ جانتا تھا کہ جاگ رہی ہے لیکن شاہد اس نے سوال اتنا مشکل پوچھ ڈالا تھا کہ فاطمہ کو جواب دینے کے لیے وقت درکار تھا کم از کم شمس کو تو ایسا ہی محسوس ہوا تھا لیکن اسے جھٹکا تب لگا تھا جب فاطمہ کی پر سکون اور ٹھہری ہوئی آواز کمرے میں گونجی

تھی جس میں بے بسی اور ندامت کے سوا کچھ نہ تھا۔

"اللہ کے حضور کھڑے ہونے کے لیے میرے نزدیک پاکیزگی درکار ہے جب کہ میرا وجود گناہ میں لپٹا ہوا ایک گندگی کا ڈھیر ہے تو میں کیسے اسے گھسیٹ کر اس کے حضور کھڑی ہو جاوں بہت کوشش کی کیپٹن پر میرے اندر ہمت پیدا نہیں ہوئی۔"

اس کا لہجہ شمس کو بھیگا ہوا محسوس ہوا تھا اس کے ماتھے پر بے شمار بل نمودار ہوئے تھے سرخ و سفید چہرہ نا سمجھی کے ساتھ ساتھ الجھن میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا؟"

وہ اسے جانچتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"اپنی اماں سے پوچھ لیجیے گا وہ آپ کو سارے مطلب سمجھا دیں گی جاتے ہوئے دروازہ بند کر جائیے گا۔"

اس نے کہہ کر منہ تک کمبل تان لیا تھا اب پورے کمرے میں کافی دیر اس کی سسکیاں گونجی تھیں جو اس کا دل چیر دینے کے لیے ہی ابھرتی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح صبح سورج کے نکلتے ہی کشمیر پہنچ چکا تھا اب اس کی جیپ تیزی سے بیس کی جانب جاتے ہوئے راستے پر بھاگ رہی تھی دماغ صرف زارا میں اٹکا ہوا تھا اسے سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ وہ اس کی سیفٹی کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہا ہے۔ لیکن اگر اس کی غیر موجودگی میں کوئی حادثہ ہو گیا اس کے ساتھ پھر کرنل خاور تو اسے کبھی بھی معاف نہیں کریں گئے۔

"اف گاڈ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کروں کیا؟"

اس نے خود سے کہتے ہوئے ہاتھ کا مکا بنا کر زور سے سٹیرنگ ویل پر مارا تھا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ اپنے بالوں میں چلایا تھا۔ ابھی وہ الجھا ہی ہوا تھا کہ پیسنجر سیٹ پر رکھا ہوا اس کا فون چیخا تھا اس نے راستے سے نظریں ہٹا کر فون کی جانب کی تھیں جہاں کرنل خاور کالنگ کے حروف جگمگا رہے تھے اس نے جلدی سے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر فون تھاما تھا۔

"گڈ مارننگ سر!"

اس کی آواز ایک دم الرٹ تھی ایسے جیسے کرنل خاور اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ مودب بن کر کھڑا ہو۔

"کیسے ہوینگ مین؟"

کرنل خاور کے لہجے سے آج ہمشہ کی طرح رہنے والا جوش کہیں غائب تھا اور جبرئیل کو یہ بات شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

"الحمد واللہ سر!"

وہ ان سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ ان سے یہ پوچھ سکے کہ وہ ٹھیک تو ہیں نہ۔

"میجر ریچیڈ ایٹ بیس شارپ 8.00۔"

انہوں نے عجلت میں اس سے کہا تھا۔

"او کے سر آئی بی دئیر ایٹ شارپ 8.00۔"

اس نے کچھ بھی پوچھنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے چند رسمی جملوں کے بعد کال بند کر دی تھی اور جیپ کی رفتار بڑھا دی تھی کیونکہ آٹھ بجنے میں صرف پچیس منٹ باقی تھے جبکہ سفر آدھے گھنٹے سے زیادہ کا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورج نے پھولوں کے شہر پشاور پر اپنے پر پھیلائے تو مرغے بھی بانگیں دینے کو تیار ہو گئے اور فضا میں ہر سو خنکی پھیل گئی سردی کے ساتھ دھوپ کی امیزیش نے موسم مزید خوشگوار کر دیا تھا۔

اس کی آنکھ بھی آج جلدی کھل گئی تھی اس نے بیڈ کراون سے ٹیک لگائی اور شانوں پر اپنے بکھرے ہوئے گھنگھریالے بال سمیٹ کر ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دی تھی پتہ

For more visit (exponovels.com)

نہیں کیوں دل آج عجیب سا ہو رہا تھا اس نے کمبل پرے ہٹایا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر ابھر نے والی باسی کو روکا اور سیدھی واشروم میں چلی گئی وہ نماز پڑھ کر لیٹی تھی اس لیے زرہ سا فریش ہوئی اور باہر چلی گئی۔ خان ولا کے کچن سے ناشتے کی دلفریب مہک آ رہی تھی زارا کو یہاں کے کھانے بہت پسند آئے تھے کیونکہ پوری زندگی محرومیوں کے باعث وہ کچھ بھی اچھا نہیں کھا پائی تھی۔ لیکن اتنے دن سے رہنے کے باوجود اس کی جھجھک اور شرم ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ کشمکش کی کیفیت میں وہاں کھڑی تھی جب زیبا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا ہوا زارا؟ ناشتہ نہیں کرنا کیا؟"

اس نے دونوں ابرو اٹھا کر سوالیہ انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"وہ۔۔وہ میں تو بس ایسے ہی۔"

وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مڑوڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا چلو میرے ساتھ آو ناشتہ کریں بڑی امی کب سے تمہیں بلا رہی ہیں۔"

اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور کھینچتے ہوئے ڈائینگ آئیریا کی جانب لے گئی جہاں عشرت جہاں اور ماہ رخ بیگم کے ساتھ ساتھ آرون، سبتین اور آنیہ بھی موجود تھے جبکہ سگرابی آملیٹ سے بھری ہوئی پلیٹیں ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔

"آو بیٹا یہاں بیٹھو!"

عشرت جہاں نے اپنے ساتھ والی کرسی کی جانب اشارہ کیا تھا تو وہ ان کے قریب بیٹھ گئی اس کی نگاہیں مسلسل جبرئیل کی خالی کرسی کی جانب اٹھ رہی تھی جبکہ صاریہ ابھی تک ناشتے کی میز پر نہیں آئی تھی عشرت جہاں اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی تھیں۔

"وہ کشمیر چلا گیا ہے بیٹا!"

انہوں نے اس کی پلیٹ میں پراٹھا رکھتے ہوئے اسے بتایا تھا۔ ان کی آواز پر وہ ایک دم چونکی تھی۔

"مجھے چھوڑ کر وہ کشمیر چلے گئے ہیں؟"

اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی جس نے نا صرف عشرت جہاں بلکہ وہاں موجود سارے نفوس کو ہی حیران کر دیا تھا جبکہ سب کے اس طرح دیکھنے پر وہ سٹپٹا گئی تھی اور کافی شرمندہ بھی دیکھائی دے رہی تھی سب کے چہروں پر یک لخت دبی دبی ہنسی ابھری تھی جو وہ زارا کی پریشان شکل دیکھ کر چھپا گئے تھے۔

"کوئی بات نہیں وہ مجھے تمہارا خیال رکھنے کی ہدایت دے کر گیا ہے اور وہ جلدی واپس آجائے گا بیٹا تم فکر مت کرو۔"

انہوں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ بامشکل ہی مسکرا پائی تھی۔

"ویسے امی! یہ زارا بھائی کو اتنا کس خوشی میں مس کر رہی ہیں؟"

آرون نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا تھا۔ نوالہ سیدھا زارا کے حلق میں اٹکا تھا اور پھر کھانسی کا شدید دورا پڑا تھا اسے۔

"ارے ارے آرون باز آجاو دیکھو بچی کے حلق میں نوالہ اٹک گیا۔

عشرت جہاں نے اسے پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے آرون کو گھورا تھا جو ابھی تک ہنس رہا تھا۔

زارا نے پانی پیا تھا اور پھر ہی قدرے نارمل ہوئی تھی۔

"اگر وہ لوگ یہاں پر آ گئے انٹی اور میجر جبرئیل بھی نہ ہوئے تو میں کیا کروں گی؟"

اس کی ننھی بوری آنکھوں میں اس لمحے شدید خوف ہلکورے لے رہا تھا۔

"ہم بھی پولیس میں ہیں ایسا کچھ ہوا تو دیکھ لیں گئے۔"

آرون نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے سبتین کی بھی تائید چاہی تھی جس نے اس کا اشارہ پاتے ہی فوری اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی جس پر بے اختیار زارا کو ہنسی آئی تھی۔

"یہ تو ہیں ہی شیطان تم چھوڑو ان کو اور ناشتہ کرو۔"

انہوں نے ان دونوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی توجہ واپس ناشتے کی جانب کروائی تھی۔

"بڑی امی! میں اور آنیہ ہوسپٹل کے بعد شاپنگ پر جا رہے ہیں کیا ہم زارا کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں ویسے بھی اسے کپڑوں اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہے۔"

زیبا نے ناشتے سے فارغ ہو کر کرسی کی پشت سے اپنا لیب کوٹ اتارتے ہوئے پوچھا تھا جس پر وہ کافی پر سوچ دیکھائی دے رہی تھیں۔

"بیٹا! جبرئیل نے اسے باہر نکلنے سے منع کیا ہے پھر میں ایسے کیسے بھیج دوں اسے۔"

وہ شدید الجھن میں مبتلا تھیں۔

"میں گھر میں اس طرح قید ہو کر تو نہیں رہ سکتی نہ انٹی اور ویسے بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یقین ہے کہ موت برحق ہے وہ جہاں بھی آنی ہے وہاں آ ہی جانی ہے اس کے لیے میں اس طرح قید تو نہیں ہو سکتی پلیز آپ مجھے جانے دیں ان کے ساتھ۔"

زارا نے بھی آہستگی سے ان سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے پر پہلے میں جبرئیل سے پوچھوں گی پھر جانے دوں گی تمہیں۔"

انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

زارا نے ان سے کہا اور پھر ناشتے میں مگن ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

For more visit (exponovels.com)

وہ اپنی ریوالونگ چئیر پر بیٹھے ہوئے تھے سامنے میز پر کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے ایک فوٹو فریم نکال کر سجایا تھا اب ان کی توجہ مسلسل فوٹو فریم پر تھی جہاں دو نفوسوں کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھائی دے رہا تھا انہوں نے تصویر پر نظریں گاڑھی ہوئی تھی دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا تھا وہ کوشیش کرتے تھے کہ وہ یہ تصویر کم سے کم دیکھیں مگر جب دل بہت بھر جاتا پھر اپنے آفس ٹیبل کے دراز میں رکھا ہوا یہ فریم وہ کچھ دیر کے لیے اپنے سامنے میز پر سجا لیتے وہ نہیں جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے انہیں کیا ملتا ہے مگر وہ ایسا کیا کرتے تھے۔ وہ ابھی اسی پوزیشن میں بیٹھے تھے جب آفس کا دروازہ کھڑکا تھا انہوں نے فریم اٹھا کر جلدی سے دراز میں واپس رکھا تھا اور پھر دراز بند کر دیا تھا۔

"ہاں عبداللہ بولیں!"

انہوں نے اپنی مکمل توجہ عبداللہ کی جانب کی تھی۔

"سر میجر جبرئیل، طراب سر اور اسامہ سر میٹنگ روم میں کرنل احسن کے ساتھ آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔"

عبداللہ نے انہیں اطلاع دی تو وہ سیدھے ہوئے تھے۔

"آپ چلیں آئی بی دئیر!"

انہوں نے اسے جانے کے لیے کہا تھا جس پر وہ سر ہلا کر مڑ گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد

انہوں نے گہرا سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا تھا اور اپنی آرمڈ کیپ اٹھا کر آفس سے باہر نکل گئے تھے اب ان کا رخ میٹنگ روم کی جانب تھا جہاں ان کی ٹیم کے افسران ان کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ چلتے ہوئے میٹنگ روم میں پہنچے تھے جیسے ہی انہوں نے دروازہ کھولا وہاں بیٹھے نفوس نے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر انہیں سیلوٹ کیا تھا۔

"!سٹ ڈاون ایوری ون"

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بیٹھنے کو کہا تھا۔

"!ہوپ یو ال آر فائن جینٹل مین"

انہوں نے اپنی آرمڈ کیپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا جس پر سب نے سر ہلایا تھا۔

"سو جینٹل مین! آج کی میٹنگ کا پرپز یہ ہے کہ آپ سب کو آپ لوگوں کے فائینل مشن کے بارے میں بتایا جائے."

وہ بول کر کچھ دیر خاموش ہوئے تھے سب توجہ سے ان کی جانب دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ پھر سے گویا ہوئے تھے۔

"میں نے آپ سب کو دو ٹیمز میں ڈیوائیڈ کیا ہے اور ہر ٹیم کا ایک کیپٹن ہو گا جو اسے لیڈ کرے گا۔"

انہوں نے کہہ کر سب کی جانب دیکھا تھا جیسے اس بات پر سب کی تائید چاہ رہے ہو۔

"سر! مشن کیا ہے؟"

پوچھنے والا طراب تھا جو بس کچھ ہی دیر سنجیدہ ہو سکتا تھا۔

"ہولڈ ان طراب پہلے سن تو لو۔"

جبرئیل نے اسے گھور کر دیکھا تھا جس پر اس نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"ہاں تو تم میں سے ایک ٹیم انڈیا جائے گی ان سرنگوں کے راستے جو ہم نے باڈر پر کھودی ہیں لیکن دھیان رہے یہ سب کام اس قدر رازداری سے ہونا چاہئیے کہ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو۔"

کرنل خاور نے انگلی اٹھا کر کہا تھا۔

"سر! ٹیمز کونسی ہیں؟"

اب کی بار جبرئیل کا سوال تھا جو بے حد سنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا۔

"کیپٹن شمس، میجر طراب، کیپٹن معیز اور کرنل احسن یہ ایک ٹیم میں ہونگے انہیں لیڈ کرنے والا احسن ہوگا اور دوسری ٹیم میں میجر اسامہ، کیپٹن عبداللہ، لیفٹیننٹ طلال اور میجر جبرئیل ہو گئیں انہیں لیڈ کرنے والا جبرئیل ہوگا اور میں تم دونوں ٹیمز کو لیڈ کروں گا گوٹ ڈیٹ بوائز؟"

انہوں نے سب کی جانب دیکھا تھا جس پر سب نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

"سر انڈیا میں خود جانا چاہتا ہوں مجھے زارا کی ماں کا پتہ کرنا ہے۔"

جبرئیل نے کرنل خاور سے کہا تھا جس پر انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں جبرئیل تم اس طرح سے انڈیا نہیں جاؤ گئے میں بیجھنے کو تمہیں بھی بھیج سکتا تھا مگر تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

کرنل خاور نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن کیوں سر؟ میں کیوں نہیں جا سکتا؟"

اس کا سوال ابھی بھی وہی پر تھا۔

"وہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا وقت آنے پر سب پتہ چل جائے گا۔"

انہوں نے اس سے کہا تھا اور کرسی چھوڑ کر باہر نکل گئے تھے پیچھے سب بس یہ سوچتے رہ گئے تھے کہ آگے کی بات تو انہوں نے بتائی ہی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسمان میں بڑھتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ اس کے اندر کی ویرانیاں بھی بڑھتی ہی جا رہی تھیں راکنگ چئیر پر جھولتا اس کا وجود جیسے اذیت کے آخری مراحل پر تھا۔ سلگایا ہوا سگریٹ اس کی انگلیوں میں ہی دبا ہوا تھا اور وہ مسلسل پتھر کا مجسمہ بنی راکنگ چئیر پر جھول

رہی تھی۔ آج شکاگو میں برف باری ہورہی تھی اوروہ بھی ایسی کہ اندر آتش دان کے قریب بیٹھے ہونے کے باوجود ریڑھ کی ہڈیوں میں سنسناہٹ پیدا ہوجائے۔ اس کی آنکھیں آج عرصے بعد جل رہی تھیں راکنگ چئیر کے جھولنے میں بھی تیزی آگئی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں اور دماغ اپنی ہی چیخوں کی آواز سے لرز رہا تھا۔ ننھے وجود کو انتہائی بے دردی سے کسی شیطان نے توڑا تھا۔ اس نے مٹھیاں غصے سے بھینچی تھی اوروہ اپنی پوری طاقت سے چلائی تھی۔ شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیوں میں ایک لمحے کے لیے آواز سی پیدا ہوئی تھی اور پھر گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

"عزت کے بدلے عزت میجر جبرئیل! کاش کہ میں بھی ایک عام عورت ہوتی جو چاہتی وہ پالیتی لیکن افسوس کہ میں ایک عام عورت نہیں ہوں کیونکہ میرے وجود سے عاموں والی ساری حسوں کو بڑی ہی بے دردی سے نوچ ڈالا گیا تھا اور پھر اس میں ایک خاص قسم کا زہر انڈیلا گیا تھا۔ بے حسی کا زہر اوراس بے حسی کے زہر نے دھیرے دھیرے میرے پورے وجود کو کسی آگ کے شعلوں کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اوراب تو صرف یہ وجود راکھ کا مجسمہ ہے سیاہ اور بے رحم راکھ۔"

اس کے لب ہولے ہولے حرکت کررہے تھے اور آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہورہی تھیں سگریٹ انگلیوں کے بیچ سے چھوٹ کر کرسی کے قریب فرش پر گر کر کب کا بجھ گیا

تھا لیکن وہ خود جل رہی تھی روم روم اور پل پل اس کا وجود سلگ رہا تھا ۔ شازرو نا در ہی آنے والی راتوں میں آج کی رات بھی شامل ہو گئی تھی جب اس نے پوری رات راکنگ چئیر پر جھولنا تھا اور نشے میں دھت ہو کر اندر پلنے والے غموں کو دبانا تھا وہ اپنے کام پر لگ گئی تھی کیونکہ وہ کافی عرصے سے اب اس میں ماہر ہو چکی تھی ۔

بیتاب ہیں شسدہیں پریشان بہت ہیں
کیوں کر نہ ہوں دل ایک ہے ارمان بہت ہیں
کیوں یاد نہ رکھوں دشمن پنہاں
آخر میرے سر پر تیرے احسان بہت ہیں
ڈھونڈو تو کوئی کام کا بندہ نہیں ملتا
کہنے کو اس دنیا میں انسان بہت ہیں
اللہ اسے پار لگائے تو لگائے
کشتی میری کمزور ہے پر طوفان بہت ہیں

دیکھیں تجھے ہوش کہاں اے اہل نظر
تصویر تیری دیکھ کر حیران بہت ہیں
ارمانوں کی اک بھیڑ لگی رہتی ہے دن رات

دل تنگ نہیں خیر ہے مہمان بہت ہیں
یوں ملتے ہیں جیسے کوئی جان نہ پہچان
دانستہ نصیر آج وہ انجان بہت ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ میٹنگ سے سیدھا اپنے گھر پر آیا تھا۔ دروازے کا لاک کھول کر وہ لکڑی کی روش پر چلتا ہوا لاونج میں آگیا جہاں صوفوں کے کشن بے ترتیب حالت میں رکھے ہوئے تھے جو اس بات کے گواہ تھے کہ ان کا مکین کچھ دنوں سے گھر میں موجود نہیں تھا۔

"!آغا خان"

اس نے اونچی آواز میں اسے بلایا تھا۔ آغا خان چند سیکنڈ میں ہی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔

"!جی صاحب"

وہ مودب بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا جبرئیل نے اپنے لب بھینچے تھے کیونکہ اسے بے ترتیبی سے سخت کوفت تھی۔

"صفائی نہیں ہوئی کیا یہاں؟"

اس نے پورے لاونج کی جانب اشارے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"صاحب وہ ماسی دو دن کی چھٹی پر گیا ہے۔"

اس نے دھیرے سے جواب دیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آتش فشا کسی بھی لمحے پھٹ سکتا ہے۔

"ماسی کو چھٹی کس نے دی؟"

اس نے ایک ابرو اچکا کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"مہ۔۔میں نے۔"

آغا خان کی جان ہوا ہو رہی تھی۔

"تم نے کس سے پوچھا تھا؟"

اس نے ایک بار پھر سے اس پر وار کیا تھا نجانے آج وہ کس جون میں تھا ورنہ وہ اپنے ملازمین کا آل ٹائم فیورٹ تھا پھر یوں اچانک وہ یقینا میٹنگ میں پیش آنے والے حالات کا غصہ آغا خان پر اتار رہا تھا۔

"دل تو چاہ رہا ہے کہ تمہاری بھی لمبی چھٹی کر دوں۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

معاف کر دیں صاحب اس کا مرد بیمار تھا اور وہ منتیں کر رہا تھا چھٹی کے لیے تو ہم نے "

"ترس کھا کر دے دیا۔

آغا خان شرمندگی کی گہرائیوں میں پہنچا ہوا تھا۔

"!پانچ منٹ میں یہاں کی حالت درست کرو سمجھے"

اس نے غصہ کنٹرول کرتے ہوئے کہا تھا اور مغرور چال چلتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا تھا۔

پینٹ کی جیب میں رکھا اس کا فون مسلسل بیپ دے رہا تھا۔ اس نے بیزاری سے جیب سے فون نکالا تو امی کالنگ دیکھ کر اس کے ماتھے پر بکھرے بل ایک لمحے میں سمٹے تھے اور اس نے گہرا سانس بھر کر کال اٹھائی تھی۔

"!اسلام علیکم امی"

اس نے لہجے کو حتی المکان نارمل رکھا تھا۔

"وعلیکم اسلام خیر سے پہنچ گئے تھے؟"

ان کے لہجے میں اس کے لیے فکر ہی فکر تھی۔

"جی آج صبح ہی پہنچا ہوں خیریت؟"

اس نے اب ان سے کال کرنے کا مقصد پوچھا تھا کیونکہ وہ ابھی رات ہی تو ان سے مل کر آیا تھا اور وہ کبھی اسے اتنی جلدی فون نہیں کرتی تھیں۔

"!ہاں بیٹا وہ زارا"

وہ ابھی آگے بات کر رہی تھیں جب اس نے ان کی بات درمیان میں ہی اچک لی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

"کیا ہوا ہے زارا کو امی! وہ ٹھیک تو ہیں نہ؟"

لہجے میں ایک پل میں بے چینی بھر آئی تھی. جس نے دوسری جانب عشرت بیگم کو بہت سارے ہرے سگنل دیے تھے۔

"وہ ٹھیک ہیں بالکل میرے بچے بس ایک بات کرنی تھی۔"

وہ کچھ تذبزب کا شکار تھیں۔

"امی! فار گاڈ سیک پہلیاں مت بجھوائیں اور بتائیں کہ آخر بات کیا ہے؟"

اب کی بار وہ صیح معنوں میں جھنجھلا گیا تھا۔

وہ زیبا اور آنیہ زارا کو اپنے ساتھ شاپنگ پر لے کر جانا چاہتی ہیں میں نے تمہارے غصے" کے ڈر سے اسے جانے نہیں دیا لیکن بیٹا آخر کب تک اسے ایسے ہم گھر میں قید کر کے "رکھیں گےئ اللہ کی سپرد چھوڑ کر اسے ان کے ساتھ باہر جانے دو۔

انہوں نے دھیرے سے اسے اپنا موقف سمجھایا تھا. جس پر دوسری جانب جبرئیل نے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

امی! اس کی جان کی زمہ داری مجھے سونپی گئی ہے اور اب جبکہ میں وہاں موجود نہیں ہوں تو" کیسے اسے باہر جانے دوں۔ دشمن کتوں کی طرح اس کی بو سونگتے پھر رہے ہیں ایک بار وہ ان کے ہاتھ لگتے لگتے بچی ہے اور زارا کا ان کے ہاتھ لگ جانا ایسا ہے جیسے ہم خود کوئی شکار

"ان لوگوں کے حوالے کر رہے ہوں۔

وہ بے شک بول دھیرے رہا تھا مگر اس کی آواز میں ایک عجیب سی سختی تھی ایک عجیب سی فکر تھی وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوئی چوک نہیں کر سکتا تھا اور یہ وقت گزرنے کے ساتھ میجر جبرئیل ثابت کر رہا تھا۔ اس کی ساری باتوں کے جواب میں دوسری جانب بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی جب وہ اپنی بات مکمل کر کے رکا تو دوسری جانب عشرت جہاں کی سانسوں کی آواز فون کے سپیکر میں سے ابھر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس لمحے ان کے چہرے کے کیا تاثرات ہیں مگر وہ حقیقی معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔

"امی! کیا آپ سن رہی ہیں؟"

اس نے کسی خدشے کے تحت انہیں پکارا تھا دوسری جانب گہرا ہنکارا بھرنے کی آواز ابھری تھی۔

بچانے والی ذات صرف اللہ کی ہے جبرئیل! انسان تو بس کسی کو بچانے کا وسیلہ بنتا ہے "جبکہ کب، کیسے کس وسیلے کو کہاں ترتیب دینی ہے وہ اللہ طے کرتا ہے زندگی اور موت دو ایسی حقیقتیں ہیں جو جتنی تلخ ہیں اتنی ہی ضروری بھی جیسے جیتا جاگتا انسان خوراک اور پانی کے بغیر نہیں رہ سکتا نہ اسی طرح زندگی موت کے بغیر نہیں رہ سکتی یوں سمجھ لو زندگی اور موت ایک دوسرے کی محبت ہیں۔ اپنے تیں احتیاط کرنا اچھی بات ہے لیکن خود پر اتنا بھی

"بھروسہ نہیں ہونا چاہئیے کہ اپنی غیر موجودگی میں اللہ پر سے بھی بھروسہ ختم ہوجائے۔

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے کہہ رہی تھیں وہ ایسی ہی تھیں پرسکون، ٹھہری ہوئی، اللہ کی رضا میں راضی ہونے والی اس کی ذات پر توکل رکھنے والی۔

ٹھیک ہے ماں! جیسا آپ کو ٹھیک لگے لیکن صرف میری تسلی کے لیے آپ نے ایک "
"کام کرنا ہے۔

اس نے جیسے سارے ہتھیار پھینکتے ہوئے کہا تھا جس پر عشرت جہاں بھی مسکرائی تھیں وہ جانتی تھیں کہ وہ کس قدر حساس طبعیت کا مالک ہے ان کے کچھ گہرے الفاظ ہی اس کے ذہن پر اپنی گہری چھاپ چھوڑ گئے تھے۔

میرے روم میں لیفٹ سائیڈ ٹیبل کے تھرڈ دراز میں ایک چھوٹا سا مائیکروفون پڑا ہوا ہے " جس میں ایک چھوٹا سا کیمرہ بھی نصب ہے۔ جس کا سائز اتنا چھوٹا ہے کہ کسی کی نگاہوں کا مرکز نہیں بن سکتا وہ مائیکروفون آپ نے آرون سے کہہ کر زارا کے ہینڈ بیگ میں لگوانا ہے میں یہاں سے ہی اسے واچ آوٹ کرلوں گا میرے دو بندے ان کے ساتھ ہوں گے اس طرح سے کہ انہیں اور کسی دوسرے کو شک نہ ہو جیسے ہی کوئی گڑبڑ ہوگی میرے آڈر پر وہ "فوری ایکشن لے لیں گے۔

اس نے انہیں پوری بات سمجھائی تھی جس پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور چند رسمی

جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ کس بدترین خدشے کے تحت وہ یہ احتیاطی تدابیر کر رہا ہے مگر اس کے دل میں خوف تھا اور ہاں یہ خوف ایک بار پھر سے کسی کو کھونے کا تھا کسی اپنے کو کھونے کا کیونکہ یہ سچ تھا کہ ایک مضبوط جسامت کا دراز قدامت کا مالک وہ شخص بھی اپنے رشتوں کے لیے اتنا ہی حساس تھا جتنا کہ اس کی جگہ کوئی عام انسان ہوتا۔ زارا سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن اس لمحے وہ ایک انسانیت کا رشتہ اس پر حاوی ہو رہا تھا بہت جلد زارا نور کی حدود انسانیت کے رشتے سے تجاوز کرنے والی تھیں اور اس حقیقت سے میجر جبرئیل خان بالکل انجان تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں آج بالکل خاموشی تھی۔ دیوار کے ساتھ بکھرے بالوں اور مردہ چہرے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی آرا کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ اتنے دنوں میں آج پہلی بار اس سیاہ اینٹوں کے سرد تہہ خانے میں آرا کا دل گھبرایا تھا ورنہ جس طرح سے وہ اس قید خانے میں رہ رہی تھی وہ اکثر نوریز کو بھی چونکا دیا کرتی تھی۔ پرسکون، ٹھہری ہوئی، خاموش اس تہہ خانے کے ماحول سے بے نیاز اس قید سے بے نیاز شاید وہ کہیں خود کی دنیا میں ہی ہوتی تھی۔ سخت سردی میں سیاہ اینٹوں کے ٹھنڈے ٹھار فرش پر وہ بغیر کسی

لحاف کے بیٹھی رہتی اور بیماری اسے چھو کر بھی نہ گزرتی یہ وہ حیرت انگیز بات تھی جس نے پہلی دو راتوں کے بعد اجالے میں اس سے ملنے آتے نوریز کو حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھانے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ تین دن تک بغیر کچھ بھی کھائے وہ صرف پانی کے دو گلاسوں سے نڈھال ضرور ہو جاتی تھی مگر وہ مرتی نہیں تھی وہ مر سکتی بھی کیسے تھی ابھی تو اس نے بہت سے لوگوں کی بربادی دیکھنی تھی اپنی ان آنکھوں سے بہت سے لوگوں کا تخت الٹتا ہوا دیکھنا تھا پھر کہیں جا کر آرا کے جسم پر سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے کی سرد فضا نے اثر کرنا تھا پھر کہیں جا کر تین دن تک نہ کچھ کھانے سے پیٹ کی مرتی انتڑوں کو زندگی کی رمق ملنی تھیں۔ آرا کی بند آنکھوں سے چپکے سے خاموشی میں دو آنسو لڑھکے تھے جو اس کے تھکتے ہوئے وجود کے گنوا تھے مگر ابھی آرا کو تھکنے کا کوئی حق نہیں تھا ابھی طویل مسافت تھی جو اسے تہہ کرنی تھی اس نے خاموشی سے نکلتے ہوئے آنسوں کو بے دردی سے تھپک کر آبدی نیند سلا دیا تھا لیکن دروازہ کھلنے اور پھر مخصوص قدموں کی چاپ نے ایک بار پھر سے اس کے اندر تلخی کو اجاگر کیا تھا وہ بے دردی سے بے ساختہ مسکرائی تھی۔ قدموں کی چاپ کے ساتھ ہمشہ کی طرح ایک مخصوص سایہ ابھرا تھا آرا کی آنکھیں بند ہوئی تھیں اور پھر سائے کے ساتھ سگار کا مخصوس دھواں سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں پھیلتا چلا گیا تھا اور نوریز کا لمس اسے اپنی کلائی پر رینگتا ہوا محسوس ہوا تو اس نے پٹ سے آنکھیں

کھولی تھیں اور بے ساختہ دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ نوریز کا قہقہ پورے تحہ خانے کو ہلا کر رکھ گیا تھا۔

"ابھی تک لمس کی بھی پہچان ہے؟"

سوال تھا کہ کوئی خنجر جو اس لمحے آرا کو اپنے جسم کے آر پار محسوس ہو رہا تھا۔ نوریز دلچسپی سے اس کے چہرے پر موجود اذیت کو دیکھ رہا تھا اور اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے۔

بدلے میں آج آرا بالکل خاموش تھی کوئی ایک تلخ بات کوئی ایک طنز میں ڈوبی ہوا تیر ابھی تک نوریز کی سماعتیں سننے سے محروم تھیں۔

"چلو اچھا ہے کہ میرے چھونے سے اب تک بھی تم خود کو معتبر سمجھتی ہو۔"

نوریز کے لہجے کی گرماہٹ آرا کے چہرے کو جھلسا گئی تھی وہ جو کب سے آنکھیں موندے دیوار کے ساتھ پشت ٹکائے بیٹھی ہوئی تھی ایک دم سے آنکھیں کھولی تھیں اپنے بے حد قریب بیٹھے نوریز کو دیکھ کر وہ قہقہ لگا کر ہنسی تھی اور اس بار آرا کا قہقہ نوریز کے قہقے سے بھی بلند تھا۔ نوریز نے کچھ حیرت سے ہنستی ہوئی آرا کو دیکھا تھا۔

"تمہارا لمس اور معتبر؟"

وہ بول کر ایک بار پھر سے ہنسی تھی۔

"معتبر کا مطلب بھی پتہ ہے تمہیں نوریز؟ نہیں تم انجان ہو اس مطلب سے تم انجان ہو کہ جس لفظ کا استعمال کر کے تم خود کو اعلی وارفہ دیکھا رہے ہو نہ اصل میں تمہاری زبان اس لفظ کو ادا کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔"

اس کے لہجے کی تلخی اور لفظوں کی کاٹ نے نوریز کو پاگل سا کر دیا تھا وہ اس لمحے بالکل ہی جنونی ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر آرا کو بالوں سے تھاما تھا جو کہ ہذیانی انداز میں بس ہنستی ہی چلی جا رہی تھی۔

"معتبر تو وہ ہوتے ہیں جو عزت دے کر آپ کو آپ کی ہی نظروں میں اونچا کر دیں نہ کہ تمہارے جیسے بدکردار مرد کا لمس محسوس کر کے خوشی ہوں۔"

وہ بے حد بلند آواز میں بول رہی تھی اتنی کہ سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔ نوریز نے اس کا چہرہ پے در پے تھپڑوں سے سرخ کر دیا تھا۔

"بدکردار عورت تو ہو گی سمجھی نہ تو!"

اس نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر ایک زوردار جھٹکا مارا تھا۔

"اتنے دنوں سے اپنے گھر سے غائب ہے جانتا ہوں تیری فکر کرنے والا پیچھے کوئی نہیں ہے مگر گھر سے رات باہر گزارنے والی عورت بدکردار ہی ہوتی ہے کل بھی اور آج بھی۔"

For more visit (exponovels.com)

اس نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اس کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا خون کا فوارہ بے دریغ اس کے سر سے ابل پڑا تھا اسے اپنے سر سے گرم گرم سیال بہتا ہوا محسوس ہورہا تھا درد کی شدید لہر اس کے جسم سے ٹکرائی تھی اور وہ دھیرے دھیرے گہری خاموشی میں جا رہی تھی جس کا نام بے ہوشی تھا۔ آج دوسری بار آرا محبت میں ہاری تھی بالکل ہار گئی تھی اور دوسری بار کی ہار پہلی بار کی ہار سے زیادہ دردناک تھی اور اس کا احساس گہری بے ہوشی میں جاتی آرا کو شدت سے ہو رہا تھا۔

بجھا دیے ہیں خود اپنے ہی ہاتھوں

محبت کے دیے جلا کے

میری وفا نے اجاڑ دی ہیں امید کی

بستاں بسا کے

تجھے بھلا دیں گئے دل سے یہ فیصلہ تو

کیا ہے لیکن

نہ دل کو معلوم ہے نہ ہم کو کہ کیسے

جییں گئے ہم تجھ کو بھلا کے

کبھی ملیں جو راستے میں تو منہ

پھلا کر پلٹ پڑیں گے

کہیں سنیں گے تیرا نام تو

چپ رہیں گئے نظر جھکا کے

نہ سوچنے پر بھی سوچتی ہوں

کہ زندگی میں کیا رہے گا

تیری تمنا کو دفن کر کے

تیرے خیالوں سے دور جا کے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شاکا گو پینٹ ہاوس آج روشنیوں میں نہایا ہوا تھا وہ آج ہلکے سبز رنگ کی قمیض کو سفید شلوار کے ساتھ پہنے ہوئے تھی خوبصورت بورے کمر تک آتے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے خوبصورت بڑی بڑی بوری آنکھیں آج کاجل سے لبریز تھیں اور ہونٹ سلیقے سے سرخ رنگ سے رنگے گئے تھے سفید دوپٹہ گلے سے چپکا ہوا تھا اور وہ رات میں پینٹ ہاوس کی بالکونی میں اپنی راکنگ چئیر پر بیٹھی شفاف آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھنے میں محو تھی۔ تیز میوزک کی آواز پر تھرکتے نیم برہنہ بدن پورے پینٹ ہاوس پر چھائے ہوئے تھے۔ اس شور سے بچنے کے لیے وہ سیاہ بالکونی میں بیٹھی چمکتے چاند کو دیکھ رہی تھی ہاتھ میں تھاما ہوا

سگریٹ جل جل کر آدھا ہو چکا تھا بالکونی میں سگریٹ کا دھواں دھیرے دھیرے پھیل کر فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی چاند میں بار بار ایک عکس بن رہا تھا اور پھر دھندلا رہا تھا وہ کچھ دیر رک کر انتظار کرتی عکس بنتا اور پھر کچھ دیر بعد غائب ہو جاتا۔ یوں معلوم ہوتا جیسے وہ عکس اس کے ساتھ کوئی آنکھ مچولی کھیل رہا ہو جیسے ایس۔ کے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس کے لب ہولے ہولے خود پر ہل رہے تھے نگاہوں کا مرکز چاند میں بنتا اور مٹتا عکس تھا۔

کیسے بخت تھے چاند کے
کہ اترا یہ میرے آنگن میں
وہ آیا تھا اسی رات کو
جی بھر کر دیکھا جب چاند میں
سفید ہالے میں ایک عکس تھا
وہ عکس اسی انسان کا
جسے دیکھا تھا کبھی چاند میں
وہ چاند بن کر اتر آیا

ایمن خان

کیسے سمبھالوں گی میں خود کو جب تم کبھی میرے سامنے آو گئے؟ جب کبھی میں تمہاری "
ایک جھلک دیکھوں گی جس ایس۔ کے کے نام سے ہی لوگ ڈر جاتے ہیں وہ تو تمہیں
سامنے دیکھتے ہی ہوش گنوا بیٹھے گی۔ جانتی ہوں میں تمہارے قابل نہیں ہوں ایک مجرم
تمہارے قابل ہو بھی نہیں سکتا مگر میں مجبور ہوں کہ میں تم سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتی یہ
دل کل بھی تمہارے نام سے دھڑکتا تھا اور آج بھی اس کی دھڑکنوں میں تمہارا ہی نام
"رقص کرتا ہے۔

وہ آنکھیں موندے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی اس کی محویت قریب میز پر رکھے
ہوئے سیل فون کی چنگاڑ نے توڑی تھی وہ اتنی محو تھی کہ یہ بھی نہ جان سکی کہ مسلسل جلتے
سگریٹ نے اس کی دو انگلیاں جلا دی تھیں ہوش میں آتے ہی سگریٹ اس کے ہاتھ سے
چھوٹ کر نیچے گری تھی اور اس کے منہ سے ایک دم سی کی آواز نکلی تھی جسے اس نے اپنا
نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹ کر بے دردی سے دبایا تھا۔

خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے فون کان سے لگایا تھا۔

"ہاں بولو کیا خبر ہے؟"

اس نے مقابل سے سلام دعا کی بجائے سیدھا مدعے کی بات کی تھی جیسا وہ ہمشہ کرتی تھی

اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ اس نے کبھی کسی سے فون سنتے ہوئے حال احوال دریافت کیا ہو۔

"واو ڈیٹس امیزنگ۔"

مقابل کی بات سن کر وہ خاصی پرجوش دیکھائی دے رہی تھی۔

"!اب آیا نہ اونٹ پہاڑ کے نیچے"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑے تھے اور مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے تمہیں اچھے سے پتہ ہے کہ آگے کیا کرنا ہے مجھے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پر اعتماد لہجے میں مقابل سے پوچھا تھا دوسری جانب سے نجانے کیا کہا گیا تھا کہ اس نے مسکرا کر فون بند کر دیا تھا۔

پینٹ ہاوس میں میوزک تیز ہو گیا تھا اور اب وہ خود بھی اس ماحول کا حصہ بننے والی تھی جو گزشتہ دو گھنٹوں سے وہاں چل رہا تھا ہاں وہ بھی ان نیم برہنہ جسموں کے لوگوں کے ساتھ اس پینٹ ہاوس میں شراب پی کر ناچنے والی تھی اور اب اسے پوری رات یہی کرنا تھا کیونکہ اس کا کام ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پشاور میں نیلے آسمان پر سورج کی کرنیں پھیلی ہوئی تھیں موسم خوشگوار تھا ایسے میں وہ

اپنے کمرے میں بیڈ کراون سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی ہوئی تھی دروازے پر ہلکی سی دستک نے اس کی بند پلکوں میں جنبش پیدا کی تھی اور وہ ایک دم سیدھی ہوئی تھی کیونکہ دروازے سے اندر آنے والی شخصیت عشرت جہاں کی تھی جو ہمشہ کی طرح اپنے چہرے پر نرم مسکراہٹ سجائے اندر داخل ہو رہی تھی ان کی نگاہوں کا مرکز بیڈ کراون سے ٹیک لگائے بیٹھی وہ لڑکی تھی جو اس لمبے گہرے نیلے رنگ کی سادی شلوار قمیض میں سر پر کشمیری طرز سے رومال باندھے اپنی گندمی سرخ رنگت سمیت انتہائی پر کشیش اور معصوم وہ ان کئ بیٹے کی زمہ داری معلوم ہو رہی تھی جس کے پیچھے وہ کشمیر میں ہو کر بھی ہلکان ہو رہا تھا بے ساختہ عشرت بیگم کو اپنے بیٹے پر ہنسی آئی تھی جو انہوں نے لب دانتوں میں دبا کر بامشکل روکی تھی۔

"ارے انٹی آپ! پلیز آئیں نہ؟"

اس نے مسکراتے ہوئے ٹانگیں سمیٹی تھیں اور انہیں بیٹھنے کی جگہ دی تھی۔ وہ بھی خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئ تھیں۔

"میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا بچے!؟"

انہوں نے انتہائی نرم لہجے میں اس سے دریافت کیا تھا۔

"ارے نہیں انٹی کیسی باتیں کر رہی ہیں بالکل بھی نہیں۔"

اس نے جھٹ ان کی بات کی نفی کی تھی۔

تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں تمہیں ڈرائیور کے ساتھ زیبا اور آنیہ کے کالج بھجوا دیتی ہوں "

"وہاں سے تینوں آرام سے شاپنگ پر چلی جانا۔

انہوں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ کافی حیران بھی ہوئی تھی۔

"میجر صاحب سے پوچھ لیا آپ نے ؟"

اس نے نظریں نیچی کر کے کچھ جھجھکتے ہوئے پوچھا تھا جس پر عشرت بیگم نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کنٹرول کیا تھا ورنہ ان کے قہقہے لبوں سے نکلنے کو بیتاب تھے۔

ہاں بھئی پوچھ لیا ہے مگر اس کی تاکید ہے کہ تم یہ مائیکروفون آرون سے کہہ کر اپنے ہینڈ"

"بیگ میں لگواو۔

انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا مائیکروفون جلدی سے اس کی جانب بڑھایا تھا جس پر اس نے الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"لیکن یہ مائیکروفون کیوں ؟ مہ۔۔ میرا مطلب ہے۔"

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات مکمل کیسے کرے اس لیے وہ خاصی نروس ہو گئی تھی۔

اس کی حالت کے پیش نظر عشرت بیگم نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباو بڑھاتے ہوئے وہ گویا ہوئی تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

تمہاری حفاظت کے لیے بچے!ورنہ تم اچھے سے جانتی ہو کہ آج کل کیا حالات ہیں کون "
"لوگ تمہارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔
انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشیش کی تھی جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اس سب سے وہ خود بھی تنگ آچکی تھی اسے ابھی اپنی ماں کو ڈھونڈنا تھا اسے اپنی پڑھائی مکمل کرنی تھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونا تھا مگر کچھ بھی اس کی سوچ کے مطابق نہیں ہو رہا تھا۔ عشرت بیگم کب کی مائیکروفون تھما کر جا چکی تھیں مگر وہ ابھی بھی کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھی جو کیا تھا شاہد اس کی بھی سمجھ سے بالاتر تھا۔
زندگی اس کے ساتھ کچھ تو کرنے والی تھی جس سے وہ مکمل طور پر انجان تھی شاہد بہت کم عرصے کے لیے۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
ڈیوٹی سے فارغ ہو کر وہ سب کے سب اس کے گھر میں موجود تھے اسامہ اور طراب دونوں ہی اس کے اتنے دن بعد کشمیر واپس آنے پر انتہائی پرجوش تھے۔ اسامہ کچھ افسردہ دیکھائی دے رہا تھا اور یہ بات طراب اور جبرئیل دونوں نے ہی نوٹس کی تھی۔
"اوے کیا تکلیف ہے تجھے یہ عورتوں کی طرح منہ کیوں سوجایا ہوا ہے؟"
طراب ایک آبرو اچکا کر انتہائی لڑاکا عورتوں والے سٹائل میں اس سے دریافت کر رہا تھا

جس پر شدید بیزاری کے باوجود بھی اسامہ کو ہنسی آگئی تھی جبکہ جبرئیل کی حالت بھی اس لمحے اس سے مختلف دیکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"اس وقت مجھے بالکل بھی اپنا آپ کنوارا محسوس نہیں ہورہا کیونکہ یوں لگ رہا ہے جیسے میری بیوی مہینے کا خرچ نہ ملنے پر مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔"

انتہائی سنجیدگی سے وہ ایک مزاخہ خیز بات کر رہا تھا جس سے جبرئیل ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہورہا تھا جبکہ طراب اسامہ کو خون خوار تیوروں سے گھور رہا تھا۔

"کیا پلین ہوا پھر؟"

میز پر رکھا ہوا کافی کا مگ لبوں سے لگاتے ہوئے اسامہ نے کہا تھا۔

"ہم پلین تو اب یہی ہے کہ آڈر ملتے ہی تم لوگ انڈیا چلے جاو گئے اور ہم لوگ اپنے آڈر کا ویٹ کریں گئے۔"

جبرئیل نے کافی کا خالی مگ میز پر رکھتے ہوئے سرسری انداز میں کہا تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے جبرئیل! کہ جو کیس سالوں سے حل نہیں ہوا وہ اب کی بار ہو جائے گا؟"

طراب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں کیونکہ اب کی بار یہ کیس میں ہر قیمت پر حل کروا کے ہی رہو گا ہمشہ مجرموں کی رسی

"دراز نہیں ہوتی اللہ تعالی لگام کس بھی لیتے ہیں۔

وہ دانت پیستے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

"ہوپ فار دی بیسٹ۔ "

طراب نے بھی ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"طراب پھر مائرہ کو کب پرپوز کر رہا ہے تو؟ "

اسامہ نے طراب کو کندھا مارتے ہوئے شرارتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر طراب نے اسامہ کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا جواب لب دانتوں میں دبا کر مسلسل ہنسی روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا جبکہ جبرئیل حیرت سے طراب کے دھیرے دھیرے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ رہا

تھا۔

"یہ کیا سین ہے؟ "

اس نے ایک ابرو اچکا کر تقریبا طراب کو گھورتے ہوئے ہی پوچھا تھا۔ جس پر اس نے ادھر ادھر نفی میں سر ہلایا تھا۔

جھوٹ بول رہا ہے یہ لالے! قسم سے یہ اندر ہی اندر لٹو ہے مائرہ پر وہ بھی کالج کے "

"زمانے سے اور اب دیکھ کیسے بن رہا ہے۔

اسامہ نے شعلہ بھڑکا کر سائیڈ پر رکھا ہوا کشن اٹھا کر گود میں رکھا تھا اور میز سے چپس کا بھرا ہوا شیشے کا پیالہ اٹھایا تھا اب وہ مزے سے چپس کترنے میں مصروف ہو گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب طراب نہیں بچ سکتا۔

"سچ سچ بتا دے کیا چکر ہے ورنہ میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔"

جبرئیل نے اسے وارن کرنے والے انداز میں کہہ کر سائیڈ میز پر رکھا اپنا ریوالر اٹھایا تھا اور سامنے سنگل صوفے پر چونکڑی لگا کر بیٹھے طراب پر تانا تھا۔

"اے لالے! پاگل ہو گیا ہے کیا اتنی سی بات کے لیے بچے کی جان لے گا کیا؟"

طراب نے مصنوعی سانس خشک ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے جبرئیل سے کہا تھا جس کے تاثرات خطرناک حد تک سنجیدہ دیکھائی دے رہے تھے۔ طراب صوفے سے جمپ لگا کر اترا تھا اور سیدھا اسامہ کی طرف آیا تھا جو اب جبرئیل کے ساتھ والے صوفے پر مزے سے بیٹھ کر چپس کھا رہا تھا۔

فسادن! بی جمالو! تیلی باز تجھے تو ایک عدد عورت ہونا چاہئیے تھا وہی ایسے فساد پھیلاتی ہیں تو"

"کہاں سے فوج میں میجر کے عہدے پر فائز ہو گیا۔

وہ دانت پیستے ہوئے مسلسل اسامہ کو سنا رہا تھا جو مسلسل قہقہے لگا رہا تھا۔

"جلدی بول دے طراب ورنہ یہ چھ کی چھ بلٹس میں نے تیری کھونپڑی میں گھسا دینی۔"

وہ تنبیہی کرنے والے لہجے میں اسے کہہ رہا تھا۔

اچھا اچھا یہ گن نیچے کر یار لالے! کبھی پیار سے بھی بات کر لیا کر ہر وقت اس معشوق کا "

"استعمال لازمی ہوتا ہے کچھ معصوموں کا دل کمزور بھی ہوتا ہے۔

وہ دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

"بتا رہا ہے کہ چلاو گن؟ "

اس نے پھر سے گن اس کی جانب کی تھی۔

"اچھا بھئی بتاتا ہوں بتاتا ہوں سانس تو لینے دے۔ "

وہ لمبے لمبے سانس خارج کرتے ہوئے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔

"مابدولت کو پیار ہو گیا ہے شادی کرنی ہے وہ بھی ڈاکٹر مائرہ سے۔ "

وہ صوفے کی ٹیک پر پڑی ہوئی جبرئیل کی جیکٹ کے بازو کے کونے مڑوڑتے ہوئے مصنوعی شرمانے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"!اووو"

اسامہ اور جبرئیل نے ایک ساتھ اوو کو لمبا کھینچا تھا۔ جس پر طراب نے انہیں گھور کر دیکھا تھا۔

"ڈاکٹر مائرہ تجھ جیسے مسخرے فوجی سے شادی کے لیے مان جائے گی کیا؟ "

جبرئیل نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"خبردار! جو میرے خلاف ایک لفظ بھی بولا ہو تو میں اچھا خاصا ہینڈسم آرمی افیسر ہوں میجر طراب علی نام ہی کافی ہے۔"

وہ فرضی کالر اکڑاتے ہوئے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میجر طراب علی ہے یا ویویز کا فریزر جو نام ہی کافی ہے۔"

اسامہ نے لقمہ دیا تھا جس پر جبرئیل کا چھت پھاڑ قہقہ گونجا تھا اور طراب نے دونوں کو خونخوار تیوروں سے گھورا تھا۔ جبرئیل کے پورے گھر میں اس لمحے ان تینوں کے قہقے گونج رہے تھے کیا معلوم زندگی ان کے ساتھ آگے کیا کرنے والی ہو۔ دور کہیں کھڑی زندگی بھی ان زندگی سے بھرپور قہقوں پر مسکرا رہی تھی کیونکہ شاید وہ بھی جانتی تھی کہ وقت ایک سا نہیں رہتا۔

ہنسی جو گونجنے کی دعا کرتے ہیں
اے زندگی ہم ہر خوشی تیرے نام کرتے ہیں
دل پر جو بار بار تیرا نام لکھتے ہیں
اے زندگی ہم تجھے اپنا پیغام لکھتے ہیں
اور لاکھ کرتے نہیں وہ احترام ہمارا

ہم پھر بھی ان کا احترام کرتے ہیں

وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ نہیں ہیں ہمارے

ہم پھر بھی خود کو سدا ان کا ہی کہتے ہیں

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محبت زہر میں بجھا ہوا وہ تیر تھا جو صاریہ کو ظاہری اور باطنی مار رہا تھا وہ جبرئیل کی توجہ اور اس کی قربت کے لیے تڑپ رہی تھی وہ اس کی ایک نگاہ غلط کے لیے مسلسل اندر ہی اندر جھلس رہی تھی اور اسے اپنے راستے کا صرف اور صرف ایک ہی کانٹا نظر آرہا تھا اور وہ زارا نور کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ جبرئیل کی نفرت صاریہ کے لیے بڑھتی ہی جارہی تھی اور وجہ تیرہ سال پہلے چلائی گئی صاریہ کی خودسری تھی جو جبرئیل اور اسے اس نہج پر لے آئی تھی کہ جبرئیل خان کو صاریہ خان سے نفرت ہوگئی تھی کیونکہ وہ ہمشہ خودسر ہو کر سوچتی تھی کسی دوسرے کی خوشی کے بارے میں سوچنا جیسے صاریہ پر حرام تھا۔

تیرہ سال پہلے بھی صاریہ چھوٹی ضرور تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ اپنے لیے ضد کر کے بہترین چیز مانگ نہ سکے اور بس اس نے اپنے لیے دل بہلانے کا وہ کھلونا طلب کرلیا تھا جو خان ولا کے مکینوں کو سب سے عزیز تھا اور اس کھلونے کو لینے کے پیچھے اتنی زیادہ ضد کرڈالی تھی کہ

نوسالہ صاریہ کو بہلانا مشکل ہوگیا تھا اسے جبرئیل خان ہر قیمت پر چاہئیے تھا کیونکہ وہ اس کے لاکھ چاہنے کے باوجود بھی اس کے ساتھ نہیں کھیلتا تھا اور نہ صرف جبرئیل بلکہ سات سالہ آرون بھی اس کی خودسری کی وجہ سے اس سے دور ہی بھاگتا تھا۔

بچپن میں دوسروں کے سارے کھلونے لے لینے اور اپنے انہیں کھیلنے کے لیے دینے نہ کہیں خراب نہ کردیں اس کی یہ عادات دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے جبرئیل اس سے ایک عجیب سی کھار کھانے لگا اور اسی کھار کا گہرا اثر لیتے ہوئے ہی صاریہ نے برگیڈئیر ابراہیم کے سامنے جاکر جبرئیل کو مانگ لیا۔

بڑے ابو! جبرئیل میرے ساتھ کھیلتا نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس آتا ہے مجھے وہ "چاہئیے کیونکہ میں نے اس کے ساتھ کھیلنا ہے۔"

دوچوٹیوں میں ہاتھوں میں ننھی گڑیا تھامے نوسالہ صاریہ انہیں بہت معصوم اور پیاری لگی تھی جسے اٹھا کر انہوں نے اپنی گود میں بیٹھایا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ گود میں بیٹھی ہوئی یہ بچی صرف جبرئیل کو کھیلنے کے لیے نہیں مانگ رہی بلکہ وہ تو ان سے وہ پاپٹ مانگ رہی تھی جسے وہ ساری زندگی اپنے اشاروں پر چلائے جیسے سات سالہ آرون اور آٹھ سالہ سبتین کو چلاتی تھی۔

اور پھر اس لمحے برگیڈیر ابراہیم نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کیا تھا چودہ سالہ جبرئیل

کے نام انہوں نے صاریہ کو لکھ دیا تھا اور اسے یہ بتایا بھی گیا تھا کہ جبرئیل اب اس کا ہے وہ اس کے ساتھ کھیل بھی سکتی ہے لڑ بھی سکتی ہے اور شادی بھی کرے گی اور شادی کے نام سے ننھی صاریہ کی کانچ جیسی سیاہ بوری آنکھوں میں چمک سی دوڑی تھی کیونکہ شاہد وہ بھی جانتی تھی کہ جس سے شادی کی جاتی ہے اس کے ساتھ رہا جاتا ہے ہر روز ہر وقت وہ آپ کا خیال رکھتا ہے، آپ کا کہا مانتا ہے، آپ کے لیے تحائف لاتا ہے تب سے وہ خود کو صاریہ جبرئیل کہتی تھی اور یہ نام اس کے بابا کا سکھایا ہوا تھا۔

چودہ سال ایسی عمر ہوتی ہے. جس میں بچہ سب کچھ سمجھنے کے قابل ہوتا ہے جبرئیل کے نزدیک بھی شادی کا وہی مطلب تھا جو صاریہ کے نزدیک تھا لیکن دونوں کے سوچنے میں بے حد فرق تھا۔

اگر صاریہ ان سب باتوں سے خوش تھی تو وہی جبرئیل صاریہ سے مزید بدظن ہو گیا تھا اس کے خیال میں صاریہ نے محض خود غرضی دیکھاتے ہوئے اسے اپنے نام کر لیا تھا۔

جبرئیل کے شدید احتجاج کے باوجود تیرہ سال پہلے دونوں کی بات طے کر دی گئی تھی۔ اس بات کے بعد جبرئیل صاریہ کے نزدیک جانے کی بجائے مزید دور ہو گیا تھا اور پھر وہ جو اس سے تھوڑی بہت بات کیا کرتا تھا اس نے وہ بھی چھوڑ دی تھی اور بدلے میں ننھی صاریہ کو تو جیسے ضد سی ہو گئی تھی کہ جبرئیل کو وہ اپنا بنا کر ہی رہے گی۔ اس بات کو بیتے ابھی چھ مہینے

ہی گزرے تھے جب ایک روز بر گیڈیر ابراہیم کی شہادت کی اطلاع آگئی تھی جہاں کرنل اسمائیل کو شاک لگا تھا وہی پورا گھر ایک عجیب سے صدمے سے دوچار ہوگیا تھا چودہ سالہ جبرئیل کو جہاں اپنے بڑے ہونے کا احساس ہوا تھا وہی ایک مہینے کی آنیہ کو بھی عشرت جہاں کے صدمے میں دوچار ہونے کی وجہ سے سمبھالنا مشکل ہوگیا تھا سات سالہ آرون کبھی اپنی ماں کے بکھرے وجود کو دیکھتا تو کبھی اپنے بڑے بھائی کو چھوٹی بہن کو سمبھالتے ہوئے دیکھتا اس کی شخصیت کے لیے اس لمحے یہ سب کچھ دیکھنا اور برداشت کرنا الجھن کے سوا کچھ بھی نہیں تھا باپ کی کمی اسے بھی شدت سے محسوس ہوتی تھی مگر وہ جبرئیل کی نسبت تھوڑا سخت مزاج تھا برداشت کا معادا اس میں زیادہ تھا لیکن باپ کی موت نے جبرئیل کو بھی سخت مزاج بنا دیا تھا جو وہ پہلے تھا وہ ایک دم یکسر بدل گیا تھا زمہ داریوں نے اس کے مزاج میں واضح تبدیلی پیدا کی تھی اور اس پر ایک جنون سوار ہوگیا تھا بدلے کا جنون ۔ اور صرف وہی لمحہ تھا جب اس نے طے کیا تھا کہ اسے اپنی زندگی میں کرنا کیا ہے ۔
اس تمام عرصے میں وہ بھول جانا چاہتا تھا کہ اسے صاریہ سے منسوب کر دیا گیا ہے مگر ایک لمحے کو بھی صاریہ نے اسے یہ بات بھولنے نہیں دی تھی وہ ہر لمحہ اس کے سر پر سوار رہتی تھی صاریہ کی شخصیت سے اسے ایک عجیب سی چڑ ہوگئی تھی وہ سب کچھ زبردستی یکسر فراموش کر کے پڑھائی کرتا رہا اور اپنی زندگی کا دوسرا جھٹکا اسے تب لگا تھا جب اگلے سال

ہی اچانک اس کے چچا بھی شہید ہو گئے تھے پے در پے دو جھٹکوں نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور بس پھر وہی موقع تھا جب جبرئیل صاریہ کی ذات سے یکسر انکاری ہو گیا تھا اور صاریہ کے بچپن کی محبت بڑے ہونے تک حسرت کے ساتھ ساتھ جنون اختیار کر چکی تھی وہ اس کے ساتھ کوئی بھی وجود برداشت کرنے کی حالت میں نہیں تھی بلاوجہ کا رونا خود کو اذیت دینا جبرئیل کی محبت میں خود کو پاگل کہلوانا صاریہ خان کے مشغلوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اور اب جبکہ ایک دم سے جبرئیل اپنے گھر اپنے ساتھ زارا کو لے آیا تھا وہ مزید جنونی ہو گئی تھی کیونکہ جبرئیل اپنے باپ کی صاریہ اور اس کے حوالے سے کی گئی بات یکسر فراموش کر چکا تھا لیکن صاریہ اس ذکر سے بعض نہیں آتی تھی اور یہی چیز جبرئیل کو سخت کوفت اور غصے میں مبتلا کرتی تھی۔ صاریہ زارا کو کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی اور اسی صورتحال کو لے کر وہ اپنے اندر ہی اندر بہت کچھ سوچ چکی تھی صرف اس پر عمل کرنے کی دیر تھی اس کا خیال تھا کہ وہ بڑی ہی آسانی اور سفاکی کے ساتھ زارا کو جبرئیل کی زندگی سے باہر نکال پھینکے گی اور یقیناً یہ ہونے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ آج پھر سے تھانے میں اپنی کرسی پر بیٹھے فائلوں میں سر دیے مصروف تھا 1993 کی کشمیر کیسز کی فائلز اس نے میرپور خاص اور مظفر گڑھ کے تھانوں سے منگوائی تھیں کیونکہ

For more visit (exponovels.com)

سب سے زیادہ متاثرہ انہی علاقوں میں سے تھے۔ وہ ایک کے بعد ایک فائل دیکھ رہا تھا انسپیکٹر دانش اس کے سر پر کھڑا تھا۔ چہرے پر شدید الجھن کے آثار تھے کیونکہ ابھی تک بھی اسے کوئی بھی ایسی فائل نظر نہیں آئی تھی جس کا تعلق ابراہیم شہید کیس سے ہو متعلقہ فائل کی تلاش جاری تھی مگر مظفر آباد اور میر پور خاص سے منگوائی گئی تمام فائلوں میں واقعات ایک ہی نوعیت کے تھے تمام کی تمام فائلوں میں کسی لڑکی کا اغوا ہوا تھا تو کسی کی عصمت دری کے بعد لاش عجیب و غریب حالت میں جنگلات سے برآمد ہوئی تھی۔ آرون کو اپنا سر پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا ماضی میں اتنا کچھ ہو چکا تھا اور ابھی تک ان ساری لڑکیوں کے مجرم کھلے عام آزاد گھوم رہے تھے۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان ساری لڑکیوں کے ساتھ ہوا کیا ہے کیونکہ نہ تو ان کا کوئی سراغ ہاتھ آیا تھا اور نہ ہی ان کی لاشیں ان کے گھر پہنچی تھیں۔ میز پر تین حصوں میں فائلیں بکھری ہوئی تھیں ایک جانب میر پور خاص ایک جانب مظفر آباد اور تیسرا ڈھیر پشاور کے کیسز کی فائلز کا لگا ہوا تھا۔ مسلسل باریک بینی سے فائلیں دیکھنے کے باعث اس کا سر دکھ رہا تھا اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موندی تھیں اور اپنی دکھتی ہوئی کنپٹیوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے ہولے ہولے مسلا تھا۔

"سر! آپ ٹھیک تو ہیں نہ؟"

For more visit (exponovels.com)

دانش نے فکرمندی سے آرون کی جانب دیکھا تھا جو اپنی کنپٹیاں مسل رہا تھا۔
"انسپیکٹر دانش! پلیز ایک کپ کافی کا پلوا دیں میرا سر شدید دکھ رہا ہے۔"
اس نے انسپیکٹر دانش سے کہا تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ کافی کے مگ کے ساتھ اس کے سامنے حاضر تھا کافی کا مگ اس نے میز پر رکھا اور اس کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ آرون نے کافی کا ایک گھونٹ بھرا اور مظفر آباد والی فائلز پھر سے اپنے آگے سرکائیں۔
"سر! مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ تیرہ سال پہلے بند ہونے والے کیسز کی فائلیز آپ کیوں کھنگال رہے ہیں جو کیسز تب سولو نہیں ہوئے تھے وہ اب کیسے ہوں گئے؟"
دانش کی الجھن دیکھ کر آرون نے گہرا سانس بھرا تھا۔
"کچھ معاملات بروقت حل نہیں ہوتے دانش! انہیں حل کرنے کے لیے مخصوص وقت ہوتا ہے اور تم سمجھ لو اس معاملے کو حل کرنے کا یہی صیح وقت ہے بس تم دعا کرو جو میں ڈھونڈ رہا ہوں وہ مجھے مل جائے اب تم یہ میر پور خاص والی فائیلز دیکھو اور اس میں سے وہ فائل ڈھونڈو جس میں اغوا میر پور خاص سے ہوا ہو لیکن رپوٹ پشاور تھانے میں لکھی گئ ہو۔"
اس نے اسے ایک انتہائ اہم نقطہ اسے بتایا تھا جس پر دانش نے چونک کر اس کی جانب

دیکھا تھا۔

"سر! یہ کیسے ممکن ہے کہ اغوا کشمیر سے ہوا ہو اور رپوٹ پشاور میں لکھی گئی ہو۔ "

وہ انتہائی تشویش سے سوال کر رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے تم دیکھو تو صبح پھر ہی میں تمہیں بتاؤ گا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ "

اس نے فائلوں کی جانب اشارہ کیا تھا اور خود اپنے آگے رکھی ہوئی فائلوں کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ ایک کے بعد ایک فائل وہ مسلسل باریک بینی سے دیکھ رہا تھا اتنی کہ ہر اہم نقطے پر نظر دوڑا رہا تھا کہ کہیں کوئی اہم معلومات چھوٹ نہ جائے مظفر آباد کی فائلز دیکھتے ہوئے اچانک وہ ٹھٹک کر رکا تھا اس کی نظر ایک گلابی رنگ کی فائل پر پڑی تھی جس میں درج معلومات نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا اس نے اوپر سے نیچے تک صفحات پر نظر ڈالی تھی اور جو اس نے دیکھا تھا اس کے اندر اشتعال برپا کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دالان میں رکھے تخت پر فاطمہ پیر اوپر کیے بیٹھی ہوئی تھی شمس کے گزشتہ دن کہے گئے الفاظ اس کے اندر جھکڑ برپا کر گئے تھے اسے شدت سے اپنی ذات کی غلیظگی کا احساس ہوا تھا۔ انسان کی عصمت ایک لمحے میں ہی لوٹ جاتی ہے اور یہ فاطمہ کو اندازہ ہو چکا تھا وہ بظاہر پر سکون دکھتی تھی اس کا دھیان اللہ کی جانب ہو رہا تھا مگر اس کی ذات کے اندر ٹوٹ

پھوٹ تھی جو وہ اپنے سر پر سجائے سکارف اور چہرے پر طاری کیے سکون کے پیچھے چھپا رہی تھی قرآن مجید کی آیات اس کے اندر سکون ضرور بھر دیتی تھیں مگر فاطمہ کی شخصیت بکھر چکی تھی اتنی کہ اس کے وجود کے ٹکرے سمیٹنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

وہ ساکن دالان میں شام کے وقت تخت پر پاوں لٹکا کر بیٹھی ہوئی تھی جب اسے ادھر ہی قریب کہیں تلاوت کی آواز آئی تھی۔

وحسبوا الا تکون فتنتہ فعموو صموثم تاب اللہ علیھم ثم عموو صموکثیر منھم واللہ بصیر بما یعلمون ○ 71

اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑنہ ہوگی پس اندھے بہرے بن بیٹھے پھر اللہ تعالی نے ان کی توبہ قبول کی اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہو گئے اللہ تعالی ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔

باباجی کی پرسوز آواز پورے دالان میں گونج رہی تھی پہلے انہوں نے آیت پڑھی تھی سورت المعدہ آیت نمبر 71 اور پھر انہوں نے اس آیت کا ترجمہ کیا تھا لیکن فاطمہ توبہ اور پکڑ کے بیچ میں ہی کہیں الجھ گئی تھی اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جب توبہ قبول ہوجاتی ہے تو پھر پکڑ کیوں کر ہوتی ہے وہ اپنے تہیں اس آیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی فضا میں تلاوت کے بعد ایک پرسوز خاموشی ہوگئی تھی وہ الجھی ہوئی تھی سوالات کے جوابات چاہتی تھی ایسا

کیوں ہوتا ہے کہ جب ہماری ذات بہت ساری الجھنوں کا شکار ہوتی ہے تو پھر وہ الجھنیں سلجھانے کے لیے روحانی رخ کرتی ہے کیونکہ سارے جوابات تو آیات میں ہوتے تھے جیسے وہ نہیں جانتی تھی کہ جس سوال کو لے کر وہ سب سے زیادہ الجھ رہی ہے اس کا جواب اسے ابھی کچھ ہی دیر میں ملنے والا ہے۔ وہ اٹھ کر اندر جانے لگی تھی جب بابا جی خود دالان میں آ گئے تھے۔

"کبھی کبھی جب بندہ الجھا ہوتا ہے پتر تو الجھنیں تو پیدا ہی سلجھنے کے لیے ہوتی ہیں۔"

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر کہہ رہے تھے. جس پر اس نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"بول کیا سوال آ رہے ہیں تیرے دماغ میں؟"

انہوں نے اس کا چہرہ پڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ابھی آپ نے کہا کہ اللہ توبہ قبول کرلیتا ہے جب وہ توبہ قبول کرلیتا ہے تو پھر پکڑ کیوں ہوتی ہے؟"

اس نے کچھ الجھ کر ان سے پوچھا تھا۔ بابا جی بے ساختہ مسکرائے تھے۔

"!وہ پکڑ نہ کرے تو توبہ بھی قبول نہ ہو پتر"

انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ "
وہ ابھی بھی نہیں سمجھی تھی۔
مطلب یہ کہ جو گناہگار ہوتے ہیں جن کے دلوں سے اللہ کا خوف ختم ہوجاتا ہے پھر وہ "
ایسے ہوجاتے ہیں جیسے یہ دنیا ان کی ہے اس کی ہر چیز پر ان کا ہی نام لکھا ہوا ہے وہ
بصات سے محروم ہوجاتے ہیں سماعت سے عاجز آجاتے تھے اور بولنے لگتے ہیں تو انہیں
یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے ان کے لب سی دیے ہوں وہ صرف اپنی ظاہری
چکاچوند کے ساتھ خوش رہتے ہیں اور پھر جب ایسے لوگوں کو ہدایت آتی ہے اور وہ اللہ کے
آگے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں تو اللہ تو ہے ہی غفورالرحیم وہ تو ان کے گناہ بھی معاف
کردیتا ہے جو اس کے ساتھ کسی اور کو مشرک ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب
ہدایت آنے پر وہ توبہ کرتے ہیں تو اللہ ان کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔ لیکن دنیا رنگارنگ
لوگوں سے بھری ہوئی ہے پتہ ہر کسی کا معیار اور انداز الگ الگ ہے کچھ لوگ پہلے گناہ
کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں اور پھر سے توبہ کے بعد گناہ کرلیتے ہیں ایسے لوگوں کے
اعمال کو اللہ باخوبی جانتا ہے۔ توبہ کا در اللہ کے آگے ہمشہ کھلا ہوا ہے لیکن توبہ ایک ایسی
چیز ہے جسے سچے دل سے دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پکا عزم کرکے کرنا چاییے ورنہ توبہ
شرمندگی کی انتہا گہرائی میں ڈوب جاتی ہے کہ بندے نے میرا استعمال بھی کیا اور میری قدر

"بھی نہیں کی۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے فاطمہ کے دل و دماغ میں ایک حشر برپا کر رہے تھے اس کی آنکھیں آنسوں سے لبالب بھری ہوئی تھی اور بے دریغ برسات شروع ہوئی تھی اسے اس لمحے اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اللہ تو کتنا اچھا ہے گناہوں کے باوجود توبہ کے راستے کھولے رکھتا ہے اور بندہ کیا کرتا "

"ہے توبہ کے باوجود گناہ چنتا ہے اگر توبہ کر لے تو سکون کیوں نہیں ملتا؟

اس کے سوالات بڑھتے ہی جا رہے تھے۔

وہ تو اللہ ہے پتر! اس کا بندے سے کیا مقابلہ ماں کی ایک بار چھوڑ ہزار بار نافرمانی کر و وہ "

"کیا محبت کرنا یا معاف کرنا چھوڑ دے گی؟

انہوں نے اس سے سوال کیا تھا جس پر اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا وہ بھی اس کے اس طرح بچوں جیسے سر ہلانے پر مسکرائے تھے۔

تو بس پھر وہ جو ایک ماں لاکھ نافرمانی کے باوجود محبت کرنا اور معاف کرنا نہیں چھوڑتی تو " وہ تو پھر ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے کیسے نہ بار بار موقع دے کیسے نہ معاف

"کرے۔

آئینے کے طرح شفاف لفظ اس کے دل میں اترتے جا رہے تھے ہر لفظ اپنے اندر ایک

خوبصورت معنی چھپائے ہوئے تھا اور ہر معنی اس کے اندر لگی آگ کو دھو رہا تھا فاطمہ کے گناہوں کا بوجھ دھیرے دھیرے سرک رہا تھا وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنا شروع ہوئی تھی وہ جب بھی کوئی آیت سنتی اسے ایسے سنتی کہ اس کے اندر موجود مقصد اور مفعوم سے آگاہ ہوسکے اور ہر بار کی طرح اس بار بھی بابا جی نے اسے مفعوم یوں سمجھایا تھا کہ فاطمہ کی پوری شخصیت آئینے کی طرح صاف شفاف ہوتی چلی جارہی تھی وہ دھیرے دھیرے پاکی کی جانب جارہی تھی اصلاح کی راہ اس کی منتظر تھی اسے سیکھنا تھا پڑھنا تھا، جاننا تھا دین کے بارے میں اللہ کے بارے میں انسان کے شر اور غیر کے بارے میں سفر شروع ہوا تھا اور منزل قریب تھی۔ وہ انجان تھی کہ کہیں دو آنکھیں اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دہلیز کے پار وہ بقلم ایمن خان

کچھ ساحر تھی شخصیت اس کی

کچھ قاتل تھے لفظ اس کے

جادوگر سا خود تھا وہ

عجب سی تھی بندش اس کی

ایمن خان

وہ ہاسپٹل سے فارغ ہوئیں تو باہر گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ زارا ان کا انتظار کر رہی تھی۔
دور سے ہی انہیں دیکھ کر اس نے ہاتھ ہلایا تھا جیسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتی ہو انہوں نے بھی اس کے ملتے ہوئے ہاتھ کو بغور دیکھا تھا اور پھر مسکرائی تھیں دونوں چلتی ہوئی گاڑی تک آئی تھیں جہاں زارا بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

"اسلام علیکم !کیسی ہو زارا؟"

زیبا نے اس کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا جبکہ دوسری جانب سے آنیہ بھی بیٹھ گئی تھی۔ پورا راستہ ادھر ادھر کی باتوں میں با آسانی کٹ گیا تھا۔ جونہی وہ گاڑی سے نیچے اتری تھیں سامنے قطار میں بے شمار دوکانیں تھیں۔ آنیہ اور زیبا زارا کو لیے چلتی ہوئی مختلف دکانوں کی سمت آگئی تھیں جہاں فارمل اور کیجوئل کپڑے موجود تھے۔ بڑے شہر کی دکانیں زارا نے شاید زندگی میں پہلی بار دیکھی تھیں اس لیے مختلف طرز کے ملبوسات دیکھ کر وہ کچھ حیرت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"تم کیا لو گی زارا؟"

آنیہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ہمم بہت سارے رنگ برنگے رومال لینے ہیں آپ کو پتہ ہے جب میں کشمیر میں ہوتی تھی

ہر مہینے اماں کے ساتھ جا کر ایک خوبصورت شیشے کی کڑھائی والا رومال خریدا کرتی تھی۔"
وہ سامنے دیکھتے ہوئے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں بولتی آنیہ کو بے حد معصوم لگی تھی اسے بے ساختہ اس پر ترس آیا تھا کتنی مشکل میں تھی وہ جس کے پاس اس کا واحد سہارا بھی موجود نہیں تھا۔ آنیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔
"مشکل وقت زیادہ دیر تک نہیں رہتا زارا! کبھی نہ کبھی مشکلات آسانیوں میں بھی بدل جاتی ہیں اور تمہاری اماں بھی تمہیں بہت جلد مل جائیں گی۔"
اس نے یقین دلاتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور لائن میں بنی دکانوں میں سے ایک کی جانب چل دی تھی جہاں کچھ دیر پہلے زیبا گئی تھی اس بات سے انجان کے دو آنکھیں زارا کا ہی نشانہ لیے ہوئے ہیں۔ وہ دونوں قدم قدم چل رہی تھی جب زارا کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی کمر کے ایک جانب کوئی نوکیلی شے گھسا دی ہو بے ساختہ اس کے منہ سے آہ نکلی تھی اور اسی کے ساتھ وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی اسے اپنے جسم سے کوئی گرم گرم سیال بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا آنیہ نے جب اسے نیچے بیٹھتے دیکھا تو وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی اور پھر اس کے بائیں جانب قمیض پر خون کا فوارہ بہتے دیکھ کر اس کی دلخراش چیخ پورے پشاور کے بازار میں گونجی تھی جس نے ارد گرد کے لوگوں کو اس کی

جانب متوجہ ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہورہی تھیں اور وہ گہری بے ہوشی میں جارہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بڑے سے ہال میں وہ تمام معزز شخصیات موجود تھیں جن میں داور کمال کی شخصیت نمایاں نظر آرہی تھی چئیر پرسن کی کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اس لمحے سنجیدگی کی انتہا گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا میٹنگ کا آغاز ہوئے دو گھنٹے بیت چکے تھے اور ان دو گھنٹوں میں ہر وہ نقطہ ڈسکس کیا گیا تھا جس کے باعث کشمیریوں کو تکلیف سے دوچار کیا جاسکے۔ داور کمال اس لمحے شدید پریشانی سے دوچار تھے کیونکہ وہ اس لمحے اپنے وسیع و عریض پینل کو یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ چار ہفتے سے ان کے اپنے ہی گھر سے ان کی اپنی ہی بیٹی غائب ہے وہ بھی ہندو کمیونٹی کے کسی لڑکے سے شادی کرنے کے چکر میں تو داور کمال کی شخصیت اچھی خاصی مشکوک ہوجاتی اگرچہ جن لوگوں کے ساتھ وہ اس وقت موجود تھے وہ سب کے سب ممبئی کی ہندو کمیونٹی سے تعلق رکھتے تھے مگر داور کمال کے مسلمان ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہندو کمیونٹی اٹھاتی تھی اس لیے اس کی اپنی بیٹی کا کسی ہندو کے ساتھ بھاگنا وہاں کی مسلم کمیونٹی میں داور کمال کی شخصیت کی ساکھ بہت بری طرح متاثر کرسکتا تھا اس لیے وہ خاموش تھا اور اتفاق سے ابھی تک یہ بات کسی اور کو پتہ بھی نہیں چلی تھی وہ تو صرف صمن بیگم ہی تھی جو کمال

ولا میں علینہ کے جانے کے بعد گھٹ گھٹ کر جی رہی تھیں۔

داور کمال کا تعلق انڈیا کی دو مشہور کمیونٹوں سے بیک وقت تھا مسلم کمیونٹی میں وہ ایک معزز رکن کی حثیت رکھتے تھے جہاں کے اہم فیصلوں میں ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی اور دوسری جانب ہندو کمیونٹی تھی جس کے لیے وہ کام کرتے تھے اور جس کے لیے ہی وہ مسلم کمیونٹی میں معزز شخصیت بنے ہوئے تھے جہاں کے فیصلوں اور خبروں کی پوری من و عن رپوٹ ان کی بدولت ہندو کمیونٹی میں جاتی تھی اور وجہ تھی وہ مقام، وہ شہرت وہ دبدبہ، وہ مرتبہ جو اس لمحے انہیں انڈیا میں حاصل تھا۔ انڈیا میں موجود کسی بھی مسلم کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے انسان کو وہ حثیت، وہ دولت وہ مرتبہ حاصل نہیں تھا جو داور کمال کو تھا وہ ہندو کمیونٹی کی ہی بدولت باوجود ایک باعزت مسلم ہوتے ہوئے ممبئی انڈیا میں رہ رہے تھے۔

داور کمال کا تعلق سری نگر سے تھا اور وہ وہی پیدا ہوئے تھے لیکن وقت اور حالات انہیں ممبئی تک لے آئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے رومال سے چہرے پر آئے پسینے کے ننھے قطرے تھپک کر صاف کیے تھے اور پھر حال میں لوٹے تھے جہاں تقریبا میٹنگ کا اختتام ہو چکا تھا اور سب معزز حضرات اپنی نشستوں سے اٹھ کر باہر کی جانب جا رہے تھے وہ بھی سست روی سے اپنی نشست سے اٹھے تھے اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے حال کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سکرین پر نظر آتا وجود خون میں لت پت تھا اور ادھر بے چینی سے سکرین کو دیکھتے جبرئیل کی حالت بھی غیر تھی وہ اپنی شہادت کی انگلی مسلسل اپنے دانتوں تلے کاٹ رہا تھا۔ وجیہ سرخ و سپید چہرہ ضبط کی زیادتی سے سرخ پڑتا جا رہا تھا کیونکہ سکرین کے پار وجود کا گندمی سرخی مائل چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔ سکرین پر نظر آتے فوجی اس کے بے ہوش وجود کو اٹھا کر ایمبولینس میں ڈال رہے تھے اس کا ہینڈ بیگ وہی سامنے گرا ہوا تھا جہاں سے سارا منظر اپنے گھر بیٹھے کشمیر میں جبرئیل بڑی ہمت سے دیکھ رہا تھا۔ دوسری جانب اس کی انگلیاں تیزی سے فون پر کوئی نمبر ملانے میں مصروف تھیں۔

"ہاں سراج !ازشی اوکے ؟"

اس کے لہجے میں بے پناہ فکر تھی۔

"ڈونٹ نو سر شی ازان انڈر ابزرویشن۔"

سراج نے اس کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے اسے بتایا تھا۔ اس کے جواب میں جبرئیل نے گہرا سانس خارج کیا تھا اور پھر کچھ دیر خاموشی رہی تھی جب وہ بولا تو اس کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ سراج بھی کانپ کر رہ گیا تھا۔

"پتہ لگواو سراج !یہ حرکت کس کی ہے. جس کسی نے بھی یہ کیا ہے نہ آئی سویر وہ میرے

ہاتھوں بچے گا نہیں۔"
وہ دانت پر دانت جما کر سخت غصے میں کہہ رہا تھا۔
"شیور سر!"
اس نے اس کے حکم کی تائید کرتے ہوئے کال بند کر دی تھی اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ راہداری عبور کرتے ہوئے لکڑی کا دروازہ پار کر کے اپنے چھوٹے سے لان میں آ گیا تھا جہاں درخت کافی حد تک برف سے ڈھکے ہوئے تھے باہر آتے ہی اسے شدید قسم کی سردی کا احساس ہوا تھا مگر اس کے اندر لگی آگ اس میں اس سردی کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کر رہی تھی اور وہ بے چینی سے پورے لان میں چکر کاٹ رہا تھا زارا کو کچھ ہونے کا خیال ہی سوچ کر جبرئیل کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

بن دیکھے بن سوچے
وہ جو ہو گئی تھی
وہ کچھ اور نہیں تھا
ہاں وہ محبت ہی تھی
راہوں کی لطیف بہاروں میں
وہ جو اوس بن کر برسی تھی

وہ اور کچھ نہیں تھا

ہاں وہ محبت ہی تھی

فضا میں نم شبنم کے قطروں کی مانند

جو بکھری تھی

ہاں وہ اور کچھ نہیں تھا

صرف محبت تھی بس محبت تھی

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆

خان ولا سنسان پڑا ہوا تھا پورے خان ولا میں اس لمحے سگرابی کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر سو سناٹوں کا راج تھا ایسے میں وہ اپنے کمرے میں جلتی بلی کے پیر کی طرح مسلسل ادھر سے ادھر چکر کاٹنے میں مصروف تھی وہ اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ رہی تھی جو عمومی طور پر اس کے پریشانی میں ہونے کا عندیہ دے رہے تھے۔ چکر کاٹ کاٹ کر ٹانگیں بھی اب درد کرنا شروع ہو گئی تھی مگر پھر بھی وہ مسلسل مارچ کرنے میں مصروف تھی۔ وہ شدت سے ہسپتال سے زارا کی موت کی خبر کی منتظر تھی ہاں شاید یہی وجہ تھی جو اسے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ اسی وجہ سے وہ مسلسل اپنی ٹانگوں کو تھکا رہی تھی۔

"اب کیوں چکر کاٹ رہی ہو کام تو تم اپنا کر چکی ہو؟"

کمرے میں کہیں ایک آواز ابھری تھی۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تھا مگر وہاں کوئی ہوتا تو اسے دیکھائی دیتا نہ یہ تو صرف اس کے سوئے ہوئے ضمیر کی آواز تھی جو ایک دم کہیں سے انگڑائی لے کر بیدار ہوا تھا۔

"دعا کرو وہ مر جائے!"

اس نے اپنے ضمیر کو بھی اپنے سفاک منصوبے میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مر جائے! لیکن کیوں آخر؟ کیا قصور کیا اس نے کیوں مروانا چاہا تم نے اسے؟"

ضمیر ایک دم جیسے چیخ ہی تو پڑا تھا۔

"وہ میرے راستے میں کھڑی ہے اس کے ہوتے میں کبھی بھی جبرئیل تک نہیں پہنچ سکتی۔"

صاریہ نے خود کو اور اپنے ضمیر دونوں کو بے حد بھونڈی وضاحت پیش کی تھی اس کا ضمیر ایک دم اس پر قہقے لگا کر ہنسا تھا۔

"کس غلط فہمی میں ہو تم صاریہ میڈم! وہ چاہے زندہ رہے یا چاہے تم اسے مار دو لیکن جبرئیل پھر بھی تم سے شادی نہیں کرے گا۔"

ضمیر تو گویا اسے آج آئینہ دیکھانے پر بضد تھا۔

"جھ۔۔جھوٹ بول رہے ہو تم! غلط کہہ رہے ہو وہ مجھ۔۔مجھے صاریہ خان کو ٹھکرا سکتا ہی نہیں ہے۔"

اس نے سائیڈ میز سے شیشے کا ایک گلدان اٹھایا اور پوری قوت سے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر مارا ڈریسنگ کا شیشہ لمحوں میں چکنا چور ہو گیا تھا۔

پورے کمرے میں بے ہنگم قہقے گونج رہے تھے صاریہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑے تھے اور نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"انسان ہو کر کیوں کوشش کی تم نے اپنے ہاتھ خون سے رنگنے کی؟ تمہارے ہاتھوں سے زارا کے خون کی بو آ رہی ہے۔"

ضمیر نے پھر سے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"اب۔۔اب اگر وہ۔۔وہ مہ۔۔مر گئیہ۔۔گئی تہ۔۔۔تو مہ۔میں کہ کیا کروں گی۔؟

خوف کے باعث اس کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا زبان نے لفظوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ بس یہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"سزا ملے گی تمہیں پھر بس اور کچھ نہیں کرو گی تم اور سزا بھی تمہیں محبت کے ہاتھوں ملے گی اس سے دوری کی صورت میں جس محبت کو پانے کے لیے تم کسی کی جان لینے پر اتر آئی وہی محبت تم سے اتنی دور چلی جائے گی کہ اس تک رسائی تمہارے لیے مشکل سے

ترین ہوجائے گی۔"

ضمیر تو آج صاریہ کو برباد کرنے پر تلا ہوا تھا ایسے سخت الفاظ تو اس نے کبھی کسی اپنے کے منہ سے بھی نہیں سنے تھے جو اس کے کانوں میں اس کا ضمیر بول گیا تھا۔ صاریہ کو اپنے گال بھیگے ہوئے محسوس ہو رہے تھے کیوں محبت تو پہلے ہی دسترس سے دور تھی اور اب جذبات میں آکر وہ یہ بے وقوفی کر کے خود کے لیے اور بھی مشکلات پیدا کر چکی تھی جو شاہد اسے پوری زندگی بھگتنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے کوریڈور میں وہ تمام کے تمام نفوس ساکن کھڑے تھے اندر لیٹے وجود کی جانب سے انہیں ابھی کسی بھی قسم کی کوئی اطلاع وصول نہیں ہوئی تھی۔ آنیہ اور زیبا تو سارا الزام خود کو دیے جا رہی تھیں نہ وہ اسے ساتھ لے کر چلنے کا کہتیں اور نہ ہی یہ ہوتا۔ دیوار کے ساتھ رکھے گئے بینچوں میں سے ایک پر بیٹھی وہ دونوں آنسو بہانے میں مصروف تھیں۔

"بس کرو چپ کر جاو بیٹا!"

ماہ رخ بیگم نے زیبا اور آنیہ دونوں کو ہی رونے سے بعض رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"امی! جبرئیل بھائی تو اب ہمیں چھوڑ ے گئے نہیں۔"

زیبا نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اپنی ماں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"اف بیٹا! وہ جبرئیل ہے کوئی عام مرد نہیں ہے کہ ایسی کسی بات کو لے کر تم لوگوں سے بغض
پرس شروع کردے۔"
انہوں نے اپنے اردگرد بیٹھی آنسو بہاتی دونوں کا ہاتھ دبا کر انہیں حوصلہ دیا تھا۔ جبکہ زیبا کی نگاہ سامنے ایمرجنسی کے دروازے کے باہر سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑے آرون پر پڑی تھی جس نے اس کے رونے کا بھی ابھی تک کوئی نوٹس نہیں لیا تھا رونا کیا ایک بار بھی اس کی جانب نہیں دیکھا تھا اسے سچ میں لگا تھا کہ جیسے اس کی جانب سے کوئی بہت ہی سنگین قسم کی غلطی کی گئی ہے۔ عشرت جہاں ہاتھ میں تسبیح تھامے ایمرجنسی کے دروازے کے باہر ہی چکر کاٹ رہی تھیں ان کی زبان مسلسل حرکت میں تھی سبتین اور آرون کی حالت بھی ان سے مختلف نہ تھی کچھ ہی دیر میں ایمرجنسی کا دروازہ کھلا تھا اور ڈاکٹر باہر آیا تھا۔ وہ تینوں بے چینی سے ڈاکٹر کی جانب بڑھے تھے لیکن آنیہ اور زیبا میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر ڈاکٹر سے اس کی حالت کے بارے میں ہی پوچھ سکیں۔
"ڈاکٹر کیسی ہے اب میری بچی! کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے نہ؟"
وہ بے چینی کے عالم میں چہرے پر تفکر کے آثار لیے ڈاکٹر سے پوچھ رہی تھیں۔

"دیکھیں گولی ان کی ریبز کو بس چھو کر گزری ہے خون زیادہ بہنے کی وجہ سے وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی ہیں ان کا ٹریٹمینٹ کر دیا گیا ہے امید ہے وہ جلد ہی ہوش میں آجائیں گی مگر وہ کافی ویک ہیں جس کے باعث ہوش میں آنے میں انہیں وقت لگ سکتا۔"

ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں انہیں بتا رہا تھا جبکہ ڈاکٹر کی ساری گفتگو آرون سے فون پر بات کرتے جبرئیل باخوبی سن چکا تھا وہ نہیں جانتا تھا کیوں مگر ڈاکٹر کی اتنی سی بات پر ہی اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ اچھے سے یہ بات جانتا تھا کہ زارا خون سے کتنی خوفزدہ ہوتی ہے اور اب جب اس کے اپنے جسم سے اتنا زیادہ خون نکلا ہوگا تو وہ کس تکلیف سے گزری ہوگی جبرئیل کو اس کی وہ تکلیف اپنے اندر محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے غصے سے مکا دیوار پر مارا تھا آواز اتنی تو ضرور تھی کہ اس پار آرون باجوبی سن لیتا۔

"بھائی! آر یو اوکے کیا ہوا ہے وہاں؟"

اس نے آواز سن کر بے چینی سے اس سے پوچھا تھا جو ڈاکٹر کی بات کے بعد ایسے خاموش ہو گیا تھا جیسے اسے سانپ سونگ گیا ہو۔

"پلیز بھائی کچھ بولیں!"

اسے خاموش دیکھ کر اس نے ایک بار پھر سے اسے بولنے پر اکسایا تھا۔ جب پھر بھی دوسری جانب خاموشی ہی رہی تو آرون نے گہرا سانس بھرا تھا اور پھر جب بولا تو اس کے

لہجے میں گہری سنجیدگی اور تسلی تھی جو شاہد دوسری جانب جبرئیل کی کیفیت سمجھتے ہوئے اسے اپنانی پڑی تھی کیونکہ وہ اس لمحے اس کی حالت کا اندازہ لگانے میں کافی حد تک کامیاب ہوچکا تھا۔

"وہ ٹھیک ہوجائے گی بھائی! آپ پشاور مت آئیں آئی ول ٹیک کئیر اف ہر!"

آرون کے لہجے کی سنجیدگی نے جبرئیل کو لب وا کرنے پر مجبور سا کردیا تھا جب وہ بولا تو اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اس کا خیال رکھنا رون! آئی ڈونٹ کمپرومائز اون ہر شی ازمائی رسپونسبلٹی۔"

اس کے لہجے میں ٹھہراو اور سکوت سا تھا جس نے آرون کو مزید اس سے کوئی بھی سوال کرنے سے بعض رکھا تھا ورنہ دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی جبرئیل سے یہ دریافت کرلے کہ اسے اس کی اتنی فکر کیوں ہورہی ہے انسان صرف اپنی زمہ داری کے لیے تو یہ کچھ نہیں کرتا لیکن پھر اس نے اپنے لفظوں کو فل حال کے لیے اپنے لبوں میں ہی دبا لیا تھا اور چند مزید تسلی بخش جملے بول کر رابطہ منقطع کردیا تھا۔ اب اس کا رخ بینچ کی جانب تھا جہاں ابھی بھی بیٹھی زیبا مسلسل آنسو بہانے میں مصروف تھی اور وہ نا چاہنے کے باوجود بھی اسے روتے ہوئے دیکھ کر برداشت کررہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

For more visit (exponovels.com)

کمال ولا میں مخملی صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھے داور کمال سگار سلگائے کسی گہری سوچ میں مصروف تھے سامنے دیوار گیر ایل ای ڈی بغیر آواز کے چل رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں صمن بیگم ہلکے بادامی رنگ کی ساڑھی سلیولیس بلوز کے ساتھ پہنے اپنے ڈائی شولڈر کٹ بال شانوں پر بکھیرے ٹک ٹک کرتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھیں سامنے کچن کے دروازے سے چائے کے لوازمات سے بھری ہوئی ٹرالی لیے ملازمہ لیونگ روم میں ہی آ رہی تھی۔

"نوراں! یہ ادھر رکھو اور تم جاؤ چائے میں خود بنا لوں گی۔"

انہوں نے آہستگی سے نوراں سے کہا تو وہ ٹرالی چھوڑ کر واپس کچن کی جانب پلٹ گئی۔ علینہ کے جانے کے بعد سے وہ خود بہت نڈھال تھیں میک اپ سے مبرہ چہرہ آنکھوں کے گرد گھرے ہلکے ان کے کئی دن سے نہ سونے کی چغلی کھا رہے تھے۔ داور کمال نے سگریٹ کا گہرا کش لیتے ہوئے سرسری سی نگاہ ان کے بکھرے بکھرے وجود پر ڈالی تھی اور پھر سگار ایش ٹرے میں مسلا تھا اور سیدھے ہو کر صمن بیگم کی جانب متوجہ ہوئے تھے جو چائے بنانے میں مصروف تھیں۔

"کیا بات ہے صمن! یہ کیا حولیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا؟"

انہوں نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جو چائے بنانے میں مصروف تھیں۔

"آپ کو کیا غرض ہے میرے حوالیے سے نظر بھر کر تو آپ اب مجھے دیکھتے نہیں ہیں تو فائدہ اس قسم کے سوال کرنے کا؟"

انہوں نے چائے کا بھرا ہوا کپ ان کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک شکوہ کناں نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

"او پلیز صمن! یہ دو ٹکے کی عورتوں کی طرح گلے شکوے مت شروع کر دیا کرو۔"

چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے وہ خاصے بیزار انداز میں بولے تھے۔

"تو کیا کروں میں بتائیں میری بیٹی کو میرے گھر سے گئے اتنے دن بیت گئے ہیں کیا کیا آپ نے اس کے لیے کہاں ڈھونڈا ہے اسے؟ کہیں نہیں داور کمال صاحب مجھے یوں معلوم ہو رہا جیسے اسے پیدا کرنے والی میں اکیلی تھی اور صرف وہ میری بیٹی ہے آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

وہ تلخی سے کہتی ہوئی داور کمال کے سامنے زہر اگل رہی تھیں۔

"وہ میری بھی بیٹی ہے اور مجھے اس کی تم سے زیادہ فکر ہے جا رہا ہوں میں آج شام کی فلائیٹ سے گوا اسے ڈھونڈنے مل جائے گی وہ پریشان مت ہو۔"

آخر میں وہ تھوڑا نرم پڑ گئے تھے۔"

"کیا سچ میں ڈھونڈیں گئے میری بیٹی کو؟"

وہ ایک دم پر جوش سی ہو گئی تھیں۔

"ہاں سچ میں تم فکر مت کرو۔"

انہوں نے چائے کا کپ خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے ان سے کہا تھا اور اپنے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے لیونگ روم سے نکلتے چلے گئے تھے۔ پیچھے وہ اس خبر پر ہی خوش ہو گئی تھیں کہ اب انہیں علینہ مل جائے گی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ جب کھوئے ہوئے انسان واپس ملتے ہیں تو وہ یکسر بدل جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ روشنی میں بیٹھی اپنے سگریٹ سے جلے ہوئے ہاتھوں کو اپنے سامنے کیے دیکھ رہی تھی۔ پہلی دو انگلیاں بری طرح جھلس چکی تھیں اتنی کہ ان کی اوپری جیلد غائب تھی وہ بے تاثر آنکھوں سے اپنے جھلسے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

"جلن نہیں ہو رہی آپ کو؟"

غلام بخش دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا اس کے جلے ہوئے ہاتھوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پر ایس۔ کے نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں! ہاتھ تو بہت بری طرح جھلسا ہوا ہے آپ کا؟"

وہ ہاتھوں میں کریم تھامے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کی جانب آرہا تھا۔
"جب دل بری طرح جلا ہو روح بری طرح جھلسی ہو تکلیف کی شدت اتنی زیادہ ہو کہ سانس بھی مشکل سے آرہا ہو تو ایسے میں اس معمولی جلن کا ڈھنڈورا کیوں پیٹوں میں؟"
وہ اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے بدلے میں اس سے ہی سوال پوچھ رہی تھی جو شاہد غلام بخش کو بے حد اچھا لگا تھا۔
"آہاں آپ کو کیا لگتا ہے دل اور روح صرف آپ کی جھلستی ہے نہیں ایس۔کے! دل تو ان کا بھی جل جاتا ہے جو ساری عمر اپنے دل سے اپنے بہت قریبی لوگوں کی روحوں پر ٹھنڈی پھوار برساتے رہتے ہیں روح تو ان کی بھی گھائل ہو جاتی ہے جو خود اپنی روح مار کر اپنے بہت قریبی لوگوں کی روح کو سراب کر دیتے ہیں۔"
نہ تو انداز جتانے والا تھا اور نہ ہی لہجہ سرد تھا پھر بھی ایس۔کے کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے غلام بخش نے چند سطروں میں اس کے سامنے اپنا پورا وجود کھول دیا ہو اپنے وجود کے سارے بخیے اس لمحے جیسے اس نے ادھیڑ دیے ہوں۔
"دل کو روح سے کیوں جوڑتے ہیں ہمشہ غلام بخش!؟"
یہ ایس۔کے کا سوال تھا جو اس نے غلام بخش کو غور سے دیکھتے ہوئے کیا تھا۔
اس کے سوال پر غلام بخش مسکرایا تھا اور پھر کریم کا ڈھکن کھول کر اس کی نرم نرم جھلسی

پوئی انگلیوں پر کریم لگاتے ہوئے گویا ہوا تھا۔
"کیونکہ دل روح کا امین ہے اور روح دل کی مکین ہے دونوں ایک دوسرے کے لیے ہیں روح دل کے دھڑکنے سے توانا رہتی ہے اور قلب روح کے توانا رہنے سے دھڑکتا رہتا ہے لیکن آپ کو معلوم یہ دونوں ایک ہی وجود میں توانا نہیں رہ سکتے؟"
اس کا نرم لمس ایس۔ کے کو راحت پہنچا رہا تھا اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"دل تب توانا دھڑکتا ہے اس کی دھڑکنیں تب بے ہنگم شور مچاتی ہیں جب دل کے مکین کی روح راضی ہو جب اس کی روح بے چین ہوتی ہے نہ تو دل کی دھڑکن میں بھی سست روی آجاتی ہے اس لیے روح اس کی ہوتی ہے اور دل اپنے سینے میں دھڑکتا ہے جب روح اپنی ہوتی ہے تو دل اس کا دھڑک رہا ہوتا ہے مگر یک طرفہ محبت میں روح اس کی راضی ہوتی ہے پر دل اپنا جھلس رہا ہوتا ہے۔"
اس نے آہستہ آہستہ بول کر اپنا ہاتھ اس کی انگلیوں سے ہٹا لیا تھا اس پوری دنیا میں غلام بخش وہ واحد مرد تھا جسے شاہد ایس۔ کے کو چھونے کا حق تھا ورنہ وہ کسی بھی مرد کو خود کو چھونے ہرگز نہیں دیتی تھی اور پندرہ سال سے دل میں پلتی محبت کا یہ وہ واحد انعام تھا جس کے باعث غلام بخش کی تکلیف تھوڑی کم ہو جاتی تھی مگر اس کی تکلیف کے مکمل علاج

کے لیے تو ایک صدی چاہئیے تھی جو بھی شاہد نا کافی ہوتی۔

اسے اندزہ بھی نہیں ہوا تھا اس کے قریب بیٹھی اس کی متائے حیات کی آنکھوں کے گوشے بس بھیگ ہی گئے تھے جن کو بڑی ہی خوبصورتی اور مہارت سے وہ چھپا گئی تھی کیونکہ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی جس کی کمزوری کوئی مرد اتنی آسانی سے پکڑ لیتا وہ ایس۔ کے تھی جس سے ایک زمانہ ڈرتا تھا پھر چاہے وہ مرد غلام بخش ہی کیوں نہ ہو اتنی آسانی سے وہ اپنی کمزوری ہاتھ نہیں آنے دیتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے بستر پر لیٹے ہوئے اس کا وجود بہت لاغر لگ رہا تھا۔ چہرہ بالکل ہی زردی مائل ہو چکا تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی کی ساری رنگینیاں ہی اس سے روٹھ گئی ہوں وہ ہسپتال کے بیڈ پر چت لیٹی مسلسل چھت کو گھور رہی تھی جب دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا تھا اس نے نگاہوں کا زاویہ موڑ کر دیکھا تو آرون ہاتھ میں کچھ تھامے دروازے پر کھڑا تھا گویا اندر آنے کی اجازت مانگ رہا ہو زارا نے سر کے اشارے سے اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی اور خود اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تھی جسے ہاتھ کے اشارے سے روک کرنا کام بنا دیا گیا تھا۔

"کیسی طبعیت ہے اب آپ کی زارا؟"

اس نے اس کے بیڈ کے قریب کرسی رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"بہتر ہوں۔"

زارا نے انتہائی دھیمی آواز میں کہا تھا حتیٰ کہ آرون بامشکل ہی سن پایا تھا۔

"یہ لیں یہ بھائی نے آپ کے لیے بھجوایا ہے۔"

اس نے وہ ڈبہ اس کے آگے کرتے ہوئے کہا تھا جس کی آنکھوں میں اس لمحے زمانے بھر کی حیرت تھی۔

"اس۔۔اس میں کیا ہے؟"

زارا نے اس کے ہاتھ سے ڈبا لیتے ہوئے حیرت سے اسے الٹ پلٹ کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

"خود ہی کھول کر دیکھ لیں میں چلتا ہوں۔"

اس نے کندھے اچکا کر اس سے کہا اور خود پرائیویٹ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
اس کے جانے کے بعد اس نے گولڈن گفٹ ریپ میں لپٹا ہوا وہ ڈبہ کھولنا شروع کیا تھا سارے ڈبے سے ریپر ہٹانے کے بعد نیچے سے ہلکے گندمی رنگ کا ڈبہ نکلا تھا اس نے جب ڈبہ کھولا تو حیرت سے گنگ رہ گئی کیونکہ ڈبے میں ایک سمارٹ فون تھا جو اب بجنا شروع ہوگیا تھا اور اس میں جبرئیل کا نام بھی چمک رہا تھا زارا نے فون ڈبے میں سے

نکال کر فوری یس کر کے کان کو لگایا تھا لیکن وہ خاموش رہی تھی شاہد مقابل کی آواز پہلے سننے کی خواہش نے اس میں جنم لیا تھا۔

دوسری جانب سے بھی مکمل خاموشی تھی مگر زارا اس کے سانسوں کی آواز بخوبی سن سکتی تھی۔ جب کچھ دیر تک دونوں جانب خاموشی رہی تو جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا شاہد وہ اسے مخاطب کرنے کی ہمت جمع کر رہا تھا دونوں میں ہی ایک عجیب سا ان کہا رشتہ تھا بے شمار فکر سموئے ہوئے ایک دوسرے کو کھو دینے کا خوف لیے ہوئے لیکن اس کے معنی سے دونوں ہی انجان تھے اور وقت وہ معنی انہیں جلد سمجھانے والا تھا کیونکہ کہیں اوپر دونوں کی ڈوریں آپس میں مل رہی تھی اور وہ اس کے کام تھے جو اوپر بیٹھا ہوا تھا اس کی وہی جانے۔

"کیسی ہو؟"

فون سے انتہائی مدہم آواز ابھری تھی جسے اتنے دن بعد سن کر زارا کو ایک عجیب سی چپ لگ گئی تھی۔ دونوں کے درمیان ایک بار پھر سے طویل وقفہ آگیا تھا۔

"زارا! کیا تم سن رہی ہو؟"

ایک بار پھر سے اس کی آواز ابھری تھی لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔

"سن رہی ہوں۔"

لہجہ بے حد دھیما تھا اتنا کہ جبرئیل بامشکل ہی سن پایا تھا۔

"پھر میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہی ہو؟"

دوسری جانب سے لہجے میں تشویش کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔

ایک بار پھر سے خاموشی چھاگئی تھی سانس لینے کی آواز دونوں جانب سے ہی آرہی تھی۔

جب وہ بولی تو لہجے میں شکوہ نمایاں تھا۔

"کیا جواب دوں جو حفاظت کرنے کا دعوع کر کے بیچ راہ میں چھوڑ جائیں انہیں کیا جواب دیا جائے۔"

لہجہ برف کی مانند ٹھنڈا ٹھار تھا جس کی تاثیر سیدھی جاکر جبرئیل کے دل میں چبھی تھی۔ زارا کو جبرئیل سے شکوہ کرنے کا کوئی حق نہیں تھا مگر وہ پھر بھی اس پر اپنا وہ حق استعمال کر رہی تھی جو سرے سے اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ اس کے اس شکوے پر جبرئیل کے دل کو کچھ ہوا تھا وہ ایک دم اس کے جواب پر لاجواب ہوگیا تھا۔

"میجر جبرئیل وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتا زارا! اس لیے یہ بات آپ اپنے ذہن سے نکال دیں کہ میں آپ کو بیچ راہ میں چھوڑ کر چلا گیا ضروری نہیں ہوتا کہ محافظ ساتھ رہ کر ہی حفاظت کریں جن کی فکر ہوتی ہے نہ وہ تو دور سے بھی حفاظت کر لیتے ہیں۔"

اس کے بے حد سنجیدگی سے کہے گئے جملوں نے زارا کو مسکرانے پر مجبور کردیا تھا اسے شاہد نہیں معلوم تھا مگر اس کے یاقوتی لب مسکرا رہے تھے اور وہ یقینا بہت خوبصورت لگ رہی تھی مگر یہ بات صرف باہر سے آنے والا شخص ہی اسے بتا سکتا تھا۔

"میں جلدی واپس آوں گا اور جب میں آوں تو آپ مجھے بالکل ٹھیک ملیں۔"

آخری جملہ زارا کے دل میں آخری ضرب بھی لگا چکا تھا اس کے لبوں میں مسلسل مسکراہٹ رقصاں تھی دوسری جانب سے رابطہ منقطع کردیا گیا تھا مگر وہ ناجانے کتنی ہی دیر فون کان سے لگائے بے جان بیٹھی رہی تھی وہ ابھی بھی اسی کے لفظوں کے سحر میں تھی جو اسے زمین سے آسمان پر پہنچا چکے تھے ہاں یہ سچ تھا کہ اس لمحے زارا نور آسمان پر اوڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سمندر کی شفاف لہروں سے زیادہ محبت

آکاش کے گہرے نیلے رنگ سے زیادہ عشق

آگ کی جلا دینے والی تپش سے زیادہ جنون

خون کے گاڑھے پن سے زیادہ گہری وفا

تم سے عشق، محبت اور روز بروز بڑھتا ہوا جنون"

For more visit (exponovels.com)

سفید کاغذ پر آج بھی صرف یہی پانچ سطریں درج تھیں اس کے سامنے میز پر ڈھیروں ایسے کاغذ تھے جن پر یہی الفاظ درج تھے لیکن ہر بار یہ سطریں مختلف مفہوم پیش کرتی تھیں آج ان سطروں کے ساتھ کاغذ پر گر کر سوکھے ہوئے کچھ پانی کے قطرے بھی تھے جو ان سطروں ہر گرے تھے جن کے باعث قلم کی سیاہی قدرے پھیل گئی تھی لیکن سیاہی پھیلنے کے باوجود احسن کو وہ تحریر حفظ تھی کیونکہ وہ ان کاغذوں میں درج اس پانچ سطرہ تحریر سے گزشتہ دو سالوں سے کھیل رہا تھا تحریریں صرف آتی تھیں اس نے کبھی بھی ان تحریروں کا جواب دینے کی نہ تو کوشش کی تھی اور نہ ہی ضرورت محسوس کی تھی لیکن آج کی تحریر میں ان لفظوں کے ساتھ شاہد آنسوؤں کی آمیزیش بھی شامل تھی احسن کو یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کا دل اپنی مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ اس نے بے بس سا ہو کر ساتھ رکھا ہوا سفید شفاف کاغذ اٹھایا تھا اور قلم دان سے ایک قلم بھی اٹھایا تھا اور پھر اس نے دھیرے دھیرے قلم کاغذ پر گھسیٹنا شروع کیا تھا۔

"سمندر کی اڈتی لہروں سے وحشت

آکاش کے گہرے نیلے رنگ سے زیادہ الجھن

آگ کی جلا دینے والی تپش سے زیادہ تجسس

خون کے گاڑھے پن سے زیادہ گہری خواہش

تم سے زور بروز بڑھتی ہوئی وحشت، الجھن، تجسس اور ملنے کی خواہش۔"

اس نے لمحے میں اس کاغذ پر اس کے خط کے جواب میں اپنا پورا دل کھول کر رکھ دیا تھا تحریر لکھنے کے بعد اس نے خاکی کاغذ میں تہہ لگا کر اسے رکھا اور لفافہ بند کر کے ڈاک میں دیے جانے والے خطوں کے ساتھ رکھ دیا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس خط کا جواب لکھنا اس کی غلطی تھی یا فاعدہ یہ تو آنے والا وقت بہتر بتانے والا تھا۔

اس عشق دے وچ یاروں
کجھ کہیا نہیں جاندا
رولا پایا وی نہیں جاندا
چپ ریا وی نہیں جاندا
صبر کیتا نہیں جاندا
ظلم سہیا نہیں جاندا
اس عشق دے وچ یاروں
رولیا وی نہیں جاندا
سیا وی نہیں جاندا
تے مریا وی نہیں جاندا

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں آرا آج چیخ رہی تھی اس کی کیفیت ہذیانی ہو رہی تھی جیسے خود سے اس کا اختیار ختم ہو رہا ہو آج ایک مہینے بعد اس کی خشک آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے اور وجہ نادرد تھی وہ آواز کے ساتھ انتہائی اونچا رو رہی تھی زنجیر میں جکڑی اس کی کلائیوں پر خون بہہ کر جم چکا تھا پیر مسلسل بندھنے کے باعث سوجھ چکے تھے جسم کا پور پور درد کی انتہا گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ آج جسم کی نہیں دل کی تکلیف پر چیخ رہی تھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کا دل دو ٹکروں میں بانٹ دیا ہو لیکن وہ جانتی تھی چاہے وہ کتنا بھی رو لے لیکن اس کی تکلیف کو محسوس کرنے والا وہاں کوئی بھی نہیں تھا چیخ کر اس کا گلہ بیٹھ گیا تھا اور اس کی آواز بند ہو گئی تھی بے تحاشہ رونے کے باعث اس کی ہمت دھیرے دھیرے ختم ہو گئی تھی اور وہ گہری بے ہوشی میں جا چکی تھی۔

****

وہ اپنے بستر پر بیٹھی مسلسل دل و دماغ کی جنگ میں الجھی ہوئی تھی ایک طرف سے ضمیر تھا جو اس کی غلطی پر اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا تو دوسری طرف دل تھا جو بس جبرئیل کی ہی آرزو کر رہا تھا ضمیر کہہ رہا تھا کہ وہ گناہ کر چکی ہے اور دل کہہ رہا تھا کہ پیار اور جنگ میں سب

کچھ جائز ہے وہ سر تھامے ہوئے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی جب پاس رکھا ہوا اس کا فون چیخا تھا اس نے بے دھیانی میں ہی ہاتھ بڑھا کر فون کان سے لگایا تھا لیکن مقابل کی آواز سن کر وہ اپنی جگہ اچھل ہی گئی تھی وہ تو یہ بھول ہی گئی تھی کہ جس کام میں وہ ہاتھ ڈال چکی ہے وہ ابھی پوری طرح سے ختم نہیں ہوا ہے اس نے تھوک نگلتے ہوئے ہیلو بولا تھا۔

دوسری جانب سے جو مطالبہ کیا گیا تھا وہ صاریہ کو سلگانے کے لیے کافی تھا۔

"کس چیز کے پیسے ؟ اسے مارنے کے پیسے دیے تھے میں نے مگر وہ مری نہیں ہے ابھی بھی زندہ سلامت ہسپتال کے بستر پر پڑی ہوئی ہے اور جب تک وہ مرے گی نہیں جبرئیل میرا کبھی ہوگا بھی نہیں۔ "

اس کے لہجے میں اس لمحے نفرت تھی کچھ دیر پہلے والے ضمیر کی ملامت کرتی آواز کہیں جا سوئی تھی محبت صاریہ پر سر چڑھ کر بول رہی تھی دروازے کے باہر کھڑی عشرت جہاں ایک بار جی جان سے لرز گئی تھیں انہوں نے سہارے کے لیے دیوار تھامی تھی وہ تو صاریہ کو اپنے ہسپتال جانے کے بارے میں بتانے آئی تھیں مگر یہ کیا جو کچھ انہوں نے سنا تھا اس نے تو گویا ان کے پیروں تلے زمین ہی کھینچ لی تھی سارا مان سارا غرور ساری محبت صاریہ نے ایک لمحے میں مٹی میں ملا دیا تھا۔ وہ اس لمحے اسے جھنجھوڑنا چاہتی تھیں اس کا گریبان پکڑنا چاہتی تھیں لیکن اس وقت جو سب سے ضروری کام زارا کو صاریہ سے بچانا تھا

کیونکہ جو ایک بار کسی کو مارنے کی کوشش کر سکتا ہے وہ دوسری بار بھی یہ کرنے سے ہچکچائے گا نہیں اور اسی وقت سے عشرت جہاں ڈر رہی تھیں صار یہ ان کی نظروں سے ایسی گری تھی کہ وہ اگر اپنا مقام بحال کرنے میں صدیاں بھی لگا دیتی تو وہ بھی کم پڑ جاتیں انہوں نے اپنے فون پر جبرئیل کا نمبر ملایا تھا اور فون کان سے لگا کر اپنے کمرے کی جانب چل پڑی تھیں انہوں نے اپنی زندگی کا مشکل ترین فیصلہ لمحوں میں کیا تھا اور اب وہ اس کی تکمیل چاہتی تھیں وہ جانتی تھیں کہ جس سے وہ امید وابستہ کر رہی ہیں وہ امید ٹوٹنے نہیں دے گا کیونکہ کچھ امید ہوتی ہی جڑنے کے لیے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گزشتہ تین روز سے گوا میں تھے تین روز سے انہوں نے گوا کا چپا چپا چھان مارا تھا لیکن انہیں کہیں بھی علینہ کا کوئی بھی سراغ نہیں ملا تھا انہوں نے اس کے سارے دوستوں سے بھی پوچھ گچھ کر لی تھی اور جو بات انہیں سننے کو ملی تھی وہ یہ تھی کہ ایک مہینہ پہلے ارجن اور علینہ ہوٹل سے ایک ساتھ گھومنے پھرنے گئے تھے اور پھر کافی دیر گزر گئی دونوں واپس ہی نہیں آئے سب نے انہیں مل کر خوب تلاش کیا لیکن پھر وہ جب نہ ملے تو سب یہی سوچ کر خاموش ہو گئے کہ اپنے گھروں میں چلے گئے ہوں گئے۔ ہر طرف سے یہ جواب سن کر وہ تھک گئے تھے انہیں فکر تھی کہ اگر علینہ نہ ملی تو وہ جواب کیسے دیں گئے اپنی کمیونٹی کو اور

سب سے بڑھ کر اس کو جس کو جواب دینا داور کمال کو اپنی زندگی کا مشکل ترین کام لگتا ہے اور پھر امید لگائے بیٹھی صمن بیگم کو وہ علینہ کی وجہ سے اچھی خاصی مشکل سے دوچار ہو گئے تھے دیکھنا یہ تھا کہ وقت ان کو کہاں لے کر جاتا ہے۔

وہ مزید دو دن گووار کنے کا ارادہ رکھتے تھے اور اب دو دنوں میں بھی انہوں نے اس کو تلاش کرنا تھا اور اگر وہ نہ ملی تو پھر انہیں واپس معمبی کے لیے نکل جانا تھا۔

وہ گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے گہری سوچوں میں تھے جب قریب سیٹ پر رکھا ہوا ان کا فون چیخا تھا ان کے لیے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ فون کس کا ہوگا کیونکہ سکرین پر نام کی بجائے نمبر آرہا تھا انہوں نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تھا دوسری جانب کی آواز سن کر وہ کچھ لمحے کے لیے خاموش سے ہو گئے تھے کیونکہ شاہد جو سوال پوچھے جا رہے تھے ان کے جواب دینے کی پوزیشن میں داور کمال اس وقت نہیں تھے۔

"خاموشی میرے ذہن میں آپ کی شخصیت مشکوک کر رہی ہے اس لیے جو پوچھا جا رہا ہے ٹھیک ٹھیک اس کا جواب دیں۔"

دوسری جانب سے برفیلے لہجے میں انتہائی پر اسرار دھمکی دی گئی تھی جس کے باعث داور کمال نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"بہت تلاش کیا مگر وہ اب تک نہیں ملی۔"

ان کا لہجہ تھکا ہوا تھا جو مقابل کو بھی محسوس ہوا تھا۔

"وہ اب ملے گی بھی نہیں. بیٹیاں جب خود سر ہو کر گھروں سے پیر باہر نکالتی ہیں نہ تو وہ پھر اتنی دور تک جا چکی ہوتی ہیں کہ ماں باپ کی ان تک رسائی ختم ہو جاتی ہے یا کچھ ماں باپ بیٹیوں سے کبھی کبھی اتنا فاصلہ بڑھا لیتے ہیں کہ وہ فاصلہ ناپتے ناپتے ایک عمر بیت جاتی ہے اور پھر بھی انسان وہی کا وہی کھڑا ہوتا ہے جہاں سے ناپنا شروع کیا ہوتا ہے۔"

اس کے لہجے میں ایک حسرت پنہاں تھی جو داور کمال جیسے خشک انسان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا ان کو صرف خوف تھا اس کے علاوہ ان کا دل ہر جذنے سے خالی تھا اور خالی دل میں کھوکھلاہٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا اور کھوکھلی چیز کبھی بھی معیاری اور پائیدار ثابت نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمیر یونٹ میں آج ایک بار پھر سے کرنل خاور کی صدارت میں اجلاس جاری تھا انہوں نے ایک بار پھر سے گزشتہ کیس کھول کر رکھ دیا تھا طریقہ واردات ایک سا تھا جگہ بھی وہی تھی صرف وقت بدلا تھا تیرہ سال پہلے شروع ہوا پھر ایک دم سے پے در پے دو شہادتیں پھر یہ سلسلہ رک گیا اور اب اسی انداز سے ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

"جبرئیل!"

کرنل خاور نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔

"یس سر!"

اس نے چونک کران کی پکار کا جواب دیا تھا۔

"جس گینگ کو ہم نے پکڑا ہے ان سے کیا معلومات سامنے آئی ہے؟"

وہ انتہائی سنجیدہ انداز میں اس سے باز پرس کررہے تھے۔

"سر! ابھی تک میں براہ راست ان سے نہیں ملا ابھی تک اپنے طور پر کیپٹن شمس نے ان کی خوب خاطر کی ہے لیکن وہ کچھ اگلے نہیں ہیں مجھے لگتا ہے مجھے اپنا ہی طریقہ آزمانا پڑے گا۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے ان سے کہا تھا۔ میز پر رکھا ہوا اس کا فون مسلسل وائیبر ئیٹ ہورہا تھا جسے نظرانداز کرکے وہ میٹنگ بھگتانے میں مگن تھا مگر اس کی امی کی آتی مسلسل کال اس کے اندر تجسس کو ہوا دے رہی تھی۔

"اوکے دین فائن جینٹل مین ٹیک یور پوزیشنز اینڈ سٹارٹ یور ورک میٹنگ از اوررناو۔"

وہ کہتے ہوئے اپنی نشت سے اٹھے تھے اور لمبے لمبے ڈنگ بھرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے تھے اس نے بھی اپنا بجتا ہوا فون اٹھایا تھا اور میٹنگ روم سے باہر آگیا تھا۔

"اسلام علیکم امی!"

اس نے چھوٹتے ہی سلام جھاڑا تھا۔

"وعلیکم اسلام کیسے ہو؟"

انہوں نے اس سے سرسری سا پوچھا تھا لہجے میں کوئی مسکراہٹ کی آمیزیش شامل نہیں تھی جس نے جبرئیل کی ساری حسیں ایک لمحے میں ہی بیدار کی تھیں کیونکہ جتنا وہ اپنی ماں کو جانتا تھا شاہد دنیا میں اتنا کوئی بھی نہ جانتا ہو۔

"سب خیریت؟"

اس نے ان کی بات نظرانداز کر کے اپنا سوال پوچھا تھا کیونکہ اسے شدت سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

"تم پشاور آسکتے ہو آج رات تک؟"

انہوں نے اس کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی بجائے سید حامدے کی بات کی تھی۔

"لیکن کیوں امی! سب خیر تو ہے نہ؟"

اس کی تفتیش تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی سوال تھے کہ نئے نئے جنم لے رہے تھے۔

"کبھی کبھی کیوں کا جواب نہیں ہوتا بچے کیونکہ زندگی ایسی نہج پر آکر کھڑی ہوجاتی ہے کہ کیوں، کہاں، کب، کیسے سب ختم ہوجاتا ہے اور کرنا ہے اور ہونا ہے باقی رہتا ہے تم سمجھ لو تمہاری زندگی سے بھی یہ سب الفاظ اور ان کے معنی ختم ہوچکے ہیں اس میں بھی اب

ہونے اور کرنے کی حثیت بچی ہے میں رات کو کھانے پر تمہارا انتظار کروں گی خدا حافظ۔"

فون بند ہو چکا تھا لیکن جبرئیل ان کے لفظوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا کیونکہ اسے اس لمحے عشرت جہاں کی ایک بھی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کچھ باتوں کے مطلب وقت کے ساتھ سمجھ میں آتے ہیں اور وہ وقت دور نہیں تھا جب بہت سی باتیں اس پر آشکار ہونے والی تھیں۔

"اوئے چل بھی کدھر کھو گیا؟"

اسامہ نے اس کے آگے چٹکی بجائی تو وہ اپنی محویت سے باہر نکلا تھا۔

"کہاں چلوں؟"

وہ بے دھیانی میں بول رہا تھا جیسے اس لمحے اس کے ذہن سے ساری کی ساری باتیں نکل گئی تھیں۔

"آج طراب ہسپتال جا رہا ہے گلاب کا گلدستہ لے کر مائرہ کو پرپوز کرنے کے لیے۔"

اسامہ نے اپنی مسکراہٹ بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے جبرئیل کو بتایا تھا۔

"تو گلدستہ دینے وہ جا رہا ہے تو کس چکر میں اتنا خوش ہو رہا ہے کہیں تو نے بھی تو کسی کو گلدستے دینے کے ارادے تو نہیں کر رکھے؟"

وہ ایک لمحے کے لیے ذہن میں گردش کرتی باتوں کو بھول کر مکمل طور پر اس کی جانب

For more visit (exponovels.com)

متوجہ ہوا تھا اس کی بات کے جواب میں اسامہ کا چہرہ یک لخت بجھا تھا اور چھن سے صاریہ کا سراپہ اس کی آنکھوں کے پردوں پر لہرایا تھا لیکن یہ صرف ایک لمحے کا ارتکاز تھا اس کے بعد اسے یاد آگیا تھا کہ صاریہ خان جبرئیل کی محبت میں گرفتار ہے اور اس کے بعد اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ کون کون یک طرفہ محبت کی آگ میں جل رہا ہے وہ خود تو جل ہی رہا تھا اس کے ساتھ ساتھ اس کی محبت بھی یک طرفہ محبت کی آگ میں جھلس رہی تھی لیکن اسے اس چیز کا اندازہ نہیں تھا جس آگ کی تپش ابھی اس کو جلا رہی ہے جلد ہی اس کے بھمبھڑ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیں گئے پھر جو تکلیف حصے آتی ہے نہ اس کا مرہم مشکل سے ہی ملتا ہے۔

"پاگل ہو گیا ہے کیا میں کسے گلدستے دوں گا ابھی میرے اتنے برے دن بھی نہیں آئے کہ میجر اسامہ لڑکیوں کو گلدستے بانٹتا پھرے۔"

آنکھوں میں چمکتی ہوئی نمی کو بے حد مہارت سے چھپانے کے بعد وہ مسکرا کر بولا تھا جس پر جبرئیل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تو طراب کے ساتھ چلا جا میں پشاور جا رہا ہوں ماں نے مجھے ابھی وہاں بلایا ہے اس وقت نکلوں گا تو رات تک پہنچ جاوں گا جو بھی مسئلہ ہو مجھے فون پر بتا دینا ویک اینڈ کے بعد میں واپس آجاوں گا۔"

جبرئیل نے اس کے گلے لگتے ہوئے اس سے کہا تھا اور خود اپنی ملٹری جیپ کی جانب بڑھ گیا تھا جو یونٹ کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ اسامہ نے نم آنکھوں سے اس کی جیپ کو دور تک دیکھا تھا۔

"کاش میں تجھے سمجھا پاتا جبرئیل کہ میری محبت تجھ سے کتنی محبت کرتی ہے اگر تو سمجھ لے تو کم از کم ہم دونوں میں سے کوئی ایک تو خوش رہ سکے لگتا ہے تقدیر نے ہم دونوں کو ایک ہی جیسے زخم دینے کا فیصلہ کیا ہے وہ تیرے لیے تڑپ رہی ہے اور میں اس کے لیے۔"

دل کے بڑھتے ہوئے درد کو اسامہ نے آنکھیں میچ کر دبایا تھا کون کہہ سکتا تھا کہ ایک ہونہار اور قابل آرمی آفیسر بھی محبت سے ہار سکتا ہے ہاں میجر اسامہ احمد بھی محبت سے ہار گیا تھا ہمشہ کی طرح محبت اس پر غالب آگئی تھی۔

رنگ بدلا یار کا وہ پیار کی باتیں گئیں
وہ ملاقاتیں گئیں وہ چاندنی راتیں گئیں
پی تو لیتا ہوں مگر پینے کی وہ باتیں گئیں
وہ جوانی وہ سیہ مستی وہ برساتیں گئیں
اللہ اللہ کر کے بس ایک آہ کرنا رہ گیا
وہ نمازیں وہ دعائیں وہ مناجاتیں گئیں

حضرت دل ہر نئی الفت سمجھ کر سوچ

اگلی باتوں پر نہ بھولیں آپ وہ باتیں گئیں

راہ ورسم وہ دوستی قائم تو ہے مگر حفیظ

ابتدائے شوق کی وہ لمبی ملاقاتیں گئیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فضا میں شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے وہ مہرون سلک کا سکارف سیاہ شلوار قمیض پر اوڑھے دالان کے باہر بنے چھوٹے سے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی آج اس کے ہاتھ میں قرآن پاک نہیں تھا وہ تنہا بیٹھی زمین کو گھور رہی تھی آنکھیں موٹے موٹے آنسوں سے لبالب بھری ہوئی تھیں گلابی رخساروں پر بھی کچھ نمی چھلکی ہوئی تھی خوبصورت عنابی ہونٹ بھی لرز رہے تھے وہ مسلسل اپنے ہونٹ دانتوں تلے کاٹ کر اپنی بے ساختہ امڈنے والی سسکیوں کا بے دردی سے گلہ گھونٹ رہی تھی۔ کیا تھی وہ اور کیا بن گئی تھی فاطمہ نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اسے اس نہج پر لے آئی گی جہاں درد کی شدت اتنی زیادہ ہوگی کہ سمبھالنے سے بھی سمبھل نہیں پائے گی جہاں دل درد سے بھرا ہوا ہوگا لیکن درد بانٹنے اور آنسو چننے والے لوگ بہت کم ہوں گئے بے بسی کی انتہا ہوگی اور وہ خود چاہ کر بھی اپنی اس بے بسی کو ختم نہیں کرپائے گی بے ساختہ خاموش صحن میں اس کی سسکی ابھری تھی۔

"سسکیاں درد کم نہیں کرتی ہیں پتر بلکہ یہ تو درد کو اور بھی ہوا دے دیتی ہیں۔"
دالان سے اماں بولتے ہوئے برآمد ہوئیں تھیں۔
"نہیں اماں! کچھ سسکیاں وقتی سکون فراہم کرتی ہیں اور بعض اوقات وقتی سکون بھی کافی ہوتا ہے۔"
اس نے اپنے بہتے ہوئے آنسوں کو خشک کرنے کی بالکل بھی کوشش نہیں کی تھی وہ متواتر بہہ رہے تھے۔
"پتر وقتی سکون سے پیٹ وہ لوگ بھرتے ہیں جنہیں کبھی ازلی سکون میسر نہیں ہونا ہوتا لیکن تیرے نصیب میں تو اللہ سوہنے نے وہ ازلی سکون لکھا ہوگا انشاء اللہ تو کیوں تو وقتی سراب کی مسافر بن رہی ہے ٹھنڈ رکھ۔"
اماں نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کے گال رگڑے تھے۔
"نصیبوں کے کھیل تو وہی جانے اماں میری ذات پر گرہن تو لگ ہی چکا ہے پھر وقتی سکون ملے یا ازلی وہ اب شفاف نہیں ہو سکتی۔"
اس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔
"گرہن لگی چیز سب سے خوبصورت ہوتی ہے اور اس گرہن لگی چیز کو سو میں سے کوئی ایک پسند کرتا ہے اور وہی سب سے خوش نصیب ہوتا ہے جھلی۔"

For more visit (exponovels.com)

انہوں نے اپنے لب اس کے سکارف میں لپٹے سر پر رکھے تھے کہ باہر کا دروازہ زور سے بجا تھا۔

"جا تو دروازہ دیکھ کہ کون ہے میں زرہ رات کی روٹیاں ڈال لوں۔"

وہ اس کے گال تھپتپاتے ہوئے دالان کے بائیں جانب بنے چھوٹے سے کیچن کی جانب بڑھ گئیں جبکہ وہ اپنے آنسو رگڑتے ہوئے دروازے کی جانب چلی گئی دروازے کو جکڑی کنڈی کھولنے کے بعد جونہی اس نے دروازہ کھولا سامنے اسے یونیفارم میں کھڑے ہوئے پایا جو یک لخت اسی کی جانب دیکھ رہا تھا سیاہ شلوار قمیض پر مہرون سکارف اوڑھے سرخ آنکھوں اور گلابی چہرے پر لرزتے ہوئے گلابی پنکھڑی جیسے لب شمس کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یک لخت پلکیں جھپکائے صرف اسے ہی دیکھ رہا تھا اور فاطمہ اس کی نظروں کا ارتکازا اپنے چہرے پر محسوس کرکے بھی گم سم اس کی جانب بالکل ویسے ہی ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی جیسے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ شمس کو بے حد عجیب لگا تھا کہ اس کے اس طرح دیکھنے سے بھی فاطمہ نے نہ تو نظریں جھکائیں اور نہ ہی نظریں پھیریں بلکہ اس کے چہرے پر شمس کو ایک عجیب سے طنز کا احساس ہوا تھا اتنا کہ وہ خود اپنی نظریں پھیرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"دوبارہ ایسے مت دیکھیے گا کہیں یوں نہ ہو آپ کا خوبصورت عکس میری نظروں کے

سامنے ہی ایک لمحے میں چکنا چور ہو جائے۔"

لہجے میں ایک عجیب سی تنبیہی تھی جو شمس کو بے حد ناگوار گزری تھی اس کے ماتھے پر ایک لمحے کے توقف کے اندر بے شمار بل نمودار ہوئے تھے جن پر قابو پاتے ہوئے اس نے فاطمہ کو بے حد زور سے کلائی سے تھاما تھا۔

"کیوں میرا عکس کیوں تمہاری نظروں میں چکنا چور ہو گا تم سمجھ کیا رہی ہو مجھے؟ ہاں بولو؟"

لہجے میں عجیب سی ضد شامل تھی غصے کے باعث اس کی آنکھیں لال آنگارہ ہو رہی تھیں اور فاطمہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے ایک لمحے کے توقف کے بعد فاطمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گئے اور ان کی تپش اسے جلا کر راکھ کر دے گی۔

"میں کیا سمجھوں گی کسی کو یہاں کوئی کسی کو سمجھنے کا وقت ہی کہاں دیتا ہے لوگ تو کچھ سمجھنے سے پہلے ہی اپنی اوقات دیکھا دیتے ہیں۔"

ایک جھٹکے سے اس نے شمس کی گرفت سے اپنی کلائی آزاد کرائی تھی اور رخ موڑ کر اندر کی جانب چلی گئی تھی جبکہ وہ وہیں گم سم کھڑا اس کے برسائے گئے نشتروں کا مطلب سمجھنے میں لگا ہوا تھا لیکن وہ بے خبر تھا کہ جب روح پر نشتر چل کر اسے گھائل کر چکے ہوتے ہیں تو محض چند لفظوں کے تیر کچھ اثرانداز نہیں ہوتے اور شاہد ابھی اسے یہ بات سمجھنے میں وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اندھیرے میں لیٹی وہ مسلسل کمرے کی چھت کو گھور رہی تھی۔

"کیا کسی کی زندگی اتنی سستی ہوتی ہے کہ جب وقت ہوا ختم ہو جائے۔"

زارا کا دماغ بے دریغ سوالوں سے پھٹ رہا تھا اور ہر سوال کے جواب میں ایک سوالیہ نشان تھا کیونکہ وہ کسی بھی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

"کیا کوئی کسی سے بہت سی امیدیں باندھ سکتا ہے؟"

اس نے رخ موڑتے ہوئے سوچا تھا اور پھر ہولے سے بڑبڑائی تھی رخ موڑنے سے اس کی کمر میں شدید تکلیف ہوئی تھی مگر وہ سیدھا لیٹے لیٹے تھک چکی تھی۔ اسے ہسپتال سے گھر آئے بارہ گھنٹے بیت چکے تھے برنولا اس کے ہاتھ پر ابھی بھی موجود تھا۔

"ہاں جب کوئی بہت سی امیدیں دلائے تو امیدیں باندھنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

قریب کہیں سے آواز ابھری تھی۔ زارا کو آواز جانی پہچانی لگی تھی لیکن وہ اس لمحے غنودگی میں تھی۔

"دل نہ اب ہر امید سے نجانے کیوں خالی سا ہو گیا ہے۔"

وہ منہ میں ہی منمنائی تھی۔ جبرئیل کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی لیکن وہ ضبط کر گیا تھا۔

"دل تب خالی ہوتا ہے جب آپ اس کو خالی کر دیتے دل تو ہے ہی امیدوں کا قبرستان

جہاں بے شمار امیدیں دفن ہوتی ہیں کم از کم اس قبرستان کو تو آباد ہونا چاہئیے۔"
آواز میں لو دیتی تپش تھی جملے ایسے تھے کہ زارا کی بند ہوتی آنکھیں لمحے میں کھلی تھیں لیکن غنودگی کی وجہ سے سارا منظر دھلا تھا انجیکشن کے باعث وہ نیند میں جا رہی تھی اسے اپنے قریب اندھیرے میں ایک لمبا چوڑا عکس دکھا تھا مگر حواس بحال ہوتے تو پھر نہ اسے بس وہ جملے سنائی دے رہے تھے اور وہ ان جملوں کا جواب اس قدر دھیرے دے رہی تھی کہ اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بول کیا رہی ہے بس اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے لب ہل رہے ہیں مگر کیا بولنے سے ہل رہے ہیں اسے بالکل پتہ نہیں چل رہا تھا۔
"قبرستان قبروں سے آباد ہوتے ہیں خواہشوں سے نہیں اور میں نہیں چاہتی ابھی کہ میں اپنے دل میں اپنی فرسودہ خواہشوں کا قبرستان بنا کر بیٹھ جاوں۔"
غنودگی میں بھی وہ اس کو لاجواب کر گئی تھی۔
"وعدہ ہے تم سے میرا تمہاری کبھی کوئی خواہش مرنے نہیں دوں گا کیونکہ تمہاری ننھی خواہشیں تو پیدا ہی پوری ہونے کے لیے ہوئی ہیں۔'
یہ جملے اس نے دھیرے سے بولے تھے صرف خود کو سنانے کے لیے کیونکہ سامنے بستر پر پٹیوں میں جکڑے وجود کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔
"مجھے حق نہیں ہے کہ میں تمہیں چھو سکوں زارا مگر اس وقت میرا دل چاہ رہا میں تمہیں چھو

کر محسوس کروں اس لیے مجھے معاف کر دینا۔"

اس نے بولتے ہوئے تکیے پر بکھرے اس کے گھنگریالے بالوں کی جانب دیکھا تھا جس کی کچھ لٹیں اس کے چہرے کو چوم رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر بے حد آہستگی سے ان لٹوں کو اس کے چہرے پر سے ہٹایا تھا۔ گندمی چہرے پر اس لمحے سرخی کی بجائے پیلاہٹ گھلی ہوئی تھی جبرئیل نے اپنے لب سختی سے بھینچے تھے اور ہاتھ سے اس کا گال چھوا تھا جو اتنا نرم تھا کہ اسے اس کی نرمی اپنے وجود میں محسوس ہوئی تھی خوبصورت آنکھیں بند تھیں گلابی ہونٹ خشک تھے اس نے اس کے وجود پر کمبل درست کیا تھا اور مٹھیاں بھینچتے خود پر ضبط کرتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آیا تھا اس کا رخ اب عشرت جہاں کے کمرے کی جانب تھا کیونکہ وہ واپس آکر سیدھا زارا کے کمرے میں ہی آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاکستان میں رات اپنے پر پھیلا چکی تھی جبکہ شکاگو میں تو جیسے پو ابھی ہی پھوٹی ہو اس قسم کا سماں تھا لیٹر باکس بے شمار لیٹرز سے بھرا ہوا تھا۔ غلام بخش اپنے سارے کاموں سے فارغ ہو کر لیٹر باکس کی جانب آیا تھا اور اس کا ڈھکن کھول کر وصول ہونے والے سارے خط نکال کر پینٹ ہاوس واپس آگیا تھا۔ آج وہ ابھی تک سو رہی تھی پتہ نہیں کونسی نیند تھی جو آج گہری تھی ورنہ ایس۔ کے کو صبح جلدی اٹھ کر نماز پڑھنے کی عادت تھی مگر آج وہ ابھی

تک سوئی ہوئی تھی اب تو دوپہر ہونے کو تھی۔ غلام بخش تھک کر اور کچھ تشویش سے ماسٹر بیڈروم کی جانب بڑھا تھا وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی دروازہ لاک کر کے نہیں سوتی ہے اس لیے بلا جھجک ناب گھما کر دروازہ کھول کر اندر بڑھ گیا تھا۔ کمرے میں تمام پردے برابر ہونے کے باعث نیم اندھیرا تھا دروازہ کھولنے سے سگریٹ کی تیز بو غلام بخش کے نتھوں سے ٹکرائی تھی اور جب اس کی نظر فرش پر گئی تو اسے اپنا دماغ سن ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لیٹرز اس کے بیڈ پر پھینکنے کے سے انداز میں رکھے اور خود اس کی جانب بڑھا ماسٹر بیڈروم کا پورا گرے قالین سگریٹ کے آدھ جلے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا کچھ ایس ٹرے میں تھے تو کچھ اس سے بھی باہر گر رہے تھے۔

"ایس کے! ہوش کریں۔"

اس نے اس کے گال تھپتپائے تھے مگر وہ بالکل بھی ہوش میں نہیں آئی تھی اس نے پریشانی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو رائٹنگ ٹیبل پر اسے پانی کا بھرا ہوا جگ نظر آیا اس نے جگ تھام کر اس میں سے چند چھینٹے اس کے منہ پر مارے تھے۔ پانی کے قطرے منہ پر پڑنے کے باعث اس کی آنکھیں کچھ کھلی تھیں نشہ اس پر اتنا حاوی ہو گیا تھا کہ وہ گہری بے ہوشی میں چلی گئی تھی۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟"

غلام بخش نے فکر سے اس سے پوچھا تھا جس کی آنکھیں اب تقریبا پوری کھل چکی تھیں لیکن اس کے حواس ابھی بھی پوری طرح سے بیدار نہیں ہوئے تھے اس نے بیڈ کراون سے سر ٹکایا تھا لمبے شہد رنگ بال کسی آبشار کی مانند اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے شہد رنگ ہی آنکھوں میں نیند کی خماری موجود تھی سرخ و سپید رنگت دمک رہی تھی سفید نائٹ سوٹ میں ملبوس وہ غلام بخش کی محبت تھی جو اس لمحے قیامت خیز حسن لیے اس کے سامنے موجود تھی۔ اس کے قیامت خیز حسن کو سراہنے کا اختیار غلام بخش کے پاس نہیں تھا اس لیے وہ خاموشی سے اپنی نظریں جھکا گیا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے کہ اتنے سگریٹ اور شراب مت پیا کریں کسی دن مر گئی تو؟"

اس کے لیٹر زا کھٹے کر کے رائیٹنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔

"ہاہا! ایس۔ کے مرنے کے لیے نہیں مارنے کے لیے پیدا ہوئی ہے غلام بخش تمہیں کتنی بار یہ بات سمجھانی پڑے گی ہر بار تم بھول جاتے ہو پھر تمہیں نئے سرے سے یاد دلانا پڑتا ہے کہ کچھ لوگوں کو اللہ کسی مقصد کے لیے ہی دنیا میں بھیجتا ہے اور میرا مقصد خان ہاوس کی تباہی ہے بس اور وہ وقت دور بھی نہیں ہے جب میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوں گی۔"

وہ اپنے آبشار کی مانند بکھرے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے میں باندھتے ہوئے بول رہی تھی

اور اس کے عزم پر غلام بخش بے ساختہ مسکرایا تھا اسے بعض اوقات حیرت ہوتی تھی کہ کوئی عورت فولاد کے جیسی مضبوط کیسے ہو سکتی ہے وہ کبھی یہ بات نہ مانتا اگر وہ اپنی زندگی میں بہت قریب سے ایس۔ کے کو نہ جانتا ہوتا لیکن اب وہ یہ بات مانتا تھا کیونکہ نہ صرف وہ ایس۔ کے کو جانتا تھا بلکہ وہ تو اس کی محبت میں بھی بہت حد تک ڈوبا ہوا تھا۔

"آپ کو یاد کرانے کی ضرورت نہیں ہے اتنی بار بول دیتی ہیں کہ ویسے ہی حفظ ہو چکا ہے۔"

اس نے اس کی جانب مڑتے ہوئے کہا تھا جس پر ایس۔ کے بے اختیار مسکرائی تھی جب مسکرائی تو بائیں گال پر پڑا ہوا گڑھا کچھ گہرا ہوا تھا غلام بخش نے آنکھیں بند کر کے ایک گہرا سانس بھرا تھا اور پھر اس کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا اس نے ایک نظر رائیٹنگ ٹیبل پر رکھے ہوئے خطوط پر ڈالی تھی اور پھر بستر چھوڑ کر واشروم کی جانب چلی گئی تھی۔

"کچھ مان الگ تھا اس پر
کچھ ریت الگ تھی اس کی
کچھ احساس بھی تھے باقی
کچھ الفاظ بھی تھے نشتر
جان پہچان تھی صرف اتنی

کہ لفظ محبت تھا باقی

اسے اپنا کہتے گزر گئے دن

لے کر پھرتا تھا وہ کسی اور کی نشانی

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں نیم اندھیرا پھیلا ہوا تھا وہ بیڈ کراون سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھی ہوئی تھیں تسبیح کے دانے ایک ایک کر کے گر رہے تھے وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر دبے پاوں اندر داخل ہوا تھا اور انتہائی آہستگی سے ان کے پیروں کی جانب بیٹھ گیا تھا۔

اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ ان کے پیر پر رکھا تھا انہوں نے دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں اور پھر نا چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ مسکرائیں تھیں۔

"آگیا میرا بچہ!؟"

انہوں نے چہرے پر پر شفیق مسکراہٹ سجائے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا تھا ماں! آپ بلاتی اور میں نہ آتا۔"

وہ ان سے سوال کر رہا تھا جس کے جواب میں انہیں لگ رہا تھا کہ شاید اس سے اپنی بات منوانی کچھ آسان ہو گئی ہے۔

"آپ ابھی تک سوئی کیوں نہیں؟"

ایک بار پھر اس نے لہجے میں زمانے بھر کی نرمی سموتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

انہوں نے تسبیح چومتے ہوئے سائیڈ میز پر رکھی تھی اور مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"تو صبح مل لیتی مجھ سے؟"

اس کے لہجے میں اپنی ماں کے لیے زمانے بھر کی فکر تھی۔

"صبح تک انتظار کون کرتا۔"

ان کا لہجہ انتہا سے زیادہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا جبرئیل کو کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس شدت سے ہوا تھا لیکن وہ ان کے بولنے کا ہی منتظر تھا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟"

اس نے خود پر ضبط کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اگر میں کہوں ہاں کچھ ایسا ہوگیا ہے جو میں اور تم کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے پھر کیا جواب ہوگا تمہارا؟"

وہ اسے جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر پوچھ رہی تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

"ظاہر ہے اسے جاننے کا تجسس ہی بڑھے گا اور اس غلط کو ٹھیک کرنے کی آرزو۔"
اس نے بالکل وہی جواب دیا تھا جو عشرت جہاں اس سے سننا چاہتی تھیں۔
"پھر اس غلط کو ٹھیک کر دو بچے! زارا سے نکاح کر لو تم نے اس کی حفاظت کی زمہ داری لی ہے نہ تو اسے پورا کرو برگیڈیر ابراہیم کے بیٹے ہونے کا ثبوت دو جبرئیل!"
وہ حد سے زیادہ جذباتی انداز میں بول رہی تھیں اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کہنا کیا چاہ رہی ہیں۔
"ماں! ریلیکس کیا ہوا ہے آپ کو اور آپ زارا کے بارے میں ایسا کیوں بول رہی ہیں؟"
اس کے ماتھے میں بے دریغ بے شمار بلوں کا اضافہ ہوا تھا اور وہ انتہائی الجھن زدہ سا پوچھ رہا تھا۔
"اس کی زندگی کی حفاظت ایک ہی صورت میں ممکن ہے میرے بچے! اگر تم اسے اپنا نام دو وہ تمہارے حوالے سے پہچانی جائے اس کی جانب اٹھتی ہوئی دنیا کی غلیظ اور بے رحم نگاہیں تب ہی واپس مڑے گی جب تم کسی مضبوط اور جائز رشتے کے تحت اس کے ساتھ کھڑے ہو گے۔"
وہ اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں بدلے میں وہ بالکل خاموشی سے ان کی ساری باتیں سن رہا تھا اتنی خاموشی سے کہ عشرت جہاں کو اس کی اتنی زیادہ خاموشی ڈرا

رہی تھی وہ جب بات کر کے مکمل خاموش ہو گئیں تب بھی وہ ویسے ہی چپ بس ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کچھ بولتے کیوں نہیں ہو تم یہی سمجھ لو کہ یہ تمہاری ماں کا تمہارے لیے حکم ہے اور یہ تمہارے ہی الفاظ تھے کہ میرے کہے گئے جملے تمہارے لیے التجا نہیں حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔"

آخر میں وہ اسے اس کی پرانی بات کا حوالہ دینا نہیں بھولی تھیں جس پر جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"ماں! میں اس کی حفاظت کے لیے اس کے دشمنوں سے لڑ تو سکتا ہوں مگر میں زارا کی آنکھوں میں اپنے لیے بے یقینی برداشت نہیں کر سکتا آپ کے یہ جملے کہیں اس کے دل میں یہ خیال نہ پیدا کر دیں کہ ہم نے اس کی زندگی کی حفاظت کے بدلے اس کی روح خریدنے کا مطالبہ رکھ دیا ہے۔"

جب وہ بول رہا تھا تو چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی وہ ایسا ہی تھا ہمشہ ہر بات کو باریک بینی سے سمجھنے اور سوچنے والا اور اس لمحے بھی جو نقطہ اس نے اٹھایا تھا اسے سننے کے بعد عشرت جہاں بھی کچھ لمحوں کے لیے خاموش سی ہو گئی تھیں لیکن پھر وہ خود کو قدرے کمپوز کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"وہ تمہاری جانب سے کبھی بے یقین نہیں ہوگی اور اس کی گارنٹی میں تمہیں دیتی ہوں۔"
انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔
"ٹھیک ہے اگر وہ راضی ہو جائے گی تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"
اس نے سارا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا تھا مگر اس کا دل عجیب ہو رہا تھا بے شمار وسوسوں نے اس کے دل میں بیک وقت ڈیرے ڈال لیے تھے مگر وہ دل و دماغ کی جنگ میں الجھتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا تھا وہ ڈرائیو کر کے بہت تھکا ہوا تھا اس لیے چینج کر کے جوں ہی بستر پر لیٹا نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
وہ ہوش کی دنیا میں جیسے ہی واپس آئی اس کا دھیان رائیٹنگ ٹیبل پر رکھے ہوئے اپنے خطوط کی جانب گیا تھا شہد رنگ بالوں کو ڈھیلے جوڑے کی شکل دے کر ایس۔ کے رائیٹنگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر اس پر براجمان ہوئی تھی اور ایک ایک کر کے خط کھولنے لگی تھی بے شمار خطوط میں سے کچھ اس کے آفیشل ڈاکومینٹس تھے اور کچھ ڈیلینگ پیپر جو کوریئر سے اسے موصول ہوئے تھے ان تمام خطوط کی مشترک چیز یہ تھی کہ وہ سارے کے سارے امریکہ سے ہی اسے بھجوائے گئے تھے مگر ان خطوط میں سے ایک خط ایسا تھا جو اسے

پاکستان سے آیا تھا کیونکہ اس کی پچھلی طرف پاکستان کی مہر تھی اس نے انتہائی آہستگی سے
خط کا لفافہ چاک کیا تھا لفافہ کھولتے ہوئے اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ
ایس۔ کے کو یوں لگ رہا تھا ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا پہلی بار کوئی کام کرتے
ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اس لمحے لفافہ چاک کرتے ہوئے بھی ایس۔ کے کی
انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔ خاکی لفافے سے باہر ایک سفید رنگ کا تہہ شدہ کاغذ تھا اس نے
دھڑکتے دل کے ساتھ وہ کاغذ کھولا تھا اور اس پر موجود تحریر نے ایس۔ کے کے اعصاب
ضبط کر لیے تھے اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس تحریر کو کیسے برداشت کرے اسے
یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے چہرے کا سارا خون نچوڑ لیا ہو اسے یوں محسوس
ہو رہا تھا کہ وہ اب کبھی دوبارہ سانس نہیں لے پائے گی کیونکہ کسی نے اس سے اس کی
سانسیں چھین لی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پھولوں کے شہر پشاور پر بے حد حسین صبح اتری تھی سبزہ اور پہاڑ خوبصورت لگ رہے تھے
خان ولا میں اس خوبصورت صبح سے لطف اندوز ہونے کے لیے بہت سے لوگ موجود تھے
اس کی آنکھ بھی دھوپ کی سیدھی کرنیں اس کی آنکھوں میں پڑنے سے کھلی تھی جب اس
نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو عشرت جہاں اس کے کمرے کی کھڑکی کے

پردے ہٹا رہی تھیں بیڈ سائیڈ میز پر ناشتے کے لوازمات سے سجی ہوئی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔
انہوں نے پردے ہٹا کر مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تھا بدلے میں وہ بھی مسکرائی تھی۔
"کیسی طبعیت ہے اب؟"
انہوں نے اس کے بال سمیٹے ہوئے پوچھا تھا۔
"بہت بہتر ہے۔"
اس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔
"چلو جلدی سے اٹھو آو میں تمہیں فریش ہونے میں مدد دوں۔"
انہوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا تھا اور پھر واشروم لے کر گئی تھیں کچھ ہی دیر میں جب وہ واشروم سے باہر آئی تو انہوں نے اسے دوبارہ بستر پر بیٹھایا تھا۔
"چلو ناشتہ کرلو بچے!"
انہوں نے ناشتے کی ٹرے بیڈ پر اس کے آگے رکھی تھی اس نے ناشتہ شروع کیا تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ کہاں سے بات شروع کریں آخر کو بہت سوچ بیچار کے بعد انہوں نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔
"زارا بچے!"
ان کی پکار میں انتہا سے زیادہ نرمی تھی اتنی کہ ایک پل کو زارا کا دل زور سے دھڑکا تھا اس

For more visit (exponovels.com)

نے ان کی جانب سر اٹھا کر دیکھا تھا ان آنکھوں میں اس لمحے زارا کو خوف اور بے بسی صاف دیکھائی دی تھی۔

"جی انٹی!"

وہ اپنا ناشتہ چھوڑ کر مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ میرا مقام یہ نہیں ہے کہ میں تم سے اپنی کوئی بھی بات منوا سکوں لیکن پھر بھی ایک آس اور ایک امید کے ساتھ میں آج تمہارے سامنے بیٹھی ہوئی ہوں کہ شاہد تم میرا کہا مان لو کیونکہ میں مزید رسک نہیں لے سکتی۔"

بات شروع کرنے سے پہلے عشرت جہاں نے اچھی خاصی تمہید باندھی تھی۔ زارا نے الجھن بھری نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔"

اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم جبرئیل سے نکاح کر لو بیٹا!"

انہوں نے جیسے اس کی قوت گویائی سلب کر لی تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو الفاظ اس نے ابھی ابھی سنے ہیں کیا واقعی ہی وہ سب اس سے کہے گئے ہیں یا اسے مغالدہ ہوا ہے۔

"جی!!! انٹی!"

اس نے کچھ حیرت اور نا سمجھی سے ان سے پوچھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں زارا بچے ورنہ وہ مار دے گی تمہیں وہ خود غرض لڑکی اپنی محبت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک گر سکتی ہے وہ تمہیں بھی مار دے گی۔"

ان کے کب سے رکے ہوئے آنسوان کے گالوں پر پھسل پڑے تھے۔

"کو۔۔کون مار دے گی مجھے کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

ان کی باتوں نے زارا کو خوف کی اتھا گہرائیوں میں دھکیل دیا تھا۔

"صا۔۔۔صار۔صاریہ!"

انہوں نے رک رک کر انتہائی دھیمے لہجے میں اسے جواب دیا تھا جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا۔

"یہ گولی مجھے کس نے مروائی ہے انٹی؟"

اس نے اپنے آنسو خشک پونچھتے ہوئے ان سے سوال کیا تھا جس پر وہ ایک پل کو نگاہیں جھکا گئی تھیں۔

"پلیز بتائیں انٹی یہ گولیاں کس نے مروائی ہیں مجھے میرے پہلے کسی دشمن نے یا محبت میں ہی میں نے سرعام ایک دشمن پال لیا اس نے؟"

آنسو پونچھنے کے باوجود پھر سے پھسل کر گال پر لڑھک گئے تھے۔

"جبرئیل اس سے محبت نہیں کرتا زارا!"

وہ اسے یقین دلانا چاہتی تھیں کہ جس بیٹے کی خوشی کے لیے وہ اسے مانگ رہی ہیں وہ صرف اس کا ہی ہوگا اس کی محبت میں کسی دوسرے کی محبت شریک نہیں ہوگی۔"

"لیکن وہ تو کرتی ہے نہ اور اتنی کرتی ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی کی جان تک لینے سے بھی گریز نہیں کیا اس نے۔"

زارا نے نفی میں میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"اس خود غرض لڑکی کے لیے میرا بیٹا نہیں ہے زارا وہ قاتل ہے اس نے تمہاری جان لینے کی کوشیش کی ہے اور دوبارہ بھی لے سکتی ہے تمہاری زندگی قیمتی ہے بہت اور وہ صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب تمہارا نام جبرئیل کے نام کا حصہ بن جائے گا۔"

آخر میں انہوں نے اس کو سمجھانے کے سارے ہتھ کنڈے استعمال کر لیے تھے۔

"آپ کیا چاہتی ہیں انٹی میں میجر صاحب سے شادی کر کے ساری زندگی صاریہ جی کی بد دعائیں لیتی رہوں کہ میں نے ان سے ان کی محبت چھین لی ہے۔"

دوسری جانب وہ بھی بے بس ہو گئی تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے۔

"صاریہ جبرئیل سے محبت نہیں کرتی زارا! جبرئیل صرف اس کی ضد ہے وہ اسے وہ کھلونہ سمجھتی ہے جسے حاصل کرنے کی اسے سب سے زیادہ خواہش ہے لیکن ہر بار ہر خواہش

پوری نہیں ہوتی محبت زبردستی حاصل نہیں کی جاتی مگر صاریہ تو اپنی محبت کو زبردستی حاصل کرنا چاہتی ہے میں نہیں جانتی کہ جبرئیل تم سے محبت کرتا ہے یا نہیں مگر وہ تمہاری بہت عزت کرتا ہے وہ تمہاری بے حد فکر کرتا ہے تمہیں اپنی زمہ داری سمجھتا ہے۔"

انہوں نے اسے دوسری طرح سے قائل کرنے کی کوشیش کی تھی۔

"مگر انٹی! ابھی مجھے بہت سارا پڑھنا تھا۔"

اس نے اپنا آخری عذر بھی پیش کر دیا تھا۔

"میں صرف نکاح کر رہی ہوں زارا ابھی رخصتی نہیں اور تم ضرور پڑھو گی جب تک تمہارا دل چاہے تب تک پڑھنا میرا وعدہ ہے تم سے جبرئیل تمہیں نہیں روکے گا وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ دبا کر مسکرا کر کہا تھا۔

"لیکن کیا وہ اس نکاح کے لیے راضی ہیں؟"

زارا نے کچھ جھجھکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اس وقت تمہاری حفاظت سب سے زیادہ ضروری ہے اور تمہاری زندگی بچانے کے لیے جبرئیل کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

انہوں نے اسے دھیرے سے کہا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ جبرئیل زارا کی زندگی کے لیے

ہی فوری مانا ہے۔
زارا ایک پل کو خاموش ہوگئ تھی اور پھر سر ہلا کر ناشتے کی جانب متوجہ ہوگئ تھی عشرت جہاں نے گہرا سانس بھرا تھا اور اس کے کمرے سے باہر جاتے جاتے ایک پل کو رکی تھیں۔
"نکاح کل شام کو ہوگا زارا بچے تیار رہنا آج آنیہ اور زیبا سے بولوں گی تمہارے لیے شاپنگ کر لائیں گی باقی تم بعد میں دیکھ لینا کیونکہ ابھی تم بالکل بھی ٹھیک نہیں ہو۔"
وہ اسے سن چھوڑ کر اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئ تھیں جبکہ کب سے رکے ہوئے زارا کے آنسو تواتر سے بہنا شروع ہوئے تھے۔ ایک ایسی شادی جس میں محبت اور رضامندی سے زیادہ شاہد تحفظ اہم تھا شاہد زندگی اہم تھی تو بچا رہے تھے وہ دونوں ہی زارا نے اپنی زندگی بچانے کے لیے حامی بھری تھی اور جبرئیل نے اس کی زندگی اور اپنی نوکری میں عزت بچانے کے لیے پھر دونوں باتوں میں محبت اور چاہت کہاں تھی شاہد وہ کہیں سوگئ تھی کیونکہ اس لمحے جو کچھ وہ لوگ کرنے جارہے تھے اس میں محبت نامی شے کسی کو بھی یاد نہیں تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
کیا اس نے کبھی سوچا تھا کہ اپنے سے کم از کم گیارہ سال چھوٹی لڑکی سے شادی کر لے گا۔

اگرچہ گیارہ سال بہت زیادہ فرق نہیں تھا ہمارے معاشرے میں اتنا فرق عام سمجھا جاتا ہے لیکن کم از کم جبرئیل خان کو شادی کے لیے ایک میچور لڑکی چاہئیے تھی وہ اپنے کمرے میں بیڈ کے سامنے رکھے کاوچ پر نیم دراز تھا سر تھا کہ درد سے پھٹے جارہا تھا لیکن دماغ میں بیک وقت بہت سی الجھنیں چل رہی تھیں۔

"اگر شادی کے لیے میچور لڑکی چاہئیے تھی تو وہ کیا تھا جو تم پچھلے ایک مہینے سے زارا کے لیے کررہے ہو؟"

ضمیر بھی جی بھر کر آج سامنے آیا تھا۔ اس نے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو پل میں کھولا تھا۔

"وہ میری ڈیوٹی تھی میرا فرض تھا۔"

اس نے ضمیر کو ایک کمزور سی دلیل دی تھی۔

"فرض کی ادائیگی میں کسی سے شادی کی حامی بھی بھر لیتے ہیں واہ جبرئیل واہ یہ تو پہلی بار سنا جارہا ہے۔"

ضمیر نے لفظوں کا ایک قرارا سا تھپڑ اس کے مبہ پر دے مارا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے یہ نکاح بھی محض میری ڈیوٹی کا ایک حصہ ہے۔"

ایک بار پھر سے اس نے اپنے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کو سمبھالتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"یہ نکاح ہے جبرئیل صاحب! انتہائی پاک اور مضبوط بندھن تمہاری ڈیوٹی کی کوئی ڈیل نہیں ہے جسے تم کسی بھی چیز کا حصہ بناو گئے اور جب اس کا مقصد ختم ہو گا تو ختم کر دو گئے یہ عمر بھر کا رشتہ ہوتا ہے کوئی عارضی تعلق نہیں جس کی ضرورت جب پوری ہوئی ختم کر دیا گیا۔"

واہ کیا بات تھی جو اس کا ضمیر اسے سمجھا رہا تھا جبرئیل کو احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کب نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔

رات میں ماہ رخ بیگم اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں جب ان کے کمرے کا دروازہ بجا تھا انہوں نے آنے والے کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی تھی۔ عشرت جہاں ان کے کمرے کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

"ارے بھابھی آپ اس وقت؟"

وہ ان کے اس وقت ان کے کمرے میں آنے پر خاصی حیران ہوئی تھیں۔

"ہاں ماہ رخ! میں نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟"

انہوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے ان سے پوچھا تھا۔

"ارے کیسی باتیں کرتی ہیں آپ آئیں نہ پلیز!"

انہوں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنے سامنے اشارہ کیا تھا وہ چلتی ہوئی وہی پر بیٹھ گئی تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

"ماہ رخ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

انہوں نے تمہید باندھی تھی۔

"جی بھابھی بولیں نہ کیا بات ہے۔"

ماہ رخ بیگم ان کے اس طرح اچانک آنے پر تھوڑی پریشان ہوگئ تھیں۔

"وہ اصل میں ماہ رخ کل زارا اور جبرئیل کا شام میں نکاح ہے۔"

انہوں نے بیڈشیٹ کے ڈیزائین کو گھورتے ہوئے انہیں اس مقصد سے آخر آگاہ کر ہی دیا تھا جس مقصد سے وہ ان کے کمرے میں آئی تھیں۔ ماہ رخ بیگم ایک دم سکتے میں آگئ تھیں اور صرف ماہ رخ بیگم ہی نہیں دروازے میں کھڑی صاریہ کے ہاتھ سے بھی دودھ کا گلاس زمین بوس ہو کر چکنا چور ہو چکا تھا اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہوگیا تھا مانو جسم میں کاٹو تو لہو نہیں وہ بت بنی کمرے میں موجود ان دونوں کو دیکھ رہی تھی اس کے اس ردعمل سے ماہ رخ تو پریشان ہوئی تھیں لیکن عشرت جہاں کے تاثرات اتنے پتھر یلے تھے کہ انہوں نے ماہ رخ بیگم کو بھی چونکنے پر مجبور کردیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ بھابھی ایسے کیسے آپ کسی بھی اجنبی لڑکی سے جس کے نہ خاندان کا پتہ ہے اور نہ ہی ذات کا نکاح کر سکتی ہیں اپنے بیٹے سے؟"

ماہ رخ بیگم نے عشرت جہاں سے لہجے میں انتہائی کڑا سوال کرڈالا تھا۔

"ماہ رخ میرے لیے انسانیت کا درجہ خاندان اور ذات پات سے زیادہ رکھتا ہے میرے لیے اس بچی کی حفاظت اہم ہے ورنہ لوگوں نے تو اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

انہوں نے آخر میں بت بنی صاریہ کی جانب دیکھتے ہوئے طنز سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے بھابھی! جب آپ نے اپنے مرحوم شوہر کے کہے گئے لفظوں کا پاس نہیں رکھا تو میں کیا کہہ سکتی ہوں آپ کا بیٹا ہے جیسا آپ کو مناسب لگے۔"

آخر میں انہوں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"لیکن مجھے فرق پڑتا ہے جبرئیل صرف میرا ہے میں اسے کسی اور کا نہیں ہونے دوں گی اور اس دو ٹکے کی زارا کا تو ہرگز نہیں۔"

غصے میں صاریہ بالکل ہی اپنے آپے سے باہر ہو رہی تھی اس کے اس طرح کے جملے استعمال کرنے پر عشرت جہاں بے حد اشتعال کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھیں تھیں اور صاریہ کے عین مقابل کھڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی خاموش فضا میں تھپڑ کی آواز اپنی پوری قوت سے گونجی تھی اور ساتھ میں عشرت جہاں کے الفاظ بھی۔

"بے حیا، بے شرم لڑکی تمہیں زرہ شرم نہیں آتی اپنی ماں اور تائی کے سامنے ایک غیر مرد کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے کچھ تو شرم کرلو صاریہ تم زارا کو دو ٹکے کی بول رہی ہو نہ کبھی

اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا ہے کہ خود کیا ہو دو ٹکے کی لڑکیوں والی حرکتیں تم خود کرتی ہو اور پھر بھی دو ٹکے کا کسی اور کو ہی بولتی ہو سلام ہے تمہاری ڈھٹائی پر۔ "

انہوں نے انتہائی سخت لہجے میں اس سے کہا تھا جو اپنے بائیں گال پر ہاتھ رکھے ہوئے بے یقینی سے کھڑی ان کی جانب دیکھتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"بڑی امی! آپ؟"

اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی جسے انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بیچ میں ہی روک دیا تھا۔

"خبردار صاریہ! خبردار جو تم نے مجھے بڑی امی کہا ہو کاش کے تم نے اس لفظ کی لاج رکھی ہوتی تو آج میں یہاں کھڑی ہوئی تمہیں تھپڑ نہ مار رہی ہوتی۔ "

انہوں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ ماہ رخ بیگم وہی سن کھڑی اپنی بیٹی کو عشرت جہاں کے ہاتھوں ذلیل ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھیں مگر ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ جھٹک سکتی یا انہیں روک سکتی کیونکہ انہیں خود بھی اندازہ تھا کہ ان کی بیٹی نے کیا حرکت کی ہے۔

"میرا بیٹا اگر تم سے نفرت کرتا ہے نہ تو وہ بالکل ٹھیک کرتا ہے صاریہ کیوں کہ تم میں محبت کرنے لائق کچھ بھی نہیں ہے۔ "

انہوں نے اس کے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوتے دل پر آخری وار کیا تھا اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئی تھیں صاریہ جو بت بنی وہی کھڑی تھی ایک لمحے میں زمین بوس ہوئی تھی۔

میری محبت بھی فقط تھی

دو لوگوں کے لیے ہی

ایک تھا وقت اور ایک تھے تم

ٹوٹ گئی ہوں میں کچھ اس طرح

ظلم ہو گیا ہے مجھ پر کچھ اس طرح

ایک گزر گیا جو گزر گیا وہ وقت تھا

ایک مکر گیا جو مکر گیا وہ تم تھے

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی بھی نہیں بس سکا اس دیار دل میں

کب سے سجا رکھا ہے اس نے نام تیرا

کسی اور کی ضرورت کہاں ہے اس دیار دل میں

For more visit (exponovels.com)

وردِ بس جاری وساری ہی ہے تیرا

ایمن خان

وہ ایک جھٹکے سے زمین پر گری تھی شاہد اب اس کا گرنا ہی بنتا تھا بے شک انسان کے اعمال ہی اسے پستی کی انتہا گہرائیوں میں دھکا دیتے ہیں جس ضمیر کو تھپک کر اس نے دو دن قبل سلایا تھا اسے ابدی نیند سلانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا کیونکہ گناہ تو چھپے ہوئے بھی سامنے آجاتے ہیں پھر صاریہ کا کیوں کر چھپتا اس ایک گناہ نے اس کی محبت اس کی دسترس سے اتنی دور کردی تھی کہ صاریہ اسے دیکھ تو سکتی تھی مگر چھو نہیں سکتی تھی اور یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بے بسی تھی۔ ماہ رخ بیگم لپک کر اس کے بے ہوش وجود کے قریب آئی تھیں جس کی گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے چہرے پر اذیت کی تصویر تھی۔

"آنکھیں کھولو صاریہ"!

انہوں نے اس کے گال تھپتھپائے تھے مگر صاریہ ہوش وخرد سے بیگانہ تھی۔

"سبتے"!

انہوں نے تقریبا چلا کر سبتین کو آواز لگائی تھی جس پر وہ بھی بھاگتا ہوا ان کے کمرے میں آیا تھا۔

"کیا ہوا امی"!

اس کی نظر ابھی فرش پر ہوش وخرد سے بیگانہ صاریہ پر نہیں پڑی تھی۔

"صا۔۔صاریہ"!

ان کا لہجہ انتہا سے زیادہ پریشانی لیے ہوئے تھا جونہی اس نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اس کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔

"کیا ہوا انہیں؟"

اس نے پریشانی سے ان سے پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں بیٹا اٹھاو اسے جلدی سے اور اس کے کمرے میں لے کر جاو۔"

انہوں نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا سبتے نے صاریہ کو اپنے مضبوط بازوں میں اٹھایا تھا اور اس کے کمرے کی جانب چلا گیا تھا۔ یہ بیگانگی محبت کی جانب سے ملی تھی صاریہ نے ہوش اس کے محبت جبرن حاصل کرنے کے باعث کھوئے تھے کاش وہ جذباتی نہ ہوتی کاش قسمت کا لکھا سمجھ کر جبرئیل سے جدائی قبول کرلیتی تو آج شاہد اس کی زندگی مشکل نہ ہوتی شاہد اسے صبر آجاتا مگر اس کی خودسری نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا زندگی نجانے کیوں اس سے روٹھ گئی تھی اسے انتظار کرنا تھا کہ زندگی اس پر مہربان ہوتی ہے کہ نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریوالونگ چئیر پر جھولتا صمن بیگم کا وجود سوگواریت میں ڈوبا ہوا تھا اف وائٹ شفون کی ساڑھی حسب عادت سلیولیس بلاوز کے ساتھ پہنے شولڈر کٹ بالوں کو ڈھیلی پونی میں بندھے وہ آنکھیں بند کیے داور کمال کی سٹڈی میں رکھی راکنگ چئیر پر جھول رہی تھیں۔ آنکھوں سے گرم سیال رواں تھا جسے خشک یا صاف کرنے کی کوشش انہوں نے نہیں کی تھی آنکھوں کے نیچے پڑے ہوئے گھرے ہلکے اب اتنے گھرے اور نمایاں ہو گئے تھے کہ منہ پر کیا گیا منوں میک اپ انہیں ڈھکنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ میک اپ کی شدید تہوں کے باوجود وہ ان کے چہرے کا سب سے بدنما حصہ لگ رہا تھا کیونکہ پچھلے ایک مہینے سے انہوں نے کسی بھی بیوٹی سیلون کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ وہ اپنے آنسوں کو روکنے کی سعی نہیں کر رہی تھیں کیونکہ ان کے بقول داور کمال کی غیر موجودگی ان کے لیے وہ خوشگوار لمحات ہوتے تھے جن میں وہ اپنے اندر بڑھنے والی گھٹن کو فرار کا راستہ فراہم کرتی تھی۔
ابھی بھی وہ آنسو بہا کر یہی کرنے میں محو تھیں جب راکنگ چئیر کے ساتھ پڑے ہوئے میز پر رکھا ہوا ان کا فون چیختا تھا انہوں نے بند آنکھوں کو ہلکا سا کھول کر فون کی جانب دیکھا تھا اور پھر فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"دوا کھائی؟"

دوسری جانب سے لہجے میں بے انتہا فکر مندی تھی۔

"سلام تو لے لو پہلے۔"

انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے مقابل کو کہا تھا۔

"سانس لینے کے لیے عمر پڑی ہے آپ اپنی دوا کا بتائیں؟"

سوال ایک بار پھر سے وہی تھا بس انداز الگ تھا۔

"لے لی۔"

ان کی جانب سے بے حد مختصر گفتگو کی گئی تھی ہمشہ کی طرح۔

"وہ گھر پر نہیں ہے نہ؟"

ہمشہ کی طرح مقابل کو ساری معلومات تھی۔

"جب سب پتہ تو پوچھنے کا مقصد؟"

اب کی بار صمن بیگم عاجز آتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"آپ کے منہ سے سننا تھا۔"

کیا تھا مقابل صمن بیگم سمجھنے سے قاصر تھیں ازلی ڈھیٹ، خود سر بے رخ۔"

انہوں نے گہرا سانس بھرا تھا اور دل ہی دل میں مقابل کو ان سارے القابات سے نوازا تھا۔

"بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی ہے جب کچھ سننا ہی نہیں ہوتا تو فون کرنے کا تردد بھی مت

کیا کرو۔"

ناچاہنے کے باوجود ان کی زبان سے شکوہ پھسل گیا تھا۔

"آپ جانتی ہیں اچھے سے کہ مجھے آپ کی آواز سننا پسند ہیں پھر بھی ایسی باتیں کرتی ہیں میرا دل دکھ جاتا ہے۔"

دوسری جانب سے کہے گئے جملے سے ایک لمحے میں ان کے چہرے پر مسکراہٹ رینگی تھی اور وہ جیسے ہلکی پھلکی ہوگئی تھیں۔

"اپنی راہوں کو مشکل مت بناو۔"

انہوں نے جیسے ہار مانتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"جب تک راہ مشکل نہ ہو منزل نہیں ملتی ایس۔کے"!

دوسری جانب سے انہیں کہا گیا تھا وہ ایک دم خاموش سی ہوگئی تھیں۔

"خیال رکھنا اپنا۔"

انہوں نے کہہ کر کال بند کردی تھی کیونکہ وہ مزید مقابل کے لفظ نہیں سن سکتی تھیں ان کی آنکھوں سے ایک بار پھر سے گرم گرم سیال رواہونا شروع ہوگیا تھا جواب ان کے روکنے میں نہیں آنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں پھولوں کے گلدستے کے ساتھ ڈی۔ایچ۔کیو ہسپتال میرپور کی حدود میں داخل ہوئے تھے۔

"میں ٹھیک تو لگ رہا ہوں نہ؟"

طراب کوئی بیسویں بار اس سے یہ سوال پوچھ چکا تھا اب کی بار تو اسامہ کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی چیز اٹھا کر زور سے اس کے سر پر دے مارے اس نے خونخوار نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"اگر اب تو نے مجھ سے یہ سوال کیا نہ میں تیرا خون کر دوں گا۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا یار کیا ہو گیا ہے ایسے کیوں بول رہا ہے اب بندہ پوچھ بھی نہیں سکتا کیا؟"

اس نے تیوری چڑھا کر تقریباً برا مانتے ہوئے ہی کہا تھا۔

"جتنی بار پوچھ چکا ہے نہ اتنی بار تو بندر بھی پوچھ لے تو اسے بھی حفظ ہو جاتا ہے لیکن تو وہی رٹو طوطا۔"

اسامہ نے اپنی امڈتی ہوئی مسکراہٹ کو دبا کر اس سے کہا تھا۔

"اچھا بس چپ کر وہ سامنے اس کا کمرہ ہے اف یار مجھے لگ رہا میرا دل بند ہو جائے گا۔"

طراب نے منہ بناتے ہوئے اپنی تیز ہوتی دھڑکنوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

"چی! چی! تف ہے تجھ پر اتنا بہادر میجر ہونے کے باوجود ایک ڈاکٹر سے ڈر رہا ہے بیٹا تجھے زہر والا انجیکشن تو نہیں لگا دینا اس نے پر کیا پتہ لگا بھی دے پھر راتوں رات تیری لاش غائب کر دے۔"

وہ فضا میں ہاتھ گھماتے ہوئے ایسا نقشہ کھینچ رہا تھا کہ بے ساختہ طراب کو جھرجھری آئی تھی۔

"لعنت ہو خبیث انسان"!

اس نے سر دائیں بائیں نفی میں ہلا کر ایک زوردار جھرجھری لی تھی۔

"ارے طراب اور اسامہ! تم دونوں یہاں ہوسپٹل میں خیریت ہے نہ کوئی ایڈمیٹ ہے کیا؟"

وہ ابھی اسے مزید گالیاں دینے کا ارادہ رکھتا ہی تھا کہ کمرے کا دروازہ کھول کر مائرہ بازو پر کوٹ ڈالے گلے میں سیتھروسکوپ پہنے انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"اہم"!!

وہ جو اسے بولتے ہوئے بڑے ہی انہماک سے سن رہا تھا اسامہ کے کونی مارنے پر بلبلا ہی اٹھا تھا۔

"یہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے ڈاکٹر مائرہ"!

اسامہ نے مائرہ کی توجہ طراب کی جانب کروائی تھی جواب اسامہ کو گھورنے میں مصروف تھا۔

"جی! بولیں طراب پلیز"!

وہ پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"وہ۔۔اصل میں۔"

وہ نیچے فرش کو گھورتے ہوئے بول رہا تھا۔

"کیا بات ہے ازاینی تھینگ سیریس؟"

اس نے ایک آبرو اچکاتے ہوئے اس سے پوچھا تھا جو بالکل خاموش شاہد اپنی بات کہنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔

"دیکھیں مائرہ! شاہد مجھے بہت زیادہ لفظ بولنے نہیں آتے یا میں کوئی بہت ہی رومینٹک قسم کا انسان نہیں ہوں میں انتہائی پریکٹیکل سا بندہ ہوں بس سارے کام سوچتا ہوں اور پھر پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ کام ہو جاتے ہیں لیکن یہ مرحلہ شاہد میری زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ ہے کیونکہ اس میں الفاظ کی ضرورت زیادہ ہے جبکہ میرے پاس الفاظ کی کثیر تعداد نہیں پائی جاتی۔"

وہ ازحد سنجیدگی سے بول رہا تھا اتنی سنجیدگی سے کہ اس کے ساتھ کھڑا اسامہ چونک کر اسے

دیکھ رہا تھا اور مائرہ صرف اسے بولتے ہوئے سن رہی تھی چہرہ بے تاثر تھا۔
"میں نہیں جانتا تھا کہ کالج کے بعد کبھی آپ کو اس طرح سے کہوں گا پر میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو یہ بو کے اسامہ سے لے لیں دوسری جانب آپ کو اپنی زندگی پر مکمل اختیار رہے۔"
اس لمحے وہی جانتا تھا کہ اس نے یہ بات کس طرح سے کہی ہے مگر وہ ایسا انسان نہیں تھا جو محبت میں زبردستی کرتا وہ محبت میں باہمی رضامندی کا قائل تھا۔ مائرہ کے چہرے پر سنجیدگی ہنوز برقرار تھی طراب کو اپنی دھڑکنوں کا شور اپنے کانوں میں محسوس ہو رہا تھا وہ دم سادے وہاں کھڑا اس کے جواب کا منتظر تھا جب کچھ دیر بیتی تو مائرہ سپاٹ چہرے سے گویا ہوئی تھی۔
"میں یہ بو کے نہیں لوں گی مسٹر طراب علی"!
اس نے اپنے جملے کو چبا کر ادا کیا تھا طراب کو اپنی سانس اپنے سینے میں ہی اٹکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اس نے نے بے یقینی سے سامنے کھڑی مائرہ کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر سنجیدگی رقم تھی۔ وہ دھیرے سے بنا کچھ کہے دو قدم پیچھے ہٹا تھا اور پھر اسی سمت کو مڑ گیا تھا کچھ اس طرح کے مائرہ کی جانب اس کی پیٹھ تھی۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا جب مائرہ کی پکار نے اس کے قدم جکڑے تھے۔

"میں بوکے کیوں لوں وہ بھی اسامہ کے ہاتھوں سے شادی آپ کو کرنی یا اسامہ کو؟"
وہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے زرا اونچی آواز میں بولی تھی اس کی آواز اتنی تو ضرور تھی کہ رسیپشن پر بیٹھی نرس اور کچھ گردو نوا کے لوگوں نے سنی تھی سب ایک دم ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ اسامہ نے بے ساختہ لاحولا پڑھا تھا۔ طراب ایک دم اس کی جانب مڑا تھا اور اسامی کے ہاتوں سے بوکے تقریبا جھپٹنے والے انداز میں لیا اور قدم قدم چلتا ہوا مائرہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔
"ویل یو میری می ڈاکٹر مائرہ؟"
اس نے گلدستہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا جس پر وہ مسکرائی تھی۔
"میں کبھی ہاں نہ کہتی اگر جبرئیل مجھے فون کر کے بتا نہ دیتا کہ تم کب سے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔"
اس نے اس کے ہاتھ سے سرخ گلابوں کا گلدستہ لیتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا جبکہ طراب دل ہی دل میں جبرئیل کی درگت بنانے کا سوچ چکا تھا۔
طراب نے اپنی جیب سے ایک سرخ رنگ کا کیس بھی نکالا تھا اور اس میں سے نازک آبگینے کی انگھوٹی نکال کر مائرہ کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنائی تھی۔ اسامہ نے تالی کے ساتھ ہوٹنگ کر کے شور مچایا تھا بے ساختہ فضا میں بہت سی تالیوں کی آواز گونجی تھی

جس پر وہ دونوں ہی جھینپ گئے تھے۔

"چلو شکر مشن سکسیس فل۔"

اسامہ نے اوپر کی جانب دیکھتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیرے تھے.جس پر طراب نے اسے مکا جڑا تھا۔مائری نے دل ہی دل میں دونوں کی دوستی کی نظر اتاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کے سامنے بیڈ پر اس کے نکاح کا جوڑا اور زیور رکھا ہوا تھا جو آنیہ اور زیبا اس کے لیے خرید کر لائی تھیں لیکن اس نے ابھی تک بھی ان دونوں میں سے کسی بھی چیز کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ کل کے بعد سے اب تک اس کے گھر ہونے کے باوجود زارا کا سامنا جبرئیل سے نہیں ہوا تھا دل عجیب قسم کے وہم و وسوسوں میں گھرا ہوا تھا اس کے ذہن میں صرف ایک بات تھی اور وہ تھی زمہ داری چاہت نام کا تصور اس کے اعصاب کو چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

"ٹھیک کہا تھا تمہاری ماں نے میجر جبرئیل تم اپنی زمہ داری سے کبھی بھی نہیں چوکتے اور اب بھی تم زمہ داری اور فرض پورا کرنے کے لیے نکاح تک کے لیے تیار ہو گئے۔"

اس نے اپنی گال پر سے لڑھک کر آتا ہوا آنسو پونچھا تھا اور سامنے رکھے ہوئے جوڑے کو چھو کر دیکھا تھا۔

"کبھی سوچا بھی نہیں تھا اماں !کہ تمہارے بغیر میں یہ جوڑا پہنوگی لیکن دیکھ لو آج یہ جوڑا یہ زیور اور حتیٰ کہ اپنا آپ بھی تمہارے بغیر میں کسی کے سپرد کردوں گی۔ آج محسوس ہو رہا ہے کہ محبت دینے کی امید لگانے والے لوگ جب فرض کی رسی تھماتے ہیں تو کہیں اندر سے جیسے پنپتی محبت کا بھرم بھی ٹوٹ جاتا ہے میں آج تک نہیں جان پائی کہ یہ محبت کرنا کیا ہوتا ہے لیکن جب ایک انجانی امید کی کونپل دل کے گوشے میں پھوٹ جائے اور وہ پروان چڑھنے سے پہلے ہی آئینہ دیکھا کر مسل دی جائے تو امید سے بھی بھروسہ ختم ہو جاتا ہے۔"

اس کے آنسو متواتر بہہ رہے تھے زارا نور اپنی زندگی میں ایک بہت خاص عورت بننا چاہتی تھی وہ عورت جس کا مقصد حیات ایسا ہو کہ اس کے بارے میں سوچ کر ہی وہ مطمعن ہو جائے مگر زندگی آپ کو ہمشہ آپ کی چاہت نہیں دیتی وہ کبھی دے کر آزماتی ہے تو کبھی چھین کر اور تکلیف دونوں صورتوں میں ہی ہوتی ہے اگر ہو تو اسے سمبھال کر رکھنا تکلیف دے ہوتا ہے اور اگر نہ ہو تو اس کی طلب آپ کو تکلیف سے ہمکنار کرتی ہے۔

وہ ابھی اپنی سوچوں کے تانے بانے بننے میں ہی محو تھی جب اس کے کمرے کے دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔

اس نے تھک کر سر بیڈ کراون سے ٹکایا تھا وہ جانتی تھی کہ آنے والی زیبا یا آنیہ میں سے

ہی کوئی ہوگی اور نتیجہ اس کی توقع کے عین مطابق تھا آنے والی آنیہ تھی جس کے پیچھے ایک بیس بچیس سال کی لڑکی بھی تھی جو شاہد اسے دلہن بنانے آئی تھی۔ زارا نور نے ایک گہرا سانس بھرا تھا اور خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا دیکھنا یہ تھا کہ اس کی زندگی اسے کہاں لے کر جاتی ہے اور وہ وقت زیادہ دور بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لمبے ٹخنوں تک آتے پلم فراک میں ملبوس تھی جس پر خوبصورت گرے کلر سے کڑھائی کی گئی تھی اپنے سیاہ بالوں کو پشت پر کھلا چھوڑے وہ کانوں میں جھمکے پہن کر وہ اپنی لپ اسٹک کو ڈبل کوڈ دے رہی تھی جب ایک دم اس کے کمرے کی بتی بند ہوئی تھی سارے کمرے میں نیم اندھیرا پھیل گیا تھا اسے ہمشہ اندھیرے سے زرا خوف محسوس ہوتا تھا وہ تو اکثر اوقات اپنی سائیڈ کا لیمپ بھی جلا کر سوتی تھی اور اب ایک دم سے لائٹ کا چلے جانا زیبا کا چڑیا جیسا دل سہم کر حلق میں آ گیا تھا وہ کوئی موم بتی یا فون ڈھونڈنے کے لیے جدو جہد کرنے ہی والی تھی جب اسے اپنی گردن پر کسی کا سر سراتا ہوا نرم گرم لمس محسوس ہوا تھا وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی مگر مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔ اچانک کمرے میں لائیٹر کی مدھم روشنی ابھری تھی جس نے زیبا کے چہرے کو قدرے روشن کر دیا تھا زیبا نے دم سادھے اپنے سامنے کھڑے آرون کو دیکھا تھا جس کی سپید رنگت اندھیرے میں بھی چمک رہی

For more visit (exponovels.com)

تھی وہ اندھیرے کے باوجود بتا سکتی تھی کہ وہ اس لمحے کریم کلر کی شلوار قمیض پر براون ویسٹ کوٹ پہنے ہوا ہے۔

"تہ۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟"

زیبا کی خوف کے باعث آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

"اپنی ملکیت کے پاس جانے کے لیے کسی کے دیکھنے کی پرواہ کون کافر کرتا ہے اس میں تو صرف ہم ہوتا ہے۔"

اس نے ایک ہاتھ سے لائیٹر جبکہ دوسرا ہاتھ زیبا کی نازک کمر میں ڈال کر اپنے قریب کیا تھا وہ بھی کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح اس کی طرف کھینچی چلی آئی تھی اس نے آرون کے سینے پر ایک ہاتھ دھر کر اس کے اور اپنے درمیان کا فاصلہ برقرار کیا تھا۔

"مجھے لگتا اب تو امی سے جلدی بات کرنی پڑے گی ورنہ تم تو مجھے پاگل ہی کر دو گی۔"

اس نے اس کے کان کے قریب مدھم آواز میں سرگوشی کرنے سے انداز میں کہا تھا زیبا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔

"آرون پلیز"!

اس کی پلکیں لرز رہی تھیں آرون نے دھیرے سے اپنے ہونٹ اس کی لرزتی ہوئی پلکوں پر رکھے تھے زیبا کو لگا تھا وہ اب کبھی سانس نہیں لے پائے گی آرون کا لمس اس کے اندر

جیسے ایک ٹھہراو پیدا کر گیا تھا۔

"مجھے لگا تم۔۔ مجھ سے ناراض"!

اس کے لفظ ابھی منہ میں ہی تھے جب آرون نے اپنی شہادت کی انگلی اس کے لبوں پر رکھی تھی۔

"مجھے صرف لگا تھا کہ یہ سب تمہاری غلطی سے ہوا لیکن پھر اس میں تمہاری غلطی نہیں تھی۔ آئی ایم رئیلی سوری زیب میں نے تمہیں اگنور کیا۔"

اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر انتہائی نرمی سے کہا تھا لائیٹر کی روشنی بھی اب بجھ چکی تھی۔

"اٹس اوکے۔"

زیبا نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے تھے۔

"تم جاو اب اس سے پہلے کہ لائٹ آجائے اور کوئی تمہیں دیکھ لے۔"

زیبا نے اسے اندازے سے دروازے کی جانب دھکیلا تھا جو مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا اس کے جانے کے بعد زیبا نے گہرا سانس بھرا تھا اور وہ اتنے دن میں پہلی بار جی بھر کر مسکرائی تھی۔ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر پورا کمرا روشنی میں واپس نہا گیا تھا۔

آنیہ اپنا پیچ فراک سمبھالتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

"کب سے ڈھونڈ رہی ہوں تمہیں چلو باہر سب ویٹ کر رہے ہیں قاضی صاحب بھی کب سے آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

آنیہ نے تیزی سے بولتے ہوئے اس کی کلائی تھامی تھی اور تقریبا کھینچتے ہوئے باہر کی جانب لے گئی تھی جہاں قاضی صاحب کے ساتھ سبتین بیٹھا نکاح نامہ بھروا رہا تھا جبکہ جبرئیل کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔

"رون"!

عشرت جہاں نے اپنے کمرے سے باہر آتے آرون کو آواز لگائی تھی جو اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا آ رہا تھا۔

"جی ماں"!

اس نے ان کی جانب سوالیہ نگاہیں مرکوز کی تھیں۔

"بچے! جبرئیل کو دیکھو تیار ہوا کہ نہیں سب ویٹ کر رہے ہیں اس کا۔"

انہوں نے گویا حکم جاری کیا تھا۔ جس پر وہ سر ہلا کر واپس سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا۔

جبرئیل کے کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے دروازہ کھٹکایا تھا اندر سے یس کی آواز پر وہ دروازے کی ناب گھما کر اندر داخل ہو گیا تھا کمرہ ہنوز نفاست سے سجا ہوا تھا وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنی ویسٹ کوٹ کے بٹن بند کر رہا تھا اوف وائٹ شلوار قمیض پر بلیک پلین

ویسٹ کوٹ پہنے اپنے فوجی کٹ بال سلیقے سے سیٹ کیے دمکتی ہوئی سرخ وسپید رنگت اور چوڑے شانوں کے ساتھ وہ غضب کی حد تک وجیہ لگ رہا تھا اتنا کہ اس پر نظر ٹکانا مشکل ہو رہا تھا آرون نے دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری تھی۔

"ماشاءاللہ بھائی! زارا کو آج بے ہوش کرنے کا ارادہ ہے کیا؟"

آرون نے شرارت سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا تھا جس پر جبرئیل بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"کیوں تم زیبا کو بے ہوش کر آئے ہو کیا؟"

وار اتنا بے ساختہ تھا کہ آرون ایک پل میں گڑبڑا گیا تھا۔

"میں بھلا اسے کیوں بے ہوش کرنے لگا؟"

اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر زرا سمبھل کر کہا تھا۔

"بیٹا! یہ جو ہو رہا ہے نہ دکھ رہا ہے مجھے ملیٹری مین ہوں زیرک نگاہیں ہیں میری اندھا نہیں ہوں۔"

اس نے اپنے اوپر کور پرفیوم کی بوتل اٹھا کر اسپرے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اللہ بچائے ملیٹری مین سے توبہ ماں بلا رہی ہیں ہار سنگار ہو گیا ہو تو جلدی تشریف لے آئیں۔"

For more visit (exponovels.com)

وہ تن فن کرتا ہوا اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا جبکہ اس کے جانے کے بعد جبرئیل کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ اپنی مکمل تیاری کے ساتھ لاونج میں قازی صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا نکاح کے کاغذات پر نظر دوڑا رہا تھا۔

"لڑکی سے اجازت لے لیں۔"

قازی نے قریب بیٹھے سبتے سے کہا تو اس نے عشرت جہاں کی جانب دیکھا تھا جنھوں نے سر ہلا کر اجازت دی تھی۔ قازی کے ساتھ آرون، سبتین اور عشرت جہاں زارا کے کمرے کی جانب چل دیے تھے جبکہ جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا اور ایک آخری کام پورا کرنے اٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں بند پاگلوں کی طرح چکر کاٹ رہی تھی غصہ، اشتعال اور آنسو بیک وقت بہہ رہے تھے صاریہ خان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہار رہی ہے جبرئیل، انا اور محبت تینوں ایسی چیزیں تھیں جو صاریہ کے اندر جنون کی طرح بھری ہوئی تھیں اور اب جبکہ باہر جبرئیل کا نکاح ہو رہا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سب کچھ ہار گئی ہے اس کی ذات ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا اور پھر کبھی وہ

خود میں زندگی محسوس نہیں کر پائے گی۔ بچپن سے صاریہ نے صرف اور صرف جبرئیل کے خواب دیکھے تھے اور اب سارے کے سارے خواب جیسے ایک جھٹکے میں چکنا چور ہو گئے تھے وہ شدید اشتعال کے عالم میں نیچے فرش پر بیٹھتی چلی گئی تھی آنکھوں سے جو آنسو بہہ رہے تھے ان میں روانی پیدا ہو گئی تھی اور اب باقاعدہ اس کی سسکیاں اور ہچکیاں پورے کمرے کے در و دیوار میں گونج رہی تھیں بے ساختہ دروازہ کھٹکا تھا اس نے دھیان نہ دیتے ہوئے اپنا شغل جاری رکھا تھا دوسری بار کھٹکنے کی بجائے دروازہ کھل گیا تھا اور وہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ شاہد زندگی میں پہلی بار صاریہ کے کمرے میں داخل ہوا تھا اس نے بے یقینی سے دروازے میں کھڑے جبرئیل خان کو دیکھا تھا اور والہانہ اس کی جانب لپکی تھی اس نے جبرئیل کو گریبان سے تھاما تھا اور پھر وہ تقریبا چیخی تھی۔

"کس نے حق دیا تمہیں میری محبت کو ٹھکرانے کا بولو جبرئیل! جواب دو ہے کوئی جواب تمہارے پاس؟"

بے دردی سے اپنے آنسو رگڑتے ہوئے اس نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو صاریہ یہ حق میرے پاس تب سے ہے جب سے میں نے شعور کی سیڑھی پر قدم رکھا ہے تم میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتی تھی کیوں کرتا میں تمہاری

محبت قبول بولو اس لیے تاکہ تم جشن منا سکتی کہ تم نے میجر جبرئیل خان کو بھی اپنی انا کی تسکین کے لیے تسخیر کر لیا ہے نہ صاریہ نہ میں وہ وقت نہیں بھولا ہوں جب تم میرے بابا سے مجھ سے زیادہ پیار لے لیا کرتی تھی میں وہ نہیں بھولا جب تمہاری وجہ سے انہوں نے مجھ پر زندگی میں پہلی بار ہاتھ اٹھایا تھا تم خود غرض صرف اپنے بارے میں سوچتی ہو ارے محبت کرنے والے تو محبوب کی خوشی میں ہی خوش ہو جاتے ہیں اور ایک تم ہو کہ صرف محبوب کو اپنا بنا لینے پر ہی یقین رکھتی ہوں۔ میں صرف تمہیں اتنا کہنے آیا تھا کہ کوشش کرنا آئیندہ میرے راستے میں مت آو اور ایک بات اور۔"

وہ سانس لینے کو تھوڑی دیر رکا تھا صاریہ بے یقینی سے ابھی بھی اس کا گریبان تھامے کھڑی تھی آنکھوں کی پتلیاں بے یقینی سے ساکت تھیں۔

"زارا سے دور رہنا صاریہ میں تمہاری اپنے ساتھ کی ہوئی زیادتی تو معاف کر سکتا ہوں لیکن یاد رہے جس دن مجھے علم ہوا نہ کہ تم نے زارا کے ساتھ کچھ بھی غلط کیا ہے اس دن تمہارا اس دنیا اور خان ہاوس میں آخری دن ہو گا اور تمہیں شوٹ کرنے والا کوئی اور نہیں میجر جبرئیل خان خود ہو گا اینڈ مائینڈ ڈیٹ۔"

اس نے اس سے ایک جھٹکے میں اپنا گریبان چھڑوایا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے کمرے کی دہلیز عبور کر گیا تھا پیچھے صاریہ بے یقینی سے وہی کی وہی کھڑی رہ گئی تھی۔

زارا بیڈ پر سرخ دوپٹہ منہ تک اوڑھے بیٹھی ہوئی تھی اس کا دل بے ہنگم انداز میں شور مچا رہا تھا آنسوایک لڑی کی مانند بہہ رہے تھے لاکھ کوشیش کے بعد بھی اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ قازی تیسری بار بھی اس سے پوچھ چکا تھا لیکن وہ پہلی دو بار کی طرح اس لمحے بھی خاموش تھی۔

"زارا! بچے بولو نہ۔"

عشرت جہاں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دینے کی کوشیش کی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ ساری صورتحال کے پیش نظر آرون کو ایک ہی خیال آیا تھا۔

"امی! آپ زارا کو سمبھالیں میں ابھی آیا۔"

اس نے ان سے کہا اور خود کمرے کا دروازہ کھول کر باہر لاونج میں نکل آیا جہاں جبرئیل صوفے پر بیٹھا بے چینی سے اپنی بائیں ٹانگ ہلا رہا تھا۔ آرون کو دیکھ کر وہ ایک پل میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو تم لوگ؟"

اس نے ماتھے پر بل ڈال کر اس سے پوچھا تھا۔

"وہ بھائی زارا بس روئے جا رہی ہے خاموش ہی نہیں ہو رہی قازی صاحب پوچھ رہے ہیں مگر وہ آگے سے خاموش ہے کوئی جواب ہی نہیں دے رہی ہے آپ چلیں نہ پلیز اس

سے بات کریں۔ "

آرون نے اسے زارا کے کمرے میں چلنے کے لیے کہا تھا جس پر اس نے گہرا سانس بھرا تھا اور پھر گویا ہوا تھا۔

"میں ابھی اس سے نہیں ملنا چاہتا رون خاص کر تب تک جب تک وہ میرے نکاح میں نہیں آجاتی تم ایک کام کرو یہ اپنا فون اس کے کان سے لگاو میں کال کرتا ہوں۔ "

اس نے جیسے ایک فیصلہ کرتے ہوئے کہا تھا وہ سمجھ گیا تھا کہ زارا اس لمحے اس تکلیف سے دوچار ہے کچھ ہی لمحوں میں وہ روتی ہوئی زارا کے کان سے فون لگا چکا تھا جس کے دوسرے پار جبرئیل تھا زارا کی سسکیوں کی آواز آئیرپیس سے باہر آرہی تھی اور جبرئیل نے بے ساختہ لب بھینچے تھے۔

"کیوں رو رہی ہو تم؟ "

لہجے میں سختی نہیں تھی بلکہ الجھن اور غم تھا کم از کم زارا کو تو یوں ہی محسوس ہوا تھا اس کے آنسو ایک لمحے میں تھمے تھے لیکن اس کی اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اس کے سوال کا جواب دے سکے۔

"بولو کیا پوچھ رہا ہوں میں کہ کیوں رو رہی ہو؟ "

اب کی بار لہجہ سخت تھا زارا کو اس کے لہجے کی سختی اپنے دل میں محسوس ہوئی تھی۔

"ام۔۔اماں کی یاد آہ۔۔رہی ہے۔"
اس نے روتے روتے اپنا جملہ پورا کیا تھا۔
"یہ نکاح کرنا چاہتی کہ نہیں؟"
لہجہ ابھی بھی ویسا ہی تھا سخت زارا کی ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سی سنسناہٹ ہوئی تھی۔اس کے بہتے ہوئے آنسو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر تھمے تھے۔
"اور اگر میرا جواب نہ ہو تو؟"
وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس سے یہ سوال کیوں کر رہی تھی مگر ہاں یہ سچ تھا اور وہاں موجود نفوس نے سنا تھا اس نے اس سے یہ سوال کیا تھا جبرئیل کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے ڈوب کر ابھری تھی اور پھر سے اس کے چہرے نے وہی سختی بھرے تاثرات لے لیے تھے۔
"تو آئی پرومیس یہ سب جو ہو رہا ہے یہ ابھی کہ ابھی ختم ہو جائے گا اور کوئی تم سے کسی قسم کا سوال نہیں کرے گا۔"
وہ بول کر خاموش ہو گیا تھا مگر زارا نے دکھ سے آنکھیں میچی تھیں اس کے آنسوں کی ایک قطار اس کی آنکھ سے بہی تھی۔
"تو آخر تم نے اپنے منہ سے بول ہی دیا کہ تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا نکاح ہو یا نہ ہو تو چلو

تمھیں نہ کرکے کوئی فرق نہیں پڑتا تو مجھے کرکے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"
اس نے اپنی آنکھ سے آنسو صاف کیے تمام کے تمام افراد اس کی جانب ہی متوجہ تھے جو سب کی موجودگی کو یکسر نظرانداز کیے اس سے فون پر بات کررہی تھی۔
"مجھے کوئی اعتراز نہیں ہے۔"
اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ بولا تھا اور فون ایک ہی جھٹکے سے بند کردیا تھا۔ دوسری جانب اس نے بھی گہرا سانس بھرا تھا اور واپس جاکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔
دونوں کی زندگی کا فیصلہ لمحوں میں ہوا تھا زارا کے دستخط کے بعد نکاح نامہ جبرئیل کے سامنے پڑا ہوا تھا اس نے ایک نظر زارا کے دستخط پر ڈالی تھی اور پھر نکاح نامے پر قلم گھسیٹ کر اس نے ہمشہ کے لیے زارا نور کو زارا جبرئیل بنا دیا تھا اس کے سارے جملہ حقوق اپنے نام کرلیے تھے۔ نجانے اس لمحے کتنے دل یک گونہ سکون کا شکار ہوئے تھے عشرت جہاں نے تو باقاعدہ اللہ کا شکر ادا کیا تھا جو انہوں نے سوچا تھا وہ کام ہوگیا تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
تہہ شدہ کاغذ اس کے سامنے کھلا ہوا تھا اور اس میں درج تحریر بھی وہ دم سادھے یک لخت اس سیاہ تحریر کو دیکھ رہی تھی جس پر اس کے محبوب کا لمس اس کی توجہ بکھری ہوئی تھی۔
وہ الفاظ نہیں تھے وہ تو سیدھی سیدھی اس سے ملنے کی خواہش تھی اسے جاننے کا تجسس تھا

اور یہ بات ایس۔ کے کے لیے سوہان روح تھی کہ اس کا محبوب اس سے ملنے کا منتظر ہے۔
وہ احسن کو اپنے بھیجے ہوئے خطوط میں سے کسی پر بھی پتہ درج نہیں کرتی تھی مگر ناجانے کیوں آخری بھیجے ہوئے خط پر اس نے نیویارک جنکشن کا پتہ لکھ دیا شاید اس امید پر کہ وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے واپس خط لکھے اور یوں تو ہو نہیں سکتا تھا کہ اس کے بارے میں ایس۔ کے کچھ سوچے اور وہ غلط ثابت ہو جائے ہمشہ کی طرح اس کا اندازہ درست نکلا تھا وہ تحریر کو گھور رہی تھی اس میں وہ احسن کا لمس تلاش کر رہی تھی جو یقیناً اس خط میں تھا اور اسے محسوس بھی ہو گیا تھا کیونکہ جیسے ایس۔ کے اسے محسوس کر سکتی تھی شاید دنیا میں ویسا کوئی بھی نہ ہو جو احسن کو جانتا ہو اسے محسوس کر سکے۔ وہ یونہی سن بیٹھی ہوئی مسلسل کاغذ کے اس ٹکڑے کو گھور رہی تھی جو دکھنے میں محض ایک کاغذ تھا لیکن خود میں دو لوگوں کے جذبات کا ایک جہان آباد کیے ہوئے تھا۔
"انتظار ختم ہوا اب کب مل رہی ہیں اس سے؟"
اسے معلوم ہی نہیں ہوا غلام بخش چائے کا مگ تھامے کمرے کے دروازے میں کھڑا اس سے سوال کر رہا تھا اس کی آواز پر وہ چونک کر حال میں واپس لوٹی تھی۔
"ملنے سے انتظار ختم ہو جاتا بخش اور اور جو انتظار ختم ہو جاتے وہ منزل کی طرف نہیں لے کر جاتے۔"

وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر اس کے قریب آئی اور چائے کا بھرا ہوا مگ اس کے ہاتھ سے لے کر ایک گھونٹ بھرتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"جب انتظار ختم ہی نہیں کرنے ہوتے تو پھر کرتے ہی کیوں؟ کیا محبت میں انتظار بہت ضروری ہے؟"

سوال کر کون رہا تھا وہ جو خود پور پور گہرائی سے اس موذی لاعلاج مرض میں ڈوبا ہوا تھا ہاں وہ جانتا تھا کہ محبت میں انتظار کیوں کیا جاتا مگر پھر بھی وہ پوچھ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سامنے کھڑی اس کی متائے حیات بھی وہی جواب دے گی جو بخش کے ذہن میں پہلے سے گردش کر رہا تھا وہ اسے ہر بار کی طرح ایک بار پھر آزما رہا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ ہر بار وہ اگلی بار آزمانے کے ارادے سے آزماتا تھا اور اس بار وہ آخری بار آزما رہا تھا کیونکہ نہ تو اب وجہ بچی تھی اور نہ ہی حق۔

"کیونکہ محبت میں انتظار آپ کو یاد کراتا رہتا ہے کہ آپ کے اس دل کی دھڑکن میں کوئی ہے جسے حق ہے کہ وہ آپ کو انتظار کروائے اسے حق ہے کہ ہر وقت اس کے بارے میں سوچا جائے بے شک اس سے ملا نہ جائے مگر دل میں اس کو اپنے سامنے دیکھنے کی تڑپ ہی ایسی ہو کہ وہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی آپ کو بھولنے نہ دے کہ ہاں آپ کسی سے محبت میں ہو۔"

وہ چائے کا مگ تھامے سامنے دیکھتے ہوئے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں بول رہی تھی اور غلام بخش بغیر سانس لیے صرف اسے دیکھ رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ یہ چہرا اب شاہد اس کی دسترس سے دور چلا جائے گا وہ غلامی اور محبت دونوں میں وفاداری کا قائل تھا اور محبت میں وہ چاہ کر بھی وفاداری نہیں نبھا سکتا تھا لیکن غلامی میں وفاداری نبھانا اس پر فرض تھا تب ہی گویا ہوا تھا۔

"جذبات میں بہک کر اپنے مقصد سے مت ہٹ جائیے گا ایس۔ کے"!

اس نے جیسے اسے اس کا بھولا ہوا مقصد یاد دلایا تھا۔

"ہاہا غلام بخش! تم ہمشہ ایسا کیوں سوچتے ہو کہ میں دماغ کی بجائے دل سے سوچتی ہوں؟"

اس نے جیسے اس سے یہ سوال پوچھ کر اسے لاجواب کر دیا تھا۔

"کیونکہ جب آپ جذبات میں ہوتی ہیں تو آپ بہت مختلف نظر آتی ہیں۔"

غلام بخش نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ اس لیے کیونکہ اس لمحے میں دل و دماغ دونوں سے سوچ رہی ہوتی ہوں محبت میں دل سے اور نفرت میں دماغ سے۔"

اس نے مگ خالی کر کے اسے پکڑایا اور پھر اگلا جواب طلب کیا تھا۔

"بولو پھر تلاش کہاں تک پہنچی؟"

اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ پوچھا تھا۔

"سمجھ لیں کہ شکار بہت قریب ہے جلد ہی آپ کی دسترس میں ہوگا۔"

اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا تھا اور باہر نکل گیا تھا جبکہ پیچھے وہ معنی خیزی سے مسکرا کر رہ گئی تھی۔ اس کا پلین بہت حد تک کامیاب نظر آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام میں وہ برآمدے میں سبز سکارف ہلکے سرخ رنگ کے جوڑے میں اوڑھے قرآن پاک کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مگر دل عجیب سا بوجھل ہو رہا تھا جو گزشتہ روز اس نے شمس کے ساتھ کیا تھا وہ اس کی درستگی اور غلط ہونے کے وسط میں پھسی ہوئی تھی دل کہہ رہا تھا کہ فاطمہ! کچھ بہت ہی غلط کر بیٹھی ہو دنیا کا ہر مرد غلیظ نہیں ہوتا اور دماغ کہہ رہا تھا ایک بار عزت جانے کے بعد دنیا کا ہر مرد غلیظ ہی معلوم ہوتا ہے قصور فاطمہ کا بھی نہیں تھا اگر اس نے کچھ غلط تصور کیا تھا قصور تقدیر کا تھا جس نے یہ رنگ دیکھائے تھے اور وہ اپنی ادھوری ذات کے ساتھ چکنا چور ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر دنیاوی خیالات جھٹک کر اس نے دل اور ذہن قرآن پاک پر لگایا تھا جہاں ایک آیت چمک رہی تھی۔

"امر یقولون افترىٰہ قل فاتو بعشر سور مثلہ مفتریت وادعو من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صدیقین۔

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ پھر جواب دیجیے کہ تم بھی اسی کے مثل
دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آو اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ ملا بھی لو اگر تم سچے
ہو۔"
یعنی کہ جب اللہ تعالی کی کہی ہوئی باتوں کی نافرمانی کی جاتی ہے جب انہیں جھوٹ کہا جاتا ہے
جب اس کی نازل کردہ تحریر کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ جاو پھر تم خود
اس جیسا کلام نکال کر دیکھاو ڈھونڈو کوئی اس جیسا جو تمہارے ساتھ مل جائے اگر تمہاری
باتوں میں سچائی ہے تو اور پھر بندہ سوچ میں پڑجاتا کہ اس جیسا تو کوئی بھی نہیں اس کی تو کوئی
مثل نہیں تو پھر نافرمانی کیوں پھر گناہ کیوں پھر توبہ کیوں نہیں؟ جب معلوم کہ انسان اس
کے سامنے ایک چیونٹی کی مانند ہے تو پھر غرور کیوں پھر شکر کیوں نہیں؟ پھر سجدہ کیوں نہیں
پھر اس کی نعمتوں کی خواہش کیوں نہیں؟ یہ انسان ہے جس میں بیک وقت اچھائی اور برائی
کا مادہ پایا جاتا اس میں بیک وقت دل و دماغ کی جنگ چل رہی ہوتی ایک طرف اللہ کا شکر ادا
کرنے کا دل ہوتا تو دوسری جانب کچھ نہ ملنے پر اس سے شکوہ۔ جوں جوں وہ سوچ رہی تھی
دماغ الجھ رہا تھا وہ بھی تو یہی کر رہی تھی۔ عزت چھین جانے پر شکوہ کر رہی تھی اور خود سے
آگاہی پر شکر بھی لیکن وہ نہیں جانتی تھی جو خدا عزت چھیننے پر قادر ہے وہ عزت سے مالامال
کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اس کے ایک اشارے پر سب کچھ ہل کر رہ جاتا ہے

For more visit (exponovels.com)

عرش، فرش تو پھر یہ تو دنیا تھی جس کی اور جس میں بسنے والوں کی حیثیت ایک کمزور چیونٹی سے بھی کم کی تھی۔ قرآن کی وہ آیت اس کے رونگٹے کھڑے کرنے والی تھی وہ مکمل پڑھنے کے باوجود بھی اسی کے سحر میں تھی۔

"بندے کو اللہ سے امیدیں ہوتی ہیں تو اللہ کو بھی تو بندے سے امیدیں وابستہ ہوں گی ہم چاہتے وہ ہماری امیدوں پر پورا اترے تو کیا ہم اس کی امیدوں پر پورا اترتے ہیں؟"

آگے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا اور وہ اچھے سے جانتی تھی کہ جواب نفی میں ہے اور جن سوالوں کا جواب نفی میں ہوتا ہے وہ سوال کبھی بھی پورے نہیں ہوتے۔ اس کا وجود پسینے سے بھیگ گیا تھا وہ اتنی محو تھی کہ گھر میں داخل ہوتے شمس کی موجودگی کو محسوس ہی نہیں کر پائی۔ شمس نے ایک نظر ساکن بیٹھے اس کے وجود کو دیکھا تھا اور پھر اس کے آنسوں سے بھیگے چہرے کو اب وہ سمجھنے لگ گئی تھی کہ قرآن کی کس آیت میں کیا کہا گیا ہے کونسی آیت خود میں کیا مفہوم سمیٹے ہوئے ہے کس میں کن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

"فاطمہ تم رو رہی ہو؟"

اس نے حیرت سے اس کے قریب آتے ہوئے کہا تھا جس پر فاطمہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ ایک لمحے میں اسے اپنا گزشتہ رویہ یاد آیا تھا اور وہ کافی حد تک شرمندہ بھی ہوئی تھی۔

"آہ۔۔نہیں تو میں کیوں روگی بھلا۔"

اس نے جلدی سے اپنے آنسوں پونچھتے ہوئے کہا تو شمس اس کے سامنے رکھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"میں نہیں جانتا فاطمہ! کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا کیا غلط ہوا کیا صیح ہوا اور تم مجھے کیا سمجھ رہی ہو لیکن جو تم سمجھ رہی تھی ویسا کچھ بھی نہیں ہے میں مانتا ہوں کہ میں تھوڑا سخت مزاج ہوں جلدی غصے میں آجاتا ہوں مگر کیپٹن شمس نہ آج بدکردار ہے اور نہ کل تھا۔"

وہ ایک جھٹکے سے کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے اٹھا تھا اور لمبے لمبے ڈنگ بھرتا ہوا برآمدے کی راہداری عبور کرگیا تھا پیچھے وہ بس خود پر مزید شرمندہ ہوکر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھیرے دھیرے سب کمرے سے نکل گئے تھے کمرہ بالکل خالی ہوگیا تھا وہ تنہا بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی دل ایک دم خالی تھا کیا ہوا تھا سوائے اس کے کہ وہ اب زارا نور نہیں رہی تھی بلکہ زارا جبرئیل بن گئی تھی جبرئیل خان کی منکوحہ کیسا احساس تھا یہ جو وہ چاہ کر بھی خود میں محسوس نہیں کرپا رہی تھی۔ جبرئیل خان کی منکوحہ کے عہدے پر فائز ہونا یقیناً زارا جبرئیل کے لیے اعزاز کی بات ہونی چاہیئے تھی مگر وہ اس لمحے احساس سے عاری تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے بیڈ سے اتری تھی اور کھڑکی کے پاس جاکر کھڑی ہوئی تھی جہاں دور کہیں

پہاڑوں پر سورج چمکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جس کی روشنی پہاڑوں کی چوٹیوں سے ہوتی ہوئی
پوری زمین پر اپنا سایہ کیے ہوئے تھی اس نے ایک گہرا سانس بھرا تھا شاید زندگی بھی سورج
کی اس روشنی کی مانند ہو گئی تھی جو پہاڑوں کی چوٹیوں کی اونچائی کو چھوتے ہوئے بڑی مشکل
سے زمین کو چھو رہی تھی وہ مگن تھی پہاڑ اس کی چوٹیاں اور سورج تینوں کے تال میل
جوڑنے میں جب کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا وہ پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوئی
تھی وہ اندر داخل ہوا تھا اور انتہائی آہستگی سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر گیا تھا وہ جبرئیل کی
جانب پشت کیے کھڑی تھی ہلکے گلابی گرارے پر سرخ ٹشو کا دوپٹہ لیے ہوئے وہ کھڑکی کی
جانب رخ موڑے ہوئے کھڑی تھی وہ ابھی تک اسے اپنے نام کے جوڑے میں نہیں
دیکھ سکا تھا وہ بغیر کسی آواز کے بالکل اس کے پیچھے جا کر رکا تھا وہ زارا کے اتنا قریب تھا
کہ اگر زارا ذرا سا بھی ہلتی تو یقیناً وہ جبرئیل سے ٹکرا جاتی۔ پہاڑوں کو دلجمی سے دیکھتے زارا کو
گرم سانسوں کی تپش اپنی گردن پر محسوس ہوئی تھی اور کسی کے سانس لینے کی آواز بھی اتنا تو
وہ بھی جانتی تھی کہ وہ کون ہے جسے حق ہے اس کے اتنا قریب کھڑے ہونے کا زارا کو
لگ رہا تھا کہ وہ سانس نہیں لے پائے گی وہ سانس روک چکی تھی جبرئیل کے سانس لینے کی
مسلسل آواز زارا کے کانوں میں سرسراہٹ کر رہی تھی یہ صرف آواز نہیں تھی کچھ ہی
لمحوں میں اس کا لمس بھی تھا جو زارا کو اپنے کندھوں پر محسوس ہوا تھا جبرئیل نے اس کا رخ

For more visit (exponovels.com)

اپنی جانب موڑا تھا اور وہ کسی مومی گڑیا کی طرح مڑ گئی تھی بڑی بڑی بھوری کا جل اور مسکارے سے سجی آنکھیں گندمی گلابی گالوں پر سجدہ ریز تھیں ماتھے کی بندیا چمک رہی تھی اور خوبصورت عنابی ہونٹ گلابی سرخی سے سجے ہوئے تھے ناک میں چھوٹی سی نتھ پہنے وہ ہلکے گلابی گرارے پر سرخ ٹشو کا کامدانی دوپٹہ اوڑھے زیورات سے آراستہ سر سے پیر تک اس کے لیے سجی ہوئی تھی ہونٹ اور پلکیں دونوں لرز رہی تھیں دل تھا کہ اتنا تیز دھڑک رہا تھا کہ اس کی دھڑکن کی آواز زارا کو اپنے آویزوں سے سجے کانوں میں سنائی دے رہی تھیں۔

"ان کے چہرے کی بات ہو جائے

آج ذکر گلاب رہنے دو"

اس نے اتنی دھیرے سے بولا تھا کہ زارا کی جان ہوا ہو رہی تھی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے سامنے کھڑا ہوا شخص کچھ دیر فون پر بات کرنے والا شخص ہے یا وہ جو اس لمحے وہ ہے جو بھی تھا وہ آج مان گئی تھی کہ وہ میجر جبرئیل خان کو کبھی نہیں سمجھ پائی جہاں سے وہ سوچنا چھوڑتی ہے وہاں سے وہ سوچنا شروع کرتا تھا۔

انتہائی دھیرے سے اس نے زارا کا سر پر اوڑھا ہوا سرخ دوپٹہ پنوں کی قید سے آزاد کیا تھا دوپٹہ ایک جھٹکے میں ڈھلک کر اس کے کندھے پر آ گیا تھا گھنگھریالے بالوں کو جوڑے کی قید

سے آزاد کر دیا گیا تھا اب کھلے بالوں پر بندیا چمک رہی تھی زارا بے بسی سے آنکھیں بند کر گئی تھی اسے حق نہیں تھا کہ وہ اس کو روک سکتی کیونکہ کچھ لمحے پہلے وہ اس کے سارے حقوق اپنے نام کر چکا تھا۔ اس نے تو زارا کو اتنا بھی حق نہیں دیا تھا کہ وہ اپنے شوہر کو نظر بھر کر دیکھ ہی لیتی اس کی شخصیت اتنی جاذب تھی کہ زارا نظریں نہیں اٹھا پائی تھی۔ جبرئیل نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں رخساروں پر رکھے تھے اور پھر اسے تھام کر اس پر جھکا تھا زارا کی دھڑکن میں ایک پل میں اشتعال پیدا ہوا تھا جبرئیل نے اس کی بندیا سے سجی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے اس کے پہلے لمس نے زارا کے اندر سکون سا بھر دیا تھا۔

"نکاح مبارک ہو زارا!"

آواز انتہائی دھیمی تھی لیکن اس ایک جملے میں جذبات کا ٹھاٹھے مارتا سمندر تھا کم از کم زارا کو تو یونہی محسوس ہوا تھا۔ زارا کا چہرہ ابھی بھی جبرئیل کے ہاتھوں کے پیالے میں تھا وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا اس کی نظروں سے زارا پزل ہو رہی تھی بے حد ہمت جمع کرنے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

آخر کو اس نے سوال کر ہی ڈالا تھا۔

"دیکھ رہا ہوں کوئی دلہن اتنی حسین کیسے ہو سکتی ہے۔"
اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔
"میں اتنی حسین نہیں ہوں اور یہ آپ اچھے سے جانتے ہیں۔"
اس کا اشارہ اپنی گندمی رنگت کی جانب تھا جسے سن کر ایک پل میں جبرئیل کے ماتھے پر بلوں کا جال نمودار ہو کر غائب ہوا تھا اس نے باری باری اس کے دونوں ہاتھوں کی پشت چومی تھی۔
"تم زارا جبرئیل! میجر جبرئیل خان کی منکوحہ ہو اور میجر جبرئیل خان کی بیوی کوئی عام عورت نہیں ہو سکتی اس لیے خود کو عام سمجھنا چھوڑ دو اور یاد رکھو کہ اگر تم عام ہوتی تو میری بیوی کی جگہ پر نہ ہوتی۔"
اس نے اس کے بالوں کی لٹ پیچھے ہٹاتے ہوئے انتہائی بوجھل لہجے میں کہا تھا۔ اس کے جواب پر بہت دیر کے لیے زارا کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہی تھی وہ خود تو خاص تھا ہی اپنے ساتھ اس نے زارا کو بھی عام لوگوں کی فہرست سے نکال کر خاص بنا دیا تھا۔
"اگر ابھی رخصتی کرا لوں تو کیا لڑو گی تم مجھ سے؟"
وہ انتہا سے زیادہ سنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا زارا کے دونوں ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھوں میں ہی موجود تھے زارا کو اس کے سوال کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"جواب دو خاموش کیوں ہو؟"

ایک جھٹکے سے اس نے زارا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا وہ بالکل اس کے قریب تھی جبرئیل کا چہرہ زارا کے چہرے کے اتنے قریب تھا کہ زارا کا سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔

"لہ۔۔ لیکن۔۔ انٹی نے بولا تھا کہ ابھ۔۔ ابھی رخصتی نہیں ہوگی ابھی صرف نکاح۔۔!

آگے سے جملہ ادھورا رہ گیا تھا کیونکہ اس نے زارا کے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھی تھی۔

"شیش! وہ تب کی بات تھی اب کی بات کرو رخصتی کرا کے تمہیں اپنے کمرے میں لے جاوں تو لڑو گی مجھ سے؟"

سوال پھر سے وہی تھا لیکن جواب کیا دے زارا کی سمجھ سے باہر تھا اسے اپنے ہاتھ پاوں پھولتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"رخصتی کی بات نہیں ہوئی تھی میجر صاحب!"

زارا نے دھیرے سے کہا تھا آنکھیں ہنوز نیچے تھیں اور وہ اس کی گرفت میں تھی جبرئیل کے مکمل حصار نے زارا کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

"میں اب کہہ رہا ہوں مسز میجر صاحب!"

جواب اسی کے انداز میں تھا۔

"لیکن کیوں ؟"

وہ تنگ آچکی تھی۔

"کیونکہ تمہیں چھوڑ کر جانے کو دل راضی نہیں اور جب جبرئیل کا دل راضی نہ ہو وہ کام نہیں کرتا میں اب بولو لڑو گی ؟"

تان پھر سے وہی آکر ٹوٹی تھی۔

"مجھے ابھی آگے پڑھنا ہے۔"

لہجہ بے بسی لیے ہوئے تھا۔

"میں پڑھا دوں گا اب بولو لڑو گی ؟" گرفت مضبوط ہوئی تھی فاصلہ سمٹتا ہی جا رہا تھا زارا اس کی گرفت میں کوئی معصوم چڑیا لگ رہی تھی وہ خاموش تھی بالکل خاموش جیسے سمجھ نہ آرہا ہو کہ کہے کیا۔

"بولو تمہاری خاموشی مجھے ہاں کا عندیہ دے رہی ہے۔"

اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"نہ۔۔نہیں لڑو گی۔"

زارا بے ساختہ بولی تھی اس کی مسکراہٹ یقینی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

"اوکے رخصتی کے لیے تیار کرلو خود کو دو دن بعد میں واپس جا رہا ہوں اور تم میرے ساتھ جاؤں گی تب تک مائینڈ سیٹ کرلو۔"

اس نے اس کا گال تھپکتے ہوئے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا اور ایک بار پھر سے ہونٹ اس کی پیشانی پر رکھے تھے زارا آنکھیں بند کر گئی تھی۔

"ایک بار پھر سے ویلکم ٹو مائی لائف!"

آہستگی سے کہہ کر وہ اس سے دور ہوا تھا اور لمحوں میں کمرے سے غائب ہو گیا تھا پیچھے اس کے پرفیوم کی خوشبو رہ گئی تھی جو اس کی موجودگی کا عندیہ دے رہی تھی اب تو زارا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جبرئیل کے ساتھ ایک لمحہ بھی نہ رہی تو وہ سانس نہیں لے سکے گی کیا کوئی ایک ہی ملاقات میں اپنا عادی بنا جاتا ہے شاید نہیں مگر وہ کوئی نہیں تھا وہ جبرئیل تھا وہ بنا سکتا تھا کیونکہ وہ عام لوگوں سے مختلف تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا میں سناٹوں کا راج تھا صمن بیگم تنہا اپنے کمرے میں اجڑے حلیے میں بستر پر کچھ سامان بکھیرے بیٹھی ہوئی تھیں جس میں علینہ کی بے شمار بچپن کی تصاویر تھیں اور بھی بہت سی تصویریں بکھری ہوئی تھیں جن میں علینہ کے ساتھ ایک اور ہنستی مسکراتی لڑکی اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی صمن بیگم نے اس تصویر پر ہاتھ پھیرا تھا ان کے چہرے پر اس لمحے

زمانے بھر کی محبت تھی تصویریں الٹ پلٹ کرتے ہوئے اچانک وہ ساکت ہوئی تھیں کسی نے سالوں بعد ان کے دل کی دھڑکن روک لی تھی اور وہ اب بھی وہی شخص تھا جس سے کبھی انہوں نے بے تحاشہ محبت کی تھی تصویر میں یونیفارم میں ملبوس وہ کس قدر جاذب نظر آ رہا تھا صمن بیگم کو لگ رہا تھا کہ وہ سالوں بعد بھی ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ہے اور وہ ہل نہیں پائیں گئ۔

"میڈم!"

دروازے پر ہونے والی دستک سے وہ حال میں واپس لوٹی تھیں۔

"ہوں نوراں بولو؟"

انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے سوالیہ نگاہیں نوراں کے چہرے پر مرکوز کی تھیں۔

"وہ میڈم سر آ گئے ہیں۔"

اس نے مودب ہو کر داور کمال کی موجودگی کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔

"علہ۔۔علینہ بھی آئی ہو گی۔"

وہ جلدی سے بیڈ سے نیچے اتری تھیں سیاہ نائٹ سوٹ میں ملبوس بالوں کو جوڑے میں باندھے میک سے مبرا چہرے کے ساتھ وہ انتہائی بیمار لگ رہی تھیں۔

وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتری تھیں جہاں صوفے پر داور کمال ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھے

ہوئے تھے۔

"علینہ! میری علینہ آئی ہوگی آپ کے ساتھ؟"

وہ حواس باختہ انداز میں ان کا بازو تھام کر آس بھری نظروں سے سگار منہ میں سلگائے داور کمال سے پوچھ رہی تھیں۔

"بھاگ گئی تمہاری بیٹی میرے منہ پر کالک مل کر بھاگ گئی بہت شوق تھا تم دونوں ماں بیٹی کو میری ساک اینڈیا میں خراب کرنے کا تو کو صمن بیگم جس روز یہ بات باہر نکلی کہ داور کمال کی اکلوتی بیٹی کمال ولا سے اپنے ہندو عاشق کے ساتھ بھاگ نکلی ہے تو وہی پر میری عزت کا جنازہ نکل جائے گا ہو جانا پھر تم اور وہ خوش۔"

وہ چیختے ہوئے ایک لمحے میں کھڑے ہوئے تھے اور تن فن کرتے ہوئے وہاں سے نکلتے چلے گیے تھے پیچھے صمن بیگم جہاں کھڑی تھیں وہی زمین پر بیٹھ گئی تھیں۔

"سب میرا قصور ہے سب میرا نہ میں اس روز وہ غلطی کرتی اور نہ میری زندگی برباد ہوتی سب اپنے ان ہاتھوں سے ختم کر دیا میں نے علینہ!"

وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں مگر صد افسوس کہ کمال ولا میں ان کی یہ چیخیں سننے والا کوئی بھی نہیں تھا پورے کمال ولا میں ملازموں کے علاوہ ان کی صدائیں سننے والا کوئی بھی اپنا نہیں تھا انہیں شدت سے اپنے گزرے ماہ و سال یاد آ رہے تھے کیا کیا تھا انہوں نے خود کے ساتھ

ہاں وہ تھیں بے وفا، بد کرداران کے پیچھے اگر لوگ انہیں یہ کہتے ہوں گئے تو غلط نہیں کہتے ہوں گئے آج تو وہ خود بھی کہہ رہی تھیں۔ "بیٹیاں ماوں کا عکس ہوا کرتی ہیں صمن بیگم! اور خوش قسمتی سے نہیں بد قسمتی سے تمہاری بیٹی بھی تمہارا ہی عکس نکلی وہ بھی تمہارے ہی نقش قدم پر چلی۔"

ارد گرد سے جھنجھوڑ دینے والی آواز آرہی تھی جو صمن بیگم کا کلیجہ چیرنے کے لیے کافی تھی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھے تھے اور زور دار چیخ ماری تھیں ان کی سسکیاں کمال ولا برسوں سے سن رہا تھا اور اب تو کمال ولا کو دوہری سسکیاں دفن کرنی تھیں کوئی اور بھی تھا جس کی سسکیاں کمال ولا کے درو دیوار میں دن رات گونجتی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خان ہاوس میں پرسکون صبح نے اپنے پر پھیلائے تھے پورے خان ہاوس میں سناٹوں کا راج تھا جو اس بات کی دلیل تھا کہ سب اپنے اپنے کمروں میں پرسکون سو رہے ہیں صرف جاگ رہی تھی تو صاریہ جسے شاداب کبھی بھی نیند نہیں آنی تھی ساری رات وہ پاگلوں کی طرح جاگی تھی دماغ جبرئیل کے الفاظ کسی ہتھوڑے کی مانند اس پر برسا رہا تھا وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر خود کو ان آوازوں ان دردناک جملوں سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی مگر اس کی کی گئی ہر کوشش ناکام جا رہی تھی۔

"ہاں تو اب بتاؤ آپا کیسا لگ رہا ہے جبرئیل بھائی کسی اور کے ہو گئے؟"
زیبا نے اس کی جانب کروٹ لیتے ہوئے کہا تھا صاریہ کے درد پر زیبا نے نمک سے گہرا وار کیا تھا جس پر وہ تو بلبلا ہی اٹھی تھی۔
"وہ میرا نہیں ہوا زیبی اس نے مجھے دھتکار دیا بولا کہ میں تو اس کی نفرت کے لائق بھی نہیں ہوں بچپن سے لے کر آج تک میں نے ایک ہی خواب دیکھا تھا زیبی! اور وہ بھی جبرئیل کے ساتھ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا مگر اس نے میرا یہ خواب بھی توڑ دیا آخر آج اس نے مجھ سے بچپن کا بدلہ لے ہی لیا۔"
اس کے بے بس آنسو چھلک کر اس کے رخساروں پر کسی آبشار کی طرح بہہ رہے تھے زیبا کو زندگی میں پہلی بار اپنی بڑی بہن کی بے بسی پر ترس آیا تھا۔
"کیا تم جبرئیل بھائی کو بھول نہیں سکتی آپا! کیا تم اپنی محبت کی خوشی میں خوش نہیں ہو سکتی؟"
زیبا نے شاید آج صاریہ کو محبت کی اذیت سے نکالنے کی ٹھان لی تھی تب ہی اس نے بہت آہستگی سے اس کی دکھتی رگ پر پاؤں رکھ دیا تھا۔
"خودسر لوگ محبت کی خوشی میں خوش نہیں ہوا کرتے زیبی جانتی ہو کیوں؟"
اس نے عجیب سے انداز میں اس سے سوال کیا تھا جس پر زیبا اس کا خود کو خود غرض کہنا کچھ

سمجھ نہیں پائی تھی۔

"کیوں آپا خود غرض لوگ کیا خود غرضی بھلا کر ظرف نہیں دکھا سکتے؟"

وہ اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہو کر اس سے پوچھ رہی تھی۔ بدلے میں وہ بے ہنگم انداز میں ہنسی تھی زیبا نے حیرت و بے بسی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"خود غرض لوگ اگر خود غرضی بھلا دیں گئے تو عاشق اور جنونی کہاں سے پیدا ہوں گئے بھلا۔"

وہ بڑے آرام سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی۔ زیبا کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے سننے میں کوئی غلطی کی ہے۔

"عاشق اور جنونی لوگ ہمشہ دربدر ہی بھٹکتے ہیں آپا! کم ازکم محبت کھونے کے بعد تو کچھ ایسا کر لو کہ تمہارا محبوب تمہیں اچھے الفاظ میں تو یاد رکھے نہ کہ ایک عمر تم سے نفرت کرنے میں گزار دے۔"

زیبا کی باتوں نے صاریہ کے اندر عجیب سا تاثر پیدا کیا تھا جو وہ کہہ رہی تھی یقیناً وہ صیح تھا لیکن دل کا کیا کرتی جو محبوب کے کسی اور کا ہونے کے باوجود بھی اسی کے نام کی گردان کر رہا تھا۔

"اب وقت ہے آپا! کچھ دوسروں کے لیے بھی کرو ہمیشہ خود غرضی سے مت سوچا کرو۔ "
زیبا نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا تھا اور بستر چھوڑ کر واشروم کی جانب بڑھ گئی تھی جبکہ صاریہ کا ضمیر بری طرح جھنجھوڑ چکی تھی وہ بھی بستر سے اٹھی تھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ ماہ رخ بیگم کے کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے گہرا سانس بھرا تھا شاہد خود کو بہت کچھ کہنے کے لیے تیار کیا تھا اور دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی ماہ رخ بیگم اپنے بستر پر نیم دراز سر بیڈ کراون سے ٹکائے شاہد کچھ پڑھنے میں مصروف تھیں۔
"امی!"
صاریہ کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا تھا جو کافی حد تک بکھرے ہوئے حلیے میں تھی شکن آلود لباس خاصہ ملنگجا ہو رہا تھا۔
"صاریہ! یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے؟"
اس کے حال پر وہ کافی حد تک پریشان ہو گئی تھیں۔
"میری حالت کو رہنے دیں امی! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ "
اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔
"بولو کیا بات ہے؟"
وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"میں کشمیر جانا چاہتی ہوں امی!"

اس نے ایک ہی سانس میں اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تھا جس پر لمحوں میں ان کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔

"کشمیر کیا لینے جانا ہے تم نے صاریہ! اس لیے کہ جبرئیل بھی وہی ہوتا ہے؟"

انہوں نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر پوچھا تھا جس پر صاریہ نے ایک بار پھر سے گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کیا تھا۔

"امی! وہاں ایک سکول ہے میں نے بہت عرصہ پہلے وہاں اپلائی کیا تھا اور اب مجھے کنفریشن لیٹر ملا ہے میں دور جانا چاہتی اس ماحول سے اور ویسے بھی جبرئیل میرپور خاص ہے مجھے مظفر آباد جانا ہے میں اب جبرئیل کے راستے میں نہیں آنا چاہتی امی جو ہونا تھا وہ ہوگیا میں صرف دور جانا چاہتی ہوں اس سے محبت چھوڑ دینا میرے اختیار میں نہیں ہے لیکن اگر وہ خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں۔"

اس کے لہجے اور چہرے سے دکھ کی گہری لکیر جھلک رہی تھی ماہ رخ بیگم کا دل اس کی حالت پر کٹ کر رہ گیا تھا مگر وہ بے بس تھیں چاہ کر بھی اس کے نقصان کا مدعوع نہیں کر سکتی تھیں پر وہ یہ بات بھی نہیں جھٹلا سکتی تھیں کہ ان کی بیٹی نے خود غرضی میں کسی کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔

"جہاں تمہارا دل چاہے جاو میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"
ماہ رخ بیگم نے رخ موڑتے ہوئے سپاٹ لہجے میں اس سے کہا تھا۔ صاریہ حق دق ان کی جانب بس دیکھتی رہ گئی تھی۔
"امی!"
اس کے لہجے میں حد سے زیادہ بے یقینی تھی۔
"جتنی جلدی ہوسکے چلی جاو یہاں سے صاریہ میں تمہیں اس گھر میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔"
لہجے میں کسی بھی قسم کی لچک نہیں تھی صاریہ نے بے یقینی و حیرت سے اپنی ماں کو دیکھا تھا جو اس لمحے بالکل ہی انجان معلوم ہو رہی تھی اس کے آنسو بے ساختہ تھے یہ تھا اس خود غرضی کا انجام جو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
وہ کچھ دیر بے یقینی سے کھڑے رہنے کے بعد ان کے کمرے سے نکل کر باہر آ گئی تھی مگر اب کی بار اس کے دل پر دوسری بار وار ہوا تھا پہلا وار جبرئیل کی جانب سے ہوا تھا اور دوسرا وار اس کے دوسرے محبوب رشتے نے کیا تھا اب صحیح معنوں میں وہ ٹوٹ کر بکھری تھی لمحوں میں اس نے وہ فیصلہ کر لیا تھا جو اسے کافی دیر سے بے حد مشکل لگ رہا تھا اور وہ فیصلہ کوئی اور نہیں بلکہ خان ہاوس چھوڑنے کا تھا ہاں یہ سچ تھا کہ صاریہ خان نہ صرف

اپنا دل مار کر جبرئیل کو چھوڑ رہی تھی بلکہ خان ہاوس کو بھی چھوڑ چکی تھی شاہد ہمشہ کے لیے اسے نہیں معلوم تھا کہ زندگی اسے اب کہاں لے کر جا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں آج مکمل سناٹہ تھا آرا کی سسکیاں ہچکیاں تو شاہد کب کی بند ہو گئی تھیں اس لیے وہ اب چپ چاپ خاموشی سے اس قید کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر چکی تھی بہت دنوں سے نوریز نے تہہ خانے کا چکر نہیں لگایا تھا اور یہ بات بھی آرا کے حق میں ہی تھی اسے نفرت تھی نوریز سے کیونکہ آرا کے نزدیک وہ صرف اور صرف نفرت کے ہی لائق تھا لیکن اس کا پاگل دل ابھی بھی گواہی دے رہا تھا کہ جیسے آج سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں نوریز کے قدم اتریں گئے اور اس کا یہ گمان صرف گمان نہیں تھا یہ حقیقت تھی کیونکہ کچھ ہی دیر بعد سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے کی سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ ابھری تھی اور پھر کچھ ہی دیر میں قدموں کی چاپ کے ساتھ میں سایہ بھی ہمشہ کی طرح سگار کے دھوئے میں لپٹا ہوا سایہ جو زمین پر جتنا سیاہ تھا فطرتن اس سے کہیں زیادہ سیاہ تھا اور یہ بات آرا سے بہتر اور کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ ہمشہ کی طرح آج بھی اس کی آمد پر آرا آنکھیں موند گئی تھی کیونکہ وہ اس کی ایک پل میں ابھرنے والی پہلی جھلک سے اجتناب برتتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ قدموں کی چاپ قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی اور آرا کی بند

پلکلیں بے وجہ لرزتی جارہی تھیں نوریز کی زیرک نگاہوں نے ہمشہ کی طرح اس کی آمد پر آرا کی لرزتی ہوئی پلکوں کی باڑ دیکھ لی تھی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

"لگتا ہے بہت یاد کررہی تھی مجھے۔"

وہی کھنکتا ہوا لہجہ جو ہمشہ سے آرا کی کمزوری تھا مگر اب وہ کمزوری کمزوری نہیں رہی تھی بلکہ نفرت بن گئی تھی۔

"ہاں یاد تو کررہی تھی لیکن جانتے ہوں کس طرح؟"

آرا نے اپنا بکھرے بالوں والا چہرہ اٹھا کر عجیب سے لہجے میں اس سے پوچھا تھا جس کے جواب میں نوریز کے چہرے پر حیرت کے علاوہ اور کوئی تاثر نہیں تھا۔

"نفرت سے یاد کررہی تھی میں تمہیں اللہ کرے تم مرجاو نوریز مرجاو تم۔"

اس کے لہجے میں شاید آج پہلی بار نوریز کے سامنے آنسوں کی آمیزیش شامل ہوئی تھی۔

"ہاہا! نجانے کتنے لوگ دن میں میرے مرنے کی دعا کرتے ہیں تو تم نے کردی تو کیا ہوگیا آرا ڈارلنگ!"

اس نے اس کے گال پر اپنے ہاتھ کی انگلی پھیری تھی آرا نے اپنا منہ پیچھے کیا تھا۔

"زارا تک میں بس پہنچنے ہی والا ہوں اس کے پاس میرے راز ہیں آرا اور تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں اپنے راز کسی کو بھی نہیں دیتا پھر چاہے وہ میری بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔"

وہ اتنے آرام سے اتنی بڑی بات کہہ گیا تھا آرا اپنی جگہ سن رہ گئی تھی وہ اس کے سامنے سے اٹھا تھا اور جیسے آیا تھا ویسے ہی سیاہ اینٹوں والے تحہ خانے سے غائب ہوگیا تھا پیچھے آرا نے بہت مشکل سے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں واڈروب کھولے کھڑا اپنی وائٹ ڈریس شرٹ تلاش کر رہا تھا اسے کچھ دیر کے لیے سیول ڈریس میں پشاور ہیڈ کواٹر کسی کام سے جانا تھا اس کا ارادہ تھا کہ اپنی وائٹ شرٹ پہن کر جائے مگر وہ تھی کہ مل کر نہیں دے رہی تھی وہ براون آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا اسے کچھ کچھ سمجھ میں آگیا تھا کہ اس کی شرٹ کہاں ہوگی وہ آرام سے آرون کے کمرے کی جانب بڑھا تھا اس کے کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے دروازہ ناک کیا تھا جب تیسری بار بھی ناک کرنے سے آرون نے دروازہ نہیں کھولا تو وہ آرام سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہوگیا جہاں حسب معمول گند پڑا ہوا تھا اور واشروم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔

"اف نجانے کب یہ صاف صفائی سیکھے گا۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے سوچا تھا اور واشروم کے دروازے کے باہر پہنچ کر آرون کو آواز لگائی تھی۔

"رون! یار میری وائٹ شرٹ کیا تمہاری واڈروب میں ہے؟"
اس نے بڑے تحمل سے اس سے پوچھا تھا ورنہ وہ اپنی چیزوں کے معاملے میں خاصا حساس تھا۔
"جی بھائی! میرے ہینگر والے بلاک میں ہینگ ہوئی ہوئی ہے مجھے چاہیے تھی تو آپ کی واڈروب سے نکالی تھی میں نے۔"
اندر سے آرون کی مسکراتی ہوئی آواز آئی تھی جبرئیل نے بھی سر جھٹکا تھا اور واڈروب کی جانب متوجہ ہوا تھا اس نے واڈروب کھولی تو سامنے ہی اس کی وائٹ شرٹ شان سے ہینگ ہوئی تھی اس نے شرٹ باہر نکالی تھی اور جوں ہی واڈروب بند کرنے لگا نظر ایک ریڈ کور والی فائل پر پڑی تھی جو نچلے خانے میں سب سے الگ کر کے رکھی گئی تھی جبرئیل کو لگا تھا جیسے اسے چھپانے کی کوشش کی گئی ہو اس نے شرٹ بیڈ پر رکھی تھی اور فائل نکال کر واڈروب بند کی اس نے فائل کھول کر پڑھنا شروع کی تھی جوں جوں اس نے فائل پر نظر دوڑائی تھی اس کے ماتھے پر بل گہرے سے گہرے ہوتے جا رہے تھے اس کے چہرے پر اس لمحے سختی در آئی تھی وہ فائل ہاتھ میں تھامے واڈروب کے پاس کھڑا تھا جب کلک کی آواز کے ساتھ واشروم کا دروازہ کھلا تھا اور تولیے سے بال رگڑتا ہوا آرون برآمد ہوا تھا لیکن جبرئیل کے ہاتھ میں فائل دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت ہوا تھا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

کہ یہ فائل جبرئیل کے ہاتھ لگی کیسے اس نے تھوک نگل کر اپنا حلق تر کیا تھا اور پھر خود کو بے شمار سوالوں کے لیے تیار کیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے رون؟ اور تم کرتے کیا پھر رہے ہو؟"

لہجے میں اس لمحے حد سے زیادہ سنجیدگی تھی۔

"آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس میں کیا ہے میرا نہیں خیال مجھے کچھ بھی اور سمجھانے کی ضرورت ہے۔"

آرون نے بھی اسی کے لہجے میں زمانے بھر کی سنجیدگی سموتے ہوئے کہا تھا۔

"تم دور رہو اس سب سے سمجھے نہ؟"

جبرئیل نے اسے تنبی کرنے والے لہجے میں کہا تھا۔

"بھائی میں ایک پولیس والا ہوں اور ایک پولیس والا ہونے سے پہلے ایک بیٹا بھی ہوں میرا حق ہے کہ میں جانوں کہ میرا باپ کیسے شہید ہوا تھا وہ شہید ہوا تھا یا وہ کسی خونی کھیل کا حصہ بن گیا تھا۔"

آرون پھر سے جبرئیل کو وہ تلخ حقیقت یاد دلا رہا تھا جسے شاہد اس نے بڑی ہی مشکل سے برداشت کیا تھا۔

"پلیز رون! بابا کے ساتھ جو بھی ہوا تھا وہ تو میں بہت جلد پتہ لگوالوں گا لیکن پلیز تم دور رہو

اس سب سے بس اپنے کیسز دیکھو اس کیس کو میں اور میری ٹیم ہینڈل کر لیں گئے۔ "
جبرئیل نے دو ٹوک لہجے میں اس سے کہا تھا۔
"نہیں بھائی! مجھے پتہ لگوانا ہے کہ آخر اس خونی کھیل کے پیچھے تھا کون اتنی لڑکیوں کو اغوا کرانے والا تھا کون اور پھر اس کیس کو بند کرنے والا تھا کون یہ تھا کون بہت سارے سوال ہیں بھائی لیکن ان میں سے کسی ایک کا جواب بھی اے ایس پی آرون خان کے پاس نہیں ہے تو کیا فائدہ ایسی وردی کا جو اپنے باپ کا قاتل بھی نہ پکڑ سکے جو اپنے چچا کے قاتل کو پھانسی کے تختے پر نہ پہنچا سکے۔"
وہ ازحد سپاٹ لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا جس پر جبرئیل ایک لمحے میں نرم پڑا تھا۔
"میں تمہارے جذبات سمجھ سکتا ہوں رون! لیکن تم میرے جذبات بھی تو سمجھو پہلے بابا نے اس کیس میں ہاتھ ڈالا انہیں مار دیا گیا پھر چاچو نے ان کی کمان سمبھال لی تو انہیں بھی مار دیا گیا اور اب تم!"
اس سے آگے جبرئیل سے لفظ ادا کرنے مشکل ہو رہے تھے۔
"آپ کو یہ خوف کہ کہیں بابا اور چاچو کی طرح میں بھی!"
اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب جبرئیل نے اسے ٹوکا تھا۔
"پلیز رون!" جبرئیل نے درشت لہجے میں کہا تھا۔

"کیوں بھائی؟ میرے مرنے کا آپ کو اتنا خوف ہے اور خود آپ موت سے نڈر ہیں آپ کو کیا لگتا ہم سب کو بچا کر خود آپ خوشی خوشی موت کو گلے لگا لیں گئے اور میں یہ ہونے دوں گا۔ نہیں بھائی ہرگز نہیں میں یہ کیس پھر سے کھول چکا ہوں اور میں تب تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک بابا، چاچو اور ان سب لڑکیوں کے مجرم تختہ دار تک نہیں پہنچ جاتے۔"

لہجہ دو ٹوک تھا جیسے اب وہ مزید اس بارے میں اور کوئی بات نہیں کرنا چاہتا جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آرون پیچھے نہیں ہٹے گا اسے اور کچھ سوچنا تھا جس سے آرون کا دھیان فل حال کے لیے اس کیس سے ہٹ جائے وہ سر جھٹک کر اس کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا پیچھے آرون اس گھڑی کو پچھتا رہا تھا جب اس نے وہ فائل الماری میں رکھی تھی اسے کہیں اور رکھنی چاہئیے تھی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بڑے سے لاونج میں وسیع کھڑکیوں پر دبیز پردے برابر کیے ہوئے تھے بہت دنوں بعد وہ پشاور میں اپنے اس گھر میں موجود تھے جہاں انہوں نے اپنا بچپن گزارا تھا جہاں انہوں نے اپنی جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھا تھا جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا بہترین وقت گزرا تھا کتنی سکون آور جگہ ہوتی تھی وہ جو اب بے سکون ہو گئی تھی اگر اس جگہ ان کی زندگی کا بہترین

وقت گزرا تھا تو ان کی زندگی کے بدترین ماہ و سال بھی وہی بیتے تھے جہاں انہیں خوشی ملی تھی تو ان کی زندگی کا سب سے بڑا غم بھی اسی جگہ نے انہیں دیا تھا مگر وہ پھر بھی وہاں موجود تھے کیونکہ وہ چاہ کر بھی کہیں اور نہیں جا سکتے تھے کچھ جگہیں اپنے اندر ایک سراب سمیٹے ہوتے ہیں جو آپ کو اپنی جانب بے دردی سے کھینچ لیتا ہے اسی طرح کا سراب خاور ہاؤس میں بھی تھا وہ جتنا اس جگہ سے دور بھاگتے تھے وہ اتنا ہی انہیں اپنی جانب کھینچ لیتی تھی وہ لاونج میں صوفے پر نیم دراز اخبار پڑھنے میں مصروف تھے جب دین محمد جوس کا گلاس لیے نمودار ہوئے تھے۔ دین محمد کرنل خاور کے خاندانی ملازم تھے جو تقریباً پچھلے بیس بائیس سال سے ان کے لیے کام کر رہے تھے۔

"صاحب! جوس"

دین بابا نے جوس کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"شکریہ دین بابا کیسے ہیں آپ میں رات میں لیٹ ہو گیا تھا اس لیے آپ سے بات نہیں ہو پائی۔"

آخر میں ہمیشہ کی طرح کرنل خاور نے خوش اخلاقی سے دین بابا کا حال احوال پوچھا تھا۔

"صاحب اللہ کا بہت کرم ہے پر آپ ٹھیک نہیں لگ رہے ڈیوٹی میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

دین بابا ہمیشہ سے کرنل خاور کے دوستوں میں ہی رہے تھے اگرچہ وہ عمر میں کرنل خاور

سے کچھ بڑے تھے مگر سب انہیں دین بابا کہہ کر ہی مخاطب کرتے تھے۔

"نہیں بابا! جب دل ہی اداس اور ویران ہو تو کوئی اور مسئلہ کیا ہونا آپ تو جانتے ہیں کہ برسوں سے میں تنہا ہوں کیونکہ اب تنہائی میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔"

وہ تھکے ہوئے لہجے میں ان سے کہہ رہے تھے۔

"ارے صاحب اتنی جلدی تھک گئے آپ؟"

دین محمد عجیب سے انداز میں ان سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں بابا ابھی کہاں ابھی تو بہت سے لوگوں سے بہت سے حساب برابر کرنے ہیں کچھ کو سزا دینی ہے تو کچھ کو مقام۔"

چہرہ ایک پل میں سپاٹ ہوا تھا دین محمد نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو کچھ دیر کے لیے اس کمرے میں وقت گزارنا چاہئیے یقیناً آپ وہاں جا کر پر سکون محسوس کریں گئے۔"

دین محمد نے انہیں وہ حل بتایا تھا جو شاہد زندگی میں ان کے لیے بہترین سکون کا باعث تھا انہوں نے گہرا سانس بھرا تھا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھے تھے جن کے پار وہ کمرہ تھا ان کی عزیز از جان جگہ۔ سیڑھیاں عبور کر کے وہ کمرے کے باہر رکے تھے انہوں نے ناب گھما کر دروازہ کھولا تو نیم اندھیرے نے ان کا استقبال کیا تھا انہوں نے دروازے کے ساتھ

For more visit (exponovels.com)

بنے سوئچ بوڈ پر ہاتھ مار کر ساری بتیاں روشن کی تھیں کمرہ ابھی بھی اسی حالت میں تھا جیسے
بائیس سال پہلے تھا حتیٰ کہ بیڈ شیٹ بھی وہی بچھی ہوئی تھی وہاں کسی کو آنے کی اجازت
نہیں تھی صرف ہفتے میں ایک بار صفائی کی جاتی تھی بیڈ کے سامنے رکھا ڈریسنگ ٹیبل
کاسمیٹکس سے بھرا ہوا تھا ڈریسنگ ٹیبل کے بعد وہ الماری کی جانب بڑھے تھے الماری
کھولتے ہی ان کی نظر قطار در قطار لٹکے ہوئے زنانہ کپڑوں پر پڑی تھی جن میں سے شاید بہت
سارے ان کے خود کے لائے ہوئے تھے۔
"دیکھ لو تم گئی تو سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے میں بالکل تنہا ہو گیا کچھ لوگوں کی بے وفائی نے
مار ڈالا مجھے بائیس سال پہلے تم گئی اور پھر کبھی لوٹ کر واپس نہ آئی یہ کیسی محبت تھی
تمہاری؟"
وہ انتہائی آہستگی سے ان کپڑوں کو چھوتے ہوئے کہہ رہے تھے انہیں اپنے چہرے پر نمی
کا احساس شدت سے ہو رہا تھا جتنے بہادر وہ اپنی ڈیوٹی کے وقت تھے اتنے ہی ٹوٹے ہوئے
وہ اس وقت دیکھائی دے رہے تھے۔ وقت بہت ظالم ہوتا ہے انسان پر ایسی ضربیں
لگاتا ہے کہ ان کے نشان اس کی روح تک کو گھائل کر دیتے ہیں ایسی ہی ضربیں بے رحم
وقت نے کرنل خاور کے وجود پر بھی بے دریغ لگائی تھیں ان کا وجود اس قدر گھائل ہو چکا تھا
کہ مزید برداشت کی گنجائش نہیں نکلتی تھی لیکن وہ بھی صحیح وقت کا انتظار پچھلے بائیس سالوں

سے کرر ہے تھے بہت سے لوگ اس دوران بچھڑے تھے اب وقت تھا کہ تمام بچھڑے ہوئے لوگوں سے حساب طلب کیا جائے اور وہ بہت جلد حساب لینے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خان ولا میں ناشتے کی میز پر سب ایسے بیٹھے ہوئے تھے جیسے ایک دوسرے سے نظریں ملائیں گئے تو کوئی فرد جرم سب پر عائید ہو جائے گا عجیب سناٹے کا سماں تھا زارا اور جبرئیل کے علاوہ میز پر سب موجود تھے۔

"بڑی امی! میں آج دوپہر کو کشمیر جا رہی ہوں۔"

صاریہ نے کھانے سے ہاتھ روک کر انہیں مخاطب کرتے ہوئے بتایا تھا مگر عشرت جہاں نے مکمل طور پر صاریہ کو نظر انداز کر دیا تھا جیسے اس کی بات اور اس کی موجودگی کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

"یہ جبرئیل اور زارا کیوں نہیں آئے ناشتے پر؟"

انہوں نے ہاتھ روک کر آنیہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ امی زارا تو شاہد سو رہی تھی جبکہ بھائی تو صبح صبح ہی کسی کام سے باہر گئے ہیں۔"

آنیہ نے چھری سے انڈا الگ کرتے ہوئے بتایا تھا۔

"لیکن آپا تم کشمیر کیوں جا رہی ہو؟"

کسی اور نے تو نہ صحیح مگر زیبا نے ضرور اس سے کشمیر جانے کی وجہ طلب کی تھی۔

"وہاں ایک سکول میں میری جاب ہو گئی ہے اس لیے۔"

اس نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر زیبا کو بتایا تھا اس کا لہجہ ایسا تھا کہ زیبا اسے کچھ بھی اور کہنے کی ہمت نہیں کر پائی تھی۔ اس پوری دنیا میں عشرت جہاں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن سے صاریہ سب سے زیادہ محبت کرتی تھی بچپن سے لے کر آج تک صاریہ نے ان سے اپنی ہر بات منوائی تھی اور انہوں نے اس کی تمام باتیں مانی بھی تھیں مگر کچھ لمحات اور باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان نہیں مان سکتا بڑوں کا پیار دیکھ کر چھوٹوں کو ان کے پیار کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ اچھے اور برے میں فرق ہی بھول جاتے ہیں پھر بڑوں کو انہیں بھلا کر یاد کرانا پڑتا ہے کہ ہمیشہ وہ صحیح نہیں ہوتے ہیں کبھی غلط بھی ہوتے ہیں۔ ماہ رخ بیگم اس کی سگی ماں ہونے کے باوجود اس سے لاتعلق تھیں اور وجہ کیا تھی وہی کہ وہ خود غرضی میں انسانیت کے فرق کو ہی بھول گئی تھی۔

"آنی! جا کر زارا کو اٹھا کر لاو۔"

انہوں نے سنجیدگی سے آنیہ سے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اپنی کرسی دھکیل کر اٹھ گئی تھی اس کا رخ اب زارا کے کمرے کی جانب تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ اسی طرح سے اس کی فکر کیا کرتی تھیں اور اب زارا کی وجہ سے اس کے دونوں محبوب لوگ اس سے دور ہوئے تھے صحیح

کہا تھا جبرئیل نے اسے بیک وقت اس کا کہا گیا جملہ یاد آیا تھا۔

"اگر زارا کو نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچا بھی تو اس دن خان ولا میں تمہارا آخری دن ہوگا" اور آج واقعی ہی اس کا کہا خان ولا میں آخری دن تھا محبت کی طاقت اس نے اپنی نظروں کے سامنے دیکھی تھی جس کے جذبے میں شدت ہوتی ہے بازی وہی جیت کر لے جاتا ہے پھر چاہے وہ محبت کا ہو یا نفرت کا جبرئیل کے صاریہ سے نفرت کے جذبے کی شدت شاہد صاریہ کے محبت کے جذبے سے کئی زیادہ تھی اس لیے جبرئیل کی نفرت جیت گئی تھی اور صاریہ کی محبت ہار گئی تھی وہ خود کو محبت میں ہار قبول کرنے کے لیے تیار کر رہی تھی وہ زارا کے سلام کی آواز پر چونک کر حال میں لوٹی تھی اس نے غور سے زارا کی جانب دیکھا تھا بھوری بڑی بڑی آنکھیں گندمی سرخ رنگت پر عنابی ہونٹ بھورے لمبے گھنگریالے بال کشمیری سکارف میں لپٹے ہوئے تھے وہ اتنی خوبصورت بے شک نہیں تھی جتنی صاریہ تھی لیکن پھر بھی وہ اس سے کئی زیادہ خوبصورت تھی کیونکہ وہ جبرئیل خان کی منکوحہ تھی اور ایسا کیسے ہو سکتا تھا کوئی اس کے ساتھ جڑا ہو اور وہ خوبصورت نہ ہو صاریہ کی آنکھوں میں ایک حسرت تھی شاہد جبرئیل کو پانے کی حسرت اسے شدت سے محسوس ہو رہی تھی وہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی جواب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیا بات ہے تم ابھی تک سو رہی تھی طبعیت تو ٹھیک ہے نہ؟"

انھوں نے کچھ پریشانی کے عالم میں اس سے پوچھا تھا ان کی پریشانی دیکھتے ہوئے زارا مسکرائی تھی۔

"ارے انٹی! کچھ بھی نہیں ہوا تھا ویسے ہی زرہ لیٹ سوئی تھی تو میری آنکھ نہیں کھلی تھی اس لیے لیٹ ہوگئی آئی ایم سوری۔"

اس نے بھی ان کی فکر دیکھتے خاصی شرمندگی سے کہا تھا۔

"گڈ مارننگ ایوری ون!"

وہ بشاش لہجے میں بولتا ہوا لاونج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

"صبح صبح کدھر گئے تھے تم؟"

عشرت جہاں نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ایک ضروری کام سے گیا تھا۔"

اس نے زارا کی جانب ایک نظر دیکھتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"امی! میں کل واپس جا رہا ہوں۔"

اس کی بات پر صرف عشرت جہاں نے ہی نہیں سب نے ہی بیک وقت سر اٹھا کر دیکھا تھا حتیٰ کہ زارا نے بھی۔

"اتنی جلدی!"

عشرت جہاں نے کپ میز پر رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"جی امی ! مجھے جا کر ایک کیس پر کام شروع کرنا ہے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔"

اس نے جوس گلاس میں انڈیلا تھا اور مکھن لگے سلائس کو کترتے ہوئے وجہ بیان کی تھی۔

"ٹھیک ہے بچے ! جیسا تم مناسب سمجھو۔"

انہوں نے تو جیسے اسے اجازت دی تھی۔

"لیکن امی ! اس بار میں اکیلا نہیں جاوں گا۔"

اس کا اتنا جملہ کہنے کی دیر تھی سب نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا مگر وہ کسی کے بھی دیکھنے کا نوٹس لیے بغیر سکون سے ناشتہ کر رہا تھا۔

"کیا مطلب کہ اکیلے نہیں جائیں گئے؟"

آرون نے اس سے پوچھا تھا جبکہ عشرت جہاں اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے ایک دم خاموش ہو گئی تھیں شاہد انہیں اپنے زارا کے ساتھ کیے گئے وعدے یاد آ گئے تھے۔

"میں اپنی منکوحہ کی رخصتی کروا کر اسے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہوں۔"

جواب انتہائی سیدھا تھا لیکن وہاں بیٹھے نفوس کے لیے انتہائی اچانک تھا۔

"لیکن اس طرح کی کوئی بھی بات تم نے پہلے نہیں تھی۔"

عشرت جہاں نے زارا کی جانب بے بسی سے دیکھا تھا جو نیچے نظریں جھکائے بیٹھی ہوئی

تھی وہ جانتی تھیں کہ زارا ابھی کسی بھی صورت رخصتی نہیں چاہتی تھی اس نے جبرئیل سے نکاح ہی اسی شرط پر کیا تھا کہ اس کی رخصتی ابھی نہیں کی جائے گی وہ تو ابھی شاید اس رشتے کے لیے بہت چھوٹی تھی اس کے ننھے دل پر محبت کی پہلی پو بھی ابھی پوری طرح سے نہیں کھلی تھی اور ایسے میں اسے ایک نئے تعلق میں باندھنا وہ خاصی مشکل میں آگئی تھیں وہ اچھے سے جانتی تھیں کہ اگران کے بیٹے کی جانب سے یہ فرمائش آئی ہے تو یہ محض فرمائش نہیں تھی یہ خواہش بھی تھی اور یہ حکم بھی تھا کیونکہ اس کے بعد انکار کا کوئی بھی جواز نہیں بچا تھا۔

"زارا آگے بڑھنا چاہتی ہے جبرئیل! پلیز بچے بات کو سمجھو۔"

اب کی بار عشرت جہاں نے اسے دوسری طرح سے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ انہیں ابھی بھی پرسکون ہی دیکھائی دے رہا تھا۔

"میں پڑھا دوں گا اور کوئی فرمائش ہے مسز جبرئیل کی تو وہ بھی بتا دیں میجر جبرئیل خان پوری کر دیں گئے۔"

اس نے نیپکین سے اپنا منہ تھپکا تھا اور کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا چہرے پر اس لمحے بلا کی سنجیدگی رکم تھی۔

"بی رئیڈی کل صبح ساڑھے پانچ بجے نکلنا ہے مجھے جا کر ڈیوٹی بھی جوائن کرنی ہے۔"

وہ حکم نامہ جاری کر کے وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ زارا کے لیے سمجھنا مشکل تھا کہ یہ کل رات والا جبرئیل ہے یا پھر اب جو اس کے سامنے تھا۔

"اف یہ انسان مجھے پاگل کر دے گا پتہ نہیں اس کے کتنے چہرے ہیں اور یہ ہر کسی کے سامنے الگ چہرے کے ساتھ ملتا ہے میں اس بندے کو کبھی سمجھ نہیں پاؤں گئی۔"

زارا نے دل میں سوچا تھا تب تک وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

"آئی ایم سوری بچے! یہ ایسا ہی ہے ایک منٹ میں فیصلہ کرنے والا۔"

وہ خوامخواہ میں اس کی جانب سے شرمندہ دیکھائی دے رہی تھیں۔

"اٹس اوکے انٹی میں چلی جاوں گی۔"

اس نے جیسے انہیں ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی مگر اصل میں خود وہ خاصی خوفزدہ ہو گئی تھی پتہ نہیں کیسا انسان ہو گا۔"

زارا کے سامنے ایک نیا امتحان کھڑا تھا جسے اس نے پاس کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روز بروز بڑھتا ہوا تجسس اب بے چینی کی شکل اختیار کر چکا تھا احسن واقعی ہی ایک موذی بیماری میں بتلا ہو گیا تھا جسے شاہد نہیں یقینا محبت کہتے ہیں اتنے سارے لوگوں کی یک طرفہ محبت میں شاہد ایس۔ کے اور احسن دو واحد لوگ تھے جو دو طرفہ محبت میں تھے ان میں یک

For more visit (exponovels.com)

طرفہ کچھ بھی نہیں تھا اگر محبت تھی تو دو طرفہ اگر تجسس تھا تو دو طرفہ تھا اگر خواہش تھی تو وہ بھی دو طرفہ تھی لیکن دونوں کی محبتوں میں صرف ایک فرق تھا اور وہ فرق یہ تھا کہ
ایس ۔ کے کو احسن سے محبت دیکھ کر ہوئی تھی جبکہ احسن ایس کے سے ان دیکھی محبت میں بتلا ہوا تھا جو صرف تحریر کی حد تک محدود تھی ایس ۔ کے کے لفظوں کے گہرے جال نے احسن کو اپنا اسیر کر لیا تھا وہ چاہ کر بھی ان لفظوں اور ان میں چھپے جذبوں سے دامن نہیں بچا پایا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس بیماری نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ۔ اسے ملنے کی خواہش تھی لیکن وہ ملنا چاہتا نہیں تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ محبت میں کوئی آزمائش اس کے آگے آکر کھڑی ہو جائے وہ ڈرتا تھا کہ نجانے وہ کسی آزمائش پر پورا اتر بھی پائے گا کہ نہیں مگر وہ انجان تھا اس بات سے کہ اسے تو اللہ نے آزمائش کے لیے چن لیا تھا اب تو صرف وقت آنا تھا جب امتحان ہونا تھا دیکھنا یہ تھا کہ احسن اس کے دیے گئے امتحان میں سرخ روح ہوتا کہ نہیں ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات میں اپنے اب تک کے تمام کپڑے الماری سے نکال کر بستر پر رکھ چکی تھی پاس ہی ایک سوٹ کیس کھلا ہوا پڑا ہوا تھا جس میں وہ ساتھ ساتھ کچھ کپڑے رکھ بھی رہی تھی دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا کسی کی منکوحہ ہونا اور بات ہوتی ہے مگر بیوی ہونا اور وہ اتنی

بھی بچی نہیں تھی کہ نکاح یا شادی جیسے ناموں اور بندھن سے انجان ہوں اسے واقعی ہی بہت خوف آ رہا تھا وہ ایک روز قبل جبرئیل کی شدتیں دیکھ چکی تھی اور اب جبکہ وہ اس کی بیوی کی حیثیت سے موجود ہوگی تو کیا ہوگا زارا کا دل بے اختیار دھڑک گیا تھا۔

وہ ابھی کپڑے رکھ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"آجائیں"

اس نے مصروف انداز میں آنے والے کو اجازت دی تھی عشرت جہاں ہاتھ میں ایک خوبصورے پیکٹ تھامے اس کے پاس آئی تھیں۔

"میں جانتی ہوں بیٹا کہ یہ تھوڑا مشکل ہے مگر وہ جو ایک بار ٹھان لیتا ہے نہ پھر کر کے ہی رہتا ہے اگر وہ تمہیں اپنے ساتھ کشمیر لے کر جانا چاہتا ہے تو میں اسے چاہ کر بھی نہیں روک سکتی میں اسے ایک بات کہوں گئی اور وہ آگے سے ہزاروں دلائل دے کر رد کر دے گا اس لیے اس کی بات ماننا ہی بہتر ہوتا ہے۔

انہوں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ان سے کہا تھا۔

"اچھا یہ جوڑا دیکھو کل رخصتی ہے نہ تمہاری تم یہی پہن کر اس کے ساتھ کشمیر جاؤ گئ۔"

انہوں نے جوڑے کا پیکٹ بیڈ پر رکھا تھا۔ زارا ان سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر سمجھ میں

For more visit (exponovels.com)

نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے وہ شدید پریشان ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پاؤں تھک سے گئے ہیں میرے

دل الجھ سا گیا ہے میرا

ان ڈگمگاتی راہوں نے

قوت چھین لی میری

اس نے ایک نظر سامنے رکھے پیکٹ پر ڈالی تھی اور پھر ایک نظر عشرت جہاں پر جو خاموشی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے آپ سے بولا تھا کہ ابھی رخصتی نہیں ہوگی پھر کیوں؟"

وہ تھک گئی تھی اسے شدید والا رونا آرہا تھا اس کی زندگی میں سب کچھ پتہ نہیں اتنی جلدی جلدی کیوں ہوتا تھا آخر اس کی آزمائشیں کب ختم ہونی تھیں۔ وہ تھک کر بستر پر ڈھے گئی تھی۔ عشرت جہاں نے گہرا سانس بھرا تھا اور پھر اس کے برابر میں بیٹھی تھیں۔

"کیا لگ رہا تمہیں کہ یہ سب غلط ہو رہا؟"

انہوں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ کل رات جبرئیل نے اس سے پوچھا تھا رخصتی کے بارے میں لیکن زارا کو کسی صورت بھی وہ پوچھنا نہیں لگا

تھا اسے لگا تھا جیسے اسے حکم سنایا گیا ہے اس کے جملوں میں وہ سب تھا جس سے زارا کا
مان بھی برقرار رہے اور جبرئیل کا کہا وہ ٹال بھی نہ سکے گزشتہ روز جبرئیل انتہائی عقل
مندی سے زارا کے ساتھ گیم کھیل گیا تھا وہ جانتا تھا کہ وہ کسی بھی صورت رخصتی کے لیے
نہیں مانے گی لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کے تعاقب میں لگے لوگوں کو اس کا
سراغ مل چکا ہے کہ وہ پشاور میں ہے جبرئیل کے لیے شاہد پہلے زارا کو پشاور سے کہیں
اور لے کر جانا مشکل تھا وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ وہ کس طرح زارا کو پشاور سے
کہیں اور لے کر جائے پھر جب عشرت جہاں نے اس سے نکاح کی بات کی اسے زارا کی
زندگی بچانے کی راہ آسان لگنا شروع ہو گئی اس نے بغیر کچھ بھی ظاہر کیے نکاح کے لیے
حامی بھر لی وہ جانتا تھا کہ زارا نکاح والی بات پر بہت بری طرح سے رئیکٹ کرئے گی اس
لیے اس نے اس سے اسی کے انداز میں کھیلا تھا جب وہ نکاح کے لیے قازی کے پوچھنے
پر بھی اقرار نہیں کر رہی تھی تو اس نے آرون کو فون دے کر اس کے پاس بیجھا تھا اور پھر
اس سے اسی انداز میں بات کی تھی جس انداز سے وہ خوف کھاتی تھی۔ وہ ایک میلڑی مین تھا
اسے صرف زارا نور کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ایک تفصیلن ملاقات درکار تھی اور وہ
موقع اسے زارا کے ساتھ سفر کے دوران مل گیا تھا اس ایک سفر میں وہ بہت اچھے طریقے
سے سمجھ گیا تھا کہ وہ کس نوعیت کی لڑکی ہے اور اسے کیسے ہینڈل کرنا ہے اور جبرئیل نے

بے حد مہارت سے اسی کے انداز میں اسے ہینڈل کیا تھا اور یہ اس کی مہارت ہی تھی کہ وہ با آسانی حفاظت سے اسے اپنی بیوی کی حیثیت سے اپنے گھر میں رکھ سکتا تھا ایک جائز رشتے کے تحت لیکن وہ یہ ساری باتیں گھر میں یا زارا کو بتا کر خوف و ہراس نہیں پھیلا سکتا تھا اسی لیے اس نے سارا معاملہ انتہائی عقل مندی سے حل کیا تھا۔

"بولو بچے خاموش کیوں ہوں کیا تمہیں لگتا ہے کہ اس کا یہ مطالبہ غلط ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اسے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے؟"

سوال پھر سے وہی تھا مگر وہ خاموش تھی دل کہیں اندر ہی اندر گواہی دے رہا تھا کہ نہیں اس کا یہ مطالبہ ناجائز نہیں ہے لیکن وہ کیا کرتی معصوم سوچ رکھنے والا دماغ کسی بھی طور یہ قبول نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اب آزاد نہیں رہی وہ اب من موجی نہیں رہی وہ بندھ گئی ہے ایک انتہا سے زیادہ سنجیدہ فوجی کی بیوی ہے وہ اسے محض ایک لمحہ لگا تھا اور وہ اپنی عمر سے بڑی ہو کر جبرئیل کے برابر میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

اس کا سر خود بخود نفی میں ہلا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے بھروسہ رکھو اللہ پر اور اس کے بعد اس پر جو تمہیں اپنی عزت بنا کر پوری شان سے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔"

انہوں نے اسے گلے لگایا تھا اور وہ بیکٹ چھوڑ کر اس کے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں

زارا نور کے پاس شکوے کی کوئی وجہ نہیں بچی تھی اسے ہر حال میں جبرئیل خان کے ساتھ جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ بہت دنوں بعد دالان سے صحن میں بیٹھی تھی آج سردی کی شدت تھوڑی زیادہ تھی اور صحن میں ہلکی ہلکی دھوپ تھی وہ بھی دھوپ کی لالچ میں صحن میں آ بیٹھی تھی آج اس کے ہاتھ میں قرآن نہیں تھا لیکن آج دل بہت اداس تھا اسے لگ رہا تھا کہ وہ آج کے دن قرآن نہیں پڑھ پائے گی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی ان جانے بوجھ سے اس کا دل پھٹ جائے گا وہ صحن میں رکھی چارپائی پر چت لیٹی کھلے آسمان پر چھائے بادلوں میں سے جھانکتے سورج کو بغور دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر سورج کی جانب فاطمہ کی نگاہیں نہیں ٹک رہی تھیں بار بار آنکھیں کھولتی کچھ دیر سورج کو دیکھتی اور پھر تھک کر آنکھیں موند لیتی۔

"سورج کسی کو بھی زیادہ عرصے تک خود کو دیکھنے نہیں دیتا۔"

اماں نے صحن میں چارپائی کے قریب رکھے موڑے پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا گود میں سبزی کی ٹوکری رکھے ساتھ میں وہ مٹر نکالنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

"جانتی ہوں سورج کی طرف زیادہ دیر نہیں دیکھا جاتا اس کی چمک سے آنکھیں چاندھیا جاتیں۔"

وہ ان کی جانب منہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"تم آج سکول کیوں نہیں گئی فاطمہ!؟"
انہوں نے اس کی بات نظر انداز کر کے اپنے مطلب کی بات پوچھی تھی جو انہیں صبح سے پریشان کر رہی تھی۔
"ایسے ہی آج لگ رہا تھا نہ کچھ پڑھ پاؤں گئی اور نہ ہی پڑھا پاؤں گی۔"
اس نے چارپائی پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا گرین سکارف ویسے ہی چہرے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔
"جانتی ہو ایسا کب ہوتا؟"
انہوں نے ہاتھ روکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا جس کی نگاہوں میں سوال مچل رہے تھے۔
"ایسا تب ہوتا جب انسان خالی ہوتا اس کی روح کھوکھلی ہو جاتی جب دل مردہ ہو جاتا۔"
اماں کے لہجے میں نرمی تھی جس کا تاثر فاطمہ اس لمحے اپنے وجود میں محسوس کر رہی تھی۔
"تو کھوکھلی ہی تو ہے میری روح اماں جی اس میں زندگی کی ایک بھی رمق باقی نہیں ہے میں ایک چلتی پھرتی زندہ لاش ہوں جس میں کسی قسم کے جذبات اور احساسات نہیں ہیں۔"
گورے چہرے پر اذیت تھی لیکن چہرہ پھر بھی بے حد سپاٹ تھا۔

"میں آج بھی جب وہ اذیت سوچتی ہوں نہ جو مجھے نامحرم ہاتھوں کے چھونے سے ہوئی تھی تو میرے وجود میں برقی رفتار سے بجلی دوڑتی ہے مجھے یوں معلوم ہوتا جیسے کسی نے میرے پورے وجود کو دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا ہو۔"

سپاٹ چہرے پر اذیت کی مقدار زیادہ ہوگئی تھی اور آنسوں کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔

"یہ نشان دیکھ رہی ہیں؟ یہ نشان دیکھیں یہ والا دیکھیں کون کون سا نشان دیکھاوں آپ کو اور کہاں کہاں دیکھاو۔"

اس نے اپنا سکارف گردن سے سر کا کر اپنی گردن دیکھائی تھی پھر اپنے بازوں کو آگے کیا تھا گردن کے پچھلے حصے میں بھی بے حد نشانات تھے اماں اس کی اذیت کا اندازہ اچھے سے لگا سکتی تھیں۔

"کاش تم غلط ہاتھوں میں نہ پڑتی فاطمہ کاش تم وہ نہ کرتی جو تم نے کیا تھا۔"

اماں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا جس کی اب ہچکی بندھ گئی تھی گیٹ میں کھڑے شمس کے لیے مزید برداشت کرنا دشوار ہو رہا تھا وہ ان دونوں کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا تھا جبکہ اس کے غصیلے تاثرات دیکھ کر فاطمہ اندر تک دہل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بالوں کو اونچی پونی میں باندھ رہی تھی جب دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی آنے والا کون ہوگا اس لیے خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہی تھی۔ غلام بخش دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا۔

"تیار ہیں آپ؟"

غلام بخش نے انتہائی عجلت کے باوجود بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں میں تیار ہوں تم بولو پارٹی آگئی؟"

اس نے ہونٹوں پر لپ اسٹک فریش کرتے ہوئے غلام بخش سے پوچھا تھا۔

"جی آگئی ہے اور آپ کا ہی انتظار ہو رہا۔"

غلام بخش نے اپنا ریوالور پیچھے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ ایس۔ کے اس کا ریوالر دیکھ کر ایک لمحے میں ٹھٹھکی تھی۔

"یہ کس لیے؟ تم تو کبھی اپنے پاس ریوالور نہیں رکھتے پھر آج کیوں؟"

وہ خاصی الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"بعض اوقات کچھ احتیاطی تدابیر کر لینی چاہیئے۔"

غلام بخش نے نظریں چراتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"مجھے کون مارنا چاہتا بخش!؟

وہ سپاٹ چہرے سے سوال کر رہی تھی۔
"مارنا نہیں چاہتا مگر میں ایسے بغیر کسی ہتھیار کے کسی اجنبی سے آپ کو ملنے بھی نہیں دے سکتا۔"
وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا جب کہ ایس۔ کے اس کی ہمشہ کی گئی احتیاطی تدابیر پر ایک بار پھر سے حیران تھی۔ لیکن اس بار وہ غلط فہمی تھی کہ یہ صرف بخش کی احتیاط ہے اس بار حقیقی معنوں میں کوئی تھا جو اس کی جان لینا چاہتا تھا مگر ایس۔ کے اس سے انجان تھی۔
کچھ ہی دیر میں وہ سر پر سکارف اوڑھ کر باہر نکل آئی تھی پینٹ ہاوس کا وسیع و عریض لاونج چمک رہا تھا لاونج کے وسط میں رکھے درمیانے صوفے پر وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ماسٹر چئیر پر ایس۔ کے بیٹھی سگریٹ سلگائے دھواں کے مرغولے فضا میں چھوڑ رہی تھی۔
"ہاو مچ (کتنا ہے؟)"
سامنے صوفے پر بیٹھے مسٹر براٹ نے بھنویں اچکا کر اس سے پوچھا تھا جو ماسٹر چئیر کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بغیر اس کی موجودگی کا خیال کیے سگریٹ پھوک رہی تھی۔
"ٹو باکس۔"

For more visit (exponovels.com)

جواب بے حد دھیمے اور مختصر لہجے میں دیا گیا تھا۔

"آئی ایم سائننگ آ چیک (میں ایک چیک سائن کر رہا ہوں)"

براٹ نے جیب سے چیک بک نکالتے ہوئے کہا تھا۔

"فل دا فل اماؤنٹ (پوری رقم بھرو)"

ایک بار پھر سے وہ آنکھیں موندے سکون سے بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"یس اٹس آ فل اماونٹ (ہاں یہ پوری رقم ہے)"

اس نے چیک اس کی جانب بڑھایا تو غلام بخش نے فوری اس کے ہاتھ سے چیک اچک لیا تھا لمحے میں براٹ کا چہرہ ناگواری سے بھر گیا تھا لیکن غلام بخش نے نظرانداز کرنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

وہ منہ بناتا ہوا دروازہ کھول کر پینٹ ہاوس سے باہر نکل گیا جبکہ غلام بخش نے چیک اس کی جانب بڑھایا تھا جسے سرسری سا دیکھنے کے بعد اس نے واپس غلام بخش کو دے دیا تھا اب اسے اپنا اگلہ وار کرنا تھا مگر وہ انجان تھی کہ اس بار مقابل کوئی اور ہے اس کی سوچ سے بہت اوپر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کو بستر پر لیٹی تو نیند کافی دیر سے آئی تھی دل انجانے خدشوں سے بھرا ہوا تھا لیکن جو بھی

تھا اب تقدیر میں لکھا جا چکا تھا اور تقدیر کے فیصلے وہی بہتر کر سکتی ہے سائیڈ میز پر رکھا اس کا فون الارم بجا رہا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر انتہائی آہستگی سے فون اٹھا کر الارم بند کر دیا اور فون واپس میز پر رکھ دیا اسے اب تیار ہونا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جبرئیل وقت کا کتنا پابند ہے اس نے جلدی سے وہ جوڑا پہنا تھا جو کل عشرت جہاں اس کے لیے لائی تھیں لائٹ سکن کلر کا خوبصورت ایمبرائیڈری والا فراک تھا جس کے اوپر گہرے سرخ رنگ کا دوپٹہ تھا جس کے چاروں طرف خوبصورت مکیش لگی ہوئی تھی۔

اس نے اپنے گھنگریالے بال جوڑے میں باندھ کر سرخ کشمیری رومال میں باندھے بغیر کسی بھی میک اپ کے سامان اٹھا کر باہر نکل آئی حسب توقع وہ لاونج میں بیٹھا شاہد اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے اوپر دیکھا تھا اگرچہ وہ سادہ تھی لیکن وہ حسین لگ رہی تھی اسے کسی بھی قسم کے میک اپ کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک لمحے میں جبرئیل کو لگا تھا کہ اسے اسی سے نوازا گیا ہے بلاشبہ جو اس کی خواہش تھی وہ زیرلب مسکرایا تھا مگر اس کی مسکراہٹ ایسی تھی جس کا تاثر زارا تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ بغیر کچھ بھی بولے اس کے قریب کھڑی ہوئی تھی جبرئیل کو اس کی خاموشی پر ہنسی تو بہت آ رہی تھی مگر وہ چاہ کر بھی ہنس نہیں رہا تھا۔ جب کچھ دیر انتظار کے بعد بھی وہ کچھ نہ بولی تو وہ گہرا ہنکارا بھر کر اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا اور کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا چہرے پر والہانہ

جذبات تھے مگر اس لمحے اس کے پاس اظہار کے الفاظ نہیں تھے یا شاہد وہ صیح وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

"چلیں؟"

آنکھوں میں سوال تھا زارا نے پلکوں کی جھالر اٹھا کر اس کے وجیہ چہرے کی جانب دیکھا تھا جو بلاشبہ بہت خوبصورت تھا زارا کو لگا تھا جیسے وہ اتنا خوبصورت شخص ڈیزرو نہیں کرتی مگر وہ اپنے خیال سے تب چونکی تھی جب اس کا ہاتھ جبرئیل کے ایک ہاتھ میں آیا تھا اور وہ اسے لے کر باہر کی جانب جا رہا تھا زارا نور اس کے پیچھے کسی چابی والی گڑیا کی طرح چل رہی تھی جس کا گڈا اسے کھینچ کر اپنی دنیا لے جانے کے درپے تھا اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک آخری چہرہ جو زارا کی آنکھوں کی تصویر اور ذہن کے پردے پر لہرایا تھا وہ تھا اس کی ماں کا عکس جسے دیکھنے اور محسوس کرنے کی تڑپ اس میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جا رہی تھی اس نے پلکیں جھپک کر نمی کو واپس خود میں انڈیلا تھا۔

جبرئیل نے اس کے لیے پیسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ بھی بغیر کچھ بولے اور کہے اندر بیٹھ گئی دروازہ بند کر کے وہ خود دوسری جانب سے آیا تھا اور اپنی سیٹ سمبھالی تھی وہ اپنے یونیفارم میں ہی ملبوس تھا کیونکہ اسے واپس جا کر فوری اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔

زارا نے خاموشی سے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا تھا ایک بار پھر سے وہ ساتھ سفر کر رہے

تھے پر فرق صرف یہ تھا کہ ان کا اب کا سفر ان کے ہمشہ ساتھ رہنے کا گواہ تھا۔ کچھ ہی دیر میں جیپ پشاور کی حدود سے باہر نکل گئی تھی۔

"پلیز! تم سو گی نہیں۔"

جبرئیل نے منہ بناتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا جبکہ اس کے ایک دم اچانک بولنے سے زارا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا نظر لگاو گی جو ایسے گھور گھور کر دیکھ رہی ہو مانا کہ آپ کے ہزبینڈ آرمی یونیفارم میں انتہائی ہینڈسم لگتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ آپ انہیں گھور گھور کر دیکھی جائیں بندے کو نظر بھی لگ سکتی۔"

اس کا مذاق بھی سنجیدگی اوڑھے ہوئے تھا زارا نے آنکھیں دوبارہ جھپک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ جب یقین ہوگیا کہ وہ میجر جبرئیل کے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی ہے تو آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"میجر صاحب مانا کہ خوشفہمی اچھی چیز ہوتی ہے مگر بے وجہ کی خوشفہمی بالکل نہیں۔"

اس نے بولتے ہوئے دھیان سامنے سڑک پر کیا تھا جبکہ جبرئیل اس کے سنجیدگی سے بولے گئے جملے پر مسکرا کر رہ گیا تھا اسے اچھے سے اندازہ تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے اور زارا کو منانا اب اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"ہاں بھئ ہم کیوں خوش فہم ہونے لگے آپ ہیں نہ ہم سے بھی زیادہ حسین آپ کے سامنے تو میجر صاحب کو کوئی دیکھے گا ہی نہیں۔"

اس نے منہ بنا کر اسی کے انداز میں بولا تو بے اختیار زارا مسکرا دی اس کو مسکراتا دیکھتے جبرئیل نے سکھ کا سانس خارج کیا تھا۔

"مجھ سے بات مت کریں آپ!"

اس نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے خفگی سے کہا تھا۔

"کیوں بھئ کیوں نہ کروں تم سے نہ کروں تو اور کس سے کروں اچھا ٹھہرو وہ جو لڑکی ساتھ والی گاڑی میں بیٹھی ہے نہ اس سے کر لیتا ہوں۔"

جبرئیل نے سنجیدگی سے کہہ کر اپنی جانب کی ونڈ سکرین نیچے کی تھی اور ابھی وہ کچھ بولنے ہی والا تھا جب جلدی سے زارا نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا جبرئیل نے سوالیہ نگاہیں اس پر مرکوز کی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے میجر ہو کر کیسی چیپ حرکتیں کرتے ہیں آئندہ میں نے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔"

زارا نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا تھا جس پر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ قہقہ لگا کر ہنسے مگر زارا کو تنگ کرنے کے خیال سے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے بیٹھا رہا۔

"شرم نہیں آتی بڑوں کے آگے کیسے زبان چلا رہی ہو توبہ توبہ ایک تو تم سے بڑا اور اوپر سے تمہارا شوہر بھی ہوں ایسے بولتے اب نہیں کہیں جاوں گی آپ کے ساتھ۔"

ایک بار پھر وہ اسی کے انداز میں بولا تو زارا کا منہ بن گیا۔

"کیا ہے بھئی بس کریں اچھا کریں باتیں میں سن رہی ہوں۔"

آخر میں اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا تھا جاندار مسکراہٹ نے جبرئیل کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

"یہ ہوئی نہ بات لیکن باتیں تم کرو گی یہ ہے تمہاری پنشمینٹ۔"

اس نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا تھا جیپ اب مین سڑک سے پہاڑی شاہراوں پر داخل ہوئی تھی ایک دم نیلے آسمان نے کالے بادلوں کی چادر اوڑھ لی تھی۔

"میجر صاحب! لگتا بارش ہونے والی بارش کی وجہ سے تو سڑک پر پھسلن ہو جائے گی۔"

وہ متفکر ہوتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی پشاور کی حدود سے نکلے انہیں تین گھنٹے بیت چکے تھے پہاڑی راستوں پر بارش کے باعث لینڈ سلائیڈنگ کا خطرہ بھی تھا اوپر سے کالے بادلوں کی وجہ سے سورج کہیں چھپ کر بیٹھ گیا تھا دوپہر کے ایک بجے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آدھی رات بیت گئی ہو۔

"ہوں موسم تو لگتا کافی خراب ہے آگے۔"

اس نے جیپ کی رفتار سست کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اب کیا کریں گئے آپ کو تو جلدی پہنچنا تھا؟"

وہ چہرے پر پریشانی لیے اسے دیکھ رہی تھی جس پر اتنی پریشانی کے باوجود جبرئیل کو ہنسی آئی تھی اس نے زارا کا ایک ہاتھ اپنے مضبوط و توانا ہاتھ میں لیا تھا اور اس کی جانب دیکھتے ہوئے دھیمے مگر آنچ دیتے لہجے میں کہا تھا۔

"کوئی بھی فرض تم سے اہم نہیں میں جب بھی پہنچوں گا جوائن کرلوں گا یو ڈونٹ وری اینڈ ریلیکس میں ہوں نہ؟"

اس نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا تھا جس پر زارا نے سر ہلایا تھا اسے بے ساختہ اپنا جبرئیل کے ساتھ کیا گیا پہلا سفر یاد آیا تھا اس میں بھی تو اس نے یہی کہا تھا کہ وہ ہمشہ اس کے ساتھ ہے اس کی حفاظت کے لیے وہ اپنا کہا پورا کر رہا تھا زارا نور اعتبار کی راہ پر چل نکلی تھی ہاں اسے دھیرے دھیرے میجر جبرئیل پر اعتبار ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا میں سناٹے وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہی جا رہے تھے داور کمال سارا سارا دن کمال ولا سے باہر رہتے تھے اور صمن بیگم تنہا کمال ولا کی دیواروں کو تکتی رہتی تھیں نہ کوئی سجنے سنورنے کا ہوش تھا نہ سوشل سرکل میں کہیں آ جا رہی تھیں سارا

وقت علینہ کے کمرے میں بیٹھی رہتیں اور اس کی چیزوں کو ترتیب دیتیں۔
اب بھی وہ اس کے کمرے میں ہی موجود تھیں بیڈ کراون سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں موندے بیٹھی ہوئی تھیں سامنے علینہ کے کپڑے بکھرے ہوئے تھے آنکھوں سے ہمشہ بہنے والا سیال رواں تھا جسے وہ ہر گز خشک نہیں کر رہی تھیں۔
"کبھی یوں بھی ہوا ہے صمن کمال کہ اپنے کیے گئے گناہ اس طرح سے سامنے آجائیں کہ ان سے نظریں چرانا محال ہو جائے؟"
ایک انتہائی تلخ آواز سناٹے میں گونجی تھی آواز نہیں تھی آواز میں پوشیدہ سوال تھا جو کچھ اس طرح سے صمن بیگم کے آگے آکر کھڑا ہوا تھا کہ ان کی روح پر کاری ضرب لگا گیا تھا۔
"کیوں ہو رہا ہے ایسا کیوں میری بیٹی دور ہو گئی مجھ سے؟"
وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں سوال پوچھ رہی تھیں۔
"کیونکہ آخر کو تو گناہوں کی کوئی سزا ہوتی ہے نہ کچھ سزاوں کا تعین دنیا میں کیا جاتا ہے اور کچھ آخرت کے لیے رکھی جاتی ہیں تمہیں تمہارے کیے کا اجر اسی دنیا میں مل رہا ہے وہ بھی ایسا کہ تم روز مرو اور روز جیو۔"
ضمیر اس بری طرح انہیں جھنجھوڑ رہا تھا کہ صمن بیگم کو اس کی ٹیسیں اپنے وجود میں سے اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ ابھی اسی حالت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور داور کمال اپنی بارعب شخصیت سمیت اندر داخل ہوئے تھے۔

"یہ کیا تم نے میرے گھر کو سوگ خانہ بنایا ہوا ہے جب دیکھو گھر کے کسی کونے میں بیٹھ کر سوگ منا رہی ہوتی ہو۔"

وہ شدید اشتعال کے عالم میں ان سے کہہ رہے تھے انہوں نے ان کی بات کے جواب میں حیرت سے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تھا داور کمال وہ شخص تھا جس کے پیچھے انہوں نے اپنی زندگی کے تیئس، چوبیس سال بغیر کسی ملال کے وقف کر دیے تھے وہ محبت جس کا بھرم داور کمال انہیں دیکھاتے تھے وہ کیا بس اتنی ہی تھی کہ ضرورت اور وقت پڑنے پر ختم ہو جائے صمن بیگم کے لبوں کو طنزیہ مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"صیح کہہ رہا تھا چند لمحوں پہلے میرا ضمیر داور کمال! کہ کبھی کبھی اپنے ہی کیے گئے گناہ اس طرح سے سامنے آتے ہیں کہ ان سے نظریں چرانا محال ہو جاتا ہے دیکھ لو آج تمہارا وجود بھی میرے سامنے اس طرح سے کھڑا ہو گیا ہے کہ مجھے اس سے نظریں چرانا انتہائی مشکل لگ رہا ہے۔"

وہ ان کی جانب دیکھتے ہوئے نڈر لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"بکواس بند کرو لالچی عورت میرے ساتھ برسوں تم نے لالچ میں گزار دیے۔"

انہوں نے صمن بیگم کو انگلی دیکھاتے ہوئے کہا تھا جس پر وہ قہقہ لگا کر ہنسی تھیں کمال ولا کے پر سوز ماحول میں ان کا قہقہ گونجا تھا داور کمال کو ان کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"ہاں تو میرا توبہ کا وقت شروع ہو گیا ہے داور کمال! یاد رکھو جلد تمہارا بھی وقت شروع ہونے والا ہے کوئی نہیں بچے گا سب چلیں گئے توبہ کی ڈگر پر سب وہ لوگ جو اس کے گنہگار ہیں سب وہ لوگ جو تمہارے اس نام سے منسلک ہیں توبہ کے بغیر وہ کسی کو معاف نہیں کرتا اور سزا تو ایسی ہوتی ہے کہ دیکھ کر روح کانپ جائے۔"

وہ آنکھیں پھیلا کر خوفزدہ انداز میں ان سے کہہ رہی تھیں جواب جیب میں سے سگار نکال کر سلگا چکے تھے وہ ان کی باتوں کو ہوا میں اڑا کر کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر باہر نکل گئے تھے جب کہ پیچھے وہ سزا کا سوچ کر ہی کانپ اٹھی تھیں خوف کے باعث ان کی آنکھوں سے لاتعداد آنسوں بہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے اس پہر وہ آج خود اپنی زیر نگرانی باڈر پر سرنگیں کھودوا رہا تھا فوجی دوسری جانب اپنا کام کر رہے تھے جبکہ وہ خود سردی سے بچنے کے لیے آگ کے قریب بیٹھ گیا تھا سوچوں کا محور وہ ان دیکھی ذات تھی جس سے محبت صرف خطوں کی حد تک محدود تھی کہاں ہوتا تھا ایسا آج کل فون کے زمانے میں خط ہلکی سی مسکراہٹ نے احسن کے لبوں کو

چھوا تھا۔

"وہی ایسا کر سکتی تھی کیونکہ وہ سب سے الگ ہے بغیر دیکھے بھی وہ سب سے مختلف۔"

احسن کے دل نے جھٹ ایس۔ کے کی صفائی پیش کی تھی۔ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے اچانک جیب میں رکھا ہوا خط یاد آیا تھا جو گزشتہ شام ہی اسے موصول ہوا تھا خط کا خیال آتے ہی اس کی مسکراہٹ میں گہرا پن نمودار ہوا تھا اس نے جیب سے خط نکال کر کھولا تھا خوبصورت لکھائی میں لکھی ہوئی تحریر اس کے سامنے کھلی ہوئی تھی۔

"مہلت کم ہے اور اشتیاق زیادہ

محبت بھی ہے اور برابر کا جنون بھی

تو شفاف ہے اور میرے وجود میں داغ

کیا کبھی ملا ہے سفیدی کو سیاہ نشان؟؟"

آخر میں سیاہ مارکر سے سوالیہ نشان تھے آج پانچ کی بجائے صرف چار سطریں تھیں اور وہ بھی سوال لیے تحریر وقت کے ساتھ بدل چکی تھی اگر پچھلی تحریروں میں اظہار اور انتظار تھا تو اس تحریر میں اس کے لیے ایک سوال تھا۔ وہ سوال کا مقصد سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن واضح تھی کونے میں کھڑے شمس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا اور پھر ہاتھ جھاڑتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

"اس تحریر میں ایسا کیا ہے سر! جو اس قدر الجھ گئے ہیں آپ؟"
شمس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا احسن اپنی بے خودی سے باہر آیا تھا۔
"شمس! کیا کبھی کسی سفید چیز نے سیاہ نشان کو قبول کیا ہے؟"
احسن کا سوال عام سا تھا لیکن اس کے سوال پر ایک لمحے میں فاطمہ کا سراپا لہرایا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو بتاؤ نہ سفیدی سیاہی قبول کرتی ہے یا نہیں؟"
وہ کیا بولتا وہ تو خود ابھی تک مکمل طور پر سیاہی کا مطلب نہیں جان پایا تھا وہ نہیں جانتا تھا وہ کیوں کہہ رہا ہے لیکن اس کے ذہن میں صرف فاطمہ تھی اور وہ بول رہا تھا۔
"کبھی کبھی سیاہ کو سیاہی اس کی پسند اور مرضی سے نہیں ملتی سر! کبھی کبھی سفید کو بھی سیاہ رنگ میں ڈھال دیا جاتا ہے ایسے میں وہ ہوتا سفید ہی ہے لیکن اس پر کھوٹ سیاہ کا ہوتا ہے کیا پتہ سیاہی کا دل بھی اپنے لیے سفیدی مانگ رہا ہو لیکن سیاہی کا مقدر سیاہ لکھا گیا ہو اس لیے اسے سیاہی ہی نصیب ہوئی ہو۔"
وہ اپنے حساب سے جو سمجھ میں آ رہا تھا بول رہا تھا لیکن احسن ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔
"یعنی کہ سفیدی سیاہی کو قبول کر لیتی ہے؟"
سوال پھر سے وہی تھا۔

"سفیدی سیاہی کو قبول کر سکتی ہے سر! کیونکہ سیاہی کبھی کبھی سفیدی سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے جیسے کہ سیاہ موتی۔"

اس نے جملہ مکمل کر کے احسن کی جانب دیکھا تھا۔

"سیاہ موتی؟"

اس نے اسی کے کہے گیے الفاظ دہرائے تھے۔

"جی سیاہ موتی۔ سیاہ اور سفید موتی کو اگر ایک ساتھ رکھیں تو زیادہ پر کشش سیاہ موتی لگے گا سفید موتی کی نسبت سیاہ موتی کی چمک زیادہ ہوتی ہے اس لیے وہ جوہری اور بیپاریوں کو زیادہ پر کشش لگتا ہے۔"

ہاں تسلی ہوئی تھی بھلے ہی وہ پوری بات جانتا نہیں تھا اندازہ ہی تھا کچھ لیکن اس کا دل کچھ اپنے ہی کہے گئے لفظوں سے مطمئن ہوا تھا اور نہ صرف وہ بلکہ سامنے بیٹھا احسن بھی سفیدی کو سیاہی کے ساتھ قبول کرنے پر کچھ راضی ہوا تھا دیکھنا یہ تھا کہ سیاہی جب خود اس کے سامنے آتی تو اس کے اندر کی سفیدی کتنا اس سیاہی کو قبول کر پاتی امتحان تو کٹھن تھا اس کی محبت پورا اتر پائے گی یا نہیں یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ دالان کی بجائے اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی سر پر سکارف کی بجائے دوپٹہ

اوڑھے وہ حسب معمول آیات سے الجھ رہی تھی قرآن پڑھتے پڑھتے اس کی نظر ایک آیت پر ٹھہر سی گئی تھی۔

"واذکرو نعمتہ اللہ علیکم ویثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا واطعنا واتقواللہ ان اللہ علیم بذات الصدور○

تم پر اللہ تعالی کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیننا اللہ تعالی دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔"

کس قدر واضح اور شفاف پیغام تھا سیدھا دل میں اتر کر اثر کرنے والا دھیرے دھیرے اس پر واضح ہوگیا تھا کہ اللہ تعالی کی بے شمار نعمتیں اس پر نازل ہوئی ہیں جن میں سب سے بڑی نعمت تو اس کی اپنی پہچان تھی اس کی اللہ سے آگاہی تھی وہ کافی حد تک آہستہ آہستہ توبہ کے مراحل جان رہی تھی وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھی جب بابا جی اس کے کمرے کے دروازے میں کھڑے ہوئے تھے۔

"بیٹی! باہر مغرب کی اذان ہو رہی ہے اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھ لو۔"

انہوں نے اپنا عمامہ سر پر باندھا تھا۔ وہ ساکت بس ان کے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی جہاں صرف نور تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو اٹھو نہ دیر ہو رہی نماز کو۔"

انہوں نے پھر سے اس سے کہا تھا وہ شاہد جانتے تھے کہ وہ صرف قرآن پڑھ رہی ہے نماز کی طرف ابھی تک راغب نہیں ہوئی۔

"میں کیسے پڑھ سکتی ہوں بابا میں میرا مطلب جانماز پر کھڑے کہ۔۔کیسے ہوں؟"

وہ چہرے پر پریشانی طاری کیے پوچھ رہی تھی جس پر وہ ہلکا سا مسکرائے تھے۔

"کیوں نہیں کھڑی ہو سکتی اسے جاننے کی ہمت رکھتی ہو لیکن مانگنے کی نہیں۔"

انہوں نے مسکرا کر سوال پوچھا تھا۔

"مانگنے کی؟ لیکن کیا مانگوں میں؟"

وہ نہیں جانتی تھی مگر اس کی آنکھیں نمی چھلکانے کے لیے بیتاب ہو رہی تھیں۔

"وہ خود کو جاننے والوں سے زیادہ خود سے ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے کو پسند کرتا ہے جو اس کے در پر کھڑے ہو کر اس سے مانگنے کی جرات رکھتا ہے نہ وہ اپنے گناہوں کو قبول کر کے اس کے حضور توبہ کی ہمت بھی رکھتا ہے اور توبہ تو ہے ہی آخری ہتھیار صرف دل سے شرمندگی اور ندامت کا ہونا ضروری ہے پھر دیکھو یہ کہہ دینا کہ میں گناہ گار ہوں توبہ کرتی ہوں مجھے معاف کر دے تو وہ معاف کر دیتا ہے صرف تھوڑی سی ہمت درکار ہے پھر وہ گناہ معاف کر کے انسان کو بالکل نیا بنا دیتا ہے۔"

ایک بار پھر سے وہ سارے لفظ ایک ایک کر کے اس کی سماعتوں میں انڈیلے جا رہے تھے ایک خاص پیغام جو صرف اس کی آگاہی کے لیے تھا جو صرف اسے درکار تھا وہ اس تک پہنچ گیا تھا اللہ اسے اپنے حضور اپنے سامنے کھڑے ہوئے ندامت اور عاجزی کا ثبوت دیتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا وقت آ گیا تھا کہ فاطمہ قرآن میں معافی اور توبہ کا طریقہ سیکھ کر حقیقی معنوں میں اس سے معافی مانگتی اس کے حضور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتی۔

"آجاو تمہیں وضو کرنا سیکھاو۔"

انہوں نے مسکرا کر اسے اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا تھا وہ لڑکھڑاتے قدموں اور دھڑ کتے دل کے ساتھ اٹھ کر ان کی جانب آئی تھی۔ دالان میں ایک طرف لگے واش بیسن کے قریب پہنچ کر وہ رکے تھے اور انہوں نے اسے اشارہ کیا تھا اس نے ایک نظر ان کے مسکراتے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر دھیرے دھیرے اس طریقے کے مطابق وضو کرنا شروع کیا تھا جو انہوں نے اسے بتایا تھا وضو کر کے وہ جانماز کی جانب بڑھی تھی اسے نماز پڑھنی تھی زندگی میں پہلی بار نماز پڑھنا کیسا ہوتا ہے وہ جاننے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صاریہ کو خان ولا سے آئے ایک پورا دن گزر چکا تھا وہ ایک رات ہوٹل میں رکنے کے بعد آج سکول جا رہی تھی جہاں اسے نوکری ملی تھی سکول میں ہی ایک مدرسہ بھی تھا جہاں بچوں

کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام تھا میرپور خاص میں واقع اس سکول کا شمار کشمیر کے بڑے سکولوں میں ہوتا تھا صاریہ نے چند ماہ پہلے اس سکول میں نوکری کے لیے درخواست دی تھی کیونکہ اس کی تنخواہ اور دیگر لوازمات اتنے اچھے تھے کہ صاریہ کو نوکری کے لیے یہ جگہ موزوں لگی تھی اور اب جبکہ حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ وہ خان ولا میں نہیں رہ سکتی تھی تو ایسے میں سکول سے نوکری کی درخواست کی منظوری کا آنا صاریہ کے لیے بہتر ثابت ہوا تھا وہ سکول میں موجود تھی اپنی تمام کلاسیں لینے کے بعد وہ سردی میں باہر میدان میں رکھے بینچ پر دھوپ کے نیچے آ بیٹھی ذہن ایک بار پھر سے ان حالات میں الجھا تھا جو اس کے ساتھ پیش آئے تھے محبت، ضد، دوری اور اب دربدری کیا کسی کے نصیب میں اتنا سب کچھ ایک ساتھ لکھا ہوتا ہے کبھی کبھی ایک ایک کر کے امتحانات ایک ہی انسان پر آتے چلے جاتے ہیں اور ہر امتحان اپنے اندر ایک سبق لیے ہوئے ہوتا ہے محبت میں سب سے بڑا سبق صاریہ کو یہ ملا تھا کہ محبت صرف خودسری نہیں سکھاتی بلکہ خود آگاہی سکھاتی ہے ضد نے صاریہ کو محبت جیسے تحفے سے محروم کر دیا اور دوری نے ضد اور محبت دونوں کی سزا سنا دی اور پھر دربدری نے یہ سکھایا کہ انسان کے رشتے اس کے لیے کتنی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جب یہ چھن جاتے ہیں تو انسان کے ہاتھ ایسے خالی ہو جاتے ہیں جیسے ان ہاتھوں نے کبھی کچھ تھاما ہی نہ ہو ان سارے امتحانات کے بعد پھر مہلت کا

وقت آتا ہے جب تنہائی آپ کا مقدر بنا دی جاتی ہے تا کہ آپ سوچ سکیں کہ اپنی ذات کے منفی پہلوں سے آپ نے اپنی زندگی سے کیا کچھ قیمتی گنوا دیا اور اب صاریہ کو بھی مہلت ملی تھی تا کہ وہ خود کا تجزیہ کر سکے خود کو جان سکے کہ وہ کہاں تھی اور کہاں آ کر کھڑی ہو گئی ہے۔

"مس صاریہ!"

وہ خود میں مکمل طور پر مگن تھی جب قریب دھیمی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی اس نے سر اٹھا کر مخاطب کرنے والی کو دیکھا تھا سر پر ہلکے نیلے رنگ کا سکارف اوڑھے ہلکے آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ کے ساتھ نیوی بلو شال کندھوں پر اوڑے وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ جاوں؟"

سوال اس کی جانب سے آیا تھا صاریہ اس کی شخصیت سے کچھ اس طرح متاثر ہوئی تھی کہ انکار نہیں کر پائی اور اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا وہ لڑکی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی اس کی شخصیت میں صاریہ کو ایک وقار نظر آیا تھا۔

"آپ میرا نام کیسے جانتیں؟"

صاریہ نے دل میں مچلتا ہوا سوال پوچھ ہی ڈالا تھا جس پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی جیسے اس کے

سوال پر انتہائی مسرور ہو رہی ہو۔

"جب میں یہاں آ رہی تھی تو آپ آفس میں بیٹھی ہوئیں تھیں اور میڈم آپ کا نام پکار رہی تھیں اس لیے مجھے پتہ چل گیا اور اب آپ کو یہاں اکیلے بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ کے پاس چلی آئی کچھ عرصہ قبل میں بھی یونہی الجھی ہوئی تھی جیسے اس وقت آپ لگ رہی ہیں۔"

وہ اپنے ہاتھ کے ناخنوں سے کھیلتی ہوئی اس سے کہہ رہی تھی صاریہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟"

صاریہ کی حیرت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی وہ غور سے برابر میں بیٹھی ہوئی لڑکی کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس کی رنگت صاف اور نقوش تیکھے سے تھے۔

"میرا نام فاطمہ ہے اور میں نے بھی کچھ دن پہلے ہی یہ سکول جوائن کیا ہے مگر میں مدرسے میں پڑھتی ہوں پڑھاتی نہیں ہوں۔"

وہ اس سے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"تم مدرسے میں کیوں پڑھتی ہو آئی مین کیا سیکھنا رہ گیا تم تو پڑھی لکھی لگ رہی ہو۔"

وہ کندھے اچکاتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"کبھی کبھی انسان پڑھ لکھ کر بھی خود سے غافل ہو جاتا ہے اس کی ذات گم ہو جاتی ہے اور

میں یہاں اپنی گم شدہ ذات کا پتہ ڈھونڈنے آئی ہوں خود کو پہچاننے آئی ہوں آخر میں ہوں کون۔"

وہ سامنے دیکھتے ہوئے بوجھل لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"تو مدرسے میں پڑھ کر تم خود کو کیسے تلاش کرو گی فاطمہ!؟"

اس کی باتیں صاریہ کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ فاطمہ ایک بار پھر سے مسکرائی تھی۔

"بالکل ویسے ہی جیسے رات کی تاریکی صبح کے اجالے کو تلاش کرتی ہے اللہ نے انسان کے ہاتھ میں خود سے آگاہی رکھی ہے لیکن وہ کم عقل جان ہی نہیں پاتا سمجھ ہی نہیں پاتا چلتی ہوں میری کلاس کا وقت ہو رہا۔"

وہ جملہ بول کر ایک جھٹکے میں وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی جبکہ صاریہ اس کی عجیب و غریب شخصیت کے بارے میں صرف سوچ کر ہی رہ گئی تھی وہ لڑکی واقعی ہی اسے عجیب و غریب لگی تھی لیکن وہ اپنی چند لمحوں کی گفتگو سے ہی صاریہ میں اپنے لفظوں کے لیے دلچسپی پیدا کر گئی تھی اب صاریہ کو ان کے پیچھے جانا تھا جہاں چاہ وہاں راہ۔

****

تھوڑی آگے جا کر جبرئیل نے جیپ ایک ڈھابے کے باہر روکی تھی۔ بارش کی ننھی ننھی بوندیں جیپ کی فرنٹ سکرین پر گر رہی تھیں جس کے باعث ٹپ کی زوردار آواز آتی تھی

For more visit (exponovels.com)

زارا غور سے ان بوندوں کو دیکھ رہی تھی جیپ ڈھابے کے باہر رکی ہوئی تھی جبرئیل نے بارش کے قطروں میں زارا کی محویت دیکھی تھی اور پھر ہلکا سا گلا کھنکھار کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"چلو بارش تیز ہو جائے گی۔"

اس نے اسے اترنے کے لیے کہا تھا جیپ کا دروازہ کھول کر وہ جونہی باہر نکلی سرد اور برفیلی ہوا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا کر رہی تھی اس نے اپنے دونوں ہاتھ باندھے تھے اور جبرئیل کے پیچھے پیچھے ڈھابے میں داخل ہوئی تھی اندر لوگوں کا رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

"تم یہاں بیٹھو میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔"

اس نے زارا کو ایک میز کی جانب اشارہ کر کے بیٹھنے کے لیے کہا تھا اور خود ہاتھ دھونے باہر کی جانب چلا گیا تھا۔ وہ خود اس کے بتائے گئے میز پر بیٹھ گئی تھی کچھ ہی دیر میں وہ ہاتھ دھو کر واپس آتا ہوا دیکھائی دیا تھا زارا نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی جو حسب عادت اپنے آرمی یونیفارم میں ملبوس تھا لوگ اسے عزت اور رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے زارا کو ایک لمحے میں اس کی بیوی ہونے پر فخر محسوس ہوا تھا وہ ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا اور خود پر اس کی نظروں کی تپش بھی بہت اچھے طریقے

سے محسوس کر رہا تھا۔

"آہاں کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟"

وہ لبوں میں اپنی امڈتی ہوئی مسکراہٹ کو دبا کر تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر کہہ رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں بس سوچ رہی تھی کہ آپ اتنے مشکل کام کیسے کرتے ہیں؟"

وہ دلچسپی سے اس سے سوال کر رہی تھی تب تک ویٹر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات میز پر سجا چکا تھا۔

"کبھی کبھی کچھ تلخ حقیقتیں آپ کو مضبوط کر دیتی ہیں پھر مشکلات بھی مشکل نہیں لگتی بلکہ جنون بن جاتی ہیں۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ پلیز میری اماں کو ڈھونڈ دیں نہ مجھے وہ بہت یاد آتی ہے پتہ نہیں وہ کہاں ہوگی کس حال میں ہوگی ان لوگوں نے پیچھے اس کے ساتھ کیا کیا ہوگا زندہ ہوگی یا اسے۔"

اس سے آگے وہ کچھ بھی نہیں بول پائی تھی اس کے آنسو چھلک کر اس کے گالوں پر بہہ نکلے تھے جبرئیل نے اپنے لب بھینچے تھے۔

"میں انہیں ڈھونڈ لوں گا تم فکر مت کرو زارا تم بہت جلد اپنی ماں سے ملو گی۔"

اس نے زارا کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا تھا۔ باہر بارش اب رک چکی تھی انہیں جلد از جلد کشمیر پہنچنا تھا کرنل احسن کی دو بار اسے کال آ چکی تھی۔

"چلوزارا بارش رک گئی ہے کشمیر پہنچ کر پہلے تمہیں گھر چھوڑنا ہے اور پھر مجھے بیس کو رپوٹ کرنی ہے ۔"

وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈھابے سے باہر نکل گئے تھے وہ زارا کے آگے چل رہا تھا کسی مضبوط دیوار کی طرح اسے اپنی آغوش میں چھپائے ہوئے اور وہ اس کے سائے میں محفوظ ہو کر چل رہی تھی اس لیے اس کے دل میں کوئی خوف کوئی ڈر نہیں تھا گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سکون سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور بہت کوشش کے باوجود بھی وہ خود کو اس کے کندھے پر سر رکھنے سے نہیں روک پائی تھی ۔

"آپ بہت اچھے ہیں آئی ایم بلیسڈ ۔"

اس نے اس کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موندے کہا تھا جبرئیل نے اپنے لب اس کے سکارف میں بندھے بالوں پر رکھے تھے ۔

"تم بھی بہت اچھی ہو انتہائی معصوم آئی ایم السو بلیسڈ ۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور پھر جیپ سٹارٹ کر دی تھی دونوں کا ہی یہ عمل بے ساختہ تھا جس کے کرنے کا ارادہ نہیں تھا بس کچھ عمل بے ساختہ ہوتے ہیں زارا کا اس لمحے جبرئیل کے قریب آنا بھی بے ساختہ تھا اس کا دل چاہا تھا کہ اس لمحے وہ زارا کو اپنی آغوش میں سمیٹ لے اس کے سارے دکھوں سے اسے آزاد کر کے ایک خوش آئیند زندگی کی

طرف لے جائے ابھی تو ساتھ کا سفر شروع ہوا تھا بے انتہا مشکلات ابھی ان کی منتظر تھی کچھ لوگوں کو سکون آسانی سے یسر نہیں آتا۔

تمہارے ہی ہاتھ میں ہے

نبض سکون شاہد

قرار دیتے بھی ہو تو

جیسے ادھار دیتے ہو

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

لو دیتی شام نے تمنا تیری کی ہے

آج ایک بار پھر سے چاہت تیری کی ہے

ڈھلتے ہوئے سایوں نے راحت سی دی ہے

ڈوبتے ہوئے سورج نے یہ جو جسارت کی ہے

ہوا کے جھونکوں نے تیری ہی تو طلب کی ہے

حاضری دے کہ مٹا جا انتظار کو

رخ و گل نے انتظار میں رات وقف کی ہے

ایمن خان

For more visit (exponovels.com)

شکاگو برف باری اپنے پورے جوبن پر جاری تھی کرسمس ٹری ابھی تک ویسے ہی سجے ہوئے تھے لیکن ان کا ہرا رنگ سفید پڑ گیا تھا لٹکتے ہوئے لوازمات بھی سفیدی سے ڈھکے ہوئے تھے پینٹ ہاوس کی بالکنی کا فرش بھی سفید سنگ مرمر سے ڈھکا ہوا تھا پورے فرش پر سفید برف روئی کے گالوں کی طرح بکھری ہوئی تھی اس نے بالکنی کا پردہ سر کا کر گلاس ڈور کھولا تھا جو نہی بالکنی کا دروازہ کھلا سرد ہوا کے تھپیڑوں نے ایس ۔ کے کے وجود کو راحت بخشی تھی برفیلے طوفان سے اس کے کھلے ہوئے بال تیزی سے اڑے تھے پینٹ ہاوس کے سامنے بنی ہوئی بلڈنگز میں بتیاں روشن تھیں اس نے نظر نیچے چلتی ہوئی شاہراہ پر ڈالی تھی جہاں پیدل چلنے والے لوگ بھی نہ ہونے کے برابر تھے سردی کے باعث سب اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے سیاہ کافی کا مگ اس کے بائیں ہاتھ میں موجود اسے گرمائش فراہم کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھا اس نے آنکھیں بند کر کے برفیلے طوفان کے شور کو اپنے اندر تک محسوس کیا تھا ۔

اس بار شاہد اسے خط کا انتظار نہیں تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جواب نہیں آئے گا ایسا ہمشہ ہوتا تھا جو وہ سوچ رہی ہوتی غلام بخش اس کے بارے میں اس سے سوال کر لیتا اور اب بھی وہ اس کی سوچ پڑھ کر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا ۔

"اس بار خط کا جواب نہیں آیا ؟"

اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے بالکنی میں رخ موڑے کھڑی ایس۔ کے سے پوچھا تھا اس نے رخ موڑے ہی طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر جواب دیا تھا۔

"سوال ہی میں نے ایسا پوچھ ڈالا تھا کہ جواب کی امید ہی نہیں ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا سوال پوچھا تھا یہی کہ بدی اچھائی کے نزدیک کیسے رہ سکتی ہے؟"

غلام بخش کے چہرے کی مسکراہٹ نے ایس۔ کے کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کبھی کبھی دل کرتا ہے کرنل احسن کو چھوڑ کر تم سے شادی کر لوں میں کب کیا کرتی ہوں کیوں کرتی ہوں کب کرتی ہوں یہ سب تمہیں پتہ ہوتا میرے کچھ بھی کرنے سے پہلے اطلاع تم تک آجاتی ہے یہ چکر کیا ہے ویسے بخش کیا کوئی خفیا موکل رکھے ہوئے ہیں؟"

وہ شرارت سے آنکھیں گھماتے ہوئے کہہ رہی تھی جبکہ غلام بخش تو کہیں اس کے لفظوں کے سحر میں ہی کھویا ہوا تھا۔

"احسن کو چھوڑنا آپ کے بس میں نہیں ہے ایس۔ کے اس لیے ایسی باتیں کر کے مجھے دو پل کی خوشی دینے سے گریز کیا کریں۔"

وہ شاہد اس کی بات کو زیادہ محسوس کر گیا تھا اس لیے خود کو یہ جملہ کہنے سے روک نہیں پایا تھا۔

"ہاں بات تو صیح ہے کرنل احسن کو چھوڑنا واقعی ہی میرے بس میں نہیں ہے اسے چھوڑنے کا خیال ہی مجھے پاگل کر دیتا ہے ۔ "

وہ گلاس ڈور بند کرتی ہوئی اندر آتے ہوئے کہہ رہی تھی جبکہ بخش ابھی کچھ دیر پہلے اپنے کہے گئے جملے پر شرمندہ دیکھائی دے رہا تھا۔

"تمہیں اپنے کہے پر شرمندہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے بخش محبت چیز ہی ایسی ہے ۔ "

وہ کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی جبکہ غلام بخش اس کے آخری کہے گئے جملے میں ہی الجھ گیا تھا "محبت چیز ہی ایسی ہے ۔ "

زندگی میں پہلی بار بخش کو احساس ہوا تھا کہ وہ واقعی ہی ایک عام عورت کے قریب نہیں رہ رہا بلکہ وہ تو اس عورت کے قریب رہتا ہے جو آسمان پر اڑتی چڑیا کے پر تک گن لیتی ہے پھر پندرہ سال سے ساتھ رہنے کے باوجود یہ کیوں نہ سمجھ پاتی کہ اس کے قریب رہنے والا شخص پور پور بغیر کسی غرض کے اس سے محبت میں بتلا ہے ۔

♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧♧

شام کے چار بجے اس کی میلڑی جیپ کشمیر کی حدود میں داخل ہوئی تھی تقریبا پندرہ منٹ کے سفر کے بعد وہ اپنے گھر پہنچ چکا تھا اس نے جیپ گھر کے مین گیٹ کے باہر ہی پارک

کی تھی کیونکہ اسے ابھی کچھ ہی دیر میں واپس بیس جا کر اپنی جوائینگ کی رپوٹ کرنی تھی وہ اپنی جانب کا دروازہ کھول کر نیچے اترا تھا اور پھر زارا کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے بھی اترنے میں مدد دی تھی زارا تو اس کا گھر دیکھ کر ہی حیران رہ گئی تھی لکڑی کی باڑ کے درمیان لگا ہوا چھوٹا لکڑی کا گیٹ کھول کر اس نے زارا کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا تھا اس نے لان کے درمیان بنی ہوئی اینٹوں کی راہداری پر قدم رکھے تھے جو سامنے ماربل کی دو تین سیڑھیوں تک جا رہی تھی۔ مسلسل برف باری کے باعث راہداری اور لان کچھ برف سے ڈھکے ہوئے تھے جیپ سے اتر کر زارا نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے اور آل کی جیبوں میں ڈال لیے تھے کیونکہ اسے ایک لمحے میں ہی شدید سردی کا احساس ہوا تھا جبریل اپنی میلڑی کیپ پہن کر اس کے آگے آگے چل رہا تھا اور وہ اس کی رہنمائی میں اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ ماربل کی سیڑھیاں عبور کر کے قدیم طرز کا بنا ہوا لکڑی کا دروازہ تھا جس کے کی ہول میں چابی لگا کر اس نے کلک کی آواز سے دروازہ کھول لیا تھا۔

"آجاؤ زارا! ویلکم ٹو یور آن ہوم۔"

اس نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تھا زارا نے بھی جوابی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی اور لکڑی کے فرش پر قدم رکھتی ہوئی وہ کاریڈور عبور کر کے لیونگ روم میں آگئی تھی جبرئیل کے گھر کی سب سے اچھی بات جو زارا کو لگی تھی وہ یہ تھی کہ اس کا سارا گھر لکڑی کا

بنا ہوا تھا اور زارا کو شروع سے ہی لکڑی کے گھر بہت پسند تھے وہ ہمشہ کہانیوں کی کتابوں میں لکڑی کے خوبصورت گھروں کے بارے میں پڑھا کرتی تھی اور یہ گھر جو کہ اس کا اپنا تھا ان افسانوی گھروں سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا۔ لیونگ روم میں سارے صوفے ایک دائرے کی صورت میں لگے ہوئے تھے سامنے خوبصورت آتش دان تھا جس کے اوپر ننھی چیمنی بھی بنائی گئی تھی جو آگ کے دوران دھواں باہر کی جانب چھوڑتی تھی۔ لکڑی کے مختلف ڈیکوریشن پیسز دیوار گیر ایل ای ڈی خوبصورت شیشم کی لکڑی کا جدید طرز کا ڈائینگ ٹیبل جو کہ لیونگ روم کے ہی ایک جانب رکھا ہوا تھا ساتھ ہی کیچن کا دروازہ تھا لکڑی کی دائرے کی شکل میں اوپر کو جاتی سیڑھیاں اف زارا کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنی خوشی کا اظہار کرے۔ وہ دونوں لیونگ روم میں ہی ٹھہر گئے تھے۔

"آغا خان"!

جبرئیل نے آغا خان کو آواز لگائی تھی جو صرف دو منٹ میں ہی حاضر ہوا تھا۔

"اسلام علیکم سر"!

آغا خان نے کیڈٹ سٹائل میں ہی اسے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام آغا خان !کیسے ہو تم ؟"

اس نے سر سے کیپ اتارتے ہوئے مسکرا کر اس کا حال پوچھا تھا جو نظریں جھکائے کھڑا

تھا۔

"ویل ڈن آغا خان! آج گھر بہت اچھے سے صاف ہے۔"

اس نے پچھلی بار کی بات یاد دلاتے ہوئے اسے شاباش دی تھی۔

"ٹھینک یو سر"!

آغا خان مودب انداز میں ہاتھ پیچھے کو باندھے اس سے کہہ رہا تھا۔

"آغا خان یہ ہیں میری وائف زارا جبرئیل خان تمہاری میڈم میں بیس جارہا ہوں تم انہیں کمرہ دیکھا دینا اور کھانا بھی پوچھ کر بنا لینا جو بھی انہوں نے کھانا ہوں میں لیٹ ہو سکتا ہوں۔"

اس نے آغا خان کو ساری ہدایات جاری کی تھیں۔

"اسلام علیکم میڈم"!

سلام اتنا زوردار تھا کہ زارا ہڑبڑا گئی تھی جبرئیل کے لیے اپنی ہنسی چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔

"اوکے زارا میں چلتا ہوں اور میرے آنے کی ٹائیمنگ فل حال کوئی نہیں ہے پھر بھی جلدی آنے کی کوشش کروں گا تمہیں کچھ چاہئیے ہو آغا خان سے بول دینا۔"

وہ کہہ کر آغا خان کے سامنے ہی اس کا گال تھپتپا کر باہر نکل گیا جبکہ زارا شرم سے لال اور آغا خان حیران رہ گیا تھا اس کا اتنا سنجیدہ قسم کا باس کیسے اپنی بیوی کا گال تھپک کر گیا تھا

آغا خان کو ہنسی آ رہی تھی۔

♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤♤

خان ولا میں ایک دم سناٹا چھایا ہوا تھا صاریہ اور جبرئیل وغیرہ کے جانے کے بعد تو خان ولا کا ماحول ہی سنسان ہو گیا تھا سردیوں کے دنوں میں تو ویسے ہی سب اپنے اپنے کمروں میں رہتے تھے عشرت جہاں دونوں کو بھیج کر مطمعین تو تھیں پھر بھی اندر ایک عجیب سا خالی پن محسوس ہو رہا تھا آج بہت عرصے بعد وہ اپنے شوہر کی تصویر سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"لوگ چلے جاتے ہیں لیکن ان کے جانے کی وجوہات کبھی معلوم نہیں ہو پاتی جس کے باعث ایک عجیب سی پھانس عمر بھر کے لیے گلے میں اٹک جاتی ہے برسوں پہلے ہماری عزت پر لگا داغ ابھی تک دھل نہیں پایا برس بیت جاتے ہیں لیکن تکلیف دے ماضی کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا کسی نہ کسی صورت میں کبھی نہ کبھی آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے جس ذلت نے انہیں برسوں پہلے شرمندہ کیا تھا نجانے کیوں آج اس دل میں سے اس کی تکلیف اٹھ رہی ہے۔"

وہ ان کی تصویر سے مخاطب تھیں دو آنسو ٹوٹ کر شیشے کے فریم پر گرے تھے جنہیں انہوں نے رگڑا تھا۔

"امی! کھانے میں کیا بنوانا ہے سگرابی پوچھ رہی ہیں؟"

آنیہ نے ان کے کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر پوچھا تھا انہوں نے نگاہیں اٹھا کر دروازے میں کھڑی آنیہ کی جانب دیکھا تھا جوان کا رویا چہرہ دیکھ چکی تھی۔

"امی! آپ رو رہی ہیں لیکن کیوں؟"

اس نے ان کے قریب آتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بس بچے کچھ نہیں تمہارے بابا کی یاد آ رہی تھی۔"

انہوں نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"امی! آپ دیکھیے گا بہت جلد بابا کے قاتل پکڑے جائیں گئے۔"

آنیہ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ جبکہ دروازے میں کھڑے آرون کا ارادہ اور بھی پختہ ہوا تھا جو اس نے سوچا تھا اب وقت آ گیا تھا کہ اس پہ عمل کیا جائے وہ اپنے یونیفارم کے کف فولڈ کرتا ہوا وہاں سے تیزی سے نکل گیا تھا۔

وہ وقت دور نہیں تھا جب سب کچھ کھل کر سامنے آ جاتا صرف کچھ وقت انتظار کرنا تھا پھر ہر مجرم اپنے انجام کو پہنچ جاتا۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

بیس پہنچ کر اس نے کرنل خاور کے آفس کی راہ لی تھی لیکن ان کا آفس خالی تھا ان کے آفس کے باہر والی میز پر کیپٹن عبداللہ بیٹھا کچھ کام کر رہا تھا جیسے ہی اس نے جبرئیل کو باہر آتے

دیکھا اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر اسے سیلوٹ کیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ کیپٹن؟"

اس نے ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"الحمدواللہ سر آپ کیسے ہیں؟"

اس نے بھی ہاتھ پیچھے کو باندھتے ہوئے مودب بن کر کہا تھا۔

"شکر اللہ کا سر کہاں ہیں؟"

اس نے اپنا مطلوبہ سوال پوچھا تھا۔

"سر وہ تو ابھی تک کشمیر واپس نہیں آئے وہ پشاور ہی ہیں۔"

اس نے بھی ان کے نہ ہونے کی بابد اسے مطلع کیا تھا۔ جس پر جبرئیل بہت پریشان ہوا تھا کیونکہ وہ اس طرح سے کبھی بھی بغیر بتائے پشاور میں دیر تک نہیں رہتے تھے پھر اب ایسا کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے ابھی تک انہوں نے ڈیوٹی جوائن نہیں کی تھی۔

"اور کرنل احسن؟"

اب اس نے کرنل احسن کے بارے میں پوچھا تھا۔

"سر! وہ تو باڈر پر ڈیوٹی پر ہیں۔"

اس نے کرنل احسن کے متعلق اسے بتایا تھا تو وہ سر ہلاتا ہوا باہر آگیا تھا اب اس کا رخ

For more visit (exponovels.com)

باڈر کی جانب تھا جہاں اس نے کرنل احسن سے مل کر اگلا لاحہ عمل طے کرنا تھا۔

آغا خان اسے جبرئیل کے کمرے میں لے گیا تھا جبرئیل کا کمرہ انتہائی خوبصورتی سے آراستہ تھا اس کے گھر آ کر زارا کو ایک چیز کا بہت اچھے سے اندازہ ہوا تھا کہ میجر جبرئیل خان قدیم طرز کی چیزوں کا دلدادا تھا اس نے اپنے گھر میں ہر چیز روایتی طرز کی رکھی ہوئی تھی اور اس کا اپنا کمرہ بھی روایتی طرز کا شاہکار تھا سامنے والی دیوار کے ساتھ خوبصورت درمیانے سائز کا چنیوٹی بیڈ رکھا ہوا تھا جس کے دونوں طرف سائیڈ ٹیبلز تھیں لکڑی کے فرش پر ایرانی قالین کی طرز کا سینٹر پیس بچھا ہوا تھا سامنے اسی طرز کا چنیوٹی ڈریسنگ ٹیبل تھا سامنے بڑی بڑی سی دو کھڑکیاں تھیں جو نیچے لان کا نظارہ دیتی تھیں اور اسی کے ساتھ باہر سڑک کا بھی جو پہاڑوں کے درمیان بنی ہوئی تھی اس کے کمرے سے دور دور پھیلے کشمیر کے بلند و بالا پہاڑ نظر آتے تھے ایک جانب بنا چھوٹا سا ڈریسنگ روم تھا جس کا چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ تھا کھڑکی کے پار آسمان پر پھیلی رات کے منظر واضح ہو رہے تھے وہ آغا جان کو اپنی مرضی کی چیز بنانے کا کہہ چکی تھی ابھی وہ فریش ہونے واشروم میں جانے ہی والی تھی جب اسے نیچے سے عجیب سا شور محسوس ہوا تھا وہ ایک لمحے میں سہم گئی تھی اسے لگا تھا جیسے جو لوگ اس کی تلاش میں تھے وہ اس تک پہنچ گئے ہیں۔ وہ دروازے کے ساتھ

چپک کر بیٹھ گئی تھی سردی کی شدید لہریں اسے اپنی ہڈیوں میں گھستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اس نے اپنے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ لیا تھا گویا اپنی آواز دبانے کی کوشش کر رہی ہو اگلے ہی لمحے دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کی جان نکال رہا ہو اس کا دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے باہر آ جائے گا۔

"میڈم"!

باہر سے آغا خان کی آواز آئی تھی جسے سن کر اسے کچھ اپنی جان میں جان آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"ہا۔۔ہاں۔"

اس نے ہمت کر کے اس کی پکار کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔

"وہ نیچے سر کے دوست آئے ہیں طراب سر اور اسامہ سر۔"

زارا کے لیے یہ نام بالکل انجانے تھے کیونکہ جبرئیل نے اس تمام عرصے میں کبھی بھی اس سے طراب اور اسامہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"آپ انہیں بیٹھائیں میں آتی ہوں۔"

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولے اس لیے اس نے انہیں بیٹھانے کے لیے کہا تھا خود

وہ کچھ دیر بعد اپنا حولیہ درست کر کے نیچے چلی گئی تھی نجانے کیوں اس تمام عرصے میں اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ سیڑھیوں سے نیچے اتری تو سامنے ہی سنجیدہ شکلیں لیے طراب اور اسامہ بیٹھے ہوئے تھے زارا نے اپنے چہرے پر رسمی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی تھی اور پھر گلا کھنکار کر سلام کیا تھا ان دونوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا زارا نور وہی لڑکی تھی جس نے غیر قانونی طور پر باڈر پار کیا تھا جس کے پاس کچھ ایسے راز تھے جن کے باعث اس کی جان کو خطرہ تھا اور اب وہی زارا نوران کے دوست میجر جبرئیل خان کی بیوی کی حیثیت سے اس کے گھر میں موجود تھی ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا اور پھر سے ایک نظر زارا کو جو سر کو کشمیری سکارف سے ڈھانپے نگاہیں جھکائے ان کے سامنے ایسے کھڑی تھی جیسے کوئی مجرم ہو اور عدالت میں سزا کے انتظار میں کھڑا ہو۔

"کیسی ہیں آپ مس زارا؟"

سوال طراب کی جانب سے کیا گیا تھا زارا نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر اثبات میں سر ہلایا تھا مزید ان دونوں کے پاس اس سے کرنے کے لیے کوئی بات نہیں تھی لہذا وہ دونوں ہی اٹھ کر باہر چلے گئے تھے انہیں جبرئیل کا انتظار کرنا تھا کم از کم اس کی واپسی تک تو وہ دونوں نہ تو کچھ کہہ سکتے تھے اور نہ ہی کچھ کر سکتے تھے۔

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

راولپنڈی میں پاکستان کا ہول سکیورٹی ٹیکنولوجی ایکیچنج میں حسب معمول ہر چیز مونیٹر کی جا رہی تھی ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے نقطے کو دیکھا جا رہا تھا ملک میں کہاں خفیہ اجینسیس کس مشن پر کام کر رہی ہیں اس سب کی معلومات اس ادارے میں موجود تھی جسے سمبھالنے والے سیکرٹ ایجنٹس تھے یہ ادارہ ملک میں رہنے والے بہت سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھا اور دشمن معمالک کو تو ایسی کسی ٹیکنولوجی کی بھنک تک نہیں تھی پچھلے چوبیس سال پہلے پاکستان سے باہر لڑکیاں سمگل ہونا شروع ہوئی تھیں اور پھر تیرہ سال پہلے یہ سلسلہ دوبارہ چل نکلا ملیٹری کو صیح معنوں میں اب اس ادارے کی ضرورت پڑنے والی تھی کیونکہ اس کے پیچھے موجود مافیہ کا اب پکڑنے جانا انتہائی ضروری تھا ورنہ اور بہت سے کشمیری گھر اجڑ سکتے تھے سو بہت سی کشمیری لڑکیوں اور عورتوں کی عزت خطرے میں پڑ سکتی تھی لیکن اس ایجنسی میں موجود ایک ایجنٹ کو وہاں کے ایک سسٹم میں کچھ خرابی محسوس ہوئی تھی یہ ادارہ نہ صرف عوام کی نظروں سے اوجھل تھا بلکہ اس کا پتہ صرف ملیٹری سے تعلق رکھنے والے ان لوگوں کو تھا جو بہت خاص تھے جن سے سیکرٹ مشنز کروائے جاتے تھے جو رینک میں بڑے تھے ان تمام افسران کو ہی اس ادارے میں جانے کی اجازت تھی اور یہاں موجود خرابی جلد ہی کوئی رنگ لانے والی تھی۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

شام میں وہ سکول سے آکر اپنے کمرے میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی اس کے دل و دماغ میں صاریہ چل رہی تھی اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی گم سم کیوں ہے کیا اس کے پیچھے کوئی بہت ہی بڑی وجہ ہے ؟ "عمومی طور پر لڑکیاں کب حد سے زیادہ خاموش ہوجاتی ہیں ؟"

اندر کہیں سے ایک سوال ابھرا تھا جس کا جواب شاہد فاطمہ کے پاس تھا۔

"جب کوئی پیاری چیز ہار کر آئی ہوتی ہیں۔"

دل نے جھٹ پٹ جواب پیش کیا تھا۔

"پیاری چیز کیا ہو سکتی ہے ؟"

سوال پھر سے ابھرا تھا۔

"سب سے پیاری چیز تو محبت ہوتی ہے یعنی صاریہ محبت میں ہار کر آئی تھی فاطمہ نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اس کی دھڑکن کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی ہاری تھی لیکن دل رکا تو نہیں تھا وہ تو ہنوز چل رہا تھا اس کا مطلب ہے جب انسان محبت میں ہارتا ہے تو بے حس ہوجاتا ہے کیونکہ اس کا دل اور دھڑکن دونوں چل رہے ہوتے وہ ابھی اپنی سوچ میں ہی تھی جب شمس بغیر اجازت کے اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ غصیلے تاثرات بھی موجود تھے فاطمہ اندر تک سہم سی گئی تھی وہ بغیر کچھ بھی

بولے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا اسے بے انتہا حیرت نے گھیرا تھا وہ ابھی کچھ بولنے ہی والی تھی جب اس نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروادیا تھا اور سر پر لپیٹا ہوا اس کا سکارف پن سے ڈھیلا کیا تھا وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن شمس نے پھر سے اس کے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کے لیے کہا تھا۔ فاطمہ کی آنکھوں سے نا چاہتے ہوئے بھی آنسو رواں ہو گئے تھے اس کی آنکھیں بند ہونے کے باوجود مسلسل آنسو برسا رہی تھیں شمس نے اس کی گردن سے سکارف سرکایا تھا سکارف ڈھلکتا ہوا اس کی گردن سے سرک گیا تھا اس کے ڈھلیے جوڑے میں بندھے ہوئے بال اس کی گردن پر آ گئے تھے شاہد اس کے زخم اپنا پردہ چاہتے تھے مگر اب ہر چیز پردے سے باہر آنے والی تھی۔ شمس نے انتہائی نرمی سے اس کے بال اس کی گردن سے ہٹائے تھے فاطمہ نے آنکھیں زور سے میچی تھیں گرم گرم سیال انتہائی تیزی سے اس کے رخسار بھگو رہا تھا۔

بال ہٹاتے ہی اس کی نظر اس کی گردن میں گڑھے ہوئے سرخ نشانوں پر پڑی تھی جو اس قدر سرخ تھے کہ شمس کو ان نشانوں کی سرخی اپنے وجود میں محسوس ہو رہی تھی ایسے تقریبا اس کے دونوں جانب نشانات تھے اس کے بعد شمس نے اس کی کلائی تھام کر اس کا بازو فولڈ کرنے کی کوشیش کی تھی جسے اس نے ایک دم پیچھے ہٹایا تھا شمس نے اس کی جانب

For more visit (exponovels.com)

دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں التجا تھی اور چہرے پر نفی اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ خود کو شمس پر عیاں ہونے سے کیسے روکے لیکن وہ تو جیسے آج ایک مٹی کا پتلا بن کر آیا تھا جو صرف سپاٹ تاثرات کے ساتھ ساکن بیٹھا ہوا تھا نہ تو کچھ سمجھ رہا تھا اور نہ ہی کچھ محسوس کر رہا تھا۔

"کس نے کیا یہ؟"

وہ بولا بھی تو صرف اتنا وہ سوال نہیں تھا فاطمہ کے لیے وہ اذیت میں ڈوبا ہوا ایسا تیر تھا جو سیدھا اس کی شخصیت گھائل کرنے کے درپے تھا۔ ایک بار پھر سے اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"میں نے پوچھا یہ کس نے کیا ہے؟"

اب کی بار اس کا لہجہ اور گرفت دونوں ہی سخت تھیں فاطمہ نے خوف سے آنکھیں بند کی تھیں اور پھر خود کو ایک بار پھر سے برہنہ ہونے کے لیے تیار کیا تھا۔

"یہ میں نے خود کے ساتھ کیا ہے خود ہی۔"

لہجہ بوجھل تھا انداز شکست خوردہ تھا ایسا جیسے وہ اس لمحے اس شخص کے سامنے سب کچھ ہار بیٹھی ہو عزت، بھرم، وقار، مان سب کچھ اور وہ بھی صرف ایک لمحے میں۔ شمس کے ماتھے پر گہرے بلوں کا جال نمودار ہوا تھا فاطمہ اس کے چہرے اور آنکھوں میں مچلتا ہوا سوال پڑھ

بیٹھی تھی اس لیے اسے اپنا وجود ہزار ٹکروں میں لقسیم ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے آج گوا آئے تیسرا دن تھا ارجن کے ساتھ رہتے اور اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتے اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی ماں اور کمال ولا میں بسنے والے کسی شخص کو بھی نہیں یاد کیا تھا۔

وہ بیچ کے پاس رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی تھی حسب معمول تنگ جینز پر تنگ ہی اونچی ساٹاپ پہنے وہ اپنے سلکی کھلے بالوں میں خوبصورت نظر آرہی تھی ایک ہاتھ میں لیمن ماٹ تھامے اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے وہ اردگرد سے گزرنے والے لوگوں کا معائنہ کررہی تھی۔

"علینہ بے بی"!

وہ ارجن کی آواز پر ایک دم چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو سیاہ شیڈز لگائے اردگرد کی رنگینیاں دیکھنے میں مگن تھا۔

"یس"!

علینہ نے اس کے آگے چٹکی بجاتے ہوئے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

"مجھے آج تمہیں اپنے کچھ فرینڈز سے ملوانا۔"

ارجن نے پیار سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا جس پر علینہ نے کندھے اچکائے تھے۔

"اوکے آئی ول ڈیفینٹلی میٹ دیم۔"

علینہ نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"تو چلیں پھر؟"

ارجن نے گویا اس سے اجازت چاہی تھی اور اس کے آگے اپنا ایک ہاتھ کیا تھا جسے تھام کر علینہ اس کی سنگت میں چل دی تھی۔ تقریبا ایک گھنٹے بعد وہ ایک چھوٹے سے فلیٹ کے سامنے پہنچے تھے فلیٹ کی حالت اتنی خستہ تھی کہ بے ساختہ علینہ کو ایک جھرجھری آئی تھی اس نے ایک نظر ساتھ کھڑے ارجن پر ڈالی تھی اور پھر اس فلیٹ پر جہاں اس کے بقول اس کے دوست رہتے تھے۔

"یہاں رہتے تمہارے فرینڈز؟"

علینہ کی حیرت کسی طور بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی ارجن نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"چھوڑو نہ بے بی کہیں بھی رہتے ہوں صرف دوست ہیں ہمیں صرف ان سے ملنا اور پھر واپس آجانا۔"

ارجن نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دی تھی اور اس کا ہاتھ تھام کر دروازے

کے ساتھ لگی بیل بجائی تھی تقریبا دو منٹ کے بعد دروازہ کھل گیا تھا اور ایک عجیب سی شکل والا لڑکا برآمد ہوا تھا علینہ کا تو اسے دیکھ کر وہاں سے بھاگ جانے کو دل چاہا تھا مگر وہ صبر کر کے ارجن کے ساتھ اندر چلی گئی تھی فلیٹ جتنا باہر سے خستہ حال نظر آرہا تھا اندر سے اتنا ہی ویل فرنشڈ تھا خوبصورت اور قیمتی چیزوں سے آراستہ وہ لاونج واقعی ہی قابل ستائش تھا۔

"بیٹھیں نہ پلیز میں صاحب کو بلا کر لاتا ہوں۔"

وہ لڑکا شاہد کوئی ملازم تھا جو انہیں ایک صوفے کی جانب اشارہ کر کے وہاں سے ایک راہداری کی جانب مڑ گیا تھا۔

"یہ کیسی جگہ پر لے آئے ہو تم؟"

علینہ نے بیزاری سے ساتھ بیٹھے ارجن سے کہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا کچھ ہی دیر کی بات ہے بس۔"

ارجن نے ایک بار پھر سے اس کا ہاتھ تھپک کر اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی تھی کچھ ہی دیر میں راہداری میں سے ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی باہر نکلا تھا جس کا رنگ صاف تھا چہرے پر بڑی سی داڑھی تھی آنکھوں کا رنگ کچھ نیلا سا تھا اس شخص میں علینہ کو ایک عجیب سی کشش محسوس ہوئی تھی مگر اسی کے ساتھ وہ اسے کچھ عجیب بھی لگا تھا۔

"کیسے ہو ارجن ؟"

آواز میں ایک بھاری پن تھا اس کی آواز بھی اس کی طرح دلکش تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں راجویری صاحب آپ کیسے ہیں ؟"

ارجن بے حد مودب انداز میں اس سے ملا تھا مل کر نہیں لگ رہا تھا کہ ان میں کسی قسم کی دوستی کا رشتہ ہے دونوں کا رویہ بے حد فارمل تھا کم از کم علینہ کو تو یونہی محسوس ہوا تھا۔

"ان سے ملیے یہ ہے علینہ جس کے بارے میں آپ کو بتایا تھا۔"

اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کوئی اشارہ کیا تھا۔

"او کیسی ہیں آپ مس علینہ کہنا پڑے گا ایشین خوبصورتی کی اپنی ہی بات ہے۔"

اس نے اوپر سے نیچے تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔

"آئی تھنگ ہمیں چلنا چاہئیے۔"

اس نے ارجن کا ہاتھ تھام کر اسے باہر کے دروازے کی جانب لے کر جانے کی کوشیش کی تھی جس پر وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا سامنے کھڑے آدمی کے چہرے پر تبسم بکھرا تھا۔

"علینہ بے بی ویٹ پہلے کھانا کھا لیتے ہیں پھر چلتے ہیں ویسے بھی کھانا تیار رہے۔"

ارجن نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اس سے کہا تھا علینہ نے بے حد

مشکل سے صبر کے گھونٹ بھرے تھے اور نا چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ڈائینگ ہال کی جانب چل دی تھی۔ دل تھا کہ زور و شور سے دھڑک رہا تھا اسے اپنے ذہن میں مسلسل کچھ غلط ہونے کا خیال آ رہا تھا ایک بار شدت سے اسے صمن بیگم کی یاد آئی تھی لیکن غلطی اس نے خود کی تھی اور غلطی کا خمیازہ بھی اسے ہی بھگتنا تھا سو وہ بھگت رہی تھی۔

"کھانے سے فارغ ہو کر چائے کا دور چلا تھا چائے پیتے ہوئے علینہ کا ذہن عجیب طرح سے چکرا رہا تھا کیا ہوا تھا، کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے والا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اپنے دوستوں کو چھوڑے ہوئے پورے دو دن بیت چکے تھے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ذہن دھیرے دھیرے غنودگی میں جا رہا ہے باہر آسمان پر رات کے کالے اور گہرے سائے پھیل رہے تھے وہ وہی صوفے پر گہری بے ہوشی میں چلی گئی تھی تقریبا آدھی رات کو اس کی آنکھ کھلی تھی اس نے اپنے آپ کو ایک درمیانے سائز کے لیکن شاندار کمرے میں پایا تھا کھڑکی کا پردہ سرکا ہوا تھا اور بستر پر سیدھی چاند کی روشنی پڑ رہی تھی۔ پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا علینہ کو اپنا ذہن حاضر کرنے میں پوری طرح سے دو منٹ لگے تھے جب تقریبا دو منٹ کے بعد وہ ہوش میں آئی تو ساری گزشتہ واردات اس کے ذہن کے پردے پر تازہ ہو گئی اسے اپنا دل تیزی سے دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا باہر خنکی اور سردی کے باوجود اس کا مومی وجود پسینے سے پوری طرح شرابور تھا کچھ ہی

لمحوں کی مسافت کے بعد کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تھا اور وہی آدمی جو انہیں پہلے ملا تھا جسے ارجن راجویری صاحب کہہ کر بلا رہا تھا اندر داخل ہوا تھا چہرے پر وہی پہلے جیسی دلکش مسکراہٹ تھی علینہ کو وہ مسکراہٹ بری طرح کھلی تھی اس نے ارجن کی تلاش میں میں اس کے پیچھے نظر دوڑائی تھی لیکن ارجن ہوتا تو اسے ملتا نہ اس لمحے علینہ کو اندازہ ہوا تھا کہ وہ کڈنیپ ہو چکی ہے ارجن اسے ییتھن راجویری کے ہاتھوں بیچ کر جا چکا تھا اور ییتھن راجویری کشمیر سے سمگلنگ کرنے والا وہ بڑا نام تھا جو داور کمال کا بہت اونچے پائے کا حریف تھا بھلے ہی علینہ کا تعلق کشمیر سے نہیں تھا مگر ارجن کے توسط سے اسے ایک انتہائی خوبصورت لڑکی مل گئی تھی اور جب اسے یہ پتہ چلا کہ وہ لڑکی اس کے حریف داور کمال کی بیٹی ہے تو مارکٹ میں علینہ کمال کی قیمت وہ لگی تھی جو راجویری نے کبھی سوچی بھی نہیں تھی لیکن اب جبکہ علینہ اس کے گھر اور اس کے بیڈروم میں موجود تھی جو چیز اسے میسر تھی وہ اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھا لیتا وہ دلکش مسکراہٹ ہی ہونٹوں پر سجا کر اس کی جانب بڑھا تھا علینہ کا حلق سوکھ گیا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے حلق میں کانٹے اگ آئے ہوں اس رات آسمان اور اس پر پھیلی سیاہی نے علینہ کی چیخیں سنی تھی اس وحشی انسان نے اس قدر درندگی سے اس کا شکار کیا تھا کہ اس کا پورا وجود لہولہان ہو گیا تھا اگلی صبح اس کی حالت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے اسی حالت میں شپنگ کے ذریعے پاکستان کشمیر بھجوا

For more visit (exponovels.com)

دیا گیا تھا اس کی حالت اس قدر خراب تھی کہ وہ اب ان کے کسی بھی کام کی نہیں رہی تھی شپنگ کے بعد جہاں پر خریداروں نے آنا تھا وہی سے اسے ایک کچرے کے ڈھیر کے پاس نیم مردہ حالت میں پھینک دیا گیا تھا اس کا نیم برہنہ جسم جگہ جگہ سے چھلا ہوا تھا اس کے وجود پر کپڑے برائے نام ہی تھے جو اس کے وجود کو ڈھکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ وہ دنیا و معافیہ سے غافل اس کچرے کے ڈھیر کے قریب پڑی ہوئی تھی جب حاجی منیر نے صبح فجر کی نماز پڑھنے جاتے ہوئے اسے ان کے محلے کے باہر لگے کچرے کے ڈھیر کے قریب دیکھا تھا ایک لڑکی کو اس حالت میں دیکھ کر تو صیح معنوں میں وہ پوری طرح سے ہل گئے تھے انہوں نے اس کے قریب جا کر اپنے شانوں سے چادر اتار کر اس کے نیم برہنہ وجود پر ڈالی تھی اور بہت مشکل سے اسے تقریبا گھسیٹتے ہوئے وہ اپنے گھر لے کر آئے تھے ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے اٹھا کر لا سکتے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اس کی اس حالت کے بارے میں کسی اور کو پتہ چلے۔ ان کی بیوی اس کی حالت دیکھ کر باقاعدہ رونے لگی تھیں اسے کپڑے تبدیل کروا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی تھی جب وہ کچھ بہتر ہوئی تو انہوں نے اس سے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ کتنے دن تک کچھ بھی بولنے کی حالت میں نہیں رہی تھی آہستہ آہستہ اس پر ان کے گھرانے کا رنگ چڑھنا شروع ہوا تھا اور پھر اس نے خود سے آشنائی پائی تھی اس

سارے عرصے کے دوران وہ اماں جی کو اپنی حالت کے بارے میں آگاہ کر چکی تھی اور وہ کبھی بھی نہیں چاہتی تھی کہ شمس کو یہ سچائی پتہ چلے لیکن آج وہ اس شخص کے سامنے پوری طرح سے برہنہ ہو گئی تھی علینہ فاطمہ آج صیح معنوں میں برہنہ ہوئی تھی کیونکہ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ سیاہ باب اس شخص پر کھل گیا تھا جس پر وہ کبھی بھی نہیں کھولنا چاہتی تھی۔

تو نہیں ہے تو کیا ہے

تو ہوتا تو کیا ہوتا

رسوائی آج بھی مقدر

رسوائی کل بھی مقدر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تھانے میں اس لمحے رش نہ ہونے کے برابر تھا وہ اپنی ریوالونگ چئیر پر فائلوں میں سر دیے بیٹھا ہوا تھا آرون خان اس کیس میں پوری طرح سے الجھ چکا تھا جب وہ ایک گتھی سلجھا لیتا تو دوسری گتھی الجھ جاتی۔ بے ساختہ اسے چند روز قبل کہی ہوئی جبرئیل کی بات یاد آئی کہ۔ "اس میں مت الجھو آرون میرا دل تمہیں کھونے سے ڈرتا ہے۔"

آرون نے اپنا سر تھاما تھا تو کیا وہ ایک سچ جاننے کے لیے سب کچھ کھو دے گا؟"

سوال تھا لیکن اس کا کوئی بھی جواب آرون کے پاس نہیں تھا۔

"سب گنوانا بھی پڑا تو اب کی بار میں نہیں چوکوں گا۔"

دل سے ایک پر عزم آواز آئی تھی جو خالصتاً اس کی اپنی آواز تھی اس کے ایک بار پھر سے ایک عزم کیا تھا اور اسی کے ساتھ کرائیڈل پر رکھا ہوا ریسور اٹھایا تھا۔ ریسور رکھنے کے دو منٹ بعد انسپکٹر دانش اندر داخل ہوا تھا اور اس نے آرون کو ایک سیلوٹ کیا تھا۔

"کیسے ہو انسپیکٹر دانش؟"

اس نے مزاج کے خلاف جا کر اس کا حال احوال پوچھا تھا۔

"کرم ہے اللہ کا سر"!

دانش کے لہجے میں وہی مودب پن تھا۔

"کیا خبر؟"

آرون کا لہجہ ایک لمحے میں سپاٹ ہوا تھا۔

"خبر اچھی ہے سر"!

دانش نے مسکرا کر کہا تھا۔

"بولو۔"

آرون نے ایک ہاتھ تھوڑی کے نیچے ٹکایا تھا اور دوسرا ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے اسے بولنے کو کہا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"جس گھر سے 1994 میں آخری اغوا ہوا تھا اس گھر کا پتہ مل گیا ہے۔"

دانش نے پرجوش لہجے میں اسے بتایا تھا اس تمام عرصے میں آرون پہلی بار مسکرایا تھا۔

"گڈ انسپیکٹر! پتہ دو مجھے جلدی۔"

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر پتہ مانگا تھا اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر آرون کی جانب بڑھایا تھا جسے اس نے تھام لیا تھا اب اسے جلد از جلد اس گھر میں جا کر معلومات لینی تھی وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا جب میز پر رکھا ہوا اس کا فون چیخا تھا اسے وہاں بیٹھے ہوئے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا تھا گھڑی رات کا پونا ایک بجا رہی تھی دانش کی تو نائٹ ڈیوٹی تھی اس نے فون یس کر کے کان سے لگایا تھا اور جلدی جلدی میز سے اپنا والٹ اور گاڑی کی چابیاں اٹھائی تھیں۔

"ہاں آنی بولو؟"

اس نے باہر نکلتے ہوئے آنیہ سے کہا تھا۔

"یار رون ابھی تک آئے نہیں آپ؟"

آنیہ حسب عادت شروع ہو چکی تھی۔

"بس راستے میں ہوں پہنچ جاوں گا تم وہ بولو جس کے لیے کال کی ہے۔"

وہ بھی اسی کا بھائی تھا اس کے سارے مقصد سمجھتا تھا فون سے آنیہ کی ہنسی گونجی تھی۔

"آپ کو کیسے پتہ؟"

اس نے مسکراہٹ دبا کر اس سے پوچھا تھا۔

"تمہارا ہی بھائی ہوں سارا پتہ مجھے آئسکریم کھائی کہ برگر؟"

آرون نے گاڑی موڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ٹھنڈ میں ٹھنڈی آئسکریم زیبی اور میں ویٹ کر رہے آپکا۔"

اس نے مزے سے کہا تھا۔

"اچھا تو زیبی میڈم بھی ساتھ ہیں اس شیطانی کام میں؟"

نا چاہتے ہوئے بھی زیبا کے نام پر وہ مسکرا گیا تھا۔

"یس رون۔"

آنیہ تابعداری سے بولی تھی۔

"اوکے سی یو ان ففٹین مینٹس۔"

اس نے کہہ کر کال بند کر دی تھی آنیہ ہمیشہ اس کے لیے خوشی کی وجہ رہی تھی ابھی بھی وہ پتہ بھول کر اس کی آئسکریم کے بارے میں سوچ کر مسکرا اٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ عجلت میں گھر پہنچا تھا جوں ہی اس نے جیپ لان کے ساتھ بنے میں گیراج میں کھڑی کی

نظر سیدھی لان میں ٹہلتے طراب اور اسامہ پر پڑی اسے اپنی شامت صاف دکھی تھی۔

وہ مسکرا کر جیپ سے باہر نکلا تھا وہ دونوں خون خوار تیور لیے اس کی جانب بڑھے تھے

طراب نے اسے کالر سے پکڑا تھا جب کہ اسامہ نے اس پر مکوں کی بارش شروع کی تھی وہ

بیچارہ میری بات تو سنو ہی کرتا رہ گیا تھا۔ جب ان دونوں نے اسے اچھی طرح ماریا تو

اسے اٹھا کر لان میں لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھایا تھا۔

تو نے یہ حرکت کی کیوں آخر؟"

اسامہ کو تو صدمہ ہی ہو چلا تھا۔

"مجبوری تھی یار۔"

اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"ہمارے بغیر شادی کرلی وہ بھی زارا نور سے؟"

طراب کو تو ہضم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"اوے شرم بھابھی ہے تیری۔"

اس نے تیوری چڑھائی تھی۔

"تو میں نے کیا بولا ہے زارا بھابھی ہی ہیں۔"

اس نے آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"گڈ۔"

جبرئیل نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

"اوئے تونے مائرہ کو کیوں بتایا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔"۔

طراب کو بھولی بات یاد آئی تھی۔

"میں نہ بتاتا تو وہ تجھے ریجیکٹ کردیتی۔"

اس نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"ہمیں نہیں پتہ ہم نے پھر سے تیری شادی کرانی ہے۔"

اسامہ کی سوئی تو شادی پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔

"اوے میں کرچکا ہوں شادی بس کردو۔"

جبرئیل نے تو ہاتھ جوڑے تھے۔

"اوے لالے زیادہ خوش مت ہو اسی سے دوبارہ کروائیں گئے۔"

دونوں نے شیطانی مسکراہٹ اچھالی تھی تو وہ بھی سر جھٹک کر مسکرایا تھا۔کھڑکی سے زارا نے تینوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو اس کے وجود میں یک گونا سکون محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح تقریبا دس بجت کے قریب وہ گھر سے اپنی گاڑی میں نکلا تھا وہ سول ڈریس میں تھا

اسے یہی مناسب لگا تھا اسے اس پتے پر پہنچنا تھا جو گزشتہ رات اسے انسپکٹر دانش نے دیا تھا وہ پتہ خان ولا سے تقریبا ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ آخر اس بنگلے کے باہر پہنچ ہئ گیا تھا۔ گاڑی پارک کرکے اس نے بیل دی تھی چوکیدار نے گیٹ کھولا تو اس نے اسے اپنا کارڈ دیکھایا تھا اس نے اسے سیلوٹ کرکے دروازہ کھول دیا تھا۔ ایک ملازم نے اسے اندر ڈرائینگ روم میں بیٹھایا تھا کچھ وقت انتظار کرنے کے بعد جس شخصیت کو اندر داخل ہوتے اس نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر آرون ایک بار پورے جی جان سے ہل گیا تھا۔

****

بے بسی کی انتہا ہوتی جارہی ہے
ایسی ورق گردانی ہوتی جارہی ہے
وہ بے قرار کرنے والے لمس کی
دھیرے دھیرے یاد بھولی جارہی ہے
وہ بے چین کرتے ناموں کی تحریر
بے سبب دھندلی ہوتی جارہی ہے

For more visit (exponovels.com)

ماضی جو تھا ان بوسیدہ اوراق میں
ان کی گرد بھی مٹتی جا رہی ہے
آ تو ایک بار سامنے زرا سالوں بعد
تجھے معاف کرنے کی چاہ بڑھتی جا رہی ہے
ایمن خان

وہ ان کے بالکل سامنے کھڑا تھا چہرے پر حیرت کا سمندر آباد کیے نہ صرف وہ انہیں دیکھ رہا تھا بلکہ وہ بھی اسے اسی طرح دیکھ رہے تھے۔

"اسلام علیکم!"

بل آخر آرون نے ہی سلام میں پہل کی تھی۔

"وعلیکم اسلام!کیسے ہو بیٹا تم؟"

انہوں نے مسکرا کر اس کا حال احوال پوچھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

آرون نے ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شکر اللہ کا گزر رہی ہے اور اچھی گزر رہی ہے۔"

انہوں نے مسکرانے کی موہوم سی کوشش کرتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ آرون کی سمجھ

سے باہر تھا کہ جس کام کے لیے وہ یہاں آیا ہے وہ کام وہ کس طرح کرے دوسرا ابھرنے والا سوال یہ تھا کہ کہیں وہ کسی غلط گھر میں تو نہیں آگیا؟ اگر آگیا ہے تو وہ کس طرح بات ادھوری چھوڑ کر جائے گا وہ برا پھسا تھا اور اب اسے نکلنا مشکل لگ رہا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھا کہ اس لمحے وہ جس جگہ پر موجود ہے یہی جگہ اس کے دل میں ابھرتے اور دماغ میں مچلتے سوالوں کا جواب دے گی ہر چیز کھل کر شفاف آئینے کی طرح سامنے آنے والی تھی۔

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

میر پور خاص کے ڈی ایچ کیو ہسپتال میں اس کی نائٹ شفٹ تھی وہ وارڈ میں مریضوں کو دیکھ کر اپنے کیبن میں آکر ابھی بیٹھی ہی تھی کہ میز پر رکھا ہوا اس کا فون چیخا تھا۔ وہ جو آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھی تھی فون کی آواز پر ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھی تھی موبائل پر کوئی انجان نمبر چمک رہا تھا مائرہ نے کچھ الجھ کر فون پر چمکتے نمبر کی جانب دیکھا تھا اور پھر گہرا سانس بھر کر فون کان سے لگایا تھا اصل میں وہ خود بھی حیران تھی کہ اس وقت ایسا کون ہے جو اسے فون کر رہا تھا۔

"ہیلو!"

مائرہ نے فون کان سے لگا کر اپنے بولنے کا احساس دلایا تھا لیکن دوسری جانب صرف

محض سانسوں کی آواز تھی جو مائرہ کو اور بھی الجھن میں ڈال گئی تھی۔

"ہیلو کون؟"

اس نے ایک بار پھر سے اپنی موجودگی سے آگاہ کیا تھا۔

"ہیہ۔۔ہیلوما۔۔مائرہ!"

دوسری جانب سے خالصتن زنانہ آواز تھی جو سیک لہجے میں مائرہ کی پہچان میں نہیں آئی تھی اسے بالکل بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ایسا کون ہے جو اس کا نام جانتا ہے۔

"میں نے پہچانا نہیں کون بول رہا ہے؟"

اس نے اپنی نا سمجھی کا اظہار کرنے میں بھی تاخیر سے کام نہیں لیا تھا بلکہ فوری طور پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا کیونکہ یہ سچ تھا کہ وہ فون کرنے والے کے بارے میں متجسس تھی۔

"مہ۔مائرہ!میں صا۔۔صاریہ!"

اس نے آخری جملہ پورا کر ہی دیا تھا اور مائرہ فون کے دوسری جانب صاریہ کو پا کر بے حد حیران ہوئی تھی۔

"صاریہ!تم؟"

مائرہ نے حیرت اور نا سمجھی کے ملے جلے تاثرات رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں مائرہ میں صاریہ سنا تھا تم کشمیر ہوتی ہو تو میں نے نائلہ سے تمہارا نمبر لیا اور اب تمہیں

کال کی۔"

مائرہ کو صاریہ کی آواز قدرے آہستہ اور بوجھل محسوس ہوئی تھی۔

"کیا تم ٹھیک ہو صاریہ مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم ٹھیک نہیں ہو؟"

مائرہ اور صاریہ کالج میں اکھٹے پڑھا کرتی تھیں مائرہ ڈاکٹری کی پڑھائی کے لیے بیرون ملک چلی گئی جبکہ صاریہ نے ایم ایس میں داخلہ لے لیا اور پھر دونوں کا رابطہ ٹوٹ گیا دونوں کا رابطہ ٹوٹنے کی ایک بڑی وجہ صاریہ کی خودپسندی بھی تھی اور خودغرضی بھی مائرہ ہمشہ صاریہ کو جبرئیل کے حوالے سے سمجھایا کرتی تھی مگر وہ اپنی خودغرضی میں اتنا آگے نکل گئی تھی کہ مجبوراً مائرہ نے صاریہ سے ہر تعلق ختم کرلیا اس نے صاریہ سے بات کرنا ترک کردی اور پھر دھیرے دھیرے دونوں میں اتنی دوری آگئی کہ انہیں ایک دوسرے سے ملے اور بات کیے سالوں بیت گئے اور اب جب ایک دم سے اچانک مائرہ کو صاریہ کا فون آیا تو اس کا چونکنا تو فطری تھا۔

"میں گھر چھوڑ کر کشمیر ہی آگئی ہوں مائرہ! یہاں ایک سکول میں جاب کررہی ہوں اتنے سالوں بعد ایسے ہی تم سے ملنے کو دل چاہا تو میں نے نائلہ کو فون کر کے تمہارا نمبر لے لیا۔"

صاریہ نے اسی مدہم لہجے میں اس سے کہا تھا۔

"بہت اچھا کیا کونسے سکول میں ہوتی ہو تم میں کل تمہیں پک کرلوں گی پھر ملتے ہیں۔"

مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو صاریہ نے اسے سکول کا نام اور پتہ سب کچھ بتا دیا کچھ دیر بات چیت کے بعد دونوں نے فون بند کر دیا۔ مائرہ نے فون بند کرنے کے بعد سر ریوالونگ چئیر کی پشت سے ٹکایا تھا اس کی سوچ کا محور مسلسل صاریہ کی ذات تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طراب اور اسامہ کے جانے کے بعد وہ اندر آیا تھا اپنی میلٹری کیپ ہاتھ میں تھامے وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"سلام سر!"

آغا خان نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام! میڈم کدھر ہیں؟"

اس نے چھوٹتے ہی زارا کے متعلق پوچھا تھا کیونکہ اس سارے واقعے میں اسے اس کی سب سے زیادہ فکر تھی کہ پتہ نہیں ان دونوں نے زارا سے کیا کہا ہوگا۔

"وہ تو اوپر اپنے کمرے میں ہیں۔"

آغا خان نے مودب بنتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"کچھ کھایا انھوں نے؟"

سوال ایک بار پھر سے اس کی جانب سے کیا گیا تھا آغا خان کے لیے تو آج حیرتوں کا دن

تھا اس کا باس کسی کی اتنی فکر بھی کر سکتا ہے اسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
"نہیں سر میرے بہت کہنے کے باوجود بھی انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔"
آغا خان نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔
"او کے تم ٹیبل پر کھانا لگاو میں دیکھتا ہوں۔"
وہ اسے کہہ کر اپنے یونیفارم کی آستین موڑتا ہوا لکڑی کی سیڑھیوں کی جانب چل دیا جس کے پار اس کا کمرہ تھا۔ اس نے دروازے کے باہر پہنچ کر انتہائی آہستگی سے دروازے کی ناب گھما کر دروازہ کھولا تو وہ خود بخود کھلتا چلا گیا کمرے میں نیم اندھیرا تھا مگر کمرہ پورا خالی تھا واشروم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی جبرئیل کو یہ اندازہ لگانے میں لمحہ لگا تھا کہ وہ واشروم میں ہے۔ وہ بیڈ کے سامنے رکھے کاوچ پر بیٹھ کر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا کچھ ہی دیر میں واشروم کا دروازہ کھلا اور وہ تولیے سے منہ تھپکتی ہوئی باہر نکلی اس کے کپڑے بدلے ہوئے تھے سر پر اس لمبے سکارف کی بجائے کوئی بھی چیز موجود نہیں تھی بورے گھنگھریالے بال یونہی ڈھلیے سے جوڑے میں بندھے ہوئے تھے وہ عام دنوں سے مختلف حولیے میں تھی بلیک پلین کرتا سادے سے ٹراوز کے ساتھ پہنے ہوئے وہ بالکل سادے حلیے میں تھی۔ چہرے پر سنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

اس نے وہی بیٹھے بیٹھے ہی اس سے پوچھا تھا جو نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"بھوک ہی نہیں تھی مجھے اس لیے کھایا ہی نہیں۔"

زارا نے یونہی کھڑے ہوئے اس سے کہا تھا۔ جبرئیل نے غور سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جو بالکل سنجیدگی لیے ہوئے تھا اس نے گہرا سانس بھر کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"یہاں آو میرے پاس؟"

اس نے اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ اس کے قریب آگئی۔

"یہاں بیٹھو۔"

اس نے اپنے گھٹنوں کی جانب اشارہ کیا تو زارا نے چونک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں ہلکی سی بھی مسکراہٹ نہیں تھی وہ بے حد نروس انداز میں وہاں کھڑی تھی۔ جب وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی تو جبرئیل نے اس کی کلائی تھام کر اپنی جانب کھینچی اور اسے اپنے گھٹنوں پر بیٹھا لیا زارا کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا وہ اس کا اپنے لیے یہ انداز سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے آپ بتاو؟"

For more visit (exponovels.com)

اس نے اس کے جوڑے میں بندھے ہوئے بال جوڑے کی قید سے آزاد کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔"

اس نے اس کے یونیفارم کے بٹن سے کھیلتے ہوئے جواب دیا تھا جبرئیل نے اس کا وہی بٹن سے کھیلتا ہوا ہاتھ تھاما تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کیا تھا۔

"طراب اور اسامہ میرے بہت اچھے دوست ہیں میرے بیسٹ فرینڈز اور ان کا ہرگز بھی وہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھ رہی ہو زارا وہ بس ایک دم شاک ہو گئے میری شادی کا جان کر ساری بات کلئیر ہو گئی ہے تم خوامخواہ میں ٹینشن مت لو۔"

اس نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے اسے دھیرے سے کہا تھا اور اس کے گرد اپنا حصار باندھا تھا۔

"کیا سچ میں بات کلئیر ہو گئی ہے؟"

زارا کو اس کے حصار سے زیادہ بات کے حل ہونے کی فکر تھی۔ جبرئیل کی مسکراہٹ خاصی گہری ہوئی تھی۔

"ہاں ہو گئی۔"

اس نے اپنے لب اس کے بالوں میں رکھے تو زارا نے اس کی گود سے اٹھنے کی کوشش کی

جس پر جبرئیل نے دوبارہ اس کی کلائی تھام کر واپس بیٹھایا۔

"ارے اتنی جلدی کہاں جارہی ہو؟"

اس نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے زارا سے پوچھا تھا جس پر زارا نے اسے اچھا خاصا گھور کر دیکھا تھا۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی میجر صاحب آپ اتنے بے ہودہ ہوں گئے۔"

اس نے نظریں جھکا کر اس سے کہا تھا جبرئیل کا فلک شگاف قہقہ کمرے میں گونجا تھا۔

"کیوں بھئی اس میں بے ہودگی کی کیا بات ہے تم تو ایسے بول رہی ہو جیسے تمہاری جگہ میں نے کسی اور انجان لڑکی کو اپنی گود میں بیٹھا لیا ہے۔"

وہ مصنوعی منہ پھلاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

"آپ سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ کل کو کسی اور کو بھی بیٹھا لیں اپنی گود میں۔"

اس نے اچھا خاصا منہ پھلایا تھا۔

"اچھا واڈروب سے میرے کپڑے نکال دو میں فریش ہوجاوں پھر ہم کھانا کھاتے ہیں۔"

اس نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا تھا جس پر زارا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں کیوں نکالوں اپنے کپڑے سنا ہے فوجیوں کو اپنے سارے کام کرنے کی خود عادت ہوتی ہے۔"

وہ پتہ نہیں کہاں سے سنی ہوئی بات اسے سنا رہی تھی۔ جس پر وہ مسکرایا تھا ہونٹ کے پاس والا تل تھوڑا نمایاں ہوا تھا زارا نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں لیکن جن فوجیوں کی بیویاں آجائیں وہ ہڈحرام ہو جاتے ہیں میجر جبرئیل بھی زارا جبرئیل کے آنے سے ہڈحرام ہو گئے ہیں اب جلدی کرو ڈونٹ ویسٹ ٹائم۔"

اس نے جلدی سے اسے واڈروب کی جانب دھکیلا تھا واڈروب سے اس نے جبرئیل کو ایک اوف وائٹ کلر کی شلوار قمیض نکال کے دی جسے تھام کر وہ واشروم میں چلا گیا اور خود زارا نیچے آگئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ لائینٹوں والے تہہ خانے میں سردی آج حد سے زیادہ تھی۔ ٹھنڈے ٹھار فرش پر بیٹھی آرا بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی سردی اس کے پھیپھڑوں میں گھس رہی تھی بہت عرصے سے نہ نہانے کے باعث اسے خود سے گھن آرہی تھی اس کے کھلے ہوئے بال جڑ چکے تھے کسی بھی قسم کے گرم کپڑوں سے عاری اس کا وجود شاہد اس سرد تہہ خانے کی ٹھنڈ کا عادی ہو چکا تھا۔

آرا نے اپنے دونوں بازوا پنے گھٹنوں کے گرد پھیلائے تھے اور ان میں سر دے کر بیٹھ گئی تھی اس کے وجود پر ایک عجیب قسم کی کپکپی طاری تھی اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا

تھا کچھ ہی دیر میں سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی تھی آرا جانتی تھی کہ اس تحہ خانے میں کون آسکتا تھا اس لیے اس نے سر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی سگار کی بو اور دھواں تحہ خانے میں ابھرا تھا۔

"اف بہت بدبو ہو گئی ہے یہاں۔"

نوریز نے اپنا ہاتھ اپنی ناک پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"آرا تب بھی خاموش رہی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ کچھ بھی نہیں بول سکتی۔

"یہ لو اور جا کر نہا لو۔"

نوریز نے اس کے آگے کپڑے پھینکتے ہوئے کہا تھا آرا نے ایک نظر اپنے سامنے بکھرے ہوئے کپڑوں اور دوسری نظر نوریز پر ڈالی تھی جو مسلسل سگار کے کش لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں آج تمہیں میرے کپڑوں اور حلیے کی اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے نوریز!؟"

آرا نے اپنے لہجے کو سپاٹ بنا کر کہا تھا۔ جس پر تحہ خانے میں نوریز کا قہقہ گونجا تھا۔

"ویسے آرا! ماننا پڑے گا تم اب بھی بہت سمجھ دار ہو ہمشہ کی طرح میری رگ رگ سے واقف!"

نوریز اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تھا آرا کے بے حد قریب۔

"اپنی بکواس بند کرو نوریز! گھٹیا تو تم پہلے بھی تھے اور اب تو گر بھی چکے ہو۔"

آرا نے بے بسی سے اس سے کہا تھا جس پر وہ ایک بار پھر دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"بالکل اور اس سے زیادہ گرنے میں بھی مجھے وقت نہیں لگے گا آرا! خود سے اٹھ کر جاؤ ورنہ پھر یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔"

اس نے سگار نیچے پھینک کر اپنے بھاری بوٹ تلے مسلا تھا اور اس کی بات کے جواب میں آرا کی ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سی سنسناہٹ ہوئی تھی۔

اس نے اٹھ کر جانے کی کوشش کی تھی مگر نقاہت کے باعث اس سے اٹھا نہیں گیا تھا نوریز نے اسے اٹھا کر تہہ خانے کے کونے میں بنے ہوئے خستہ حال واشروم میں دھکیلا تھا اور خود دوسری جانب جالی کے پار لگے بوسیدہ لکڑی کے جھولے پر بیٹھ گیا تھا اب اس کے ہاتھ میں ایک اور سگار تھا جس کے کش لینے میں وہ مصروف تھا شاہد یہ اس کے انتظار کا سامان تھا آج ایک بار پھر سے بہت عرصے بعد وہ اپنے نفس کی تسکین چاہتا تھا اور اس کا باعث صرف اور صرف تہہ خانے میں موجود آرا کی ذات تھی۔ کچھ لمحوں بعد جب آرا باہر نکلی تو اس نے نوریز کو جالی کے پار بنے ہوئے جھولے پر بیٹھے دیکھا نجانے کیوں آرا کے اندر کچھ کھٹکا تھا کیونکہ وہ ہمشہ کی طرح آج بھی نوریز کے سامنے بے بس تھی۔ کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہی نوریز سیدھا ہوا تھا آرا کے صاف ستھرے اور نکھرے روپ کو دیکھ کر نوریز

کئی سال پیچھے چلا گیا تھا اس کے دل و دماغ میں ابھی تک پھر سے آرا کے حسن کا وہی عکس تھا۔ وہ دھیرے سے اس کی جانب بڑھا تھا آرا کے قدم بے ساختہ پیچھے کی جانب اٹھے تھے۔

"خبردار نوریز جو تم میری جانب آئے میں قسم کھا کر کہہ رہی ہوں میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔"

آرا نے انگلی اٹھاتے ہوئے پتھریلے لہجے میں اس سے کہا تھا۔ جس پر نوریز کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"آرا! میری جان تم ابھی بھی وہی بے بس چیونٹی ہوں جو برسوں پہلے ہوا کرتی تھی تم اچھے سے جانتی ہو کہ تم میرے آگے کچھ بھی نہیں کر سکتی پھر مذہمت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

نوریز نے ایک بار پھر سے منہ میں دبا ہوا سگار سیاہ اینٹوں کے فرش پر پھینک کر اپنے بوٹ سے مسلا تھا۔ اور آرا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی جانب کھینچا تھا آرا کا ڈھلتی عمر کے باوجود حسین چہرہ نوریز کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ اس نے سسکتی ہوئی آرا سے جی بھر کر تسکین حاصل کی تھی اس کی سسکیوں اور بدعاوں کا گواہ وہ سیاہ اینٹوں کا تہہ خانہ تھا جو آرا کی ہر آہ کا گواہ تھا۔ اپنی طلب مٹا کر اس نے آرا کو خود سے دور دھکیلا تھا جیسے وہ کوئی ناپاک اچھوت ہو آرا کا نڈھال جسم سیاہ فرش پر ایک جانب کو لڑھک گیا تھا خود نوریز تہہ

خانے کی سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا آرا کی آواز نے ایک پل کے لیے اس کے قدم جکڑے تھے۔

"کل بھی میری یہی دعا تھی اور آج بھی یہی دعا ہے اور انتہائی دل سے ہے میرے جسم کا ہر اعضا اور میری روح کا ہر حصہ میرے خون کا ہر قطرہ میرا روم روم تمہارے مرنے کی دعا شدت سے کر رہا ہے نوریز! اللہ کرے تم مر جاؤ اور نہ تو تمہیں کفن نصیب ہو اور نہ ہی قبر سنا تم نے نوریز! خدا کرے تم مر جاؤ مر جاؤ تم"

اس نے اپنے بے جان ہوتے جسم اور آنسوں سے تر چہرے کے ساتھ چیخ کر کہا تھا ایک لمحے کے لیے صرف ایک لمحے کے لیے نوریز کا دل کانپا تھا مگر شیطانیت اور بے حسی پھر سے اس کے اوپر غالب آگئی تھی اور وہ سر جھٹک کر تہہ خانے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا پیچھے آرا کے وجود کے ٹکروں کو بھی سمبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ آرا کی بددعائیں نوریز کی زندگی میں کیا رنگ لانے والی تھی یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام میں ہلکی ہلکی دھوپ تھی چائے کے مگ تھامے وہ دونوں لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

سگرا بوا نے میز پر چیز سنڈوجز کی ٹرے رکھی تو وہ ان کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

"سگرا بوا اب آپ جائیں ریسٹ کر لیں باقی ہم خود دیکھ لیں گئے۔"

آنیہ نے پاس کھڑی سگرا بوا کو کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں جبکہ آنیہ زیبا کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو کسی غیر مرعی نقطے پر مرکوز تھی۔

"کیا بات ہے زیبی ایسے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟"

آنیہ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے نگاہوں کا زاویہ آنیہ کی جانب موڑا۔

"صاریہ آپا مجھے بہت یاد آرہی ہیں۔"

زیبا نے بے بسی سے کہا تھا۔

"ہاں صاریہ آپا کو تو میں بھی بہت مس کر رہی ہوں ان کا ہر وقت ٹوکنا لڑنا غلطیاں نکالنا رونق رہتی تھی اور اب جب سے وہ گئی ہیں جیسے پورا گھر ہی سنسان ہو گیا ہے۔"

آنیہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تھا۔ ابھی وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ گیٹ کھلا تھا اور پھر سبتین کی سفید سویک اندر داخل ہوئی تھی گاڑی سرخ اینٹوں کی روش پر چلتی ہوئی پورچ میں رکی تھی وہ اپنی پولیس کی وردی پہنے ہوئے باہر نکلا تھا یقیناً وہ اس وقت تھانے سے آرہا تھا سیاہ شیڈز آنکھوں سے ہٹا کر وہ چلتا ہوا ان دونوں کے پاس ہی آگیا تھا جو لان میں بیٹھی چائے سے انصاف میں مصروف تھیں۔

"ہیلو گلز!"

اس نے دھڑم سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہائے سبتہ!"

زیبا نے ویسے ہی اداس شکل بنائے ہوئے اسے ہاتھ ہلایا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے یہ اداس بندریا جیسی شکل کیوں بنائی ہوئی ہے؟"

سبتہ نے ایک سینڈوچ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"چپ کر جاؤ آئی مس صاریہ آپا الوٹ۔"

اس نے چائے پیتے ہوئے منہ لٹکا کر کہا تھا۔

"تو اس میں اتنی اداسی والی کونسی بات ہے آپا کو فون کرلو ان سے بات کرلو یقیناً تم بہتر محسوس کرو گی۔"

اس نے اپنے فون پر صاریہ کا نمبر ملاتے ہوئے کہا تھا مگر مسلسل بیل جانے کے باوجود بھی کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ابھی وہ شاید مصروف ہوں گی تم کچھ دیر بعد کال کر کے بات کرلینا۔"

اس نے فون میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا جس پر زیبا نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ خاموشی سے سینڈوچ کھاتی آنیہ کی جانب متوجہ ہوا۔

"آنی!"

اس نے اسے پکارا تو آنیہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"پلیز ایک کپ چائے مجھے بھی کمرے میں بھجوا دو میں چینج کر لوں ذرا۔"

سبتے نے آنیہ سے کہا تو وہ اپنا مگ خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اس کا رخ اب اندر کی جانب تھا۔

"کیا چل رہا ہے یہ تم چائے ہمشہ آنی سے ہی کیوں بنواتے ہو؟"

زیبا اس کے جانے کے بعد آنکھیں چھوٹی کر کے سبتے کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"کیونکہ وہ تمہاری طرح پتلی پانی چائے نہیں بناتی اس لیے اس سے بنواتا ہوں ایک ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں۔"

وہ ایک ادا سے بولا تو زیبا نے گھور کر اسے دیکھا۔

"یہ جو چل رہا ہے نہ جلدی سے بتا دو مجھے۔"

زیبا نے آگے ہوتے ہوئے رازداری سے پوچھنے کی کوشش کی تو سبتے نے اسے ایک ہلکی سی چت لگائی۔

"بی اماں کچھ نہیں چل رہا تم زیادہ دماغ خراب نہ کرو نہ اپنا اور نہ ہی میرا۔"

اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور قدم قدم چلتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"کچھ تو گڑبڑ ہے۔"

وہ ایس۔ پی کی طرح ہاتھ گھماتی ہوئی بولی تھی اور پھر خود ہی مسکرا دی۔

For more visit (exponovels.com)

"یہ میرا ہیرو کدھر چلا گیا نظر ہی نہیں آتا آج کل۔"

اس نے آرون کے بارے میں سوچتے ہوئے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"خیر آلینے دو اس سے بھی دو دو ہاتھ کرتی ہوں۔"

وہ کہتی ہوئی میز پر رکھے سارے برتن اٹھا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکاگو میں ہمیشہ برف باری رہتی تھی آج بھی دن میں ہر چیز برف سے ڈھکی ہوئی تھی بے پناہ انتظار کے بعد بھی کوئی خط نہیں آیا تھا وہ جوابی خط کی امید چھوڑ چکی تھی لیکن وہ اسے خط لکھنا تو نہیں چھوڑ سکتی تھی کیونکہ یہ ایس۔کے کے بس میں نہیں تھا۔ وہ سرخ رنگ کی گھٹنوں تک آتی قمیض نیلی جینز کے ساتھ پہنے ہوئی تھی پینٹ ہاوس گرم ہونے کی وجہ سے اس نے کوئی بھی کوٹ نہیں پہنا ہوا تھا اس کے سلکی بال اس کی کمر پر بکھرے ہوئے تھے اور پینٹ ہاوس کے لاونج میں ایزی چئیر پر بیٹھی وہ سگریٹ کے گہرے کش لگانے میں مصروف تھی۔ اسے انتظار تھا غلام بخش کا کیونکہ آج وہ ایک اہم خبر لانے والا تھا۔ اس کا یہ انتظار مزید طویل نہیں ہوا تھا کیونکہ غلام بخش ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا تھا۔ بے ساختہ ایس۔کے کے چہرے پر مسکراہٹ رینگی تھی۔

"آو غلام بخش مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔"

اس نے سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا تو غلام بخش بھی مسکرا گیا۔

"جتنی دیر آپ میرا انتظار کرتی ہیں اتنی ہی جلدی مجھے آپ کے پاس پہنچنے کی ہوتی ہے۔"

اس نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا تو ایس۔کے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"خبر سناو جس کے لیے مجھے تمہارا انتظار تھا۔"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا تو غلام بخش بھی گویا ہوا۔

"سسٹم کو ہیک کرنے کے لیے ہیکرز ہائیر کر لیے ہیں اور انہوں نے اپنا کام شروع بھی کر دیا ہے جلد ہی آپ کو ایک تباہ کن خبر ملے گی۔"

غلم بخش کے چہرے کی پر سرایت نے ایس۔کے کو ایک سکون تاثر فراہم کیا تھا۔

"اس سے مجھے کتنا اور کس قسم کا فائدہ ہونا چائیے یہ تمہیں معلوم ہونا چائیے بخش! جو فائدہ مجھے چائیے اس کی خبر بھی مجھ تک جلدی آنی چائیے کیونکہ انتظار ایس۔کے صرف کرنل کے خط کا کر سکتی ہے اور کسی بھی چیز کا انتظار مجھے لطف نہیں دیتا بلکہ میرے لیے سوہان روح ہوتا ہے۔"

اس لمحے اس کا چہرہ سنجیدگی اوڑھے ہوئے تھا بخش کو اس کی بات سمجھنے میں صرف ایک لمحہ لگا تھا۔

"اب آپ کو اپنے لکھے ہوئے خط کے جواب کا انتظار کیوں نہیں ہے؟"

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔
"انتظار تب کیا جاتا بخش! جب دوسری جانب کے جذبے کی بختگی پر مان ہو جب مجھے کوئی مان ہی نہیں ہے تو انتظار کس بات کا؟ مجھے صرف اپنے جذبے کی بختگی پر مان اور یقین ہے اس لیے مجھے اس کی جانب کے جذبے پر شکوے کا بھی کوئی حق نہیں پہنچتا دوبارہ تم یہ سوال مجھ سے مت کرنا کیونکہ مجھے نہیں لگتا اس سوال کا میں مزید کوئی جواب دے پاؤں گی اور دوبارہ کبھی بھی دے پاؤں گی۔"
وہ کبھی اپنی نگاہیں کم از کم بخش کے سامنے نہیں جھکاتی تھی مگر آج اس کی یہ نگاہیں احسن کے ذکر پر بخش کے سامنے بھی جھک گئی تھی کم از کم ایس۔کے نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ محبت اسے اپنے ایک ملازم کے سامنے جھکا دے گی محبت کے بے رحم ہونے پر اسے زندگی میں پہلی بار یقین آیا تھا اور وہ وثوق سے کہہ سکتی تھی محبت بے حد بے رحم ہے نسلیں کھا کر بھی اسی شان سے براجمان رہتی ہے وہ سر دوبارہ کرسی کی پشت سے ٹکا چکی تھی سگریٹ سلگا کر اب اسے پھر سے اس کی طلب مٹانی تھی دل میں دبی ہوئی چنگاری کو سگریٹ کے بے رحم دھویں میں دبانا تھا سو وہ یہ کر رہی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے آرون اپنے سوال

پوچھنے کے لیے لفظ تلاش کر رہا تھا اور کرنل خاور اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے وہ ابھی کچھ دیر بعد ہی کشمیر کے لیے نکلنے والے تھے لیکن اب وہ خاموشی سے آرون کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے بیٹا! تم یہاں؟"

آخر کو کرنل خاور نے خاموشی کو توڑ کر اس سے سوال کیا تھا۔

"سر مجھے بالکل بھی معلوم نہیں تھا یہ آپ کا گھر ہے۔"

آرون نے انتہائی آہستگی سے ان سے کہا تھا۔

"کیا بات ہے واٹس دا میٹر؟"

کرنل خاور کی زیرک نگاہوں نے ایک منٹ میں اس کا مکمل تجزیہ کر لیا تھا۔

"میں یہاں ایک کیس کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

آخر کو اس نے ہمت کر کے انہیں اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی۔

"کس قسم کا کیس اور تمہارے کیس کا میرے گھر سے کیا تعلق ہے؟"

کرنل خاور کے لہجے اور چہرے دونوں پر ہی الجھن واضح تھی۔

"اصل میں سر میں جاننا چاہتا ہوں کہ بابا کیسے شہید ہوئے تھے اور جس کیس پر وہ کام کر رہے تھے وہ ابھی تک حل نہیں ہوا میں نے 94 سے 2006 تک کے سارے اغوا

شدہ کیسز کی فائل ری اوپن کی تھی اور جو 94 میں آخری اغوا ہوا تھا وہ آپ کے گھر سے ہوا تھا کیونکہ اس اغوا کی رپوٹ ایک بار لکھوا کر واپس لے لی گئی تھی اور پھر اس کے بعد کبھی بھی یہ کیس کھولا نہیں گیا میں جاننا چاہتا ہوں سر! کہ آپ کے گھر سے کون اغوا ہوا تھا؟"

آرون نے ساری بات بتا کر آخر میں ان سے سوال کیا تھا جبکہ کرنل خاور کا چہرہ اس لمحے لٹھے کی مانند سفید تھا وہ حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے جس کے چہرے پر جاننے کا تجسس نظر آ رہا تھا۔

"تم اس سب سے دور رہو ایس۔ پی آرون خان!"

کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد جب وہ بولے تو ان کا لہجہ قدرے سخت تھا آرون ان کا یہ رد عمل سمجھ نہیں پایا تھا آخر وہ اسے اس سب سے دور رہنے کا کیوں کہہ رہے تھے۔

"نہیں سر! میں اب چاہ کر بھی اس سب سے دور نہیں رہ سکتا اور پلیز آپ اس سب کے بارے میں بھائی کو ہرگز کچھ نہیں بتائیں گئے۔"

آرون نے اپنے دل میں مچلتا ہوا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"دیکھو آرون! میں نے پچھلے تیرہ سال سے جرنیل کو اس کیس سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے اور حالات اب یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ وہ بھی مزید خود کو اس کیس سے دور رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے تمہارے باپ نے مرتے ہوئے تم دونوں کا خیال رکھنے کی تلقین

"کی تھی مجھے تم لوگ اس راہ پر چل کر کیوں مجھے اپنے باپ کے سامنے جواب دہ کر رہے ہو۔"
کرنل خاور کے لہجے میں انتہا درجے کی بے بسی تھی ان کی ساری باتیں سننے کے بعد آرون نے گہرا سانس بھرا تھا۔
"پلیز سر! مرنے کی اذیت اتنی نہیں ہوتی جتنی یہ اذیت ہے کہ آخر کو ایسا ہوا کیا تھا کیوں ہوا تھا میں جب امی اور چچی دونوں کو دیکھتا ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے پلیز آپ میری مدد کریں تاکہ میں ہم سب کو اس اذیت سے نکال سکوں پھر اس میں میری جان بھی چلی جائے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔"
اس کا لہجہ منت سے بھرا ہوا تھا اس کے الفاظ نہ صرف آرون کے لیے تکلیف کا باعث تھے بلکہ وہ کرنل خاور کے بھی زخم ادھیڑ رہے تھے۔
"ٹھیک ہے اگر یہ سب اس طرح سے ہی ہونا ہے تو ایسے ہی صحیح میں بھی چاہتا ہوں اس شخص کو سزا ملے اور میں اسے سزا دلوا کر رہوں گا۔"
کرنل خاور کے لہجے میں ایک عجیب قسم کا عزم تھا آرون کے چہرے پر ایک مسکراہٹ رینگی تھی آخر کو اذیت کا یہ مسلسل چلتا ہوا دور سب کے لیے ختم ہونے والا تھا۔
"پلیز بتائیں چوبیس سال پہلے جو آخری لڑکی اغوا ہوئی تھی اس سے آپ کا کیا رشتہ تھا؟"
آرون کے سوال پر کرنل خاور یوں تھے جیسے کاٹو تو جسم میں لہو نہیں اور انہیں واقعی ہی ایسا

محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بے جان وجود کے ساتھ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کتنی دیر کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں اب بھی ایک دوسرے کے سامنے ساکن بیٹھے ہوئے تھے وہ نگاہیں جھکائے ہوئے اور وہ مسلسل اس کے اذیت بھرے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے نگاہیں جھکا کر بیٹھنے کی وجہ وہ ذلت اور وہ شرمندگی تھی جو خود کے شمس کے سامنے عیاں ہونے پر اسے ہوئی تھی۔ علینہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک لمحے میں کیپٹن شمس حیدر کے سامنے برہنہ ہو گئی ہے اس کی ذات کے چیتھڑے کھل کر سامنے بیٹھے شخص کے سامنے آ گئے ہیں۔

"میری طرف دیکھو!"

خاموش پر سوز ماحول میں اس کی گھمبیر آواز گونجی تھی وہ اس کی آواز کے باوجود سر نہیں اٹھا پائی تھی۔

"میں نے بولا میری جانب دیکھو۔"

اب کی بار لہجے میں سختی تھی علینہ نے اپنی جھکی ہوئی نگاہیں اٹھا کر دھیرے سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جہاں اب بھی سنجیدگی رقم تھی۔

"عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا اور جن لوگوں کی عزت خود ان کی کوتاہی کی وجہ سے گئی ہو ان کے لیے تو سزا ہونی چائیے۔"

اس نے بول کر اس کی جانب دیکھا تھا علینہ نے چونک کر شمس کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں سنجیدگی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"جہ۔۔جی!"

اس کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔

"کیا سزا ہونی چائیے تمہاری؟"

اس نے اسے بازوں سے تھام کر اپنے قریب کیا تھا۔

" یہ سزا کیا کم ہے کہ جس کے سامنے برہنہ ہونے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک جھٹکے میں میری ذات کا سیاہ باپ اس کے سامنے کھل کر آگیا ہے؟"

وہ الٹا اس سے سوال کر رہی تھی شاہد اتنی اذیت برداشت کر چکی تھی کہ اس کے ہاتھوں کی سختی تک بھی اسے محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"کیوں نہیں سوچا تھا کہ تمہاری زندگی کا یہ سچ مجھے معلوم ہوگا؟"

اس کی گرفت ویسے ہی تھی علینہ فاطمہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے اذیت کی شدید لہر لہرائی تھی۔

"کیونکہ شاہد انجانے میں آپ سے کچھ امیدیں وابستہ کر بیٹھی تھی۔"

لہجہ بے حد دھیما تھا اتنا کہ اتنے قریب بیٹھنے کے باوجود وہ بامشکل ہی سن پایا تھا۔

"کیسی امیدیں؟"

سوال پھر سے وہی تھا۔

"چھوڑیے کیپٹن جو امیدیں پوری نہ ہوں ان کے بارے میں بات کر کے خود کو اور دوسرے کو تکلیف کی انتہا گہرائیوں میں ڈالنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

اس نے اس سے اپنا آپ چھڑوایا تھا۔ شمس کی سنجیدگی اور خاموشی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

"میری نماز کا وقت ہو رہا۔"

وہ کہہ کر اس کے قریب سے اٹھ کر باہر نکل گئی تھی اور وہ پیچھے اس کے نماز کے وقت پر ہی سوچتا رہ گیا تھا کچھ تو تھا اس لڑکی میں جو شمس جیسا مرد کچھ بہت انتہائی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کی میز پر وہ دونوں خاموش تھے۔ شاہد کوئی بات کہنے کے لیے نہیں بچی تھی۔

"یہ کھاو نہ پلیز تم۔"

جبرئیل نے اس کے آگے سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں بس میں کھا چکی ہوں ۔"

اس نے کھانے سے ہاتھ روک کر میز پر رکھے نیپکین سے ہاتھ پونچھے تھے ۔

"تمہیں چائے بنانی آتی ہے ؟"

وہ بات کا رخ موڑنا چاہتا تھا جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا ۔

"ہاں جی آتی ہے ۔"

زارا نے برتن اکھٹے کرتے ہوئے کہا تھا ۔

"میرے اور اپنے لیے چائے بنا کر اوپر گیلری میں لے آو موسم اچھا ہے کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے ۔"

اس نے زارا سے بولا تو وہ سر ہلا کر کیچن کی جانب چل دی جہاں آغا خان برتن دھونے میں مصروف تھا ۔

"میڈم ! آپ یہاں کیوں آ گئی ؟ میں بس برتن سمیٹنے آنے ہی والا تھا ۔"

آغا خان نے اس سے کہا تو اس نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا ۔ آغا خان جبرئیل سے عمر میں چھوٹا نوجوان تھا جو اس کے سارے کام کیا کرتا تھا ۔

"پلیز آغا بھائی ! یہ مجھے میڈم مت کہا کریں ۔"

اس نے چڑتے ہوئے کہا تو آغا خان نے کانوں کو ہاتھ لگایا ۔

"توبہ توبہ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ سر نے سن لیا تو بہت غصہ ہوں گئے۔"

آغا خان نے منہ بناتے ہوئے کہا تو نا چاہتے ہوئے بھی زارا کو ہنسی آگئی دوسری جانب وہ چائے کا پانی گرم پانی کی کیتلی میں چڑھا چکی تھی۔

"نہیں ہوتے غصہ بس نہ یہ میڈم نہیں بولنا اپنے ایسا لگتا کسی گورنمنٹ سکول کی کوئی سخت سی ٹیچر ہوں۔"

زارا نے منہ بناتے ہوئے کہا تو آغا خان کو بھی ہنسی آگئی۔

"ٹھیک ہے پھر ہم آپ کو زارا بی بی کہہ دے گا۔"

آغا خان نے تائید چاہی تو زارا نے اثبات میں سر ہلایا۔"

"زارا بی بی!"

وہ چائے کے مگ لے کے پلٹنے والی تھی جب آغا خان کی آواز نے اس کے قدم جکڑے۔

"جی!"

زارا نے سوالیہ نگاہیں اس کے سامنے مرکوز کیں تو وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"سر کو میں نے کبھی مسکراتے نہیں دیکھا اب آہ کے ساتھ میں نے انہیں پہلی بار مسکراتے دیکھا ہے کوشش کیجیے گا کہ آپ کے ساتھ ان کی مسکراہٹ ہمشہ قائم رہے ان کی زندگی کی جو بھی الجھنیں ہیں انہیں سلجھا دیجیے گا زارا بی بی!"

آغا خان کے لہجے میں اپنے سر کے لیے محبت بول رہی تھی نا چاہتے ہوئے بھی زارا اثبات میں سر ہلا گئی۔

"میں کوشیش کروں گی کہ وہ ہمشہ مسکراتے رہیں۔"

وہ اس سے کہہ کر باہر آگئی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ یقین وہ آغا خان کو دلا کر آئی ہے یا پھر خود کو مگر وہ یقین دلا چکی تھی شاہد دونوں کو۔

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اس کے کمرے کے ساتھ بنی ہوئی گیلری میں آگئی جہاں بڑی سی شیشے کی کھڑکی تھی اور اس کے پیچھے دو خوبصورت اور آرام دہ کرسیاں رکھی گئی تھیں کہ جن کے درمیان ایک میز رکھا ہوا تھا وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا وہ اپنے موبائل میں کچھ ٹائپ کر رہا تھا میز پر مگ رکھنے کی آواز سے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ساتھ والی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

"ہمم چائے اچھی ہے۔"

اس نے ایک چسکی لیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"کیا تم مجھے بہت ظالم سمجھتی ہو؟"

اس نے بے حد سنجیدگی سے سوال کیا تھا زارا کو اس کے سوال کا مطلب اور مقصد دونوں ہی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔

"نہیں میں آپ کو بھلا ظالم کیوں سمجھوں گی؟"

اس نے سوال کرتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"کیونکہ میں نے تم سے ایسے اچانک نکاح کر لیا اور پھر تمہاری مرضی کے بغیر تمہیں یہاں اپنی دنیا میں بھی لے آیا۔"

اس کے لہجے میں کچھ شرمندگی تھی زارا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"نہیں آپ نے جو بھی کیا سب میری مرضی سے کیا ہاں یہ سب اچانک ضرور تھا مگر پھر بھی مجھے برا نہیں لگا۔"

زارا کے لہجے میں خود سپردگی تھی۔

"میری زندگی کے بہت سے پہلو ہیں اور میں تمہیں ہر پہلو سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں ابھی تو شروعات ہے بہت جلد تم مجھے جان لوگی۔"

اس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو زارا مسکرا دی اسے ہمسفر جلدی مل گیا تھا وہ بھی بہترین بے شک اسے بھی بہترین سے نوازا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ آج بہت عرصے بعد ڈیوٹی سے گھر گیا تھا۔ ایبٹ آباد کے ایک پوش علاقے میں واقع بنگلے کے سامنے اس نے گاڑی روکی تھی وہ گھر اسے فوج کی طرف سے دیا گیا تھا۔ جو نہی

For more visit (exponovels.com)

اس نے گاڑی روک کر ہارن بجایا اندر موجود چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا وہ زن سے گاڑی سیاہ روش سے گزار کر پورچ تک لے آیا اس کے ملازم چلتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے وہ گاڑی سے باہر نکلا تو نوراللہ نے مودب بن کر سلام کیا۔

"سلام صاحب!"

نوراللہ نے سلام کیا تو اس نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔

"بی اماں کیسی ہیں نوراللہ!؟"

اس نے چھوٹتے ہی بی اماں کے بارے میں پوچھا تھا۔

"صاحب رات سے ان کا بی پی تھوڑا ہائی ہے لیکن میں نے ڈاکٹر کو بلوا کر چیک کروالیا تھا اب وہ ٹھیک ہیں۔"

نوراللہ نے اس سے کہا تو وہ بغیر اس کی بات پر توجہ دیے تیزی سے اندر کی جانب بڑھا تھا۔ وسیع کاریڈور عبور کر کے بائیں جانب سیڑھیوں کے نیچے بی اماں کا کمرہ تھا جس کا دروازہ آدھ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور اندر کی جانب بڑھا کمرے میں نیم اندھیرا تھا مگر کمرے کے وسط میں لگا ہوا فینوس روشن تھا کمرے کے سائیڈ پر رکھی ہوئی نماز کی چونکی پر بی اماں شاید کوئی نوافل ادا کر رہی تھیں وہ بیڈ کے سامنے رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر ان کی نماز کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا جونہی انہوں نے سلام پھیرا

ان کی نگاہیں صوفے پر بیٹھے احسن کی جانب اٹھی تھیں۔

"آ گیا میرا بچہ!؟"

بی اماں نے دھیرے سے مسکرا کر کہا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب چونکی پر بیٹھ گیا۔

"کیسی ہیں آپ؟ نوراللہ بتا رہا تھا آپ کی طبعیت خراب ہے؟"

اس نے ان کے ہاتھ تھام کر چومتے ہوئے پوچھا تو بے اختیار ان کے جھریوں زدہ چہرے پر مسکراہٹ رینگی۔

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں اور مزید ٹھیک ہو جاوں گی اگر تم میری بات مان جاو۔"

بی اماں نے اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے بال زرا پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہمم کیسی بات اور کونسی بات؟"

احسن نے آنکھیں چھوٹی کر کے اپنی الجھن ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"شادی والی بات اور کونسی؟"

بی اماں مزے سے اس کے سر میں ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی تھیں جواب وہی ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

"ناٹ اگین بی اماں! کہا بھی تھا آپ سے ابھی نہیں کرنی شادی۔"

اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تو بی اماں نے ایک دھپ اس کے سر پر رسید کی وہ ایک جھٹکے میں بلک کر سیدھا ہوا تھا۔

"کیوں نہیں کرنی بڈھے ہو کر کرے گا کیا جب تیرے آدھے سے زیادہ دانت بھی گر چکے ہوں گے؟"

بی اماں تو غصے میں ہی آگئی تھیں۔

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا بی اماں آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟"

وہ اب تنگ کر ان سے کہہ رہا تھا۔

"بس اب مجھے کچھ نہیں سننا آج ہی میں رشیدہ کو بلاتی ہوں کہ اچھے اچھے رشتے دیکھائے مجھے میرا اتنا سوہنا پوتر ہے وہ بھی فوج میں دیکھنا ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی ملے گی۔"

بی اماں نے تسبیح ایک جانب کو رکھتے ہوئے باقائدہ اعلان کیا تھا۔

"پلیز بی اماں! میں نہیں جانتا کیوں مگر یہ شادی ابھی کچھ وقت کے لیے روک دیں اس کے بعد جو آپ کہیں گی میں وہی کروں گا۔"

اس نے ان کے ہاتھ پھر سے چومتے ہوئے کہا تو بی اماں نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے لیکن زیادہ دیر مت کرنا۔"

انھوں نے جیسے احسان کرتے ہوئے اس کی بات مانی تھی مگر اس پر ہی اس نے سکون کی

سانس خارج کی تھی چلو کچھ عرصے کے لیے تو بلا ٹلی۔

"میں چینج کرلوں پھر اکھٹے کھانا کھاتے ہیں۔"

اس نے ان کا ماتھا چوما اور اپنی کیپ اٹھا کر ان کے کمرے سے باہر آگیا۔

مہلت تو اس نے لے لی تھی لیکن کیوں کس کے لیے یہ اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کیا جذبہ تھا وہ کون تھی وہ ان دیکھی شخصیت جسے شاہد زندگی میں جگہ دینے پر اس کا دل آمادگی ظاہر کر رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا جس کی چاہ وہ کر رہا ہے وہ کبھی اسے حاصل بھی ہوگی یا نہیں لیکن اسے اس چیز کا شدت سے اندازہ ہوگیا تھا کہ بی اماں کو وہ مزید نہیں روک پائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سکول سے واپسی کے وقت مائرہ نے اسے پک کرلیا تھا اور اب وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کندھوں سے کچھ نیچے تک آتے بال کھلے ہوئے تھے چہرہ میک اپ سے مبرہ تھا گھٹنوں تک آتے پیرٹ گرین کرتے پر وہ ہلکا سا سویٹر پہنے ہوئی تھی شانوں پر گرم شال ڈالے وہ اتنی ہی خاموش تھی جتنے خاموش رویے کی امید مائرہ نے اس سے کی تھی۔

"کیا بات ہے صاریہ! از یو ری تھنگ آلرائیٹ؟"

مائرہ نے تھک کر اس سے پوچھا تھا۔

"یس۔"

اس نے انتہائی دھیرے سے جواب دیا تھا۔

"ہم کہاں جارہے ہیں مائرہ؟"

صاریہ نے ونڈسکرین کے پار دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"میرے گھر۔"

مائرہ نے موڑ کاٹتے ہوئے اس سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا تب تک وہ مائرہ کی سوسائٹی میں داخل ہوچکی تھیں۔ مائرہ نے پارک لاٹ میں گاڑی پارک کی تو دونوں اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئیں لفٹ سے اوپر دائیں جانب مائرہ کا اپارٹمنٹ تھا اس نے چابی لگا کر دروازہ کھولا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

"آجاو صاریہ!"

مائرہ نے اس سے کہا تو وہ اندر داخل ہوگئی۔

"بیٹھو میں پانی لاتی ہوں۔"

اس نے لاونج میں لگے ایک صوفے کی جانب اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ وہاں بیٹھ گئی اس پورے عرصے میں وہ اس کے گھر کا مکمل جائزہ لے چکی تھی۔

"یہ لو پانی!"

اس نے گلاس اس کی جانب بڑھایا تھا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا اور تم یہاں کشمیر کیوں آئی؟"

مائرہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تو صاریہ کی آنکھوں نے ٹپ ٹپ آنسو برسانا شروع کیے۔ مائرہ نے چونک کر اس کی آنکھ سے بہتے آنسوں کی جانب دیکھا تھا۔

"کبھی کبھی نہ خودغرض لوگ ایک نہج پر آکر رو پڑتے اور جانتی ہو یہ ان کے کونسے آنسو ہوتے؟"

مائرہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ صاریہ نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ ان کے غفلت کے بعد خود آگاہی اور بیداری کے آنسو ہوتے جب ہم خودغرضی میں ہوتے تو صرف اپنا سوچ رہے ہوتے اور جب ہم خود آگاہی میں ہوتے تو اپنا تجزیہ کر رہے ہوتے۔ اپنے بارے میں سوچنا اور تجزیہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں صاریہ!"

اس نے صاریہ کے آگے ایک فروٹ باسکٹ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کیسے؟"

صاریہ نے گلاس خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"خود کے بارے میں سوچنا صرف یوں ہے کہ کیا میرے لیے اچھا ہے اس میں برا کہیں

نہیں آتا اس میں صرف یہ آتا کہ یہ کروں گی تو پیاری دکھوں گی اس سے میرا بھلا اور دوسروں کو نقصان ہوگا یہ میری طلب ہے اسے ہر صورت پوری ہونا ہے یہ میری خواہش ہے یہ تکمیل تک نہ پہنچی تو میں برباد کردوں گی یہ بات مجھے منوانی ہے یہ سب چیزیں اپنے بارے میں سوچنے میں آتی ہیں اور خود کے تجزیے میں تو اپنی شخصیت کو کھنگالا جاتا ہے اپنی کمیاں دیکھی جاتی ہیں اور پھر ان پر سوچا جاتا ہے اپنی سوچ کی ہی نفی کی جاتی ہے کہ کس قدر غلطی پر تھا میں کہ اتنے خوبصورت دل کے باوجود اس پر گرد کی موٹی تہہ جمائے بیٹھا تھا کہ کسی کے ساتھ نیکی اور اچھائی کا خیال تک سرایت نہیں کرتا تھا اتنا سیاہ کیوں تھا میں ؟"

آخر میں وہ بھی صاریہ کے لیے ایک سوال چھوڑ گئی تھی۔

صاریہ کے کچھ بھی بولنے سے پہلے مائرہ نے وہ کچھ بول دیا تھا کہ صاریہ ہونک بنی بس بیٹھی رہ گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

مائرہ نے اس کا کندھا ایک بار پھر سے ہلایا تھا۔

"سوچ رہی ہوں اتنی زیادہ گرد کے بعد روشنی کہاں اور کب ملتی ہے ؟"

اس نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے ایک اہم نقطے پر جمائی تھیں۔

"یہی آپ کے اپنے اندر جہاں ایک سیاہ خانہ ہوتا ہے وہاں روشنی کے لیے بھی جگہ ہوتی ہے مگر فرق صرف اتنا ہوتا کہ گرد ہر لمحے جمی رہتی اور روشنی تب ابھرتی جب اسے داخل ہونے کی اجازت دی جاتی جب دل کا وسیع و عریض خانہ اس کی گزرگاہ بنایا جاتا۔ سامان یہاں شفٹ کر لوں تم کسی ہوسٹل یا ہوٹل میں نہیں رہو گی۔"

اس نے جیسے اپنی بات ختم کر کے حکم صادر کیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں وہاں۔"

اس نے بے بسی سے کہا تھا۔ مائرہ کچھ بولنے والی تھی جب ڈور بیل بجی تھی وہ گہرا سانس بھر کر دروازے کی جانب بڑھی تھی مگر یہ توطے تھا وہ اسے یہاں سے جانے نہیں دینے والی تھی۔ دروازہ کھولا تو سامنے طراب اور اسامہ کو کھڑے پایا جو حسب عادت چہرے پر رسمی مسکراہٹ سجائے کھڑے تھے۔

"اسلام علیکم بھابھی!"

اسامہ نے چہرے پر بشاش مسکراہٹ سجا کر اس سے کہا تو مائرہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"وعلیکم اسلام کیسے ہو اسامہ!"

مائرہ بھی بھرپور فرینک انداز میں اس کے سلام کا جواب دے رہی تھی۔

"اسامہ کی کچھ لگتی ادھر ساتھ میں بھی آیا ہوں کیسی بے مروت ہو نہ کوئی سلام نہ دعا۔"

طراب نے چہرے پر مصنوعی غصہ طاری کر کے اس سے کہا تو مائرہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"سلام دعا کو چھوڑیے میجر طراب علی یہ بتائیے کہ شادی سے پہلے آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

وہ اب ایک ابرو اچکا کر ایک ہاتھ دروازے پر رکھ کر کہہ رہی تھی۔

"جناب ہٹیے آگے سے۔"

طراب نے اس سے کہا تو وہ پیچھے ہٹ گئی اس کے پیچھے پیچھے اسامہ بھی داخل ہوا تھا دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے لاونج کے صوفے پر بیٹھی صاریہ باہر سے آتے شور کی وجہ جاننے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ پہلا قدم لاونج میں رکھنے والا طراب تھا وہ صاریہ کو دیکھ کر وہی رک گیا تھا جبکہ اس کے پیچھے داخل ہونے والا اسامہ ساکت ہوا تھا اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کوئی بھی حرکت نہیں کر پائے گا تین سال بعد وہ اپنے سامنے بیٹھے اس وجود کو دیکھ رہا تھا۔ دنیا و مافیا سے بے خبر ہر چیز سے بے نیاز صرف اس کے نقش گننے میں محو تھا۔ مرجھایا ہوا چہرہ روئی ہوئی سرخ آنکھیں کھلے بال ہمشہ کی طرح ترو تازہ اور خوبصورت دکھنے والا وہ چہرہ پستیوں میں گم تھا اور وجہ شاہد اسامہ رحمان کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا تھا محبت نے دونوں کو توڑا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ دونوں کی محبت کی نوعیت

مختلف تھی صاریہ کی محبت جبرئیل کے لیے شاہد ختم ہوگئ تھی یا کہیں بیچ میں لٹک گئ تھی اس میں وہ یہ بات ماننے کی کوشیش کررہی تھی کہ وہ اس کی دسترس سے دور جاچکا ہے اس کے وجود پر کسی اور کا حق ہے کیونکہ وہ مراحل تجزیہ سے گزر رہی تھی اور یقینا جب وہ اپنی ذات کے پہلوؤں کے بارے میں سوچ رہی تھی خود کے منفی رویے کو سوچ رہی تھی تو دل شرم سے بھر رہا تھا جبکہ اسامہ کے دل میں محض یہی کسک رقصاں تھی کہ اس کی محبت کے دل میں کوئی اور بستا ہے اور یہ کسک تمام تر تکلیفوں سے بھاری پڑ جاتی ہے لیکن اب جب وہ اس کی تکلیف کی اذیت کو سوچ رہا تھا تو اس کا دل ایک دم سے بھاری پڑ رہا تھا اور صاریہ وہ تو بالکل ہی سامنے کھڑے شخص کے جذبے سے انجان تھی مگر اس کا چہرہ دیکھ کر صاریہ کو عجیب سا احساس ہوا تھا تو یہ ثابت ہوا تھا کہ میجر اسامہ رحمان کے دل کی دنیا میں پنپتی محبت چہرے پر اپنی شبیہ چھوڑنے کا ہنر سیکھ گئ تھی لیکن اس کی یہ شبیہ صرف اس کے چہرے کو روشن رکھتی تھی اور اس کی جانب دیکھنے والوں کو عجیب سا تاثر دیتی تھی۔

معصوم سی خواہش ہے دل کی\
پاکیزہ چاہت ہے میری\
کوئی داغ لگے تو کیسے\
باوضو محبت ہے میری

For more visit (exponovels.com)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ کی خوبصورت ترین صبح کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں پر اتری تھی سرد دن کے باوجود دھوپ کی کرنیں پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں پر اتر کر ایک عجیب سا فصوخیز منظر پیش کر رہی تھیں۔ اس لکڑی کے گھر کی بالائی منزل کے ایک خوبصورت قدیمی کمرے میں بھی کھڑکیوں کے پردے برابر ہونے کے باعث روشنی کی کچھ نامکمل کرنیں وہاں بستر پر سوئے نفوس کے چہروں پر روشنی کرنے کی ناکام کوشیش کر رہی تھیں۔ وہ دائیں جانب لیٹا ہوا تھا اور بستر کے بائیں جانب آج اسے کسی نفس کی موجودگی کا احساس ہوا تھا اس نے کروٹ بدل کر بائیں جانب دیکھا تو ایک پل کے لیے ساکت ہوا۔ وہ بھول چکا تھا کہ اس کی زندگی میں اور اس کے بستر پر ایک نفس کا اضافہ ہوا ہے۔ رات کا منظر اس کے ذہن کے پردے پر تازہ ہوا تھا جب وہ گیلری میں بیٹھے چائے پی رہے تھے چائے ختم کرنے کے بعد اس نے مگ خالی کر کے زارا کی جانب بڑھایا تھا وہ مگ رکھنے نیچے کچن میں چلی گئی تھی اور جبرئیل اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ وہ کافی دیر اس کا منتظر رہا تھا مگر جب وہ واپس نہ آئی تو وہ دھیرے دھیرے نیند کی وادیوں میں اتر گیا اور اب جبکہ اس کی آنکھ کھلی تھی تو اسے اپنے قریب کسی اور نفس کی موجودگی کا احساس بھی ہوا تھا۔

کھلے بورے بال پورے تکیے پر بکھرے ہوئے تھے گندمی رنگت میں ہمشہ کی طرح سرخی گھلی ہوئی تھی چہرے پر ایک سکون تھا جو شاہد اس کے پہلو میں ہونے سے اس کے اندر سرایت کیا تھا جبرئیل میں ایک نئے جذبے نے سر اٹھایا تھا آج سے پہلے یہ ہمدردی تھی اور اب استحاق کا احساس ہو رہا تھا۔ دو لوگوں میں نکاح ہوا تھا پھر جذبات نے تو سر اٹھانا ہی تھا اور اب کی بار ابھرنے والے جذبات محبت کی دلیل تھے۔ وہ اپنے اندر نئی تبدیلی بڑی ہی تیزی سے محسوس کر رہا تھا اس کا نفس بھی اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ ڈال رہا تھا لاکھ قوم کا رکھوالا لاکھ مضبوط سہی پر تھا تو ایک مرد ہی جس میں جذبات بھی تھے خواہشات بھی تھی اور نفس کی تسکین کے لیے ایک جائز رشتہ بھی پھر وہ اب تک سکون سے کیوں بیٹھا ہوا تھا دل میں مچلتی اسے چھونے کی خواہش کو اب تک دبا یا کیوں تھا شاہد اس لیے کہ وہ ابھی بہت چھوٹی تھی اس سب کے لیے تیار نہیں تھی۔ بر حال اسے کچھ وقت دینا تو تھا ہی۔ وہ اپنی گہری ہوئی سوچ سے تب چونکا جب سائیڈ پر رکھا اس کا فون چنگاڑ کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگا۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر فون اٹھایا تو کرنل خاور کا نام دیکھ کر اس نے گہرا سانس بھرا فون اٹھا کر انتہائی آہستگی سے وہ کمفرٹر ہٹا کر باہر آ گیا سردی کی شدید لہر اسے اپنے وجود میں محسوس ہوئی تھی پلین شلوار قمیض پہنے بغیر کسی جیکٹ کے وہ اوپری کاریڈور میں کھڑا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"اسلام علیکم سر! میجر جبرئیل ہیر۔"

اس نے فون کان سے لگا کر خود کو کمپوز کر کے بولا تھا۔

"رپوٹ می ایٹ بیس رائیٹ ناو۔"

فون کے دوسری جانب سے کرنل خاور کی سخت آواز ابھری تھی جبرئیل کی سمجھ سے باہر تھا ان کا یہ انداز۔"

"اوکے سر ائی رپوٹ اونلی ان ٹین منٹس۔"

اس نے کہہ کر جلدی سے فون بند کیا اور اندر کی جانب بڑھا وہ ہنوز سو رہی تھی۔ اس نے شاور لے کر انتہائی عجلت میں یونیفارم پہنا ڈریسنگ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے سیاہ فوجی کٹ بالوں کو برش کیا ہاتھ میں رولیکس کی گھڑی باندھی اور خود پر اچھے سے پرفیوم اسپرے کر کے اپنا والٹ اور جیپ کی چابیاں اٹھا کر وہ مڑ کر بیڈ کی جانب آیا جہاں وہ کمفرٹر میں لپٹی بے خبر سو رہی تھی۔

"اوکے مسز جبرئیل ابھی آپ اچھے سے ریسٹ کریں میں زرا کرنل خاور کے دربار میں حاضری دے کر واپس آکر آپ کی خبر گیری کرتا ہوں۔"

اس نے اس کے منہ پر آئے بال پیچھے ہٹائے اور انتہائی آہستگی سے اس کے سرخ گال اور ماتھا چومتے ہوئے باہر نکل گیا۔ دل ایک بار پھر سے اسے بغاوت پر اکسا رہا تھا مگر سینے

میں دھڑکتے ہوئے دل کو اس نے تھپک کر فل حال کے لیے سلایا تھا اور عجلت میں سیڑھیاں اترتا ہوا پورچ میں کھڑی اپنی جیپ کی جانب آیا تھا اس کا رخ اب بیس کی جانب تھا دل عجیب ہو رہا تھا کہیں کرنل خاور کو اس کی شادی کے بارے میں ہی علم نہ ہو گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ابھی گھر واپس آیا تھا ذہن عجیب الجھا ہوا تھا جو کچھ کرنل خاور کے گھر میں وہ سن کر آ رہا تھا آرون خان کا دماغ وہ سب قبول نہیں کر پا رہا تھا۔

"میری بہن تھی وہ۔"

کرنل خاور کا وہ جملہ اس کے کان کے پردوں میں لہرایا تھا۔

"تمہارے چاچو کی منگیتر ٹھیک اپنی مہندی والے دن اغوا ہو گئی۔"

ان کی سپاٹ رندھی ہوئی آواز اس کے کانوں میں گردش کر رہی تھی۔

"بہت کوشیش کی ڈھونڈنے کی مگر نتیجہ صفر۔"

ایک اور جملہ اس کے کانوں میں گردش کیا تھا۔

"اس کے بعد سے یہ سلسلہ رک گیا ہماری ٹیم مسلسل اس کیس پر کام کر رہی تھی۔"

اس نے اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا شدید سردی کے باوجود اس کا وجود پسینے سے شرابور تھا۔

"دھیرے دھیرے تمہارے بابا کو دھمکیاں آنا شروع ہوئیں اور پھر ایک دن بیس سے گھر جاتے کسی نے ان کی جیپ میں بم فٹ کردیا پوری کی پوری جیپ تباہ ہوئی تھی اور ان کا نام و نشان تک موصول نہیں ہوا۔"

آنسو دھیرے دھیرے اس کے پورے چہرے پر پھیل گئے وہ اپنے بہتے ہوئے آنسوں کو روکنا چاہتا تھا مگر جیسے اس کے ہاتھ ساکن ہو گئے تھے اس کا وجود کسی قسم کی بھی حرکت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"اتنی سفاکی اتنی اذیت کوئی کسی کو کیسے دے سکتا ہے جس سفاکیت سے بابا کے ساتھ یہ کیا گیا تھا اس کا ڈر بھائی کو میرے بارے میں بھی تھا اس لیے وہ مجھے روکنا چاہتے تھے۔"

اس نے اپنے چہرے پر پھسلتے ہوئے آنسو کو اپنے انگوٹھے کی پور سے صاف کیا وہ بے حس و حرکت اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ خود کی جانب کروائی تھی۔ زیبا دروازے پر کھڑی ہاتھ میں مگ تھامے آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر جلدی سے اس نے اپنا چہرہ خشک کیا تھا۔

"کیا بات ہے تم اتنی دیر کے آئے ہوئے ہو اور باہر بھی نہیں نکلے۔"

وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی تھی کافی سے بھرا ہوا مگ اس نے آرون کی جانب بڑھایا تھا۔

"ہاں بس ایک کیس کے سلسلے میں گیا ہوا تھا تھک گیا تو سیدھا کمرے میں ہی آ گیا۔"

اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ دونوں بھائی ایسے ہی تھے ایک پل میں اگر چہرہ پریشانی سمیٹے ہوتا تو اس سے اگلے لمحے اس طرح ہوتا جیسے کوئی پریشانی اس چہرے کو چھو کر بھی نہ گزری ہو یہ ان کی ٹریننگ کا حصہ تھا اب بھی وہ بالکل نارمل انداز میں زیبا کے سامنے یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے زندگی کی معمولی پریشانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھی زیبا کو دیکھا تھا جو سی گرین شلوار قمیض میں بالوں کو پونی میں باندھے ہم رنگ سویٹر کے ساتھ ہمشہ کی طرح سیدھی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔

"ادھر آؤ زرا۔"

اس نے کافی کا مگ ایک جانب رکھا اور کلائی سے پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا۔

"اف رون کیا مسئلہ ہے زیادہ فری کیوں ہو جاتے ہو تم؟"

وہ اپنی ننھی سی ناک پر غصہ رکھے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔

"کیونکہ تم فری ہونے پر مجبور کر دیتی ہو جانم!"

اس نے اب اس کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو کبھی حسین لڑکی نہیں دیکھی کیا؟"

وہ مسکراہٹ دبا کر انتہائی سنجیدگی سے اسے کہہ رہی تھی۔ اس کے کہنے کی دیر تھی آرون کا

For more visit (exponovels.com)

چھت پھاڑ قہقہ فضا میں بلند ہوا تھا۔

"آئے جناب آپ کے ہوتے ہم پاگل ہیں کیا جو حسین لڑکیاں دیکھیں گئے؟"

وہ الٹا اس سے ہی سوال کر رہا تھا البتہ ہاتھ ابھی بھی ہنوز اس کے ہاتھوں میں ہی تھے۔

"بہت ہی بڑے کوئی فلرٹ ہو تم۔"

وہ اپنے ہاتھ چھوڑا کر مسکراتی ہوئی اٹھی تھی۔

"جیسا بھی ہوں بس آپ کا ہوں یہ کمرہ یہ بستر یہ چیزیں سب تمہاری منتظر ہیں جانم جلدی سے آو اور مجھ سمیت ان سب کو مکمل کردو۔"

اس نے بازو پھیلا کر اس سے کہا تو وہ مسکرادی۔

"ڈرامہ ہو تم رون بہت ہی کوئی بڑا ڈرامہ۔"

وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے نکل گئی جب کہ اس کے جاتے ہی صرف ایک لمحے کی مسکراہٹ نے آرون کے چہرے کا احاطہ کیا تھا اس کے بعد پھر سے وہی سوچیں اس کے دل و دماغ پر رقص کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ان کے سامنے والی کرسی پر مودب بن کر بیٹھا ہوا تھا وہ انتہائی کڑے تیوروں سے اسے گھور رہے تھے۔

"اس لیے اس کی حفاظت کی زمہ داری لگائی تھی کہ تم اس سے ہی شادی کرلو میجر جبرئیل خان!"

کرنل خاور کا لہجہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھا وہ اپنی زیرک نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کیے مسلسل میز پر رکھا پیپر ویٹ گھمار ہے تھے۔

"سر! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں پلیز۔"۔

وہ ان کے سامنے بے بسی سے سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کس طرح انہیں اپنی بات پر قائل کرے۔

"کیا سمجھوں؟ ابھی یہ بات صرف مجھے پتہ ہے کل جب پورے پینل کو پتہ لگے گا کہ ایل لگل باڈر کراس کر بے والی لڑکی اور وہ بھی انڈیا کا جس کے پاس ہمارے ملک کے خلاف سازش کرنے والوں کے چند راز تھے سے گروپ کے لیڈر میجر جبرئیل خان صاحب شادی کر چکے ہیں تو میں کیا جواب دوں گا انہیں۔"

وہ مسلسل پیپر ویٹ گھمار ہے تھے غصہ ان کے چہرے سے واضح تھا جبرئیل سے اس حرکت کی انہیں امید نہیں تھی اور اب جبکہ وہ یہ کر چکا تھا تو وہ کس طرح اس سب کو سمبھالیں گئے ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

"سر! اگر میں اس سے نکاح نہ کرتا تو وہ کسی صورت بھی میرے ساتھ کشمیر آنے پر راضی

نہ ہوتی جبکہ وہ پشاور میں تھی اس کی خبر ان لوگوں تک پہنچ گئی تھی۔"
وہ اپنی شہادت کی انگلی اپنے دانتوں سے کاٹتا ہوا گویا ہوا تھا۔
"ہم اسے دوسرے طریقے سے بھی لا سکتے تھے جبرئیل اس کے لیے تمہارا اس سے
نکاح کرنا لازمی نہیں تھا۔"
اب کی بار انہوں نے اس کے سامنے ایک اور سوال رکھا تھا۔
"سر آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہے یہ طراب اور اسامہ کو تو میں چھوڑوں گا نہیں
کمینے دونوں ہی پیٹ کے ہلکے ہیں۔"
اسے اب غصہ آ رہا تھا طراب اور اسامہ پر جنہوں نے کرنل خاور تک یہ خبر پہنچائی تھی۔
"لینگوئج میجر جبرئیل! لینگوئج دوستی اپنی جگہ مگر ملک سے وفاداری اپنی جگہ۔"
وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے ان کا رخ اب ریوالونگ چئیر کے پیچھے بنی کھڑکی کی جانب
تھا۔
"یہ اس کی حفاظت کا جنون تھا اس سے تمہاری ہمدردی تھی یا پھر کوئی تیسرا جذبہ محبت بیچ
میں آ گئی تھی؟"
وہ کھڑکی کی جانب رخ کیے سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے اور جبرئیل کے پاس اس سوال کا
کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

"پلیز سر یہ ڈیوٹی بھی تھی اور ہمدردی بھی۔"

وہ نگاہیں جھکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یعنی کہ کسی تیسرے جذبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔"

انہوں نے ایک آبرو اچکا کر اس سے پوچھا تھا۔

"آپ کے سوال الجھا رہے ہیں مجھے۔"

وہ اب تنگ آچکا تھا۔

"میرے سوالوں سے تم الجھ رہے ہو میجر! آر یو کیڈنگ می؟"

انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر پوچھا تھا۔

"پلیز سر ہینڈل دس آل میس فار می۔"

اس نے پھر سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے بسی سے کہا تھا۔

"محبت ہوگئی تھی نہ؟"

انہوں نے آنکھیں چھوٹی کر کے اس سے پوچھا تھا۔

"آئی ایکچولی ڈونٹ نو۔"

اس نے بے بسی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

"اوکے یو مئے گونا و آئی ول ہینڈل بٹ ریممبر دیس ویڈنگ از سیکرٹ۔"

For more visit (exponovels.com)

انھوں نے اسے تنبیہی کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"راجر سر!"

وہ کہہ کر سیلوٹ مار کران کے کمرے سے باہر نکل گیا تھا مگر اس کا دماغ کھول رہا تھا۔

طراب اور اسامہ کو تو اس سے اب کوئی بھی نہیں بچا سکتا تھا۔ اس کا رخ اب باڈر کی جانب تھا جہاں اس لمحے طراب اور اسامہ موجود تھے۔

وہ تیزی سے جیپ دوڑاتا ہوا باڈر کی جانب گیا تھا ڈھلوان کے نیچے جیپ پارک کر کے وہ دروازے لاک کر کے آہستگی سے اوپر چڑھنا شروع ہوا۔ اوپر چڑھ کر حسب معمول آگ لگی ہوئی تھی آسمان پر سورج نہ ہونے کے برابر تھا فوجی گروپ اپنی اپنی نشستوں پر گشت میں مگن تھے انہی میں اسے طراب اور اسامہ بھی آگ کے قریب کھڑے نظر آئے تو وہ مٹھیاں بھینچ کر دونوں کی جانب بڑھا۔

"کمینوں! دوست کا ایک راز بھی نہیں رکھ سکتے۔"

اس نے دانت پیس کران دونوں سے کہا تو دونوں نے ایک دوسری کی جانب دیکھا البتہ چہرہ ابھی بھی پرسکون تھا۔

"دوستی اپنی جگہ مگر تیری اور ملک کی حفاظت اپنی جگہ۔"

وہ دونوں یک زبان ہو کر بولے تو اسے اور غصہ آیا۔

"تم لوگوں کو اندازہ بھی ہے کہ کتنی سخت قسم کی پیشی بھگتا کر آرہا ہوں میں کرنل خاور نے میری کیسی کلاس لگائی ہے؟"

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ان سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں تو پھر ایسا تو ہوتا ہی ہے پھر ایسے کاموں میں۔"

اسامہ آنکھیں بند کرتے ہوئے منہ ہلا کر کہہ رہا تھا۔ مجال ہے جو دونوں کو زرا بھی اثر ہو رہا ہو۔

"چل اب بتا دے محبت وحبت کا چکر تھا اس انڈین شہری سے؟"

اب کی بار طراب نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔

"میں پنچ مار کر تیرا منہ سوجا دوں گا اب اگر مزید کوئی بکواس کی تو۔"

اب کی بار اس نے واقعی میں پنچ دیکھایا تھا۔

"اچھا بھئی زارا بھابھی سے کیا آپ کو محبت ہو گئی تھی جو آپ جناب نے ان سے نکاح کا فریضہ انجام دیا تھا۔"

اسامہ نے آنکھیں جھپک کر خالصتا زنانہ انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے یار کیوں ایک ہی بات کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

اب کی بار اس نے بیٹھتے ہوئے چڑ کر کہا تھا۔

"اچھا اچھا بس بس اب رو نہ پڑی کچھ نہیں بولتے ہم دونوں۔"
دونوں نے منہ پر انگلی رکھی تھی۔
"گڈ اب بتاؤ کہ یہ کھدائی والا مرحلہ کہاں تک پہنچا؟"
وہ اب اپنے ازلی فوجی روپ میں آچکا تھا۔
"بس اپنے آخری مراحل میں ہے جیسے ہی ختم ہوگا ٹیم مشن کے لیے نکل پڑے گی۔"
اس نے ایک بار پورے منظر کا جائزہ لیتے ہوئے اس تک اطلاع پہنچائی تھی۔
"دیٹس گڈ۔"
جبرئیل نے اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے کہا تھا۔ اب انہیں رات تک باڈر پر ڈیوٹی دینی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس بات کے بعد وہ شمس کے سامنے نہیں آئی تھی شاید نظریں چرانا چاہتی تھی یا شاید اس کے سامنے آنے پر اسے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی جو بھی تھا فاطمہ کی عجیب حالت تھی۔ دل کی حالت جب حد سے سوا ہو جائے تو واحد سہارا قرآن رہ جاتا ہے بہت دن بعد آج پھر سے وہ دالان میں قرآن کھولے بیٹھی ہوئی تھی۔ سر پر ہلکے پیچ رنگ کا سکارف اوڑھے وہ ہلکے پستہ رنگ کے شلوار سوٹ میں اس کا چہرہ ٹھہرے ہوئے سمندر کی مانند پر سکون تھا۔

ایک وقت تھا جب دوپٹہ اسے دیکھنا بھی گنوارا نہیں تھا اور اب اس کا وجود سر تا پا چھپا ہوا تھا اور یقینا اسے اس حلیے میں بے پناہ سکون مل رہا تھا۔

"یریدون ان یطفو نوراللہ بافواھم ویابی اللہ الاان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون ○

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالی انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر ناخوش رہے۔

آیت مکمل کرنے کے بعد اس نے گہرا سانس بھرا تھا آج پھر سے یہی ہوا تھا آیت پڑھ لی تھی ترجمہ بھی پڑھ لیا تھا لیکن مقصد کی سمجھ اسے بس تھوڑی سی آئی تھی اس کے چہرے پر الجھن واضح تھی۔

"ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کچھ ہداہت کے باوجود خود سے مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کہی گئی ہے یہ آیت اور کیا مطلب ہے اس کا۔"

وہ چہرے پر الجھن لیے سر تھامے دالان میں رکھے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اندر سے آتے شمس نے اس کے الجھے ہوئے چہرے کی جانب دیکھا تھا وہ شاہد ڈیوٹی پر جا رہا تھا۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا نک سک سے تیار وہ باہر جا رہا تھا علینہ اس کے آنے سے اتنی ہی بے خبر تھی جتنا وہ اس کی موجودگی سے آگاہ تھا۔

"کیا بات ہے پریشان لگ رہی ہو؟"

وہ کف نیچے کرتے ہوئے تخت کے قریب رکھے موڑے پر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں۔"

اس نے چہرے کو جھکاتے ہوئے نگاہیں جھکا کر ایک بار پھر سے قرآن کی جانب دیکھا تھا۔ شمس نے ایک بار پھر اسے اور سامنے رکھے قرآن کو دیکھا تھا۔

"دیکھاؤ مجھے کس آیت کی سمجھ نہیں آرہی۔"

اس نے قرآن خود کے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اور وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں۔ تمہیں معلوم اس پوری دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو نافرمانی کے زمرے میں آتے ہیں جو اس کے نور کو بجھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کے چہرے نور سے اٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اس نور کی روشنی سے یہ پورا جہاں مہک رہا ہوتا ہے لیکن بہت سی طاقتیں اس نور کو بجھانے کے لیے سرگرم ہیں وہ اس کی نافرمانی کر کے اڈتے ہوئے نوروں کو ختم کرنے کی کوشیش کرتے ہیں لیکن اللہ تعالی کی طاقت سے یہ سب انجان ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ جس قدر کوشیش یہ نوری طاقتوں کو بجھانے کی کر رہے ہیں وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالی کو اپنے نور کو بچانے کا ہنر آتا ہے وہ جانتا ہے کہ کیسے اپنے نور کی روشنی سے مشرکوں اور کافروں کو مات دینی ہے۔"

وہ کہہ کر خاموش ہوگیا تھا اس نے خاموش ہو کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جہاں سکون تھا۔

"اس کا مطلب نور کو ختم کرنے والا ہر شخص سزا کا مستحق ہے؟"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اس سے پوچھ رہی تھی اس نے اس کے چہرے پر موجود سوال کا مقصد سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن بے حد ڈھونڈنے کے باوجود بھی وہ سوال کا مقصد سمجھ نہیں پایا تھا۔

"ہاں بے شک نور کو ختم کرنے والا ہر شخص سزا کا ہی مستحق ہے اور جلد یا بدیر اسے سزا ملے گی۔"

وہ اپنی بات کہہ کر موڑے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

فاطمہ نے اس سے پوچھا تھا بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ کو اس نے بڑی ہی مشکل سے روکا تھا۔

"ڈیوٹی پر سی یو سون۔"

وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور فاطمہ کا ذہن داور کمال کے انجام کو سوچ کر ہی لرزنے لگا وہ محض یہ سوچ رہی تھی کہ اللہ کے نور کو بجھانے میں داور کمال

سرگرم رہاہے اس کا کیا حال ہوگا جو بھی تھا داورکمال علینہ فاطمہ کا باپ تھا اور نہ ناچاہتے کے باوجود اپنے باپ کا انجام اسے تکلیف کی انتہا گہرائیوں میں دھکیل رہا تھا ایک بار شدت سے اسے صمن بیگم اور داورکمال یاد آئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرے کی دلخراش روشنی نے اس کی آنکھیں دھیرے سے کھولی تھیں۔ کھڑکی سے چھن کر کے روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اپنے برابر میں نگاہ ڈالی تھی۔ وہ جگہ خالی تھی جہاں رات میں وہ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے بیڈ کراون سے ٹیک لگائی تھی۔ کھلے ہوئے بورے گھنگرالے بال اس نے جوڑے میں باندھے تھے اور امڈ بے والی باسی کو اس نے ہاتھ سے روکا تھا۔ پیروں میں سلیپر پہن کر وہ واشروم میں فریش ہونے کی غرض سے گئی تھی کچھ دیر بعد جب وہ باہر آئی تو قدرے تروتازہ تھی۔ شانوں کے گرد شال لپیٹ کر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی تھی۔ کچن سے حسب توقع کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں وہ آواز کے پیچھے کچن میں داخل ہوئی تو آغا خان اپنے کام میں مصروف دیکھائی دے رہا تھا۔

"ارے زارا بی بی! آپ اٹھ گئیں؟"

آغا خان نے اس کے لیے کچن میں رکھے ڈائننگ کی کرسی گھسیٹی تھی۔

"ہمم میجر صاحب کدھر؟"

اس نے پھر سے سستی سے پوچھا تھا۔

"سر ڈیوٹی پر صبح صبح ہی چلے گئے تھے۔"

آغا خان نے تیزی سے توے میں پڑا املیٹ الٹتے ہوئے کہا تھا۔

"اتنی صبح اور مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

وہ خود کو بشاش کرتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"انہیں صبح فون آیا تھا اور جیسے ہی فون آیا وہ جلدی میں نکل گئے مگر وہ کہہ کر گئے تھے کہ آپ کو ناشتہ کروا دوں۔"

آغا خان نے اس کے آگے آملیٹ کی پلیٹ اور دو سکے ہوئے توس رکھے تھے جوس کا بھرا ہوا جگ شلف پر رکھا ہوا تھا لیکن آغا خان نے اس کے آگے چائے کا کپ رکھا تھا۔

زارا نے ایک نظر جوس کے جگ اور ایک نظر آغا خان کو دیکھا تھا۔

"یہ جوس کیوں نہیں رکھا آپ نے آغا بھائی!؟"

اس نے حیرت سے سوال کیا تھا۔

"وہ میں یہ پہلے بنا چکا تھا مگر سر مجھے منع کر کے گئے ہیں کہ سردی میں آپ کو جوس نہیں دینا گلا خراب ہو جائے گا آپ کا۔"

آغا خان نے کیتلی سے چائے اس کے سامنے رکھے ہوئے کپ میں انڈیلتے ہوئے کہا تھا۔

"ہوں! بھلا میں کوئی چھوٹی ننھی بچی ہوں جو میرا اگلا خراب ہو جائے گا عجیب ہیں میجر صاحب۔"

وہ سر جھٹک کر ناشتے کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

اب سارا دن اس کا گھر میں یونہی بے مقصد گزرنے والا تھا۔ ناشتے کے بعد اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ آغا خان سے گھر کی صفائی کروائی کھانا بھی بنوالیا اب اسے شدت سے جبرئیل کی کمی اور یاد محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کمرے میں گئی اور سائیڈ میز سے جبرئیل کا دلایا ہوا فون اٹھا کر اس کا نمبر پریس کیا۔ تقریباً چوتھی بیل پر کال رسیو کر لی گئی تھی۔

"اسلام علیکم!"

اس نے لہجے میں بشاشت رکھ کر سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام اٹھ گئی تم؟"

اس نے سلام کا جواب دینے کے ساتھ ہی اس سے سوال بھی پوچھ لیا تھا۔

"ہاں جی کب کی اٹھ کر ناشتہ بھی کر لیا صفائی بھی کروالی اور آغا بھائی سے کھانا بھی بنوالیا اور اب بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔"

وہ اچھا خاصا منہ بناتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"ٹی وی دیکھ لو یا ریا کچھ اور کر لو۔"

وہ جھنجلاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا اصل میں وہ خود اس وقت ٹیکنولوجی سینٹر کی رپوٹ دینے کرنل خاور کے پاس جانے والا تھا راستے میں ہی اسے زارا کی کال آ گئی تھی۔

"آپ کب واپس آ رہے ہیں ؟"

وہ اس کی بات مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ابھی تو میں کام کر رہا ہوں گھر آ کر تم سے بات کرتا ہوں خدا حافظ خیال رکھنا اپنا۔"

اس نے بغیر اس کی سنے فون بند کر دیا اور وہ محض صرف فون کو دیکھتی رہ گئی۔

"کھڑوس سڑو انسان تمیز نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے بھئی حد ہے بیوی کو کوئی ایسے کہتا۔"

وہ فون کو گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آنے دو آج پوچھوں گی زرا۔"

وہ غصے سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اب وہ اس کے واپس آنے پر اس کی اچھی خاصی کلاس لینے کا ارادہ رکھتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا میں آج حسب معمول سناٹا نہیں تھا صمن بیگم بہت عرصے بعد نک سک سے تیار

لاونج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ سلیولیس بلوز کے ساتھ لائٹ پرپل کمبینیشن کی ساڑھی پہنے وہ اپنے شولڈر کٹ بال کھولے چہرے پر میک اپ کیے وہ صبح صبح اخبار کے مطالعے میں مصروف تھیں میز پر سامنے چائے کے لوازمات سجے ہوئے تھے انہوں نے ابھی ناشتہ کرنا تھا۔ وہ مطالعے میں محو تھیں جب اوپری سیڑھیوں سے داور کمال آتے ہوئے دیکھائی دیے۔ وہ بھی نک سک سے تیار تھے براون ٹو پیس سوٹ پہنے منہ میں سگار دبائے ہوئے سیڑھیاں اتر کران کی جانب آ گئے تھے۔

"کیا بات ہے صمن بیگم آج تو آپ بڑی فریش لگ رہی ہیں؟"

خلاف معمول داور کمال بھی اچھے موڈ میں دیکھائی دے رہے تھے۔

"کیا کریں پھر میرے زندگی چھوڑ دینے سے میری اولاد واپس نہیں آجاتی داور کمال صاحب!"

انہوں نے انہیں نظر انداز کر کے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگایا تھا اور پھر سے اپنی توجہ اخبار کی جانب کی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے تم سے کہ مجھے نظر انداز مت کیا کرو۔"

انہوں نے غصے میں جاکران کے ہاتھ سے اخبار جھپٹ کر میز پر پٹخی تھی۔

"آپ کی طرف دیکھنے کے لیے اب کوئی جواز نہیں بچے۔"

انہوں نے داور کمال کو مکمل نظر انداز کر کے چائے کا شغل جاری رکھا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم صمن عزت تمہیں راس نہیں آ رہی اتنی دولت تمہارے قدموں میں ہے آگے پیچھے نوکروں کی ریل پیل ہے پھر بھی تمہارا منہ ہے کہ سیدھا نہیں ہو رہا۔"

وہ غصے میں کہتے ہوئے اب ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

"دولت سے جذبے نہیں خریدے جا سکتے داور کمال صاحب! آپ کے نزدیک صرف اس دنیا اور معاشرے میں سانس لینے کے لیے چند نوٹ کافی ہوں گئے مگر میرے لیے جذبات کی اہمیت نوٹوں کی اہمیٹ سے زیادہ ہے۔"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ ان سے کہہ رہی تھی داور کمال کا فلک شگاف قہقہ کمال ولا کے درو دیوار میں گونجا تھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو صمن وہ تم ہی تھیں جو دولت کے نشے میں چور ہو کر اپنے رشتوں کو ٹھکرا کر میرے پاس آئی تھیں اور اب اچانک تمہارے لیے جذبات کی اہمیت بڑھ گئی؟"

انہوں نے کچھ تلخی سے ان سے کہا تو ان کے چہرے پر تاریخ سا سایہ لہرایا تھا وہ جو ایک ردم میں بول رہی تھیں ایک دم سے خاموش ہو گئی تھیں ماضی بڑی ہی بے خوفی سے ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اس تنکلیف دے اور تلخ ماضی کی یاد انہیں بے حد شدت سے آئی تھی۔

"کیا ہوا چلتی ہوئی زبان خاموش ہوگئی ہے نہ ؟"

جانتی ہو کیوں کہ دھوکہ دینا بھی اسی زمرے میں آتا ہے بے سکونی تو تب بھی مقدر کا حصہ بن جاتی ہے صمن داور کمال جب سچے رشتوں کو دھوکا دیا ہوتا ہے یہ جو مصنوعی سکون مجھے تمہارے اس چہرے پر نظر آرہا ہے نہ یقین کرو یہ محض مصنوعی ہے تمہارا اصل چہرہ تو میں اسی دن دیکھ چکا تھا جس دن مجھے گناہ اور ثواب کا پاٹ پڑھا رہی تھی ۔ "

وہ کہتے ہوئے ان کا چہرہ تھپک کر مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے تھے اور پیچھے صمن بیگم گم سم سی رہ گئی تھیں انہوں نے قریب رکھا ہوا فون اٹھایا تھا اور کال ملائی تھی ۔ ان کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور ہونٹ لرز رہے تھے انہیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح بول پائیں گئی آج زندگی میں پہلی بار وہ شاہد اسے خود سے فون کر رہی تھیں ورنہ وہ فون کیا کرتی تھی اور صمن بیگم مخاطب ہوتی تھیں مگر آج انہوں نے اسے خود فون کیا تھا شاہد ان کی ہمت اور برداشت اب ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں ۔

وہ فون کان سے لگائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں مسلسل بیل جا رہی تھی دوسری جانب تیسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا تھا اس کی آواز سن کر جیسے صمن بیگم کو اندر تک سکون کا احساس ہوا تھا ۔

"کیا آپ مجھے سن رہی ہیں ایس ۔ کے ؟ !"

اس نے سوال پوچھا تھا۔

صمن بیگم نے چونک کر فون کے پار سے آنے والی آواز پر غور کرنے کی کوشش کی تھی

ہاں وہ وہی تو تھی جس کی آواز سننے کے لیے وہ ہمشہ ترسا کرتی تھیں اور اب وہ فون کے پار

بول رہی تھی لیکن ان میں ہمت نہیں تھی کہ وہ بول پاتیں۔

"کیسی ہو تم؟"

انہوں نے اپنے امڈتے ہوئے آنسو کو انگلی کی پور سے رگڑا تھا۔

"مجھے کیا ہونا ایک دم ٹھیک۔"

وہ لہجے کو حتی المکان بشاش بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم واپس آجاؤ یہاں۔"

انہوں نے اس سے صرف اتنا ہی جملہ بولا تھا اور ایک بار پھر سے آنسوان کی آنکھوں سے

رواں ہو گئے تھے۔ دل ایک دم بہت ہی زیادہ بھر گیا تھا۔

"علینہ نہیں ملی کیا؟"

اس نے ان کا بلاوا نظر انداز کر کے علنیہ کے متعلق پوچھا تھا۔

"نہ۔۔ نہیں ملی وہ اسے صرف تم ہی ڈھونڈ سکتی ہو اور کمال میری بیٹی کو کسی صورت بھی

نہیں ڈھونڈے گا۔"

انہوں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"علینہ داور کمال کی بیٹی ہے ایس۔کے!"

اس نے انہیں یاد دلانا بے حد ضروری سمجھا تھا۔

"اسے دولت اور اپنی ساکھ اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔"

صمن بیگم نے گویا اس کے علم میں اضافہ کیا تھا اس کے جواب میں دوسری جانب خاموشی رہی تھی۔

"میرا دل تڑپتا ہے تمہیں دیکھنے کے لیے پلیز تم آجاؤ اس سے پہلے کہ میں مرجاو۔"

ان کا لہجہ اب خاموشی لیے ہوئے تھا دوسری جانب جیسے اس بات کے بعد بالکل ہی خاموشی چھا گئی تھی اور پھر وہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی تھیں مگر فون کاٹ دیا گیا تھا۔ وہ ساکن بیٹھی فون کو دیکھتی رہ گئی تھیں ان کے گناہوں کی سزا کا دور اب شروع ہو چکا تھا وہ وقت آگیا تھا جب ایک ایک کر کے ہر عمل کی سزا ملتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جبرئیل ابھی ابھی ان کے آفس سے باہر نکلا تھا اس کے جانے کے بعد وہ محض خالی نظروں سے دروازے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس بھرا تھا دراز سے ایک تصویر آج پھر سے انہوں نے نکال کر اپنے سامنے سجائی تھی۔ تصویر میں وہی دو

For more visit (exponovels.com)

خوبصورت چہرے مسکرا رہے تھے۔

"جتنی صورت خوبصورت ہوتی ہے کبھی کبھی دل اتنا ہی بد صورت ہوتا ہے اور دل کی بد صورتی زندگیاں تباہ کر دیتی ہے۔"

انہوں نے فریم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"زندگی ویران ضرور ہوتی ہے لیکن عزت کا تحفظ ایک عجیب سا اطمینان فراہم کر دیتا ہے جیسے میری زندگی میں ہوا تمہارے دیے گئے زخموں سے ابھی بھی پیپ اسی آب و تاب سے رس رہی ہے لیکن اس زخم پر مرحم رکھنے والا اب تک کوئی بھی نہیں آیا الٹا اس کی تفصیل جان کر پھر سے نمک پاشی کی جاتی ہے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے آنکھ سے نکلنے والے آنسو کو وہی پر روکا تھا۔

"وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا دل آج عجیب انداز سے دکھ رہا ہے مجھے لگ رہا ہے کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب تم ایک بار پھر سے میرے سامنے کھڑی ہوگی اور یقین جانو اب کی بار تکلیف کی شدت کہیں زیادہ ہوگی۔"

اب کی بار انہوں نے آنسو روکنے کی سعی نہیں کی تھی کبھی کبھی دل کے غبار کو آنسو ہی دھو سکتے بر حال وہ جلد از جلد تصویر والی شخصیات سے ملنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تھک گئی ہاں محبت کر کر میں

کچھ حاصل نہیں ہویا مینو

نازک رسی دی پینگاں عشق دیاں

مڑ مڑ چھلنی کر دیاں دل

بے حس لگدا اے او آپ ہی

جیڑا ویکھ کے منہ موڑدا

ادھیڑ کے رکھ دیندا اے

جدو کھول دا اے پوشیدہ راز

آج وی انوں پتہ اے لوگو!

محبت سچا جذبہ میرا

پینگاں عشق دیاں کچیاں تے کی

محبت پکا آم اے لوگو!

ایمن خان

وہ انتہائی تھک کر رات واپس گھر آیا تھا۔ باہر شدید سردی کا راج تھا جونہی اس نے اپنی ملٹری جیپ پورچ میں پارک کی یخ بستہ ہوا نے اس کا استقبال کیا ساتھ والی سیٹ سے

پیراشوٹ کی سیاہ جیکٹ اٹھا کر اس نے اپنے یونیفارم سے سجے جسم کو سردی سے
بچانے کے لیے ڈھانپا اور ایک نظر کلائی پر باندھی ہوئی ڈیجیٹل ایپل واچ پر ڈالی جو رات
کے ایک بجا رہی تھی اس نے گہرا سانس بھر کر فضا میں دھواں خارج کیا سامنے ایک نظر سر
اکڑائے پہاڑوں کو دیکھا جس کی چوٹیوں سے سفید ابشار جمی ہوئی اندھیرے میں اپنی سفیدی
کو نمایاں کر رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ جیب میں پھسائے اور چلتا ہوا ماربل کی سیڑھیوں
کی جانب آگیا جس کے اوپر لکڑی کا دو پٹوں کا دروازہ تھا۔ دروازہ کھول کر جب وہ اندر
داخل ہوا تو نیم اندھیرے نے اس کا استقبال لیا اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ قدم قدم
چلتا ہوا کیچن میں آیا ایک نظر آغا خان کے کمرے کے بند دروازے پر ڈالی شاید وہ بارہ بجے
تک اس کا انتظار کر کے سو گیا تھا۔ کیچن میں پہنچ کر اس نے شیلف پر رکھا ہوا پانی کا جگ
اٹھایا اور گلاس میں انڈیل کر پی لیا وہاں سے سیدھا وہ اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب آیا
تھا اس کے دل میں ایک عجیب سی اداسی تھی صبح جاتے ہوئے بھی وہ سوئی ہوئی تھی اور
اب رات اسے آتے اتنی دیر ہو گئی ہے یقیناً وہ سو گئی ہو گی اس نے دل میں خود کو کوسا تھا
ایک بار فون بھی کیا تو میں کس طرح تلخ لہجے میں بات کر گیا۔ کمرے کا دروازہ ناب گھما کر
کھولا تو دروازہ کھلتا چلا گیا کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور فضا میں حدت تھی جبرئیل کے یخ
بستہ اعصاب لمحوں میں نارمل ہوئے تھے۔ بیڈ کے ایک طرف وہ بیڈ کراون سے ٹیک

لگائے اڑے ترچھے انداز میں لیٹی ہوئی تھی کھلا ہوا سکارف تکیے پر پڑا ہوا تھا اور بورے
گھنگریالے بال کچھ چہرے اور کچھ پیچھے کو بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے لبوں کو مسکراہٹ
نے چھوا تھا وہ بغیر رکے سیدھا ڈریسنگ کی جانب گیا تھا کچھ دیر میں فریش ہو کر باہر آیا تو
اسے اسی حالت میں پایا بیڈ کے دوسری جانب کو بیٹھتے ہوئے اس نے ہاتھ اس کی جانب
بڑھائے تھے تاکہ اسے سیدھا کر کے لیٹا سکے ابھی وہ اسے سیدھا کرنے ہی والا تھا جب اس
کی آواز جبرئیل کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"مجھے ہاتھ مت لگائیں میں خود سیدھی ہو کر لیٹ سکتی ہوں۔"

آنکھیں ہنوز بند تھیں وہ اپنی جگہ حیرت زدہ سا ہو گیا ہاتھ جہاں تھے وہی پر ساکت ہو گئے
چہرے پر الجھن نمایاں ہو گئی۔

"تم جاگ رہی ہو؟"

لہجے کو حتی المکان نارمل بنا کر پوچھا تھا لہجے میں ابھی بھی نرمی گھلی ہوئی تھی۔

"آپ کو کیا فرق پڑتا میں سو رہی ہوں یا جاگ رہی ہوں کھڑی ہوں یا بیٹھی ہوں بھاگ رہی
ہوں یا رک رہی ہوں۔"

وہ اس سے ایسے پوچھ رہی تھی جیسے میجر جبرئیل نے اس سے یہ سوال کر کے اپنی زندگی کی
سب سے بڑی غلطی کر دی ہو وہ حیرت زدہ سا تھا ذرا ایک دم سے پھٹ کر اس کے

سامنے آئی تھی کچھ لمحوں کی حیرت کے بعد وہاں مسکراہٹ نمایاں ہو گئی۔

"مجھے نہیں تو اور کسے فرق پڑے گا مسز!۔"

وہ اب خود بھی بیڈ کراون سے ٹیک لگا چکا تھا نگاہوں کا محور گندمی چہرے پر غصے کی سرخی لیے وہ لڑکی تھی جو اس سے چند انچ کے فاصلے پر تھی۔

"تب ہی اتنے فضول طریقے سے بات کر رہے تھے آپ مجھ سے صبح۔"

اس نے لہجے میں طنز سمو کر دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے کہا تھا منہ ہنوز پھولا ہوا تھا۔

"اس وقت تازہ تازہ بے عزتی کروا کر آیا تھا موڈ تو خراب ہونا ہی تھا اس لیے نا چاہتے ہوئے بھی تھوڑا روڈ ہو گیا۔"

وہ اب معصوم صورت بنا کر اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔

"تھوڑا روڈ؟"

اس نے آنکھیں پھیلا کر روڈ کو کافی لمبا کھینچا تھا۔

"اچھا بھئی زیادہ ہو گیا اب معافی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے تو بتاؤ ورنہ پھر ما بدولت کوئی اور حل نکالتے ہیں۔"

لہجے میں معنی خیزی گھلی ہوئی تھی۔ زارا کے تو ساری بات اوپر سے گزر گئی ایک لفظ بھی پلے نہیں پڑا اسے بس معافی کی صورت ہی سمجھ آئی تھی اس لیے جھٹ بولی تھی۔

"میرا ایڈمیشن کروا دیں آگے میرا رزلٹ آگیا ہے میں پاس ہو گئی ہوں۔"

اس نے نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا تھا جیسے اپنے پاس ہونے کی خبر نہ دے رہی ہو بلکہ اپنے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو۔

"ہمم اور تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تم پاس ہو گئی ہو؟"

وہ چہرے پر سنجیدگی طاری کیے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"زیبی کا فون آیا تھا انہوں نے بتایا ہے۔"

اس نے اب کی بار اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کس فیلڈ میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہو؟"

اس نے اب کی بار اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے اپنے قریب دھکیلا تھا۔

"سائنس کی کسی بھی فیلڈ میں کیونکہ میں نے ایف۔ ایس۔ سی پری میڈیکل کے ساتھ کی ہے۔"

اس نے گویا اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔

"اچھا لیکن تم کسی یونی ورسٹی میں نہیں جا سکتی کیوں کہ ابھی تم پوری طرح سے سیف نہیں ہو۔"

اس نے بالکل اسے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

"میجر صاحب چھوڑ تو دیں مجھے سانس بند ہو رہا میرا۔"

زارا نے اس کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"چپ کر جاو سانس بند ہونے کی بچی! ہو تم اتنی چھوٹی سی اور باتیں دیکھو کیسے کرتی ہو۔"

اس نے اس کے منہ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا تھا۔ بدلے میں زارا نے منہ بنایا تھا۔

"میرے چھوٹے ہونے کا ناجائز فائدہ مت اٹھایا کریں آپ۔"

وہ اسے انگلی دیکھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا میری ماں۔"

اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے اپنا سر ہاتھوں پر رکھا تھا۔

"ہو میجر صاحب ماں تو مت بولیں نکاح خراب ہو جائے گا ہمارا۔"

وہ حیران ہونے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اب بڑی فکر ہے کہ نکاح خراب ہو جائے گا ویسے تو ہاتھ بھی لگا لو تو دم گھٹ جاتا تمہارا۔"

وہ اب تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا کمفرٹر منہ تک تان چکا تھا۔

"بس سونے لگے ہیں آپ اتنی جلدی۔"

اس نے اس کے منہ سے کمفرٹر ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں ڈر نہیں لگتا مجھ سے ؟"

وہ اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ڈری تو کبھی میں ان سے بھی نہیں تھی جو سر عام لڑکیوں کی عزت تار تار کر دیتے تھے پھر اپنے محافظ سے کیوں ڈروں گی ؟"

وہ ساتھ بیٹھی ہوئی چھوٹی سی لڑکی اسے ایک لمحے میں لاجواب کر گئی تھی اسے ایک پل میں اندازہ ہوا تھا کہ واقعی میں ایک فوجی کی بیوی کو اتنا ہی بہادر ہونا چاہئیے تھا اس کی ماں کا انتخاب بالکل درست تھا۔ وہ بغیر کوئی بھی جواب دیے آنکھیں موند گیا تھا شاہد اس نے اپنے سوال کا جواب بھی خود ہی سوال میں دے دیا تھا قسمت کبھی کبھی بری مات دے دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکاگو میں دھیرے دھیرے سورج غروب ہو رہا تھا لیکن سردی کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی وہ آج لائٹ پرپل قمیض کو نیلی جینز پر پہنے ہوئے تھی گلے میں ہم رنگ سکارف پلیٹ رکھا تھا بورے سلکی بال یونہی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں اور دل ویران تھا وہ کوئی ساتواں سگریٹ جلا چکی تھی ہر سگریٹ وہ اس طرح پی رہی تھی جیسے کوئی کھانے والی چیز ہو ایک کے بعد ایک سگریٹ صرف لمحوں میں ختم ہو رہی تھی۔

آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں پر پرواہ کسے تھی وہ تو بس دل میں اڈتے ہوئے لاوے کو بجھانے کی تگودو میں ہلکان ہو رہی تھی۔ جب سے اس کی بات صمن بیگم سے ہوئی تھی تب سے اس کی یہی حالت تھی۔ ماضی اس بری طرح سے ایک بار پھر سامنے آگیا تھا کہ اس کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ گیا تھا جس وجود کو سیمنٹ کر صلاح سے ایس۔ کے بنایا تھا وہ ایک بار پھر سے ٹوٹ کر صلاح کی ریت میں جذب ہو رہا تھا۔ ہاں وہ کوئی اور نہیں تھی ایس۔ کے سے پہلے وہ صلاح کمال کہلاتی تھی لیکن اس نے محض اٹھارہ سال کی عمر میں کمال والا چھوڑ دیا تھا وہ شکاگو پڑھنے کے لیے آئی تھی وہ بھی زبردستی کیونکہ صمن کمال اسے مزید کمال والا رکھنے پر رضا مند نہیں تھیں جب وہ سترہ سال کی تھی تو اس کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آیا تھا جس نے ایس۔ کے کے اندر کی عورت کو مار دیا تھا۔ عورتوں کی طرح کا نرم دل بہت پہلے ہی اس کے وجود سے باہر نکل گیا تھا اور اس کی جگہ ایک سخت اور بے رحم دل نے لے لی تھی۔ وہ آج تک نہیں سمجھ پائی تھی کہ اس بات کے بعد صمن بیگم نے اسے کمال والا سے بھیجنا کیوں چاہا تھا لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ نیو یارک میں اپنا وہ مقام بنا گئی تھی جو اس کی جگہ کوئی عام عورت ہوتی تو شاید کبھی نہ کر پاتی۔ اس نے پورے پانچ سال تک اپنی ماں سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا اس کے خیال میں وہ اپنے ملک اپنے گھر سے بدر کر دی گئی تھی اور اپنا باپ جو شاید اسے کبھی

بھی اپنا باپ محسوس نہیں ہوا تھا اس سے وہ ہمشہ لیے دیے ہی رہتی تھی اس کی حرکات و سکنات اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ ان سے بہت ہی کم بات کیا کرتی تھی۔ ماضی کے واقعات کسی فلم کی صورت میں اس کی آنکھوں کے پردے پر چل رہے تھے۔ دو سال کی تھی جب وہ کمال ولا میں صمن بیگم کی انگلی پکڑ کر چلا کرتی تھی سات سال کی تھی جب غلام بخش کو کمال ولا میں اس کے کئیر ٹیکر کے طور پر رکھا گیا تھا۔ غلام بخش ایک انتہائی سلجھا ہوا نوجوان تھا جو لگ بھگ اس وقت سترہ سال کا ہو گا جوانی کی دہلیز پر غلام بخش کے قدم ابھی بالکل نیئے تھے ماں باپ کی ایک حادثے میں موت کے بعد وہ نوکری کی تلاش میں صمن بیگم کو ایک کیٹی پارٹی میں نظر آیا تھا جو وہاں موجود ان کی ایک دوست کا ملازم تھا۔ صمن بیگم نے انہیں پیسے دے کر غلام بخش کو مستقل کمال ولا میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ وہ ان کی اس وقت اکلوتی اولاد صلاح کا خیال رکھے سچ بات یہ تھی کہ اس وقت صمن بیگم کو صلاح کے چھن جانے کا بہت ڈر تھا انہیں ہر وقت اور ہر لمحے یہی لگا کرتا کہ کوئی ان سے ان کی بیٹی کو چھین لے گا جس کے باعث انہوں نے اس پر ضرورت سے زیادہ توجہ دینی شروع کر دی۔ دھیرے دھیرے ایس۔ کے ان کی بے دریغ اور بے پناہ توجہ کی اتنی عادی ہو گئی کہ اسے ان کے بغیر لمحہ بھی گزارنا مشکل لگتا پھر تقریبا تین سال بعد کمال ولا میں علینہ فاطمہ کی پیدائش ہوئی تھی۔ علینہ کے پیدا ہونے کے بعد صمن بیگم چاہ کر

بھی ایس ۔ کے کو اتنی توجہ نہ دے پاتیں جس کے باعث دھیرے دھیرے دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی انجانی سی دیوار کھڑی ہوگئی اس دوران ایس ۔ کے بری طرح سے غلام بخش سے مانوس ہوگئی اس سے اپنی ساری باتیں کرنا ایس ۔ کے کو بہت اچھا لگتا تھا اور وہی عرصہ تھا جس نے غلام بخش کو مجبور کیا تھا کہ وہ اس سے محبت کرے اور غلام بخش کو اندازہ بھی نہیں ہوا تھا اور اس نے محبت کے بے حد مشکل راستے پر اپنے قدم ڈال لیے تھے ۔ وقت گزرتا گیا کیونکہ اسے گزرنا ہی تھا اور پھر صلاح کی زندگی میں وہ سیاہ دن آیا جس دن کسی نے بے دردی سے اسے نوچ لیا۔ صمن بیگم علینہ کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہوئی تھیں غلام بخش صلاح کی کہی ہوئی چیز لینے بازار تک گیا تھا گھر میں اس لمحے وہ تنہا اپنے کمرے میں بیٹھی سکول کا ہوم ورک کر رہی تھی اس وقت صرف اس کی عمر تیرہ سال تھی دروازہ بند تھا مگر کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی دوپہر کے وقت تو سارے ملازمین اپنے کام نمٹا کر اپنے اپنے کواٹروں میں تھے سیاہ ماسک سے ڈھکا ہوا وہ چہرہ اب بھی جب ایس ۔ کے کی نظروں میں سماتا تھا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں عجیب سی سنسناہٹ پیدا ہو جاتی تھی وہ سیاہ ماسک سے ڈھکا ہوا چہرہ محض پندرہ منٹ میں اس سے اس کی معصومیت چھین گیا تھا اس دن صحیح معنوں میں صلاح مر گئی تھی اس کا وجود فنا ہو گیا تھا اور اس کی جگہ ایس ۔ کے پیدا ہوئی تھی ۔ شکاگو آنے کے پانچ سال بعد جب صمن بیگم نے اسے فون کیا تو اس نے پہلی

بارانہیں ایس۔ کے کہہ کر مخاطب کیا تھا شاہد وہ اپنے اور ان کے بیچ کے رشتے کو بھولا دینا چاہتی تھی شاہد اسے اندازہ تھا کہ یہ لفظ اور یہ رشتہ زندگی میں کہیں نہ کہیں اس کے پیروں کی زنجیر بن سکتا ہے۔ وہ ایس۔ کے کہہ کر انہیں ہمشہ یاد کراتی تھی کہ وہ فون پر اسے
ایس۔ کے ہی مخاطب کریں مگر وہ کبھی بھی اسے ایس۔ کے نہیں بلاتی تھیں وہ اسے صلاح ہی مخاطب کیا کرتی تھیں۔ بے
بے پناہ سگریٹ پھونکنے کے بعد بھی اس کا دل اور آنکھیں یونہی جل رہی تھیں بدلے کی آگ اس میں بری طرح سر اٹھا چکی تھی اس لمحے وہ جنونی ہو رہی تھی وہ پاگل ہو رہی تھی۔
لمحوں میں اس نے ایک فیصلہ کیا تھا اور وہ فیصلہ کوئی اور نہیں بلکہ دس سال بعد اینڈیا جانے کا تھا۔ آخری سگریٹ ایسٹرے میں بجھانے کے بعد وہ غلام بخش کے کمرے کی جانب بڑھی تھی شاہد ان دس سالوں میں پہلی بار وہ اپنے کسی کام کے لیے خود اس کے کمرے میں جا رہی تھی۔ اس کا بکھرا ہوا حولیہ اس بات کا گواہ تھا کہ جو اشتعال اس کے اندر برپا تھا جلد وہ باہر آنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نا چاہتے ہوئے بھی اپنا سارا سامان اٹھا کر مائرہ کے فلیٹ میں آ چکی تھی۔ مائرہ کی نائٹ شفٹ تھی جس کے باعث وہ گھر نہیں آئی تھی جبکہ اسے خود سکول جانا تھا۔ وہ کمرے میں

رکھے ڈریسنگ میز کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی جب سائیڈ پر رکھا فون چیخا تھا۔ وہ کم از کم خان ولا سے آنے والی کسی بھی کال کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی لیکن مسلسل دو دن سے آتی زیبا کی کالز نے اسے اب کی بار فون اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہیلو"!

صاریہ نے لہجے کو حتی المکان بشاش بنانے کی کوشش کی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟"

زیبا کی بے قرار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"زندہ سلامت تم بتاو؟"

وہ گہرا سانس بھر کر گویا ہوئی تھی اس کے لفظوں نے زیبا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیری تھی۔

"وہاں جا کر بھی اپنے لفظوں کے نشتروں سے باز نہیں آئیں آپ آپا؟"

وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی صاریہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ رینگی تھی۔

"کیا کروان لفظوں کے نشتروں اور بے حسی نے تو خان ولا کی دہلیز عبور کروائی تھی۔"

لہجہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔

"احساس پیدا ہوتے ہی ہر غلطی کا مدعوع کر جاتا ہے آپا اور نجانے کیوں مجھے ایسا محسوس

ہو رہا ہے جیسے تم میں احساس نے جگہ لے لی ہے۔"
زیبا کا کہا گیا ایک ایک جملہ درست تھا اور یہ بات صاریہ اچھے سے جانتی تھی اور اب تو وہ اس جگہ پر کھڑی ہے جہاں محض احساس ہی نہیں ہے بلکہ خود کی غلطی تسلیم کرنے کا حوصلہ بھی ہے۔
"صحیح کہہ رہی ہو تم زیبا میرے اس جذبے نے مجھے رسوا کروایا جو شاہد بے جا تھا میں اس شے کی طلب میں مر رہی تھی زیبی جو بہت پہلے سے زارا کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی سچ کہتے ہیں انسان نادان ہوتا ہے وہ تب سمجھتا جب اس کی من چاہی چیز اس کی دسترس سے دور چلی جاتی۔"
وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔
"آپا! جب کوئی من چاہی چیز دسترس سے دور جاتی ہے تو اس کی جگہ کچھ ایسا عطا بھی کیا جاتا ہے جو فل وقت تو نہ سہی مگر کچھ وقت بعد وہ جگہ لے جاتا ہے جو شاہد من چاہی چیز کے درجے سے بھی اونچی ہوتی ہے۔"
زیبا کی بات پر نجانے کیوں اسے خود کو اسامہ کا دیکھنا یاد آیا تھا مگر صرف ایک پل میں اس نے خود کو اس لمحے کی قید سے آزاد کرایا تھا اور پھر سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔
"میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں زیبی سکول کے لیے دیر ہو رہی مجھے۔"

اس نے چند رسمی کلمات کے بعد فون بند کر دیا تھا مگر وہ اپنی چند لمحوں پہلے والی سوچ پر خود بھی حیران تھی آخر کیا سوچ کر اسے اسامہ یاد آگیا تھا۔ اپنی ہی سوچ کو ترک کر کے وہ جلدی جلدی سکول کے لیے تیار ہونے لگی وہ پہلے ہی لیٹ ہو چکی تھی اور اس پر نجانے کیوں اسے فاطمہ سے ملنے کا دل چاہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک بار پھر سے فائلوں کا ڈھیر اپنے سامنے لگائے ریوالونگ چئیر پر جھول رہا تھا جو فائل اس کے سامنے کھلی ہوئی تھی اس پر موجود نام سے بے شک وہ پہلی بار واقف ہوا تھا مگر جو پہچان اس شخصیت کی اس کے سامنے آئی تھی وہ ایک بار میں تو آرون خان کو ہلا کر رکھ گئی تھی مگر وہ ایک مضبوط اعصاب کا افیسر تھا ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے ذہن کو زیادہ عرصے تک متاثر نہیں رکھ سکتی تھیں۔ اس نے کرائیڈل سے ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔ کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے فون واپس رکھ دیا تھا صرف چند سیکنڈ بعد اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکا تھا اور ایک انسپیکٹر ایک آدمی کے ساتھ داخل ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے دانش! تم جاو۔"

آرون نے دانش سے کہا تو وہ اسے سیلوٹ کر کے واپس مڑ گیا۔ وہ آدمی اب آرون کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ آرون نے ایک نظر سامنے بیٹھے ہوئے شخص پر ڈالی اور

دوسری نظر اپنے سامنے رکھے ہوئے فون پر اس نے فون اٹھا کر نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگایا۔

"اسلام علیکم بھائی"!

آرون نے نمبر کسی اور کو نہیں بلکہ جبرئیل کو ملایا تھا۔

"ہاں رون بولو؟"

دوسری جانب وہ عجلت میں بولا تھا۔

"بھائی جس شخص کو بلانے کا آپ نے بولا تھا وہ اس وقت میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔"

آرون نے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو ایک نظر دیکھا اور فون کے اس پار موجود جبرئیل کی جانب متوجہ ہوا۔

"فون اسپیکر پر ڈالو رون؟"

اس کی جانب سے اگلا حکم جاری ہوا تھا جس کی تکمیل اس نے فوری کی تھی۔

"مصطفیٰ مراد صاحب! میری بات زرا غور سے سنیں اور پھر اس کا جواب اچھے سے یاد کر کے دیں۔"

"جو کیس تیرہ سال پہلے دائر ہوا تھا ان تمام لڑکیوں کی رپوٹس کتنے پرسنٹ تک دائر ہوئی تھیں۔"

اس کے لہجے میں حد درجے کی سنجیدگی گھلی ہوئی تھی۔

"سر! اس وقت تقریبا 80 لڑکیاں اغوا ہوئی تھیں جن کا تعلق اچھے گھرانوں سے تھا اور ان میں سے صرف 30 گھرانے ایسے تھے جنھوں نے اپنی لڑکیوں کے غائب ہونے کی رپوٹ درج کرائی تھی جبکہ باقی سب لوگ ایسے طابقے سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے پولیس کو تفتیش میں اس لیے شامل نہیں کیا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان کی جگ ہرسائی ہوگی۔"

سامنے بیٹھا ہوا شخص کسی پروفیشنل انداز میں ان دو نفوس کو ساری معلومات فراہم کی تھی۔

"ہوں اور اس کیس کے بارے میں کیا جانتے ہیں آپ جو 1994 کا آخری اغوا کا کیس تھا؟"

جبرئیل کے سوال پر آرون کی سنجیدگی میں اور اضافہ ہوا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے دھند بڑھ رہی تھی مگر وہ ضبط سے بیٹھا ہوا تھا۔

"سر! شاہد کوئی اور یہ بات نہ جانتا ہوں مجھے یہ بتانے کی اجازت بھی نہیں ہے لیکن اس بار معاملہ مختلف ہے وہی حالات ایک بار پھر سے پیدا ہو رہے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ اگر اس وقت ہم کچھ نہیں کرپائے تھے تو اب بھی اپنے سامنے یہ سب ہوتا ہوئے دیکھتے رہیں۔"

سامنے بیٹھے مصطفی مراد کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ کوئی بہت ہی پروفیشنل قسم کا انسان معلوم

ہو رہا تھا۔

"مصطفی مراد صاحب اور سنائیں کیسے ہیں آپ؟"

فون میں سے جبرئیل کا ایک لمحے میں بات بدلنا مصطفی اور آرون دونوں کو چوکنا کر گیا تھا۔

"اوکے رون میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔"

جبرئیل نے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات ختم کر کے فون بند کر دیا تھا۔ فون کے بند ہوتے ہی آرون کو ایک میسج رسیو ہوا تھا۔

"رون! ہماری یہاں پر ہونے والی گفتگو مونیٹر کی جانی شروع کر دی گئی ہے۔ اور یہ عمل ابھی ابھی شروع ہوا ہے تم ایک کام کرو مصطفی مراد کے نمبر پر میسج چھوڑ دو کہ وہ تمہیں کسی پبلک پلیس پر ملے اور اس سے کیا پوچھنا ہے یہ ساری گفتگو میں تمہیں سمجھا دوں گا۔"

اس نے میسج پڑھ کر ایک ٹیکسٹ مصطفی مراد کے نمبر پر کیا اور اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے اس سے ہاتھ ملا کر یہ تاثر دیا کہ وہ ایک رسمی سی ملاقات تھی جوں ہی مصطفی مراد تھانے سے باہر نکلا وہ گہرا سانس بھر کر واپس اپنی سیٹ پر بیٹھا یہ بات تو طے تھی کہ آرون خان کو پوری طرح سے مانیٹر کرنا شروع کر دیا گیا تھا جس بات کا جبرئیل کو ڈر تھا وہی ہو رہا تھا دیکھنا یہ تھا کہ کیا تاریخ اپنے آپ کو پھر سے دوہرائے گی یا اس بار کچھ الگ ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک بار پھر سے کرنل خاور کے دفتر میں ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا چہرہ از حد سنجیدہ تھا۔ کرنل خاور بڑی باریک بینی سے اس کے تاثرات کو جانچ رہے تھے ۔ وہ انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ ان سے اپنے آنے کا مقصد بیان کرے لیکن وہ تھا کہ چپ سادے بیٹھا ہوا تھا آخر کو انہیں ہی اسے مخاطب کرنا پڑا۔

"ینگ مین واٹس دا میٹر؟"

کرنل خاور نے میز پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر اس سے پوچھا تھا۔

"سر مجھے صاف صاف اور سچ سچ بتائیں میرے بابا اور چاچو کس طرح شہید ہوئے تھے میں تھک گیا ہوں اس بات کا سراغ لگاتے لگاتے جب میں اپنے گھر میں اپنی ماں اور چچی کو دیکھتا ہوں تو میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون مجھے یہ احساس دلاتا ہے کہ میں ایک اپنے خون کا بدلہ بھی نہیں لے سکا۔"

وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

"دیکھو ینگ مین! بہت سال بیت گئے مجھے اس بات کو چھپاتے ہوئے دباتے ہوئے اور اس بات کو چھپا کر ہی میں برسوں سے اپنے قریبی لوگ بچاتا آ رہا ہوں ورنہ بریگیڈیر ابراہیم اور اسمائیل کی شہادت کے بعد میں ان کی نسل کے بھی ایک ایک انسان کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا دیکھتا۔"

وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھے بدلے میں اس کے تاثرات بھی دیکھنے لائق تھے

چہرے پر فکر کے تاثرات واضح تھے۔

"تم نے کیا کیا ہے میجر!؟"

کرنل خاور نے ایک لمحے میں ہی اپنی زیرک نگاہوں سے اس کا تجزیہ کیا تھا۔ جبرئیل نے

الجھ کر ان کے سامنے اپنی نظریں جھکائیں تھیں۔

"تم اور آرون کیا کر رہے ہو مل کر؟"

ایک اور سوال نے اس کے حواس بیدار کیے تھے۔

"آرون میرے گھر کیوں آیا تھا؟"

سوال میں اب کی بار سختی تھی لہجہ سپاٹ تھا۔

"آخری اغوا کے بارے میں پوچھنے۔"

اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"یہ پوچھنے کہ وہ آخری عورت میری چھوٹی بہن تھی۔"

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لہجے میں عجیب سی کپکپاہٹ تھی۔

"وہ یا میں اس سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ وہ آپ کی چھوٹی بہن ہو گی۔"

جبرئیل نے نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

"اب تو جان گئے ہو نہ؟ برسوں لگ گئے اس تکلیف کو بھولانے میں پھر بھی کم بخت ایسا ناسور ہے جو میرے اندر پلتا ہی جا رہا ہے اس زخم کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ پورا وجود زخمی کر گئی ہیں۔"

وہ بے بسی سے کہہ رہے تھے۔

"سر! اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس کے پیچھے اصل ہاتھ کو جڑ سے پکڑ لیں لیکن اس سے پہلے آپ کو مجھے ساری سچائی بتانی پڑے گی۔"

جبرئیل نے کرنل خاور کی دکھتی رگ پر پاؤں رکھا تھا۔

"اس سے پہلے تمہیں آرون کو روکنا ہو گا میں نہیں چاہتا کہ اس جنگ کا اگلا شکار بریگیڈیر ابراہیم کا بیٹا بنے اس لیے اس کی توجہ فی الوقت کے لیے اس کیس سے ہٹا دو پھر جو ہم کریں گے اس میں آرون اور سبتین کی پولیس فورس کی مدد بھی درکار ہو گی لیکن اس سے پہلے آرون کا کچھ عرصے کے لیے منظر سے غائب ہونا ہی بہتر ہے کیونکہ آرون یہ کیس کھول چکا ہے اور یہ خبر شاہد ان تک پہنچ گئی ہے۔"

کرنل خاور نے اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے اس سے کہا تو اس نے سر ہلایا تھا۔

"شام میں تم مجھے گھر پر ملو وہی بات ہو گی۔"

وہ اپنی سیٹ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہہ گئے تھے۔ وہ بھی سامنے کی سیٹ سے کھڑے

ہو کر ان کی تلقید میں باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سکول پہنچی تو اس کی نظر سب سے پہلے سٹاف روم کے باہر کھڑی ہلکے گرے رنگ کے شلوار سوٹ پر پیچ سکارف اوڑے فاطمہ پر پڑی جو کندھے پر بیگ لٹکائے اور ہاتھوں میں کچھ کتابیں تھامے کھڑی تھی اسے دیکھ کر صاریہ کے لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی وہ یہی تو چاہتی تھی کہ وہ آج سب سے پہلے فاطمہ سے ملے نجانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ اس کے بہت سے سوالوں کے جواب فاطمہ کے پاس ہیں۔ وہ قدم قدم چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔

"اسلام علیکم "!

صاریہ نے لہجے کو شائستہ بنانے کی ممکن کوشش کرتے ہوئے فاطمہ کو سلام کیا تھا۔ اس نے آواز کے تعاقب میں دیکھا تو ہلکا سا مسکرائی وہ جانتی تھی کہ صاریہ اس کے پاس دوبارہ ضرور آئے گی۔

"کیسی ہیں آپ صاریہ؟"

فاطمہ نے رسما اس سے حال احوال دریافت کیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟"

صاریہ نے بھی بدلے میں بھرپور قسم کا اخلاق نبھایا تھا۔

"آئیں پلیز وہاں بیٹھتے ہیں۔"

فاطمہ نے قریب لگے بینچ کی جانب اشارہ کیا تو دونوں چلتی ہوئی وہاں آگئیں۔

"میں بہت پریشان ہوں فاطمہ؟ میرا دل کہتا کہ میں ایک اچھی لڑکی نہیں ہوں۔"

وہ انتہائی الجھے ہوئے لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔ اس کی بات پر فاطمہ بے اختیار مسکرائی تھی اسے اپنے بارے میں بھی اپنے دل کے ایسے ہی انکشاف پر ہنسی آئی تھی۔

"انسان کی اچھائی کا فیصلہ کبھی بھی وہ خود نہیں کرتا صاریہ! وہ کبھی خود کر ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ فیصلہ اس کے لیے اللہ کرتا ہے اگر انسان کا دل کہتا ہے کہ وہ اچھا نہیں ہے تو اللہ اس کے سامنے وہ راستہ کھول دیتا ہے۔ جس پر چل کر اس کا دل اس کے اچھے ہونے کی گواہی دے۔"

فاطمہ اپنی ذات کا سارا تجزیہ اس کے سامنے من و عن بیان کر رہی تھی اور صاریہ کی سماعتیں فاطمہ کے لفظوں کے سحر میں بری طرح جکڑی ہوئی تھیں۔

قرآن پاک کی سورت یونس کی آیت نمبر 5 میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ھوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوروقدرہ منازل

لتعلموعددالسنین والحساب ماخلق اللہ ذلک الا بالحق یفصل الایت لقوم یعلمون ○

وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ تعالی نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔"

فاطمہ نے خود پڑھی ہوئی ایک قرآنی آیت اس کے گوش گزار کی تھی اور وہ یہ سب ایسے سن رہی تھی جیسے زندگی میں پہلی بار کسی نے حقیقت کا آئینہ دیکھایا ہو جب آپ کسی کے بارے میں کچھ بھی برا سوچتے ہیں یا کرنے کی ٹھان لیتے ہیں تب آپ کو یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ آپ اپنے ہر عمل کے لیے جواب دہ ہیں اس وقت صرف خود غرضی کیوں سوار ہوتی ہے؟ اس وقت وہ یاد کیوں نہیں آتا جس نے تمہیں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا؟ صاریہ کے اندر سوالات کنڈلی مار کر بیٹھتے جارہے تھے اور جواب صرف ایک تھا اور وہ تھا خود سے ناآشنائی وہ اپنے آپ کو جانتی ہی نہیں تھی۔

"ایک بات بتاو فاطمہ! اگر ہم کسی چیز کی بہت سچے دل سے طلب کریں وہ مانگیں اور پھر بھی وہ چیز ہمیں نہ ملے تو وہ کیوں نہیں ملتی حالاکہ کہا جاتا کہ دعا سے سب مل جاتا ہے۔"

وہ آنکھیں چھوٹی کیے فاطمہ سے پوچھ رہی تھی کہیں ایک آنسو دور سے فاطمہ کی آنکھ میں بھی آیا تھا جسے پلکیں جھپک کر وہ خود میں اتار گئی تھی۔

"جانتی ہو صاریہ کوئی چیز کیوں نہیں ملتی اور خاص کر تب جب وہ آپ کی پسندیدہ ہوتی ہے جیسے آپ نے سب سے زیادہ مانگا ہوتا ہے ؟"

اس نے بات کر کے اس کی تائید چاہی تھی اس نے جب سر ہلایا تو وہ مزید گویا ہوئی۔

"آپ کی پسند کی چیز آپ کو کبھی کبھی اس لیے نہیں ملتی بے شک آپ نے اسے اپنی ساری چیزوں سے بڑھ کر ہی کیوں نہ مانگا ہو کہ اس چیز کی چاہ کوئی اور بھی کر رہا ہوتا ہے اور اس کی چاہ آپ کی چاہت اور طلب سے کئی زیادہ ہوتی اس چیز سے کسی اور کا فائدہ متوقع ہوتا اس کی ضرورت آپ سے زیادہ کسی اور کو ہوتی اس لیے وہ آپ کا نہیں کسی اور کا مقدر ٹھہرائی جاتی لیکن وہ چیزیں بھی ہوتی ہیں جو آپ کے کسی اور کو مانگنے کے دوران آپ کی طلب کر رہی ہوتی آپ کی خواہش اور ان کی طلب اس قدر شدید اور سچی ہوتی کہ جیسے آپ مانگ رہے ہوتے اسے آپ سے دور کر کے آپ کو اس کے لیے وقف کر دیا جاتا جو آپ کی چاہ آپ کی کسی اور کے لیے چاہ سے زیادہ کر رہا ہوتا۔"

ہر چیز ہر بات بالکل واضح ہو چکی تھی ان دونوں کو ہی اندازہ نہیں ہوا کہ پورا وقت وہ دونوں ایک ہی بینچ پر بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں چھٹی کی بیل بجی تو دونوں ہوش میں واپس آئیں شکر تھا کہ صاریہ کی آج کوئی کلاس نہیں تھی۔ وہ فاطمہ سے مل کر گیٹ پر آ گئی تھی جہاں ایک سفید رنگ کی سیوک اس کے انتظار میں کھڑی تھی اور ساتھ میں اس کا مکین بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ راستے میں تھا وہ گھر جا رہا تھا کشمیر کے پہاڑی راستوں اور چھوٹی سڑکوں پر جیپ دوڑاتا اندر خود سے ہی الجھ رہا تھا بے پناہ سوالات اس کے پورے وجود کو جکڑے ہوئے تھے آرون کی حفاظت اسے اپنی جان سے زیادہ مقدم تھی اس کے ذہن میں ایک خیال لمحے میں کلک ہوا تھا ساتھ والی سیٹ پر رکھا ہوا اپنا موبائل اس نے اٹھایا تھا کان میں بلو توتھ سٹ کر کے فون واپس سیٹ پر رکھا اور عشرت جہاں کا نمبر ملایا تقریبا تیسری بیل پر کال اٹھا لی گئی تھی۔

"اسلام علیکم ماں"!

اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم اسلام کیسے ہو میرے بچے؟"

انہوں نے پرجوش طریقے سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"ماں آپ کو ابھی اور اسی وقت ایک کام کرنا ہے۔"

وہ عجلت میں سنائی دے رہا تھا۔

"کیا ہوا سب خیر بچے؟"

وہ بھی دوسری جانب پریشان ہو گئی تھیں۔

"جی ماں بس آپ ابھی اور اسی ٹائم چچی جان کے پاس جائیں اور ان سے آرون اور زیبا کی شادی کی بات کریں آج بدھ ہے ویک اینڈ پر شادی کی ڈیٹ فائینل کر دیں میں کل زارا کو لے کر پشاور آرہا ہوں۔"

اس نے فون کے دوسری جانب موجود عشرت جہاں پر گویا کوئی بم ہی پھوڑا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو ایسے اچانک کیسے میں جا کر شادی کی بات کر دوں ویسے بھی میرا ارادہ آنیہ کی شادی سبتین سے کرنے کا تھا آرون کہاں سے آگیا بیچ میں؟"

وہ کافی الجھے ہوئے لہجے میں اس سے کہہ رہی تھیں۔

"ماں! آپ سمجھ نہیں رہیں آرون زیبی کو پسند کرتا ہے اور یہ شادی بہت ضروری ہے اور ویسے بھی اگر آپ آنیہ کے لیے سبتے کو چاہتی ہیں تو اس میں پرابلم کیا ہے دونوں کی ساتھ میں کر دیں لیکن یہ شادی دو دن کے اندر اندر ہونا بہت ضروری ہے اس کے بعد ہوئی تو مشکل ہو جائے گی۔"

وہ اب کی بار شدید ٹھہرے ہوئے لہجے میں انہیں سمجھا رہا تھا۔

"جبرئیل بچے! اب تم مجھے پریشان کر رہے ہو آخر ایسی بھی کیا بات ہے. جس کی وجہ سے تم مجھے دو دن میں شادی کرنے کا کہہ رہے ہو اتنی تیاریاں ہیں دو دن میں سب کیسے ہو گا۔"

عشرت جہاں کی بھی بات اپنی جگہ پر درست تھی مگر وہ اب مزید آرون کی زندگی کو رسک

میں نہیں ڈال سکتا تھا وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اب آرون کسی بھی حال میں پیچھے نہیں ہٹے گا اور فل حال کے لیے کسی بھی کیس میں آرون کی پیش قدمی اس کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتی تھی اس لیے وہ فل حال وہ چاہتا تھا جلدی سی شادی کر کے وہ آرون کو کچھ دنوں کے لیے کہیں بھیج دے۔

"ماں! آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں سب سمبھال لوں گا آپ فل حال چچی سے ہی جا کر بات کریں بس باقی آئی ول ہینڈل۔"

اس نے کہہ کر موڑ کاٹتے ہوئے فون بند کر دیا تھا وہ بس کرنل خاور کے گھر کے نزدیک ہی تھا۔ آسمان پر شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور اسے آج کے آج ہی ساری حقیقت جاننی تھی یہ اس کے اگلے لاحہ عمل کے لیے بے حد ضروری تھا برسوں پہلے کا رکا ہوا سیکرٹ مشن ایک بار پھر سے شروع ہونے والا تھا لیکن اب کی بار سارا کام اتنی احتیاط سے کرنا تھا کہ سو فیصد کامیابی متوقع ہو۔ اس کی گاڑی سیدھی کرنل خاور کے کشمیر پورچ میں داخل ہوئی تھی وہ یونیفارم میں ہی ملبوس تھا چہرے پر تھکن کے آثار واضح تھے لیکن جو آج اس نے جاننے کی ٹھانی ہوئی تھی وہ اسے جاننا ہی تھا۔ وہ زارا کو اپنے لیٹ آنے کے متعلق آگاہ کر چکا تھا۔ گاڑی سے اتر کر وہ سیدھا مین ڈور کی جانب بڑھا تھا دروازہ کھٹکانے پر ان کے ملازم نے دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی ڈرائینگ روم میں

بیٹھتے ہی نجانے کیوں اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا وہ ان کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا آخر آج وہ دن آ ہی گیا تھا جب اس پر آج برسوں پرانے راز آفشاں ہونے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خان ولا میں ماہ رخ بیگم کے کمرے میں عشرت جہاں اور وہ خود آمنے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں دونوں کے درمیان طویل خاموشی کا سلسلہ جاری تھا۔ دونوں کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔

"بولو ماہ رخ میری بیٹی لے کر کیا تم مجھے اپنی بیٹی دے سکتی ہو؟"

وہ ایک بار پھر سے ان کے سامنے سوالی بن کر اپنی درخواست پیش کر رہی تھیں بدلے میں وہ صرف آنسو بہا رہی تھیں۔

"بھابھی حق تو میری صاریہ کا بھی تھا کہ وہ آپ کی بہو بنتی۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو یہ بات کہنے سے نہیں روک پائی تھیں۔

"حق وہاں سمجھے جاتے ہیں ماہ رخ جہاں مان دینے کی امید بھی ہو مجھے معلوم تھا میرا جبرئیل تمہاری صاریہ کو وہ مان کبھی بھی نہیں دے پائے گا جو اس کا بنیادی حق ہے اس لیے میں نے تم سے وہ مانگی بھی نہیں تھی لیکن جو مانگ رہی ہوں اس کی ضمانت دیتی ہوں ماضی کے سیاہ اوراق میں اتنا کچھ ہو چکا ہے کہ اپنی بچیوں کو آنکھوں کے سامنے سے دور کرنے

سے ہی دل ڈر جاتا ہے۔"

وہ اپنی آنکھ کے بھیگے گوشے پونچھتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی وہ بھی مجبور تھی کیونکہ ماضی کے واقعات واقعی ہی میں دل دہلا دیتے تھے۔

"ٹھیک ہے بھابھی ہفتے کو آکر اپنی امانت لے جائیے گا اور میں بھی اپنی امانت لینے آجاؤ گئی۔"

انہوں نے بھی مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے کل جبرئیل آرہا ہے زارا بھی اس کے ساتھ آرہی ہے۔"

وہ انہیں بتاتے ہوئے اٹھ کر جانے والی تھیں جب ماہ رخ بیگم نے ان کی کلائی تھامی تھی وہ بھی شاہد جانتی تھیں کہ وہ ان سے کیا سوال کرنے والی ہیں۔

"اس لڑکی کو میرے بچوں کی خوشیوں میں شامل ہونے کا نہ تو کوئی حق ہے اور نہ ہی اجازت۔"

وہ سختی سے کہتے ہوئے نرمی سے ان کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے چلی گئی تھیں جبکہ پیچھے ان کے پاس آنسو بہانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا وہ صاریہ کی قسمت پر آنسو بہا رہی تھیں اس نے سب کچھ اپنے سب رشتے اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کر لیے تھے وہ خود اپنی خوشیوں کی دشمن بن گئی تھی ایسے میں ماہ رخ بیگم تو کیا کوئی اور بھی کچھ نہیں

کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج رات اس نے واپس کشمیر کے لیے نکلنا تھا دل عجیب سا بوجھل ہو رہا تھا کمرے میں بند رہ کر بھی وہ تھک چکا تھا۔ آخری خط کا سوال ابھی بھی ذہن کے کونوں میں اسی آب و تاب کے ساتھ گردش کر رہا تھا جیسے پہلی بار کیا تھا۔ دل کہہ رہا تھا کہ محبت میں سفیدی سیاہی کو قبول کر لیتی ہے۔ دل نے بے ساختہ محبت پکارا تھا۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھا تھا جو اسی انداز میں دھڑک رہا تھا جیسے ہمشہ دھڑکتا تھا۔

"محبت"!

ایک بار پھر سے دل نے محبت کی پکار لگائی تھی۔ دھڑکن کے اشتعال میں تیزی آئی تھی۔

"کیا محبت ہو گئی ہے مجھے؟ کیا کسی کو جانے بغیر محبت ہو سکتی ہے؟"

بیک وقت بے شمار سوالات نے دل میں جگہ لی تھی۔ محض دل میں ہی نہیں بلکہ زبان بھی یہی سوالات دھرا رہی تھی۔

"محبت اندھا کنواں ہے بن سوچے بن دیکھے ہو جاتی ہے۔"

وہ دروازے پر کھڑی بی اماں کی آواز پر چونکا تھا جو ہاتھ میں اپنی چھڑی لیے پوری شان اور تمکنت سے کھڑی تھیں۔

"ارے بی اماں! آپ کھڑی کیوں ہیں آئیں نہ پلیز۔"
اس نے اپنے بیڈ پر بکھرے ہوئے کپڑے ایک طرف کر کے ان کے بیٹھنے کی جگہ بناتے ہوئے کہا تھا۔بی اماں مسکرا کر چلتی ہوئی اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔
"ہاں تو برخودار! کون ہے وہ جس کے لیے دل محبت کی پکار دے رہا ہے؟"
بی اماں کا چہرے ہمشہ کی طرح مسکرا رہا تھا وہ ایسی ہی تھیں بڑی سے بڑی بات بھی مسکرا کر اگلوا لیتی تھیں ان کے سامنے بیٹھے ہوئے احسن کو اس بات کا اندازہ باخوبی تھا کہ وہ اب ان کے سامنے اس بات کو مزید چھپا نہیں سکتا۔
"پتہ نہیں بی اماں"!
اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نگاہیں جھکا لیں تھیں۔
"تو اس وجہ سے شادی پر رضامند نہیں ہو رہے تھے تم؟"
وہ ایک اور نقطہ کہیں سے نکال کر لے آئی تھیں۔احسن کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ کیا جو سوال بی اماں نے اس سے کیا ہے وہی وجہ تھی جو وہ مسلسل بی اماں کو انکار کر رہا تھا۔
"دیکھو بیٹے! محبت ایک ایسا جذبہ ہے جسے اگر ہم ایک اندھا کنواں کہیں تو ہرگز بھی غلط نہیں ہوگا یہ واقعی میں ہی ایک اندھا کنواں ہے جو اس قدر اندھیر ہے کہ اس میں ڈوبتے ہوئے کچھ نظر نہیں آتا نا ہی کوئی دیوار اور نہ ہی اس کی گہرائی کا اندازہ۔"

بی اماں کا لہجہ نرمی سموئے ہوئے تھا۔

"بی اماں وہ کہتی ہے کہ مہلت کم ہے اور اشتیاق زیادہ محبت بھی ہے اور برابر کا جنون بھی تو شفاف ہے اور میرے وجود میں داغ کیا کبھی ملا ہے سفیدی کو سیاہ نشان ؟"

اس نے اپنا جملہ مکمل کر کے بی اماں کی جانب دیکھا تھا جو بالکل ویسے ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"اور تمہارے پاس اتنا ظرف نہیں تھا احسن پتر! کہ تم اس سوال کا جواب دے پاتے کیونکہ اس سوال کا جواب تو وہی دے سکتا تھا جو محبت میں دل گردہ رکھتا ہو۔"

بی اماں کے چہرے سے نرمی غائب ہو چکی تھی وہاں اب نرمی کی جگہ سنجیدگی نمایاں تھی۔

"بی اماں میں یہ سوال اور اس کا مقصد دونوں ہی نہیں سمجھ پایا"

وہ کندھے اچکاتے ہوئے نا سمجھی سے کہہ رہا تھا۔

"وہ تجھ سے پوچھ رہی ہے کہ اگر اس کے وجود میں کسی گناہ کی آمیزش شامل ہو گی یا اس کے کردار پر کوئی سیاہ داغ ہو گا تو کیا تمہاری محبت میں اتنی وسعت ہے کہ تم ان سب داغوں سمیت اسے اپنا سکو کیا ہے تم میں اتنا ظرف کہ اپنی محبت کو محبت سے اپنی آغوش میں سمیٹ لو ؟"

بی اماں کے جملوں نے احسن کے چہرے پر حیرت واضح کر دی تھی وہ یک ٹک انہیں دیکھ رہا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"تیری حیرت بتا رہی ہے پتر کہ تو محبت میں ابھی کچا ہے اور مقابل محبت میں اتنا ہی پکا تجھ سے سارے سوال کر کے وہ خود کو تجھ پر عیاں کرنا چاہتی ہے اگر اسے تیری بزدلی کی زرہ سی بھی شبہ نظر آئی تو وہ خود ہی روح پوش ہو جائے گی وہ بھی ایسا کہ اپنی غلطی ماننے کے باوجود تو اس کا نشان تک نہیں ڈھونڈ پائے گا پتر کیونکہ وہ محبت سے گوندھی ہوئی پکی کھلاڑی ہے جہاں حوصلہ اور ظرف سب سے پہلے آزمایا جاتا۔"

بی اماں اب اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو چکی تھیں وہ ساکن بت بنا بی اماں کو دیکھ رہا تھا۔ دل و دماغ عجیب سی زد میں تھے بی اماں دروازے کی سمت بڑھ رہی تھیں اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"نہیں بی اماں میں محبت میں کچا نہیں ہوں شرط یہ ہے کہ محبت کا ادراک ہو جائے وہ مجھ پر کھل جائے محبت مجھ پر کھل گئی ہے وہ مجھے اپنی ہر سیاہی کے ساتھ قبول ہے۔"

اس کے آخری جملوں نے بی اماں کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"جاؤ پھر بتاؤ اسے کہ سفیدی کو سیاہی قبول ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں جبکہ اس کی دنوں کی الجھن لمحوں میں سلجھ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ غلام بخش کے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ دل میں پکتے ہوئے لاوے کو

اس نے گہرا سانس بھر کر خارج کیا تھا۔ سانس خارج کرنے کے ساتھ ہی منہ میں بھرا ہوا سگریٹ کا دھواں بھی باہر نکلا تھا۔ دروازہ کھٹکانے کی بجائے اس نے سیدھا ناب گھما کر دروازہ کھولا تھا۔ کمرہ خالی نہیں تھا بیڈ کے سامنے رکھے ہوئے کاوچ پر غلام بخش جوتوں سمیت نیم دراز تھا آنکھیں موندھی ہوئی تھیں۔ اس کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے غلام بخش نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں آنکھوں میں حیرت واضح تھی۔ غلام بخش کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ایس۔ کے ناچاہتے ہوئے بھی مسکرائی تھی وہ ایک جھٹکے میں کاوچ سے اٹھ کر اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔

"یقین کرکو بخش! میں خود آئی ہوں تمہارے کمرے میں۔"

وہ مسکراتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔

"یہی تو یقین نہیں ہو رہا دس سال میں پہلی بار اور وجہ نادرد۔"

وہ کندھے اچکاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا جواب سنجیدگی کی چادر اوڑھ چکی تھی۔

"ہمشہ مجھے کام ہی تم تک لے کر آتا ہے اور اس وقت بھی کام ہی لایا ہے بخش"!

وہ اسے حقیقت کی دنیا میں کھینچ کر واپس لائی تھی۔

"حکم کریں۔"

"اپنے ہیکرز کو کہوا اپنا کام تیز کریں زرہ اور دوسرہ بات اس لڑکی کیا نام تھا جو جبرئیل کے

پاس تھی۔"

وہ اپنے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"زارا ایس۔کے"!

غلام بخش نے جلدی سے اس کی مشکل آسان کی تھی۔

"ہاں وہی اٹھوالو اسے لیکن ابھی نہیں جب میں کہوں گی داور کمال سے اب کچھ نہیں ہونا مجھے ہی کرنا پڑے گا سب اور ہاں پیکنگ کرالو ہم انڈیا جا رہے ہیں اور تم پاکستان بھی جاؤ گے لیکن لیگلی تمہاری تو فیملی بھی تھی نہ وہاں؟"

اس نے اپنی بات مکمل کر کے اس سے سوال پوچھا تھا جس کا جواب یقیناً مثبت تھا کیونکہ غلام بخش کے متعلق معلومات اس کے پاس غلط نہیں ہو سکتی۔

وہ کہہ کر باہر جانے والی تھی جب بخش کے سوال نے اس کے قدم جکڑے تھے۔

"اور کرنل کا کوئی خط آ گیا پیچھے سے تو؟"

غلام بخش نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکائی تھیں۔

"اس کا خط اب نہیں آئے گا بخش"!

وہ کہتی ہوئی تیزی سے باہر نکلی تھی لیکن شاہد زندگی میں پہلی بار اس کا کوئی اندازہ غلط ثابت ہونے والا تھا لیکن وہ اس بات سے یکسر انجان تھی۔

پیچھے غلام بخش اس کے اس فیصلے پر حیران رہ گیا تھا اسے تو نفرت تھی انڈیا جانے سے پھر اچانک ایسا فیصلہ کیوں کیا اس نے اس کے پاس اختیار نہیں تھا کہ وہ اس سب سے متعلق سوال کرتا اس سے لیکن یہ بھی سچ تھا اس کے اندر عجیب سے جھکڑ چل رہے تھے زندگی غلام بخش کو عجیب دوراہے پر کھڑا کرنے والی تھی اس کی پندرہ سالہ محبت کا امتحان ہونے والا تھا اور اس امتحان میں غلام بخش پوری طرح کامیاب ہونے والا تھا لیکن کیسے اور کب اور کیوں یہ اسے بہت جلد وقت بتانے والا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اس کی محبت ہر امتحان میں سرخرو ہوگی یا یہ محض اس کا گمان تھا زندگی اسے بتانے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سکول کے گیٹ پر حیرت سے سفید سویک اور اس کے ساتھ لگ کر کھڑے آرمی یونیفارم میں ملبوس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اسے انتہا درجے کا سنجیدہ دیکھائی دیا تھا۔

صاریہ اس کے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی اور وہ گزر بھی گئی تھی جب اس کی آواز نے صاریہ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو جکڑا تھا۔

"کبھی اگر نظر انداز نہیں کریں گی تو میرا نہیں خیال آپ کی شان میں کوئی فرق آجائے گا۔"

وہ سنجیدہ تاثرات اور لہجے میں سنجیدگی سموئے رخ موڑے کھڑی صاریہ کو کہہ رہا تھا جو اس کا لہجہ اور اس میں موجود طنز کو کسی بھی طور سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب

مڑی تھی اپنی سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کیے وہ اس کے طنز کا مقصد جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"گاڑی میں بیٹھیں۔"

اس نے اپنے سینے پر بازو فولڈ کرتے ہوئے گویا اسے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کیا تھا۔ وہ چہرے پر حیرت لیے نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"سنا نہیں میں نے آپ سے کیا کہا کہ گاڑی میں بیٹھیں۔"

ایک بار پھر سے اس نے اپنے لفظوں پر زور دے کر کہا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سے یہ سب کیوں بول رہا ہے وہ تو اسے صحیح سے جانتی بھی نہیں تھی پھر وہ آخر کیوں کر اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھتی۔

اب کی بار اس نے اس سے کہا نہیں تھا بلکہ دروازہ کھول کر اسے کلائی سے تھام کر اندر بیٹھایا تھا وہ اس کے اچانک افتاد پر بالکل کچھ بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ دوسری جانب سے اس نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی تھی اور تیزی سے سکول والے علاقے سے باہر نکال گیا تھا وہ کبھی سڑک پر دیکھتی تو کبھی اس کے سرد و سپاٹ چہرے پر آرمی مین کا غصہ اسے اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں اور کہاں لے کر جا رہے ہیں آپ مجھے اور کیوں؟"

آخر کار صاریہ نے اپنی چپ کا روزہ توڑ کر اس سے سوال کیا تھا بدلے میں وہ بالکل خاموش تھا۔

"پلیز اسامہ بتائیں یہ سب کیوں کر رہے ہیں آپ؟"

وہ اب رونے والی ہو گئی تھی اسامہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر گہرا سانس بھرا تھا۔

"بہت مزہ آتا ہے نہ آپ کو خود کو تکلیف دے کر؟"

وہ کیا سوال کر رہا تھا اس سے صاریہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اسامہ کا اس کے پریشان ہونے یا تکلیف دینے سے کیا تعلق ہے۔

"جی! میں سمجھی نہیں۔"

اس نے ناسمجھی سے سر دونوں جانب ہلایا تھا اسے واقعی ہی میں اسامہ کی حرکت ہرگز سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"سب سمجھتی ہو تم صاریہ! جبرئیل کے پیچھے تم نے خود کو کتنی تکلیف دی ہے کتنا تڑپی ہو تم اس کے لیے۔"

صاریہ کے لیے اس کی تمام باتیں حیرت کا باعث تھیں کیونکہ وہ سب وہ باتیں جانتا تھا جو شاہد صاریہ کی زندگی میں ایک راز کی حیثیت رکھتی تھیں وہ اس کی باتوں پر نگاہیں جھکا چکی

For more visit (exponovels.com)

تھیں گو کہ اسے نظریں ملانا محال لگ رہا تھا۔

"تڑپنا میرے بس میں تھا لیکن محبت میرے بس میں نہیں تھی اس لیے میں نے وہ کیا جو میرے بس میں تھا۔"

وہ نگاہیں جھکا کر انتہائی آہستگی سے بولی تھی اتنا کہ اس کے برابر کی سیٹ پر بیٹھا ہوا چھ فٹ ایک انچ کا فوجی بامشکل ہی سن پایا تھا۔

"اور میرے بس میں صاریہ جی! میرے بس میں کیا تھا نہ ہی محبت اور نہ ہی تڑپ"!

اس نے مدہم لہجے میں بوجھل لہجے کے ساتھ کہا تھا۔ صاریہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا جہاں اب بھی سنجیدگی تھی ورنہ شاہد مسکراہٹ اس چہرے کی شان ہوا کرتی ہے۔

"کیا مطلب محبت کسی کے بس میں نہیں ہوتی اسامہ رحمان صاحب ہاں کسی کی تڑپ آپ کے بس میں ضرور ہوتی ہے کیونکہ کسی کی طلب آپ میں تڑپ بڑھا دیتی ہے۔"

وہ اپنی آنکھوں سے نکلتے ہوئے آنسوں کو صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی اسامہ نے بے اختیار اس کی آنسوں سے برستی برسات کو دیکھا تھا جسے وہ بار بار بہنے سے روک رہی تھی شاہد وہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سامنے یہ آنسو باہر آئیں۔

"تو پھر میرے حصے میں تو دوگنی تکلیف آئی تھی صاریہ"!

اس نے گاڑی ایک جانب روکتے ہوئے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا تھا صاریہ نے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"دوگنی تکلیف؟"

صاریہ کو اپنی ہی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی سنائی دی تھی۔

"ہاں ایک تمہاری تڑپ کی جو جبرئیل کے لیے تھی اور ایک میری اپنی تڑپ کی جو تمہارے لیے ہے۔"

اس نے آنکھیں موندے ہی نجانے یہ الفاظ کس مشکل سے ادا کیے تھے صاریہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے تپتی ہوئی ریت پر کھڑا کر دیا ہو اس نے آنکھیں زور سے میچی تھیں گویا چاہتی تھی کہ جو اس لمحے ہو رہا ہے وہ کوئی خواب ہو اور آنکھیں کھولنے پر وہ خان ولا میں اپنی ماں کی چھاؤں میں ہو مگر اس نے آنکھیں میچ کر کھول بھی لیں لیکن منظر میں کوئی بھی تبدیلی نہیں آئی وہ اسی طرح ساتھ والی سیٹ پر آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوا تھا کیونکہ اس لمحے اپنی محبت ہارنے کی ہمت اسامہ رحمان میں بالکل نہیں تھی۔

"میں کسی کو محبت نہیں دے سکتی کیونکہ میں محبت کے لائق نہیں ہو اسامہ"!

اس نے ہارتے ہوئے کہا تھا کہیں نہ کہیں وہ اور اسامہ ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔

"میں پھر بھی مجبور ہوں کہ میں تم سے ہی محبت کرو کیونکہ میرا دل کسی بھی دلیل کو ماننے سے

انکاری ہے صاریہ !ہم دونوں میں سے کسی ایک کی تکلیف کم ہونی چاہیے ہم میں سے کوئی ایک تکلیف سے آزاد ہونا چاہیے اور میں چاہتا ہوں کہ اس بار میں تکلیف سے آزاد ہوجاوں میں مجبور ہوں کیونکہ ہاں میری محبت خودغرض ہے تم مجھے اس تکلیف کے بوجھ سے آزاد کردو صاریہ خان مجھے رہائی دے دو۔"

وہ اس کے آگے ہاتھ کیے بے بسی سے کہہ رہا تھا اس کی سرخ آنکھیں بس بھیگنے ہی والی تھیں صاریہ نے واقعی ہی بے بسی سے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی جانب دیکھا تھا۔

"جب اللہ کوئی چیز چھین لیتا ہے تو اس کا نعم البدل بھی جلد عطا کرتا ہے وہ بھی وہ جو آپ کی سوچ سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔"

زیبا کا کہا گیا جملہ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔

ایک بار پھر سے اس نے اسامہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ اور ضبط کی زیادتی سے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

"جب کچھ نہیں ملتا تو وہ اس لیے نہیں ملتا کہ کوئی اور آپ کی اس سے زیادہ چاہ کر رہا ہوتا ہے اس کی چاہت کی شدت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ جسے آپ مانگ رہے ہوتے ہو وہ آپ سے دور کردیا جاتا ہے۔"

اس کے آنسو بے اختیار چھلکے تھے اپنے سارے گناہ لمحوں میں یاد آئے تھے ابھی تو توبہ

بھی نہیں کی تھی انعام پہلے ہی مل گیا تھا ابھی تو اسے اس اللہ کے حضور معافی طلب کرنی تھی اسے اپنے ہر گناہ کا اعتراف کرنا تھا ابھی تو توبہ باقی تھی۔ آنسو بھل بھل آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ لرز رہا تھا اس نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھا تھا اور جب گویا ہوئی تو آواز حلق میں آنسوں کا گولا پھسنے کی وجہ سے بے پناہ بھاری ہو رہی تھی۔

"میں نے آپ کو محبت کی تکلیف سے آزاد کیا اسامہ! میں نے آپ کو اذیت سے رہائی دے دی میں نہیں جانتی میری اذیت کی مدت کتنی ہے مگر میں نے آج آپ کو آزاد کر دیا۔"

صاریہ نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے ضبط سے کہا تھا اسامہ کے آنسو تمام بندھ توڑ کر بہہ نکلے تھے اس نے صاریہ کے ہاتھ پر اپنا سر ٹکایا تھا اور ایک ہچکی لی تھی۔

"تمہارے سارے دکھ میرے۔"

اس نے کہہ کر انگلیوں کی پوروں سے آنسو رگڑے تھے اور کی ہول میں چابی لگا کر گاڑی سٹارٹ کی تھی البتہ اب پوری گاڑی میں صاریہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں شاہد آج سارا درد ساری تکلیف اسامہ رحمان کے سامنے بہانی تھی جسے اس نے ابھی بھی تکلیف سے رہائی دلائی تھی۔ صاریہ خان کو اپنی ہر غلطی ازبر ہوئی تھی جو فیصلہ اس نے اس لمحے کیا تھا وہ

انتہائی سخت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے کہہ کر انگلیوں کی پوروں سے آنسو رگڑے تھے اور کی ہول میں چابی لگا کر گاڑی سٹارٹ کی تھی البتہ اب پوری گاڑی میں صاریہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں شاہد آج سارا درد ساری تکلیف اسامہ رحمان کے سامنے بہانی تھی جب اس نے ابھی بھی تکلیف سے رہائی دلائی تھی۔ صاریہ خان کو اپنی ہر غلطی ازبر ہوئی تھی جو فیصلہ اس نے اس لمحے کیا تھا وہ انتہائی سخت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر میں داخل ہوا تو صحن کے پار دالان میں تخت پر اس کی اماں سلائی مشین لے کر بیٹھی ہوئی تھیں سردی کے باعث دالان کے آگے بھاری پردے گرے ہوئے تھے۔ دائیں پردے کا کونا اٹھا ہونے کے باعث وہ دروازے سے باآسانی دالان میں موجود اپنی اماں کو دیکھ سکتا تھا۔ یونیفارم کے کف فولڈ کرتے اس نے ایک نظر دالان پر ڈالی تھی اور پھر صحن کے دائیں جانب لگے بیسن پر سے ہاتھ منہ دھویا تھا اور پھر تولیے سے منہ پونچھتا ہوا دالان میں داخل ہوا تھا۔ شمیم نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا تھا اور پھر مسکرائیں تھیں وہ نائٹ ڈیوٹی کر کے واپس آیا تھا۔

"اسلام علیکم اماں!"

اس نے ان کے قریب تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا آنکھیں سرخ ہو رہی تھی۔

"وعلیکم اسلام دیر نہیں ہو گئی آج تمہیں؟"

وہ قینچی سے قمیض سے اضافی کپڑا کاٹتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"ہاں بس بیس میں رپوٹ دینی تھی آتے آتے ہی دیر ہو گئی۔"

وہ ہاتھ سے بال پیچھے ہٹاتا ہوا بولا تھا۔

"آپ کس کے کپڑے سی رہی ہیں میں نے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا آپ کو کچھ سلائی کرتے ہوئے۔"

وہ حیرت سے آنکھیں چھوٹی کیے کہہ رہا تھا اس کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھیں۔

"فاطمہ کا سوٹ سی رہی ہوں کل ہی میں بازار سے لے کر آئی تھی سوچا سی دوں کہاں درزن ڈھونڈتی پھرے گی بچی۔"

وہ مصروف انداز میں اس سے کہہ رہی تھیں جو الٹ پلٹ کر کے سوٹ دیکھ رہا تھا جو ہلکے گلابی رنگ کا تھا جس پر ہلکی ہلکی سبز رنگ کی کڑھائی ہوئی تھی اس نے تصور میں فاطمہ کو اس سوٹ میں دیکھا تھا جو مسکرا رہی تھی۔ بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگی تھی شمیم بیگم نے بیٹے کے کھلتے چہرے کو دیکھا تھا وہ بہت کم مسکراتا تھا لیکن آج کل جیسے

مسکراہٹ اس کے چہرے کا خاصہ بن گئی تھی۔

فاطمہ! شمس کے لیے ناشتہ لے آو بیٹا!"

وہ کیچن کی جانب منہ کر کے فاطمہ کو آواز دے رہی تھیں۔ اس نے حیرت سے کچن کی جانب دیکھا تھا۔

"آج فاطمہ سکول نہیں گئی کیا؟"

اس نے پاوں اوپر کرتے ہوئے ریلیکس انداز میں کہا تھا۔

"نہیں اس کی کچھ طبعیت نہیں ٹھیک تھی اس لیے چھٹی کر لی۔"

شمیم متواترا اپنے کام میں مصروف تھیں جبکہ اس کے ماتھے پر کچھ بل نمودار ہوئے تھے۔

"ایک طرف آپ کہہ رہی ہیں کہ وہ بیمار ہے اور دوسری جانب آپ اس سے میرا ناشتہ بھی بنوا رہی ہیں کیا ہو گیا ہے آپ کو اماں!؟"

وہ خاصا جھنجھلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تب تک فاطمہ اس کے آگے ناشتے کی ٹرے رکھ چکی تھی سر پر گرے سکارف اوڑھے ہلکے براون رنگ کے شلوار سوٹ میں اس کی شہابی رنگت تھوڑی مانند نظر آ رہی تھی اس نے اپنے لب بھینچے تھے۔

"بیمار ہو نہ تم؟"

اس نے ابرو اچکاتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں اس سے پوچھا تھا جو ٹرے رکھ کر جانے والی

تھی اس کے سوال پر ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔

"کیا پوچھا میں نے؟"

سوال اور لہجہ دونوں وہی تھے فاطمہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں ہر وقت پھاڑ کھانے والے لہجے میں مخاطب کرتے ہو تم اسے۔"

شمیم نے کپڑے تہہ لگاتے ہوئے اسے سرزنش کی تھی جس کا رتی برابر بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"جی جی۔"

وہ جلدی سے بولی تھی مو بادہ پھر ہی نہ کوئی بات کر دے۔

"تو جاؤ اندر آرام کرو مجھے چلتی پھرتی نہ نظر آؤ تم سمجھی۔"

اس نے اسے وارن کرنے والے انداز میں کہا تو وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ شمیم نے اس کے جانے کے بعد اس کے چہرے کو دیکھا اور پھر ماتھے پر تیوری لیے مخاطب ہوئی۔

"یہ تم کس طرح بات کر رہے تھے اس بچی سے تمہیں کوئی حق نہیں ہے اسے اس طرح مخاطب کرنے کا پرائی بچی ہے اور تم پتہ نہیں خود کو سمجھتے کیا ہو۔"

وہ غصیلے لہجے میں اسے ڈانٹ رہی تھیں مگر وہ ادھر ایسے بیٹھا ہوا تھا جیسے یہ سب اسے

نہیں کسی اور کو کہا جا رہا ہو۔

"تم سن رہے ہو میں نے کیا کہا ہے ؟"

انہوں نے اب کی بار اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"مجھے اس لڑکی سے صرف تین دن میں نکاح کرنا ہے چاہے کچھ بھی ہو جائے پھر تو ہو گا نہ حق ؟"

اس نے حق خوذرا لمبا کھینچا تھا۔ شمیم نے بے یقینی سے اپنے کیپٹن سپوت کو دیکھا تھا جس کی منتک ہی نرالی تھی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے وہ کوئی میری یا تمہاری زر خرید غلام نہیں ہے جس پر ہم حکم جاری کریں گئے اور وہ جی حضور کہہ کر مان جائے گی جس طرح کا رویہ تم اس کے ساتھ رکھتے ہو ایسے میں وہ تم سے نکاح کر ہی نہ لے کہیں۔"

شمیم نے اسے حقیقت کا آئینہ دیکھانا لازمی سمجھا تھا۔

"نکاح تو اسے کرنا ہی پڑے گا اماں! وہ بھی صرف تین دن میں ورنہ میں اسے کسی اور کے لائق بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ ناشتے کی ٹرے پرے کھسکا کر وہاں سے تیزی سے نکل گیا اور اماں پیچھے حق دق بیٹھی رہ گئی انہیں اپنی تربیت پر شدت سے افسوس ہو رہا تھا ان کا بیٹا ایسا کیسے کر سکتا تھا مگر وہ ہمشہ

کی طرح اب بھی اس کے سامنے بے بس ہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرنل خاور کا گھر سنسان تھا وہاں کی خاموشی جبرئیل کو اپنے اندر محسوس ہوئی تھی۔ وہ چلتا ہوا ڈرائینگ روم میں بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ ہی دیر بیتی تھی کہ ملازم چائے کی ٹرالی لیے اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے چائے کا کپ تھاما اور گھونٹ گھونٹ کر کے خود میں انڈیلی سچ تو یہ تھا کہ اسے اس لمے کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی دل و دماغ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ ابھی چائے کا آخری گھونٹ بھر ہی رہا تھا جب کرنل خاور ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے نظر آئے ان کے ہاتھ میں کچھ فریم اور ایک ایل بم تھی انہوں نے وہ فریم اور البم میز پر جبرئیل کے سامنے رکھی تھی اور اسے اٹھانے کا اشارہ کیا تھا۔ اس نے سیاہ کور میں لپٹے اس ایل بم کو اٹھا کر پہلے پھونک مار کر اس پر لگی گرد جھاڑی تھی اور پھر اسے کھولا تھا۔

وہ ایک فیملی ایل بم تھی جس میں کرنل خاور کے ساتھ دو اور لوگوں کی بھی تصویریں تھیں ایک انتہائی خوش شکل عورت جو بالکل آنیہ جیسی لگ رہیں تھیں کم از کم جبرئیل کو تو یونہی لگا تھا اور ان کی گود میں ایک چھوٹی سی معصوم گول مٹول بچی جو سفید فیری فراک میں بالکل کوئی پری معلوم ہوتی تھی۔ البم کے صفحات پلٹتے ہوئے ہوئے اس کے ماتھے پر عجیب بل نمودار ہو رہے تھے چہرے پر سوالات کا ایک جہان آباد تھا۔ البم بند کر کے اس نے وہ

For more visit (exponovels.com)

فریم اٹھایا تھا جو البم کے ساتھ رکھا ہوا تھا خوبصورت فوٹو فریم جس میں ایک خوبصورت لڑکی کالج یونیفارم میں ملبوس ہاتھوں میں کتابیں تھامے کھڑی تھی چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

اس نے ایک نظر کرنل خاور کی جانب دیکھا تھا جن کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا شاہد درد پینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

"یہ میری فیملی تھی اور یہ میری بہن۔"

انہوں نے دھیمے لہجے میں جبرئیل کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"اب کہاں ہے آپ کی فیملی؟"

اس نے کچھ جھجکتے ہوئے ان سے پوچھا تھا اسے یہ انتہائی پرسنل نوعیت کا سوال لگ رہا تھا مگر وہ پھر بھی نا چاہنے کے باوجود پوچھ بیٹھا تھا۔

"معلوم نہیں۔"

انہوں نے سرسری انداز میں کہہ کر کندھے اچکائے تھے۔

"کیا مطلب معلوم نہیں یہ آپ کی بیٹی اور یہ آپ کی بیوی ہے نہ؟"

اس نے باری باری دونوں تصویروں پر ہاتھ رکھ کر اپنے اندازے کی تصدیق کی تھی۔

"ہاں لیکن چوبیس سال سے میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کہاں ہیں؟"

ان کے آنسوان کا ضبط بہت ہی بری طرح آزما رہے تھے جبرئیل کے ماتھے کی سلوٹوں

For more visit (exponovels.com)

میں اضافہ ہو رہا تھا کرنل خاور اسے اصل بات بتانا ہی نہیں چاہ رہے تھے لیکن یہ صرف اس کی خام خیالی تھی ساری حقیقت وہ آج یہاں سے جان کر ہی اٹھنے والا تھا۔

"تمہارے والد اور چچا کے ساتھ میری ہمشہ بہت گہری دوستی رہی تھی ہماری فیملیاں آپس میں بہت ملتی جلتی تھیں میں اس وقت فوج میں نیا نیا بھرتی ہوا تھا تمہارے والد اس وقت کیپٹن ہوا کرتے تھے اور میں محض ایک معمولی سا سپاہی بھرتی ہوا تھا فوج میں نوکری کے ساتھ ساتھ میں اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھا تمہارے چچا اور میں ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے ہم دونوں نے ہی آرمی میں ٹیسٹ دیا تھا اور دونوں ہی میرٹ پر سلیکٹ ہوئے تھے۔"

وہ دھیرے دھیرے سپاٹ تاثرات کے ساتھ اسے اپنے ماضی کے سیاہ پنے سنا رہے تھے خود وہ بظاہر اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے مگر ذہن وہیں ماضی کے ان واقعات میں الجھ چکا تھا۔ جبرئیل نے انہیں ہرگز بھی ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی سچائی جاننے سے زیادہ اس کے لیے یہ تھا کہ کرنل خاور کا دل ہلکا ہو جائے وہ غبار ان کے دل سے نکل جائے جو وہ چاہ کر بھی کسی کو نہیں سنا پائے۔

"جب میں نے گریجوئشن کی ڈگری لی اور میں گھر آیا گھر کا ماحول یکسر بدلا ہوا تھا میں بہت چھوٹا تھا جب میرے بابا کی وفات ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ہوئی تھی اماں نے ساری زندگی

مجھے اور میری بہن کو پالا تھا والد اتنی جائیداد تو چھوڑ کر گئے تھے کہ ہمارا آرام سے گزر بسر ہو جاتا اور پھر وہ پشاور والا اتنا بڑا گھر بھی تو اماں کے نام کر گئے تھے۔ میں ڈگری لے کر گھر آیا تو گھر میں عجیب سی چھل پہل نے میرا استعبال کیا پھولوں اور مٹھایوں کے ٹوکرے میری چھوٹی بہن کی تیاریاں کچھ تھا جو میرے اندر کھٹکا تھا۔"

وہ سانس لینے کو خاموش ہوئے تھے پورا ڈرائینگ روم خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا وہاں بیٹھے دونوں نفوس اپنی اپنی سوچوں میں الجھے ہوئے تھے جبرئیل کی بے چینی حد سے سوا تھی۔

"پھر آگے کیا ہوا تھا؟"

اس نے خود پر ضبط کرتے ہوئے ان سے پوچھا تھا۔

"میں نے پریشانی سے اپنی بہن سے پوچھا تھا جس پر وہ مجھے شریر انداز میں چھیڑ گئی تھی بھابھی آنے والی ہیں بھائی! اس کے جملے پر میں نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا اماں سے تصدیق کرنے پر پتہ چلا وہ کیپٹن ابراہیم کی بہن کے لیے میرا رشتہ لینے جا رہی ہیں۔"

انہوں نے جملہ مکمل کر کے جبرئیل کی جانب دیکھا تھا جس کا چہرہ ایک دم نا سمجھی کی کیفیت میں بدلا تھا۔

"کیپٹن ابراہیم کی بہن؟ یعنی میرے بابا کی بہن؟"

اس نے تصدیق چاہی تھی ان کے اثبات میں سر ہلانے کی دیر تھی وہ صوفے پر ڈھے گیا

For more visit (exponovels.com)

تھا۔

"اس وقت تم صرف ایک سال کے تھے۔ میں نے اپنی ماں کو بہت سمجھایا کہ وہ بڑے لوگ ہیں ہم ان کے گھر رشتہ لینے جاتے ہوئے اچھے لگے گئے بھلا لیکن میری ماں نے مجھے اپنی خرابی صحت کے واسطے دے کر خاموش کرادیا اور مجھے اور میری بہن کو لیے خان ولا میں آگئیں۔ تمہارے دادا دادی کی دیتھ تمہارے والدین کی بہت جوانی میں ہوگئی تھی۔

خان ولا میں جا کر جب میری اماں نے تمہاری پھوپھو کے لیے سوال کیا تو ابراہیم کی خوشی کی تو کوئی حد نہ ہوئی وہ اس رشتے پر بہت خوش تھے اور اپنی بہن کے لیے انہیں مجھ سے بڑھ کر کوئی رشتہ نہیں چاہیے تھا بچپن کا ساتھ دیکھا بھالا اپنا گھر بار پھر انکار کی کوئی گنجائش نہیں بچتی تھی لہذا دو دن کے وقفے کے بعد خان ولا سے مثبت جواب آگیا میرے گھر میں تو جیسے شادیانے بج اٹھے تمہاری پھوپھو کو اپنی بہو بنانا میری اماں کی سب سے بڑی خواہش تھی اور ان کی یہ خواہش پوری بھی ہوگئی تھی اسی طرح تین مہینے بعد میری شادی تمہاری پھوپھو سے ہوگئی۔"

وہ کہہ کر ایک بار پھر خاموش ہوئے تھے اس سب کے دوران جبرئیل کا چہرہ دیکھنا لازمی تھا جہاں چٹانوں کی سی سختی تھی وہ بالکل خاموش تھا جیسے ان کے مزید آگے بولنے کا منتظر ہو اور اس کی بصارت کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کیونکہ کچھ پل کے توقف کے بعد وہ پھر سے

گویا ہوئے تھے۔

"شادی کر کے تو جیسے میری زندگی ہی بدل گئی تھی خوبصورت بیوی جس کسی کی بھی ہو وہ انسان خود کو خوش نصیب ہی سمجھتا ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں بھی ایسے ہی انسانوں کی فہرست میں شمار ہوتا تھا ہر وقت اپنی بیوی کے آگے پیچھے گھومنا اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں پر سر خم کر کے پورا کرنا ایک سال بعد میری بہت پیاری بیٹی پیدا ہوئی بہت خوبصورت بالکل اپنی ماں کی کاربن کاپی خوبصورتی میں دونوں ماں بیٹی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔"

آواز ایک دم بھرا گئی تھی سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا جبرئیل اس لمحے انہیں ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا ان کے لہجے اور دکھ پر اسے اپنی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

"وہ ابھی ایک سال کی تھی جب ایک دن اس کی پھوپھو گھر سے غائب ہوگئی بلکہ غائب نہیں ہوئی اسے کالج کے راستے سے اغواہ کرلیا گیا اس وقت شاہد کوئی بھی لڑکی اپنے گھر محفوظ نہیں تھی اماں اور مجھ پر تو جیسے کوئی آسمان آ گرا تھا میں گیڈٹ سے پاس آوٹ ہو کر کیپٹن کے عہدے پر ترقی کر چکا تھا میں نے اپنے تمام خفیہ ذرائع لڑا لیے پولیس میں رپوٹ بھی درج کرادی لیکن اسے نا ملنا تھا اور نہ وہ ملی اور جو سب سے بڑی اذیت تھی جانتے ہو وہ کیا

تھی؟"

انہوں نے بے بسی سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا.جس کی نگاہیں سوالیہ ہو رہی تھیں۔

"سب سے بڑی اذیت سے تمہارے چاچو گزرے تھے کیونکہ اس دن اس کا نکاح تھا میری بہن سے وہ بہت پسند کرتا تھا نگت کو بہت ضد کر کے شادی کر رہا تھا اس سے ابراہیم اس کے لیے اپنی کزن ماہ رخ کو پسند کیے بیٹھے تھے لیکن وہ بضد تھا کہ شادی صرف نگت سے کرے گا۔"

بولتے بولتے وہ ایک دم مسکرائے تھے جبرئیل نے انہیں کہیں پر بھی نہیں ٹوکا تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ آج وہ اپنا سارا غبار نکال دیں۔

"نگت کے جانے کے بعد اماں بہت بیمار رہنے لگ گئی اور اسی طرح ایک دن خاموشی سے آنکھیں موند گئیں۔"

اب کی بار کچھ اور آنسو اس چہرے پر چمکے تھے۔ جبرئیل اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پہلو میں آبیٹھا تھا اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر گویا دلاسہ دیا تھا۔

"سر! پھر کیا ہوا تھا؟"

اس نے انتہائی آہستگی سے پوچھا تھا۔ انہوں نے اس کے سوال پر اس کی جانب دیکھا تھا

اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔
"اماں کے جانے کے بعد میں نے اپنی بیٹی اور بیوی دونوں کو لاشعوری پر نظر انداز کر دیا تھا میرا زیادہ تر وقت نگت کو ڈھونڈنے میں صرف ہونے لگا اور شاہد یہی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی راتوں کو باہر رہنے لگا گھر سے توجہ کم کر دی اور جب ایک دن میں ڈیوٹی سے صبح واپس آیا تو میرے گھر میں کسی زی روح کا کوئی بھی نشان نہیں تھا میں نے پاگلوں کی طرح پورے گھر میں اپنی بیٹی اور بیوی کو ڈھونڈا لیکن نتیجہ صفر کمرے کی میز پر رکھے ہوئے خط میں وہ مجھے موت کا پروانہ تھما گئی تھی اپنے ہی ہاتھوں سے میرا جیتے جی گلہ گونٹ گئی تھی۔"
چہرہ اس لمحے کسی بھی احساس سے عاری ہو رہا تھا ایک دم سپاٹ اور پتھریلے تاثرات تھے ان کے چہرے پر جبرئیل نے حیرت سے ان کے چہرے کے بدلتے رنگ اور اس پر تپش کی آمیزیش دیکھی تھی۔
"خط میں کیا تھا سر!"
اس نے بے چینی سے پوچھا تھا۔ انہوں نے اسی تاثرات سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔
"یہی کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے اور وہ مجھے چھوڑ کر میری بیٹی کو لے کر جا رہی ہے

کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس کی روز بروز بڑھتی ہوئی خواہشات کا بوجھ اٹھا اسکو میری حلال کمائی سے اسے اپنی خواہشات کی تکمیل مشکل نہیں نا ممکن لگ رہی تھی۔ اور ساتھ میں خلع کے کاغذات بھی موجود تھے میری ناک کے نیچے وہ یہ کب سے کر رہی تھی میں سمجھ نہیں سکا اس سے محبت کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی اور دوسری بڑی غلطی میں نے اس سے شادی کر کے کی۔ "

وہ اپنے لہجے کو سخت بناتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

" یعنی آپ ان سے محبت اپنی شادی سے پہلے سے کرتے تھے؟ "

جبرئیل نے حیرت سے ان سے پوچھا تھا جس پر انہوں نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

" جب میں میٹرک میں تھا تب سے لیکن اس کے خواب ہمشہ بہت اونچے تھے بھائیوں سے اپنی ہر ضد منواتی تھی بڑی بڑی خواہشات کرنا اور کم پیسے والوں کو حقیر سمجھنا اس کی فطرت میں شامل تھا اس لیے ہی اس حق میں نہیں تھا کہ شادی ہو لیکن اماں نے بس مجبور کر دیا مجھے وہ کیسے مجبور کی گئی یہ تمہیں تمہاری ماں بہتر بتا سکتی ہیں۔ اس کی بے وفائی نے میرے اندر ایک سفاک انسان کو جنم دے دیا مجھے کسی بھی مجرم پر رحم نہیں آتا اور اس سب کی زمہ دار تمہاری پھوپھو ہے آج تک نہیں جانتا میری بیٹی کیسی ہے بڑی ہو کر کیسی دکھتی ہوگی اس کے بچپن سے جوانی تک کے لمحات چھین لیے اس عورت نے مجھ سے نفرت ہے

مجھے تمہاری پھوپھو سے میجر جبرئیل اس عورت کے لیے نفرت شاید بہت چھوٹا لفظ ہے۔"

وہ اپنی نشست سے کھڑے ہو چکے تھے۔ اور ایک بلو کور کی فائل اس کے آگے سرکائی تھی۔

"94 سے لے کر 2006 تمام اغوا شدہ کیسز کی ساری تفصیلات درج ہیں کون کون ٹریس ہو رہا ہے اور کس کس تک پہنچا ہے ساری کی ساری معلومات ہے اس میں آئی پرمیٹ یو ٹو ہینڈل دس کیس لیٹس بیگن یور مشن اٹس آٹائم فار دار ئیل ریونج اینڈ آئی نیڈ ہنڈرڈ پرسنٹ سکسیس۔"

انہوں نے اس کو فائل تھماتے ہوئے ساتھ میں وارننگ دی تھی۔

"راجر سر انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

جبرئیل نے فائل تھامتے ہوئے انہیں یقین دلایا تھا جس پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کرنل احسن سے لے کر ساری ٹیم کو اس مشن سے متعلق آگاہ کر دیا گیا ہے تم پشاور سے اپنے کام کا آغاز کر دو اور مجھے بالکل بھی تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہیں وہاں کیا کرنا ہے۔"

"فائن سر!"

وہ سیلوٹ مارتا ہوا وہاں سے نکلا تھا لیکن اس کا ذہن بری طرح سے الجھا ہوا تھا ایک شخص کے ساتھ اتنا کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا دنیا میں نام بنانے والا شخص تیزی سے کام کرنے والا مجرموں اور غداروں کو عبرت کا نشان بنانے والا وہ انسان اس قدر ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہے زندگی امتحان لیتے وقت یا درد دیتے وقت یہ نہیں سوچتی کہ کس انسان کا کیا کیلی بر ہے وہ بس آزمائش لے کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور اس قدر سفاکی سے امتحان لے جاتی ہے کہ چاہ کر بھی انسان کچھ نہیں کر پاتا۔

بے خیالی میں گاڑی چلاتے ہوئے مسلسل اس نے اپنے محسن، اپنے سینئر کرنل خاور کو سوچا تھا اسے واقعی ہی اپنی پھوپھو سے شدید نفرت ہوئی تھی وہ بھی بن دیکھے من ملے وہ ان کی ذات سے شدید نفرت میں بتلا ہوا تھا اس کے نزدیک بھی محبت میں بے وفائی کی کوئی معافی نہیں تھی پھر چاہے محبت کی حد کہیں بھی ہو۔ اس نے جیپ اپنے ہی گھر کے باہر روکی تھی۔ گھر کے سامنے پہنچ کر اسے گھر کے مکین کا خیال آیا تھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگی تھی محبت میں بے وفائی کے خیال نے اسے اتنا ڈرا دیا تھا کہ وہ زارا کو اپنے اور اس کے رشتے کی حساسیت کا احساس دلانے کا ارادہ رکھتا تھا وہ چاہتا تھا کہ کم از کم اس کے اس مشن پر جانے سے پہلے ان دونوں میں باقاعدہ میاں بیوی والا تعلق قائم

ہوجائے مگر کیسے وہ ابھی تک یہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ لاتعداد سوچوں کا جال لیے وہ گھر میں داخل ہوا تھا جس کی بتیاں آج بھی دھیرے دھیرے بند ہورہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آنیہ اور زیبا نے ایک دوسرے کی جانب ایک بار پھر سے دیکھا تھا پچھلے ایک گھنٹے سے وہ دونوں ساتھ بیٹھی یہی حرکتیں کررہی تھیں۔ آج شام ہی ان دونوں کو ان کی دو دن بعد متوقع ہونے والی شادی کی خبر سنائی گئی تھی اور تب سے وہ دونوں شاک میں ایسے ہی کررہی تھیں اب تو ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر بھی وہ تنگ آچکی تھیں۔

"آنی کیا تمہیں سمجھ آیا ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہوا کیا ہے ؟"

زیبا نے آنیہ کی پشت سے تکیہ اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"میرے تو حواس ہی نہیں بحال ہورہے مجھے سمجھ کیا خاک آنی ؟"

آنیہ نے بری سی شکل بنا کر کہا تو بے اختیار زیبا کو ہنسی آگئی۔

"بیٹا ہنس لو تمہاری تو من کی مراد پوری ہورہی ہے اور میں نے کبھی ان سے صحیح سے بات بھی نہیں کی۔"

آنیہ تو صحیح معنوں میں پریشان ہورہی تھی جبکہ زینا نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

"کن سے ؟"

اس نے آنکھیں میچ کر اسے کونی ماری تھی ۔

"بدتمیزی نہیں کرو اور جاوا اپنے کمرے میں فضول دماغ کھا رہی ہو میرا ۔"

آنیہ نے اسے خود سے دور دھکیلتے ہوئے رونی صورت بنا کر کہا تھا ۔

"کھا نہیں جائے گا میرا بھائی تمہیں پسند کرتا ہے تمہیں ۔"

زیبا نے جیسے اسے اپنی طرف سے بڑے ہی پتے کی بات بتائی تھی آنیہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا ۔

"یہ کس نے کہا تم سے ؟"

اس نے ماتھے پر بل ڈال کر اس سے پوچھا تھا جس پر وہ سہولت سے کندھے اچکا گئی تھی ۔

"پتہ ہے مجھے بس ۔"

اس نے کہہ کر وہاں سے دوڑ لگائی تھی جبکہ آنیہ نے وہی تکیہ اسے دے مارا تھا جو وہ گود میں رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی اسے واقعی ہی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اتنی جلدی اپنا ذہن کیسے وہ اس شادی کے لیے تیار کرے آخر کو کوئی مذاق نہیں تھا اور انکار کی نہ تو انہیں آپشن ملی تھی اور نہ ہی اجازت لہذا انکار تو سوچنا ہی فضول تھا ۔ وہ سوچتے سوچتے نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی جو بھی تھا شادی تو اب کرنی ہی تھی اور دو دن بعد واقعی ہی یہ شادی ہونے والی تھی ۔

دوسری جانب آرون تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ کتنی دیر تک کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہا تھا یہ سچ تھا کہ زیبا سے شادی اس کی زندگی کی اوالین خواہش تھی لیکن اس طرح اچانک وہ بھی اتنی جلدی اسے پریشان کر گئی تھی شاہد جبرئیل جانتا تھا کہ آرون اتنی آسانی سے نہیں مانے گا لہذا اس نے آرون کو ایک میسج پر ریکویسٹ کی تھی کہ یہ شادی کس قدر ضروری ہے لیکن سبتین کو ماننا مشکل ہو رہا تھا ذہنی طور پر وہ بھی اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا خیر اللہ اللہ کر کے آرون نے سبتے کو بھی اس کے لیے راضی کیا تھا اور اب سب کچھ ہونے کے بعد کل شام زیبا اور آنیہ کا مایوں تھا۔ جبرئیل نے عشرت جہاں سے اپنی کال ختم کرنے کے بعد ساری ضرورت کی اشیا گھر پر بھیجوا دی تھیں اور کپڑے اور زیورات والوں کو اس نے کل گھر پر ہی آنے کا کہا تھا تاکہ جو بھی چیز عورتوں نے پسند کرنی ہو اپنی پسند سے لے لیں اس لیے عشرت جہاں کو شاپنگ سے متعلق کوئی ٹینشن نہیں تھی سب کچھ میجر جبرئیل بہت اچھے سے سمبھال چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر میں حسب معمول اندھیرا ہو چکا تھا وہ کچھ بھی دیکھے بغیر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں آ گیا ویسے بھی جو حقیقتیں آج اس پر آشکار ہوئی تھیں اس کے لیے اس میں ذہنی سکون کا ہونا بہت ضروری تھا اور اس لمحے میجر جبرئیل خان کو ذہنی سکون ایک ہی ہستی دے

سکتی تھی اور وہ زارا جبرئیل کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی لیکن اس سے پہلے زارا کو نرمی سے سمجھانا ضروری تھا اور یہ کام بھی مجبورا میجر جبرئیل کو خود ہی کرنا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا اس کی نظر بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھی زارا پر پڑی جو شاید کوئی کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئی تھی لیکن اس کی نیند بہت پکی نہیں تھی دروازہ بند ہونے کی آہٹ پر وہ جاگ گئی تھی مندی مندی آنکھوں سے اس نے دروازہ بند کرتے اپنے میجر کو دیکھا تھا جس کا چہرہ ازحد سنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا وہ فوری سیدھی ہو کر بیٹھی تھی اور قریب رکھا ہوا اپنا دوپٹہ اس نے خود پر اوڑا تھا۔ جبرئیل نے گہرا سانس بھرا تھا اور اس کی حرکت پر سر دائیں بائیں ہلا کر وہ فریش ہونے واشروم میں چلا گیا تھا کچھ دیر بعد نکلا تو تب بھی وہ اسی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بلیک ٹراوزر پر گرے ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

"کچھ کھائیں گئے آپ میں لاو؟"

اس نے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا تو اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا کھائیں گئے؟"

زارا دانستہ اس کے نزدیک آکر پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں۔"

اس نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینا چاہا تھا اور اس کی سوچ کے عین مطابق اس کے چہرے پر حیرانی واضح تھی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیڈ تک لے کر آیا تھا اور اسے اپنے سامنے بیڈ پر بیٹھا کر اس کے دونوں ہاتھ تھامے تھے وہ مسلسل نوٹ کر رہا تھا کہ وہ اپنے لب کاٹ رہی ہے جبرئیل نے اس کے لبوں کی دلخراش بناوٹ کو انتہائی غور اور دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا آپ مجھے ایسے عجیب نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہیں آج؟"

وہ آخر دھڑکتے دل کے ساتھ اس سے پوچھ بیٹھی تھی وہ ایک عورت تھی اور ایک مرد کی اپنی طرف اٹھنے والی نظروں سے وہ اتنی بھی انجان نہیں تھی چاہے وہ مرد پھر اس کا شوہر ہی کیوں نہ ہو وہ عمر میں تھوڑی کم ضرور تھی مگر وقت نے اسے اپنی عمر سے بہت بڑا بنا دیا تھا جائز اور ناجائز رشتے کا فرق تو اسے کشمیر میں رہتے بہت اچھے سے پتہ چل گیا تھا جب کوئی بھی دن دہاڑے کسی بھی گھر میں گھس کر کسی بھی لڑکی کو اپنے ساتھ اپنے نفس کے سامان کے طور پر لے جاتا اور پھر جس حالت میں وہ گھر لوٹائی جاتی وہ منظر دیکھتے ہوئے کتنی بار زارا کی روح کانپی تھی وہ بہت پہلے ہی بڑی ہو گئی تھی وہ چھوٹی ہرگز نہیں تھی۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

اس نے نگاہیں جھکائے اس سے کہا تھا زارا کے یخ بستہ ہاتھ ابھی بھی جبرئیل کے ہاتھوں

میں تھے جن کی کپکپاہٹ وہ بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔

"یہی نہ کہ اب آپ مجھ سے اپنا حق چاہتے ہیں۔"

وہ اتنا آہستہ اور فوری بولی تھی کہ مقابل کچھ بھی بولنے کے لائق نہیں رہا تھا جتنا چھوٹا اور نا سمجھ وہ اسے سمجھ رہا تھا وہ تو ہر گز بھی ویسی نہیں تھی مردوں کا اپنی عورتوں پر کیا حق ہوتا ہے حیرت انگیز طور پر زارا نور اس سے واقف تھی۔

"میں نہیں جانتا زارا کہ میں تم سے یہ سب کیوں چاہتا ہوں مگر میں واقعی ہی کوئی بہت فرشتہ صفت انسان نہیں ہوں میرے اندر بھی ساری حسیں عام مردوں کی طرح ہیں جذبات اور احساسات کا وہی سمندر مجھ میں بھی ہے جو کسی بھی مرد میں ایک عورت کے لیے اپنے جائز رشتے کو لے کر ہوتا ہے اور میں ذہنی طور پر آج بہت ٹوٹا ہوا ہوں مجھے تمہاری قربت کی ضرورت ہے۔"

اس نے بولتے بولتے اپنا سر اس کی گود میں رکھا تھا اور پاوں بیڈ پر پھیلائے تھے زارا نے دھیرے دھیرے اپنی انگلیاں اس کے گیلے بالوں میں چلائی تھیں اور پھر گہرا سانس بھرتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"مجھے چھونے کا حق صرف آپ کے پاس ہے میجر صاحب آپ کے سب حقوق صرف اور صرف مجھ سے وابستہ ہیں میری طرف سے آپ کو اپنی ہر وصولی کی اجازت ہے۔"

For more visit (exponovels.com)

اس نے ہاتھ چلاتے چلاتے ایک دم روکے تھے جبرئیل نے اس کی گود سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا جہاں صرف سنجیدگی نہیں تھی بلکہ سرخی بھی تھی گندمی رنگت میں حیا کی لالی گھلی ہوئی تھی سرخ گالوں پر پلکوں کی جھالر گری ہوئی تھی اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر مہر محبت ثبت کی تھی وہ اس کے چہرے کے ہر نقش پر اپنی چھاپ چھوڑنا چاہتا تھا اور وہ اس پر بھرپور طریقے سے عمل درآمد بھی کر رہا تھا۔ اس کے بورے گھنگریالے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے جب سے وہ یہاں کشمیر آئی تھی وہ سکارف نہیں اوڑتی تھی بلکہ دوپٹہ لیتی تھی۔ جبرئیل نے اس کی گردن پر اپنا لمس چھوڑا تھا زارا نے آنکھیں بند کر کے اس کے لمس کو محسوس کیا تھا اس کی وارفتگیاں بھڑتی جا رہی تھیں وہ آج اس پر کھل کر اپنا آپ آشکار کر رہا تھا زارا نے اس کی مرضی کے آگے ہار مان لی تھی کیونکہ یہ ہمشہ سچ ہے کہ عورت اپنے مرد کے آگے کمزور ہی ہوتی ہے۔ دور کہیں آسمان پر چمکتا چاند ان کے ملن پر مسکرا رہا تھا مگر ان کا ساتھ کتنے پل کا تھا یہ چاند سمیت کوئی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سکول سے گھر آئی تو چہرہ رونے کی چغلی واضح کھا رہا تھا۔ گھر آتے آتے اسے شام ہو گئی تھی اسامہ اسے مائرہ کے فلیٹ کے سامنے اتار کر چلا گیا تھا اسے محض ابھی دو دن ہی

ہوئے تھے مائرہ کے فلیٹ میں شفٹ ہوئے۔ مائرہ نے ایک چابی اسے دی تھی تاکہ وہ جب مرضی آسانی سے گھر آسکے اتفاقا مائرہ صاریہ سے کچھ دیر پہلے ہی گھر آئی تھی جونہی صاریہ چابی لگا کر اندر آئی اس کا سامنا ڈائینگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی پانی پیتی مائرہ سے ہوا۔ چہرہ اور آنکھیں دونوں ہی سرخ ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے آج سکول سے رو کر آئی ہو کسی نے کچھ کہا ہے کیا کوئی لڑائی ہوئی ہے؟"

مائرہ نے پانی کا گلاس اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا تھا خود بھی وہ اس سے چند انچ کے فاصلے پر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے کوئی کیا کہے گا میں تو محبت کے کھیل میں کسی کو جتا کر آ رہی ہوں۔"

اس نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تھا البتہ لہجہ ابھی بھی ٹوٹا بکھرا ہی ہوا تھا۔

"کس کو جتا کر آ رہی ہو کیا کہہ رہی ہو یار؟"

مائرہ نے حیرت سے اس سے پوچھا تھا اسے صاریہ کی کوئی بھی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"تمہارے منگیتر کے دوست کو۔"

صاریہ نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جہاں حیرت واضح تھی۔

"میرے منگیتر کے دوست اسامہ کو یا جبرئیل کو؟"

مائرہ نے الجھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جبرئیل نے تو مجھے ہرایا ہے اور میں نے اس سے ہار کر اسامہ کو جتا دیا کسی ایک کی تکلیف کم کرنا ضروری تھا۔"

اس نے یوں کہا گویا بڑا معرکہ سر کر کے آ رہی ہو۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا اسامہ کہاں سے آ گیا بیچ میں۔"

مائرہ نے اب کی بار درشتگی سے پوچھا تھا۔

"ویسے ہی جیسے میں آئی تھی جبرئیل کی زندگی میں۔"

وہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ صاریہ کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

"اگر یہ بات ہے نہ صاریہ تو تم نے پہلی بار کوئی کام دوسروں کے لیے کیا ہے اور یقین مانو خود کے بجائے دوسروں کے لیے جینا نہ زیادہ خوشی کا باعث ہوتا ہے جو سکون اور راحت کسی کے لیے کچھ کر کے ملتی نہ وہ سکون کسی سے کچھ چھین کر کبھی مل ہی نہیں سکتا۔"

مائرہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دھیرے دھیرے کہا تھا۔

"سچ کہا تم نے آج لگ رہا ہے جیسے دل سے کسی نے منوں بوجھ دھو دیا ہو اسامہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھنے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا کہ کبھی کبھی آپ کا من پسند شخص آپ کو کیوں نہیں

For more visit (exponovels.com)

ملتا کیونکہ آپ کو کوئی اور اس سے زیادہ شدت سے مانگ رہا ہوتا جتنی شدت سے آپ اپنی خواہش مانگ رہے ہوتے میں جان گئی ہو مائرہ کہ جب جب میں نے دعامیں جبرئیل کو مانگا تب تب اسامہ نے اس سے زیادہ شدت سے مجھے مانگا اور اللہ کو تو اسی کے حق میں فیصلہ دینا تھا نہ جس کے جذبات میں شدت اور سچائی زیادہ ہوتی۔"

ایک بار پھر کہتے کہتے بہت روکنے کے باوجود اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"شیش !بس کردو۔"

مائرہ نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کا سر تھپکا تھا۔

"میرے گناہوں کی سزا ہے یہ مائرہ میں نے کسی کی جان لینے کی کوشش کی تھی محبت اور خودغرضی نے آندھا کردیا تھا مجھے۔"

وہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی شاید یہ ندامت کے وہ آنسو تھے جو اس کی پلکوں سے تب تک نکلنے تھے جب تک اسے خان ولا سے معافی نہیں مل جاتی اور معافی مانگنے کی ہمت چاہ کر بھی صاریہ خود میں نہیں پا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح فجر کے وقت وہ اٹھا تو وضو کرنے کے لیے اپنے کمرے سے باہر نکلا سامنے ہی نظر فاطمہ کے کمرے کے بند دروازے پر پڑی وہ چاہتا تھا کہ وہ جا کر اسے اٹھائے لیکن وہ چاہ

کر بھی خود میں ہمت نہی پیدا کر پایا تھا۔ وہ سر جھٹک کر واش بیسن کی جانب بڑھ گیا وضو کر کے فارغ ہو کر وہ نماز کے لیے جا ہی رہا تھا جب اس نے اپنی اماں کو اس کے کمرے کے دروازے کے باہر دیکھا تو سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے نماز کے لیے اٹھانے کے بہانے اس سے کیا بات کرنے والی ہیں وہ چپ چاپ رخ موڑے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

شمیم اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ نائٹ بلب کی روشنی میں انہیں ایک جانب جانماز بچھائے نماز پڑھتے ہوئے نظر آئی وہ بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ کر اس کی نماز کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔جس امتحان میں انہیں ان کے بیٹے نے ڈالا تھا ان کے لیے اس امتحان سے نکلنا انتہائی مشکل مرحلہ تھا جو نہی وہ نماز اور دعا سے فارغ ہوئی اس کی نظر بستر پر پریشان حال بیٹھیں اماں پر پڑی وہ جانماز کو طے لگا کر ان کے قریب آگئی اور ان کے ہاتھ تھام کر گویا ہوئی۔

"کیا بات ہے اس وقت آپ اس طرح یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟"

اس نے سر پر حجاب کے انداز میں باندھے ہوئے دوپٹے کو ڈھیلا کر کے ان سے پوچھا تھا جس پر انہوں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"سمجھ نہیں آرہا کہ کیسے بات کروں۔"

انہوں نے الجھن زدہ لہجے میں اس سے کہا تھا۔ فاطمہ کو صرف ایک لمحہ لگا تھا ان کے آنے

For more visit (exponovels.com)

کا مقصد سمجھنے میں اور اس ایک لمحے نے ہی اس کے اندر انجانی قوت پیدا کردی تھی۔
"اگر آپ یہاں پر اپنے بیٹے کی وکالت کرکے اس کی ڈیمانڈ لے کر آئیں ہیں اماں تو میں بہت معافی چاہتی ہوں میں یہ نہیں کرسکتی میرا وجود اس قابل نہیں ہے کہ کسی عزت دار شخص کے پہلو کی زینت بنے لہذا یہ ہاتھ دیکھیں جوڑے ہوئے جاکر ان کو انکار کردیں۔"
اس نے ان کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا تھا اس کا انداز ایسا تھا کہ شمیم کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہی تھیں وہ جانتی تھیں کہ وہ اس لمحے بے حد جذباتی انداز میں سوچ رہی ہے اس لیے اسے کچھ بھی سمجھانا بیکار ہے وہ خاموشی سے بغیر کچھ بھی کہے اس کے کمرے سے نکل گئیں تھیں لیکن اس کے کمرے کے سائیڈ پر کھڑے شمس نے انتہائی ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں اور پھر دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا وہ ابھی بھی اسی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی جس تیزی سے وہ اندر داخل ہوا تھا فاطمہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ شمس نے اسے بازوں سے تھام کر بالکل اپنے مقابل کھڑا کیا تھا چہرے پر اس قدر سختی تھی کہ فاطمہ اندر تک کانپ گئی تھی۔
"اگر پرسوں تم نے مجھ سے یہ نکاح نہ کیا تو یاد رکھنا کسی اور کے لائق بھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں یہ سزا ہے تمہاری اپنی عزت کو سمبھال کر نہ رکھنے کی جب تم جیسی لڑکیاں اپنی قیمتی چیزیں یوں کھودیں تو سزا کے طور پر انہیں مجھ جیسے مرد ہی

ملتے ہیں۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا تھا وہ سیدھا بیڈ پر گری تھی اور وہ جس تیزی سے داخل ہوا تھا اسی تیزی سے واپس بھی چلا گیا تھا۔ علینہ فاطمہ کو شاید کوئی محبت راس نہیں آتی تھی وہ غلط شخص سے امید وابستہ کر بیٹھی تھی اور اس کی زندگی میں یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ وہ مردوں کے معاملے میں غلطی کر دیتی تھی وہ ہر دفعہ مرد کو پہچاننے میں غلطی کرتی تھی اور اس کی یہ غلطی کتنی درست تھی یہ یقینا اسے دو دن بعد صیح معنوں میں پتہ چلنے والا تھا۔

کوئی آس کوئی امید ہی دلا دو

اے محبت کے جگنو یقین ہی تھما دو

بے سبب بے وجہ چلنا انجان راستوں پر

اے محبت کے جگنو کوئی راہ ہی دیکھا دو

ہارنا معمول بنتا جا رہا ہے میری زندگی کا

اے محبت کے جگنو جیت کا پروانہ ہی تھما دو

مجبور ہوتی جا رہی ہوں خود سے ہی اس طرح

اے محبت کے جگنو صبر کا پیمانہ ہی تھما دو

جو دعوے کرتے تھے ساتھ کے کبھی ہمارے

اے محبت کے جگنو انہیں احساس ہی تھما دو

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورج معمی میں بھی دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلانے کی کوشیش میں تھا لیکن باہر ابھی ہر سو اندھیرا پھیلا ہوا تھا ممکن تھا کہ کچھ دیر میں اس شہر پر سورج اپنا جلوہ دیکھائے گا۔ ان کی آنکھ کھلی تو سائیڈ میز پر دھرے ہوئے اپنے فون کو اٹھا کر انہوں نے وقت کا جائزہ لیا فجر کی اذان ہو چکی تھی وہ اپنے بستر کو چھوڑ کر فجر پڑھنے کی غرض سے اٹھی تھیں دل انتہائی بوجھل تھا بلکہ بے چین تھا ان کی زندگی میں سکون کی شدت سے کمی تھی اور یہی کمی انہیں اللہ کے حضور لے آئی تھی ہاں یہ سچ تھا کہ صمن کمال آج چوبیس سال بعد جا نماز پر کھڑی ہوئی تھیں وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاہد وہ نماز جو انہیں بچپن اور پھر جوانی میں یاد کروائی گئی تھی وہ انہیں بھول چکی ہو گی لیکن وہ غلط تھیں۔ سادے سے شلوار سوٹ میں چہرے کے گرد شال لپیٹے
مرجھائے چہرے کے ساتھ وہ صدیوں کی بیمار نظر آ رہی تھیں یہ سچ تھا اولاد کا دکھ انسان کو بیمار کر دیتا ہے دنیا واقعی ہی مکافات عمل کا نام ہے زندگی میں کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں تاریخ اپنے آپ کو ضرور دھراتی ہے اور یہی تاریخ صمن بیگم کی زندگی میں بھی دھرائی گئی

تھی کسی سے اس کی اولاد چھینتے ہوئے وہ یہ بات یکسر فراموش کر بیٹھی تھیں کہ کل کو ان سے کوئی ان کی اولاد بھی چھین سکتا تھا پر بے خبری انسان کو مار دیتی ہے اگر انسان کو زندگی کے آنے والے لمہات کی خبر ہو جائے تو اس کی زندگی سے گناہ نامی صفحہ ہمشہ کے لیے پھٹ جائے وہ رکوع میں گئی تھیں زبان مسلسل حرکت کر رہی تھی اور آنکھیں آنسوں کا ایک ریلہ تھا جو بہا رہی تھیں۔ وہ سجدے میں گئی تھیں زبان کی حرکت مزید تیز ہوئی تھی۔

"سبحان۔۔ربی۔۔یل۔۔علہ۔۔"

زبان لڑکھڑا رہی تھی توڑ توڑ کر یہ الفاظ پہلی بار ادا ہوئے تھے پھر کیے بعد دیگر دوسری اور تیسری بار سجدے سے اٹھ کر اتحیات پڑھتے ہوئے ان کی ہچکی بندھ گئی تھی وہ تنہا تھیں کیونکہ جس شخص کے پیچھے وفادار سے بے وفائی کی تھی وہ اس لمحے ساتھ دینے کے لیے کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ شہادت کی انگلی اٹھی تھی زبان پھر سے لڑکھڑائی تھی کیونکہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار لازم تھا۔

"

اشھد۔۔ولااله۔۔هہ۔۔اللہ۔۔ھو۔۔واشھدوانہ۔۔محمد۔۔عبدھو۔۔ورسول۔۔ھو۔۔"

آنسو کی رفطار میں تیزی آچکی تھی۔ سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گئے تھے زبان اور دل دونوں خالی تھے معافی مانگنے کی ہمت وہ اس لمحے خود میں محسوس نہیں کر پا رہی تھیں

جب کچھ دیر دعا مانگنے کی کوشش کرتی رہیں اور پھر بھی کامیاب نہیں ہوئیں تو قریب رکھا ہوا قرآن مجید اٹھا کر ریل میں رکھ کر جانماز پر بیٹھے ہوئے ہی اپنے سامنے کیا۔ لاشعوری طور پر انہوں نے وہ صفحہ کھولا تھا جہاں نشانی لگائی گئی تھی خوبصورت آیتوں کی بھرمار تھی۔

آیت پڑھنا شروع کی تھی لیکن ترجمے پر ان کا دل رک گیا تھا۔

ترجمہ:

"ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دیں کہ میں نے اب توبہ کی اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر ہی مر جائیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

سورت النساء آیت نمبر 18

ترجمے کے بعد انہیں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کمرے میں انہیں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا سر پر لی ہوئی شال انہوں نے ڈھیلی کی تھی

کچھ صفحات پلٹانے پر نظر ایک دم ٹھہر گئی تھی۔ زبان نے حرکت شروع کی تو دل بھی گویا رکنے والا ہو گیا۔

ترجمہ "

"آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی ایسی چیز کو پکاریں کہ وہ نہ ہم کو نفع دے اور نہ ہی نقصان پہنچائے تو کیا ہم الٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ تعالی نے ہدایت کر دی ہے جیسے کوئی شخص ہو اور اس کو شیطانوں نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اور اس کے ساتھ اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ہمارے پاس ٹھیک راستوں کی طرف بلا رہے ہوں۔ آپ کہہ دیجیے کہ یقینی بات ہے راہ راست وہ خاص اللہ کی ہی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہو جائیں۔"

سورت العنام آیت نمبر 71

آیت ختم ترجمہ ختم اوسان خطا وجود ہچکولوں کی زد میں آچکا تھا وہ نہیں سمجھی تھیں کچھ بھی بس ان کے ہاتھ اٹھے تھے۔ آنسوں کے لاتعداد قطرے ان کے ہاتھوں پر گرے تھے۔

"یا اللہ پاک اے دوجہانوں کے رب اے میرے مالک جس کے قبضے میں میری بے مول جان ہے یا اللہ پاک بھٹکی ہوئی گناہگار بندی تیرے در پر توبہ کے لیے ہاتھ پھیلاتی ہے میرے مالک اپنی اس گناہ کی پوٹلی کو معاف فرما دے اس نے صرف تجھے ہی نہیں تیرے بندوں کی بھی نفی کی ہے تیرے حقوق کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق میں بھی کوتاہی کی ہے مجھے معاف کر دے تجھے تیرے پیارے حبیب کا واسطہ ہے اللہ میری استطاعت ختم ہو چکی ہے میرا دل پھٹ جائے گا میرے مالک مجھ پر رحم کر یا اللہ مجھے سکون تھے میری توبہ قبول

For more visit (exponovels.com)

فرما۔"

وہ کھلے ہوئے قرآن کو بند کر کے اس کے اوپر سجدہ ریز تھیں ان کا پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا چہرہ سرخ ہو چکا تھا آنکھوں کے پپوٹے سوجھ چکے تھے مگر دل مسلسل معافی کی گردان کر رہا تھا مسلسل توبہ کے لیے تڑپ رہا تھا۔ صیح کہا تھا انہوں نے دھیرے دھیرے سب توبہ کی جانب لوٹنے والے تھے گناہ کرتے ہوئے سب اللہ کی ذات کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں لیکن جب ٹھوکریں کھاتے ہیں تو واپس اسی در پر توبہ کی درخواست لے کر آتے ہیں اور بے شک وہی ہے جو اپنے گناہگار بندوں کو اپنے مہربان سائے میں سمیٹ لیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورج کشمیر پر بھی اپنے پر پوری طرح پھیلا چکا تھا خوبصورت پہاڑوں کی چوٹیاں چمک رہی تھیں یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ان چوٹیوں پر کسی نے سنہرے ہیرے سجا رکھے ہوں کھڑکی پر دبیز پردے برابر ہونے کے باوجود شعائیں اس کے چہرے پر پڑی تھیں اس نے بامشکل اپنی آنکھیں کھولی تھیں بایاں بازو اکڑ چکا تھا نگاہوں کا زاویہ گھمانے پر وجہ سمجھ میں آئی تھی۔ زارا صاحبہ بڑی شان سے اس کے بازو کو اپنا تکیہ بنائے ہوئے تھیں ایک ہاتھ وہ اس کے پیٹ پر رکھے ہوئے دنیا جہاں سے بے خبر میٹھی نیند سو رہی تھی۔ جبرئیل کا دماغ

کافی حد تک ریلیکس ہو چکا تھا اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر سے ہٹا کر نیچے رکھا تھا۔ اور اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھتے ہوئے اسے آواز لگائی تھی۔

"زارا!"

ساتھ میں اس نے اس کے بکھرے ہوئے بال بھی سنوارے تھے۔

"زارا میری جان!"

اس نے آواز کے ساتھ اب اسے تھوڑا سا ہلایا بھی تھا اس نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اپنی چھوٹی آنکھوں سے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا جو اس پر جھکا ہوا تھا۔

"کیا ہے سونے دیں کیوں میری نیند کے دشمن ہو گئے ہیں آپ؟"

اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا تو بے ساختہ جبرئیل کا قہقہ برآمد ہوا۔

"میں ہرگز بھی تمہاری نیند کا دشمن نہیں ہوں ہاں آگے ہو سکتا ہوں۔"

اس کے ذو معنی بات بولنے پر زارا نے منہ کھول کر حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"اچھا منہ بند کرو اور جلدی سے تیار ہو جاو ہمیں ابھی پشاور کے لیے نکلنا ہے۔"

وہ اسے کہتے ہوئے خود بیڈ سے نیچے اتر گیا تھا۔

"لیکن کیوں؟"

زارا کے سوالات شروع ہو چکے تھے۔

"راستے میں بتا دوں گا ابھی ٹائم نہیں ہے جلدی کرو پلیز۔"

وہ کہتے ہوئے خود واشروم میں چلا گیا تھا اور پیچھے زارا بس سوچتی رہ گئی تھی کہ کیا ہوا ہے جو پشاور جانا۔

وہ اپنے کپڑے لے کر ساتھ والے روم میں چلی گئی تھی تاکہ ٹائم ویسٹ نہ ہو۔

کچھ دیر بعد جبرئیل شاور لے کر باہر نکلا تھا وہ آج یونیفارم کی بجائے سیول ڈریس میں ملبوس تھا بلو جینز پر سی گرین سٹائلش سی ڈریس شرٹ پہنے وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑا اپنے بال بنا رہا تھا بال بنا کر اس نے خود پر اچھے سے پرفیوم کا اسپرے کیا ہاتھ میں گھڑی پہننے کے بعد اس نے واڈروب سے اپنی براون لیدر جیکٹ نکال کر پہنی والٹ اور گاڑی کی چابیاں لے کر وہ نیچے اتر گیا جہاں آغا خان ناشتہ لگا چکا تھا مگر زارا کے آنے کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

"یار زارا پلیز جلدی کرو۔"

اس نے کانٹے سے آملیٹ توڑتے ہوئے اسے آواز لگائی تھی۔ کچھ ہی دیر میں زارا صاحبہ اسے نیچے آتی ہوئی دیکھائی دی تھیں۔ رائل بلو خوبصورت گھٹنوں تک آتا کرتا جس کے دامن پر اور گلے پر گرے کلر سے کڑھائی کی گئی تھی نیچے سٹریٹ کٹ گرے ٹراوزر سر پر

کشمیری رومال کی بجائے دوپٹہ اوڑھے اور کندھوں پر گرے شال ڈالے وہ بہت خوبصورت اور اپنی عمر سے بڑی نظر آ رہی تھی۔

"صبر بھی کر لیا کریں میجر صاحب ہر وقت ہوائی گھوڑے پر سوار رہتے ہیں آپ۔"

زارا نے برا سا منہ بنا کر کہا اور اس کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کپڑے کتنے دن کے رکھنے تھے میں نے تو بس دو کیجوئل ڈریس رکھے ہیں۔"

زارا نے ناشتہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا تو اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"کافی ہیں ویسے بھی زیادہ شادی والے کپڑے چاہیے ہوں گے کیجوئل کا ہم کیا کریں گے۔"

اس نے سرسری کہا تو زارا نے اس کی جانب دیکھا۔

"شادی والے؟"

زارا نے ٹشو سے منہ تھپکتے ہوئے پوچھا تو وہ بھی نیپکن سے ہاتھ پونچھتا ہوا اپنا والٹ اور چابیاں اٹھاتا اٹھ گیا۔

"ہاں زیبا اور آنیہ کی شادی ہے رون اور سبتے سے۔"

اس نے جونہی بتایا زارا نے اس کی جانب ایسے دیکھا جیسے پتہ نہیں کونسی بات کہہ دی ہو۔

"اتنی اچانک شادی اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔"

اس نے ایک شکوہ کناں نظر اپنے میجر پر ڈالی اور رخ موڑ گئی۔

"سب بہت ارجنٹ ہوا تمہیں پوری بات راستے میں سمجھاتا ہوں نہ آجاو۔"

وہ اسے بازوں کے حلقے میں لیتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا جبکہ آغا خان کو اسے ایسے دیکھ کر غشی کے دورے آتے رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تقریباً پانچ گھنٹے بعد شام میں کہیں وہ پشاور پہنچے تھے راستے میں جبرئیل اسے جھوٹی سچی ملا کر کہانی سنا چکا تھا اور وہ اس پر یقین بھی کر چکی تھی۔ جونہی ان کی گاڑی خان ولا کی سڑک پر داخل ہوئی زارا کی نظریں دور سے روشن برقی قمقموں پر پڑی جنہوں نے پورے خان ولا کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

"آپ کو پتہ میں نے کبھی کوئی شادی اٹینڈ نہیں کی۔"

اس نے اپنے ہاتھوں کے ناخن کھرچتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں بھئی تمہارے گھر کے آس پاس کبھی کوئی شادی نہیں ہوئی؟"

وہ حیرت سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں ہوتی تھیں پر میں کبھی کسی شادی پر نہیں گئی ہمشہ عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا مجھے کہ کہیں کوئی مجھے لے نہ جائے۔"

وہ نگاہیں جھکائے کہہ رہی تھی۔

"اچھا چھوڑو اب تم کھل کرا نچوائے کرنا شادی۔"

اس نے خان ولا کے گیٹ پر ہارن دیتے ہوئے کہا تو چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا وہ گاڑی پورچ میں لے آیا پورے خان ولا میں چہل پہل تھی آنیہ اور زیبا کی مہندی کی رسم گھر میں ہی رکھی گئی تھی۔ وہ دونوں ہی گاڑی سے اتر کر اندر کی جانب بڑھ گئے گھر میں خوب رونق اور چہل پہل تھی مہمانوں کا ہجوم دھیرے دھیرے بڑھ رہا تھا جوں ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئے سب سے پہلے سامنا جبرئیل کا طراب اور اسامہ سے ہوا جو ادھر ادھر کے کام کراتے نظر آ رہے تھے۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو اور کب آئے؟"

اس نے حیرت سے دونوں کو دیکھا تھا اور پھر آبرو اچکائے تھے۔

"کمینے لالے! تو نے تو ہمیں بتایا نہیں یہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بھائیوں نے ہمیں ارجنٹ کال پر بلایا خوب نبھائی تو نے دوستی اب ہماری باری ہے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر آنکھ ماری تھی تب تک زارا اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"یہ کیا چل رہا ہے تم دونوں میں؟"

اس نے دونوں کی گردنیں دپوچی تھیں۔

"تجھ سے مطلب؟"

دونوں نے ہی اپنا آپ چھڑوایا تھا اور کالر جھاڑتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے۔ پیچھے وہ بس سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

وہ اندر کی جانب بڑھ گیا عشرت جہاں سے ملنے کے بعد اس نے ماہ رخ بیگم کے سامنے سر جھکایا تو انھوں نے بوجھل دل کے ساتھ اسے پیار دیا اس نے ان کا بوجھل چہرہ بہت غور سے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے چچی جان آپ پریشان کیوں لگ رہی ہیں؟"

اس نے آخر کو ان سے پریشانی کی وجہ پوچھ ہی لی تھی اور ایک نظر انھوں نے عشرت جہاں کے چہرے پر ڈالی تھی جہاں غصے کی امیزیش واضح تھی زارا تو زیبا اور آنیہ کے پاس جا چکی تھی۔ اس نے باری باری دونوں کے چہروں کی جانب دیکھا تھا۔

"ماں! کیا کوئی بات ہوئی ہے؟"

اس نے عشرت جہاں کے ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا تو ماہ رخ بیگم بول پڑیں۔

"بیٹا صاریہ کے بہن بھائی کی شادی ہے میں چاہتی ہوں وہ اس موقع پر یہاں موجود ہو۔"

ماہ رخ بیگم نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا تو اس نے

گہرا سانس بھرا۔

"تو پچی جان اس میں مسئلہ کیا ہے آپ صاریہ کو کال کر کے بلوالیں۔ "

اس نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو عشرت جہاں نے غصے سے اسے گھورا۔

"تم خاموش رہو وہ لڑکی یہاں نہیں آئے گی میرے بچوں کی شادی پر کسی صورت بھی نہیں۔ "

عشرت جہاں کے لہجے کی سختی نی جبرئیل کو حیران کر دیا تھا۔

"لیکن کیوں ماں! آپ ایسا کیوں نہیں چاہتی کہ وہ شادی پر آئے اس کا گھر ہے یہ۔ "

جبرئیل نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"کیونکہ اس نے مارنے کی کوشش کی تھی تمہاری بیوی کو جبرئیل وہ صاریہ ہی تھی جس نے زارا پر گولی چلائی تھی کیا اب بھی تم کہو گئے کہ میں اسے اس گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دوں۔ "

عشرت جہاں کے انکشاف نے جبرئیل سمیت دروازے میں کھڑے طراب اور اسامہ کو بھی حیران کر دیا تھا وہاں موجود کسی بھی نفس میں حرکت کے نام پر کچھ نہیں بچا تھا سب دم سادے بے جان وجودوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بہت انجان تھی میں ان لفظوں سے

جو جگا دیتے تھے روح کو میری

بہت لاپرواہی تھی مجھ میں

جو بھلا دیتی تھی ضرورت تیری

بہت مہنگا تھا وہ سودا محبت

جو بکا دیتا تھا قربت تیری

کھیل گیا جو تو طلسمی کھیل

جیت مشکل تھی تیرے آگے میری

ہار کر بھی جیت گئی تھی میں

ایسی جان لیوا محبت تھی تیری

ایمن خان

اسامہ کا وجود ایک لمحے میں زرا سا لڑکھڑایا تھا طراب نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا تھا جبرئیل کا چہرہ سپاٹ تھا پتہ نہیں وہ ضبط میں تھا یا کوئی اور تاثر تھا جو اس لمحے اس کے چہرے کا حصہ بنا ہوا تھا۔ زیبا کے کمرے کے دروازے کے ساتھ زارا بھی ٹیک

لگائے کھڑی ہوئی تھی جس کا چہرہ جھکا ہوا تھا لیکن وہ مزید کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی اس لیے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"ان کی نفرت کا شکار میں ہوئی تھی میجر صاحب! انٹی! جانتے ہیں آپ سب کئی محبتیں خود غرض ہوتی ہیں وہ کوئی نفع کوئی نقصان نہ تو مانتی ہیں اور نہ ہی دیکھتی ہیں۔ محبت میں جذبات بے لگام گھوڑے کی طرح ہوتے جسے کب کیا کرنا ہے کہاں رکنا کہاں چلنا یہ اس کے اختیار سے باہر ہوتا ہے اور یہ گولی بھی اسی جذبات کا ایک حصہ تھی اور محبت کے اصولوں میں تو کسی بھی جرم کی کوئی سزا نہیں ہوتی محبت میں تو سب گناہ سب قصور معاف کر دیے جاتے ما سوائے بے وفائی کے۔"

وہ بول رہی تھی اور وہاں صرف اسی کی آواز تھی باقی سب تو گویا پتھر کے ہو گئے تھے وہ جسے سب ننھی سی لڑکی سمجھتے تھے محبت کی اتنی گہری ساکھ سے واقف تھی وہاں موجود ہر نفس اس بات پر ایمان لانے پر مجبور تھا کہ محبت میں سب قصور معاف ہیں۔"

"پھپھی جان! اسے فون کر کے بلوائیں اور کہیں کہ کل نکاح سے پہلے وہ خان ولا میں ہو۔"

جبرئیل کی آواز نے سب کو ہوش کی دنیا میں دھکیلا تھا۔ ماہ رخ بیگم نے عشرت جہاں کی جانب دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے اندر کی جانب چلی گئیں۔

"بہت شکریہ جبرئیل! تم نے صاریہ کو آنے کی اجازت دے کر ایک ماں کے دل کو سکون

For more visit (exponovels.com)

بخشا ہے۔"

انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہلکا سا مسکرایا۔ زارا کے لب بھی مسکرا رہے تھے جبکہ اسامہ اب بالکل سپاٹ تاثرات سے کھڑا تھا لیکن زارا کی بات سے اس کے دل میں موجود غصے کا اثر ذائل ہوگیا تھا۔

ماہ رخ بیگم بھی اندر کی جانب چلی گئی تو جبرئیل زارا کی جانب بڑھا جو وہاں ایسے ہی کھڑی تھی.

"واو۔ مسز محبت کے بارے میں تو خاصہ کچھ جانتی ہیں نہیں؟"

اس نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے کہا تھا جس پر زارا نے اس کے سینے پر دونوں ہتھیلیاں رکھ کر اسے دور دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔

"اپنی بے ہودگی بعد میں دیکھا لیجیے گا میجر صاحب یہ آپ کا بیڈروم نہیں ہے۔"

اس نے اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا تو بے اختیار جبرئیل مسکرا اٹھا ہونٹ کے پاس والا تل ایک بار پھر سے نمایاں ہوا تھا زارا نے غور سے اس تل کو دیکھا تھا گہرا بورا اور گولائی میں پھیلا ہوا وہ تل اس کے ہونٹ کے قریب خوب جچتا تھا۔

"شرم نہیں آتی شوہر کو تاڑتے ہوئے؟"

وہ لبوں پر مچلتی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں آتی کیونکہ اپنے میجر کو تاڑنے کا پرمننٹ لائسنس ہے میرے پاس۔"

وہ اس سے فاصلہ بڑھاتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"یہ میرا نام کیوں نہیں لیتی تم؟"

وہ حیرت سے ابرو اچکا کر اس سے پوچھ رہا تھا وہ کبھی بھی اس کا نام نہیں لیتی تھی۔

"کیونکہ چڑتا نہیں میری زبان پر۔"

وہ کندھے اچکاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تو جب میرا رینک بڑھ جائے گا پھر بھی کیا میجر صاحب کہو گی؟"

اس نے دور جاتی ہوئی زارا کا ہاتھ ایک بار پھر پکڑا تھا۔

"آہ نہیں پھر برگیڈیر صاحب کہہ لوں گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی تھی جبکہ وہ اس کے ہونے پر شکر کر کے رہ گیا تھا

ہاں یہ سچ تھا کہ زارا نور اس کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

سنیں میجر صاحب!"

اس نے دور سے جاتے ہوئے اسے آواز لگائی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

"مجھے نہ۔"

وہ بول کر ایک دم رکی تھی ہونٹ دانتوں تلے دبائے ہوئے تھے۔

"تمہیں نہ کیا؟"

اس نے پھر سے اس سے پوچھا تھا۔

"آپ کا یہ تل بہت قاتل لگتا مجھے۔"

اس نے اس کے ہونٹ کے پاس اشارہ کیا تھا اور پھر وہاں سے بھاگ گئی تھی جبکہ جبرئیل کا قہقہ پورے خان ولا میں گونجا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے کے واحد روشن دان کے باہر رات کی سیاہی پھیلتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ یخ بستہ سیاہ اینٹوں کے فرش پر آرا کا وجود براجمان تھا سامنے ایک سوکھی روٹی اور دال کا بھرا ہوا کٹورا یونہی دھرا ہوا تھا جیسے اسے رکھا گیا تھا وہ یک ٹک نظریں جمائے اس دال کے کٹورے میں دیکھ رہی تھی۔ تانبے کا وہ کٹورا گولائی میں تھا جس میں ڈلی ہوئی دال اس قدر پتلی تھی کہ اسے دیکھ کر آرا کو ابکائی کا احساس ہو رہا تھا۔ ٹرے میں دھرا پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے دو تین گھونٹ بھرے تھے ابھی گلاس ٹرے میں رکھا ہی تھا جب سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ کے ساتھ سگار کی مخصوص مہک بھی ابھری تھی آرا نے ضبط سے آنکھیں زور سے میچ کر کھولی تھیں وہ چاہتی تھی کہ یہ منظر بدل جائے لیکن حقیقی منظر

بھی کبھی بدلے ہیں۔ سیاہ اینٹوں پر سگار کے ساتھ سایہ ابھرا تھا جو قدم قدم چلتا ہوا حسب روایت آرا کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا آرا نے ایک بھی نگاہ غلط اپنے سامنے بیٹھے اس وجود پر نہیں ڈالی تھی جسے وہ کبھی محبت کیا کرتی تھی۔

"خبر لایا ہوں تمہارے لیے آرا بیگم جسے سن کر یقیناً تم خوش ہو جاؤ گی سنو گی نہ؟"

اس نے اپنی بات کہہ کر اس کی جانب دیکھا تھا جو نگاہیں جھکائے یونہی بیٹھی ہوئی تھی۔

"ارے سنو نہ یقین کرو آنکھیں چمک اٹھیں گی تمہاری۔"

وہ اس کا چہرہ تھام کر اپنی جانب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہاری بیٹی کا پتہ معلوم ہو چکا ہے بہت جلد اسے تم سے ملوانے لاؤں گا۔"

اس نے سرگوشیانہ لہجے میں آرا کے کان کے قریب کہا تو اس نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"خبردار نوریز! جو میری بیٹی کی طرف میلی نظروں سے دیکھا بھی ہو تو تم نے ابھی صرف ایک بیوی کی بے بسی دیکھی ہے ایک ماں کی للکار نہیں جب ماں للکارتی ہے تو عرش کانپ اٹھتا ہے اس لیے ڈرو اللہ سے اور توبہ کر لو ورنہ جب وہ عرش سے فرش پر پٹختا ہے نہ تو منہ چھپانے کو جگہ بھی نہیں ملتی۔"

آرا کے لفظوں نے نوریز کو قہقہہ لگانے پر مجبور کیا تھا۔

"او آرا ڈارلنگ ! تم نا بہت بورینگ باتیں کرتی ہو یہ توبہ ، یہ للکار یہ صرف کتابوں میں اچھی لگتی ہیں حقیقت سے دور دور تک ان سب کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ "

نوریز مسلسل ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور آرا صرف اس کے ہنسنے پر ہی حیران ہو کر رہ گئی تھی ۔

" تو پھر جاو نوریز میں نے اپنی بیٹی اللہ کے سپرد کی تم تو کیا اس دنیا کی کوئی بھی طاقت اس کا بال بھی باکا نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اللہ کے امان میں دے دی میں نے اور تم تو عبرت کی زندہ مثال بنو گے دیکھنا تم یہ میری بددعا ہے تمہیں ۔ "

آرا نے چلا کر کہا تو نوریز نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا آرا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے منہ پر کوئی گرم سلاخ لگا دی ہو لیکن درد سے چلانے کے بجائے وہ بھی اب کی بار قہقہ لگا کر ہنسی تھی ایک ہاتھ ابھی بھی اسی گال پر تھا جہاں ابھی ابھی نوریز نے اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑے تھے ۔

" مان لو نوریز کہ تم ایک بزدل اور کمزور مرد ہو اللہ کے عذاب کے بارے میں سوچتے ہی تم اپنی بزدلی چھپانے کے لیے وحشت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہو لیکن یہ جو تمہارا چہرہ ہے نہ اس پر صاف خوف کی جھلک نظر آتی ہے تم عبرت کا نشان بنائے جانے کے خوف سے لرز جاتے ہو تم ہو بزدل ۔ "

وہ مسلسل قہقے لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی جبکہ نوریز وہاں سے فوری نکل گیا تھا پیچھے وہ بس

قہقہ لگا کر رہ گئی تھی۔

"کائر، بزدل سب ڈرتے ہیں۔"

وہ دھیرے دھیرے بول کر آنکھیں موند گئی تھی جبکہ وہ سیاہ اینٹوں کا تہہ خانہ اس کی ہر اذیت کا گواہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مہندی کے خوبصورت پیلے جوڑوں میں ملبوس وہ دونوں لاونج میں بڑے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں دونوں ہم رنگ پیلے غراروں پر گہرے گلابی رنگوں کی قمیضوں میں ملبوس تھیں گہرے گلابی اور پیلے دورنگی کرن اور گوٹے سے سجے دوپٹے سروں پر ڈالے تازہ پھولوں کے زیورات سے میک اپ سے مبرہ چہروں کے ساتھ وہاں بیٹھیں وہ سب کے دلوں میں اتر رہی تھیں۔ آرون اور سبتین کی مہندی کی رسم بعد میں ہونا طے پائی تھی اس لیے انہیں یہاں آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی وہ خالصتن زنانہ فنکشن تھا زارا گہرے ہرے رنگ کا شیفون کا فراک پہنے بورے گھنگریالے بال یونہی پشت پر کھلے چھوڑے اور ہلکے سے میک اپ کے ساتھ بہت حسین لگ رہی تھی جبرئیل نے دور سے اس کی کئی بار نظر اتار لی تھی باری باری سب خواتین مہندی کی رسم کر رہی تھیں جبکہ وہ بلوتوتھ سیٹ کان سے لگائے وہاں گھوم رہا تھا۔

"ہاں طراب ایسٹ کیفے پہنچ گئے؟"

اس نے بلو توتھ کان پر درست کرتے ہوئے دوسری جانب طراب سے پوچھا تھا جو ابھی ابھی ایسٹ کیفے پہنچا تھا۔

"ہاں پہنچ گیا ہوں۔"

دوسری جانب سے طراب نے اسے اطلاع دی تو اس نے گہرا سانس بھر کر اگلا حکم جاری کیا۔

"رائیٹ سائیڈ سیکنڈ ٹیبل پر بیٹھ کر انتظار کرو وہ بس کچھ دیر میں پہنچنے والا۔"

اس نے آنے جانے والے لوگوں کو مسکرا کر دیکھا اور سرگوشی نما آواز میں اپنی بات کہہ دی۔

طراب بالکل مختلف حولیے میں نظر آرہا تھا شلوار قمیض پہنے وہ بالکل بھی فوجی معلوم نہیں ہو رہا تھا اس کا رنگ ڈھنگ اس لمحے بالکل الگ تھا۔

"اسامہ! کوئی بندہ نظر آیا؟"

اب کی بار اس نے اسامہ سے کنیکٹ کیا تھا جو ایسٹ کیفے کی پچھلی جانب کھڑا تھا۔

"نہیں ابھی تک کوئی مشکوک انسان نہیں دیکھا براہ راست تو سب نارمل چل رہا۔"

اسامہ نے اپنی ڈیوائس درست کرتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے ہی تمہیں کوئی مشکوک انسان نظر آئے فوری مجھے اور طراب کو انفارم کرنا تاکہ وہ اپنی بات ختم کر کے جلد اور طریقے سے وہاں سے باہر آجائے۔"

"اوکے تم فکر نہیں کرو میں فوری انفارم کرتا ہوں۔"

اسامہ نے کہہ کر کال ڈسکینکٹ کی تھی جبرئیل نے واپس طراب کو کانٹیکٹ کیا تھا۔

"سنو طراب وہ کیفے کے دروازے سے اندر داخل ہونے والا وہ ایک بزنس مین کے حولیے میں ہے سو کانسنٹریٹ۔"

اس نے طراب کو چوکنا کیا تھا جو پہلے ہی الرٹ بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں کیفے کا دروازہ کھولے ایک آدمی اندر داخل ہوا تھا چہرے پر مصنوعی داڑھی مونچھیں لگائے تھری پیس سوٹ میں ملبوس ہاتھ میں بریف کیس تھامے وہ کوئی پروفیشنل بزنس مین معلوم ہو رہا تھا جس کا تاثر یوں تھا جیسے وہ یہاں کوئی بزنس ڈیل سائن کرنے آیا ہوتا۔

وہ سیدھ میں چلتا ہوا رائیٹ پر دوسری میز پر آکر بالکل طراب کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"ایوننگ سر!"

لہجہ اور انداز مودبانہ تھا۔

"ایوننگ مصطفی مراد صاحب!"

دونوں کی آوازیں محض سرگوشی سے زیادہ کچھ نہیں تھیں۔

"سر یہ وہ فائل جو میجر جبرئیل نے منگوائی تھی۔"

اس نے ایک یلو کور فائل اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ڈیٹس گریٹ اور کوئی اپ ڈیٹ؟"

طراب نے احتیاط کے طور پر پوچھا تھا۔

"نو سر اٹس آ کمپلیٹ پیکج۔"

اس نے یہ بولا تو طراب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"طراب جلدی نکلو وہاں سے دو تین لوگ یہاں گھوم تو رہے ہیں لیکن بظاہر لگ رہا جیسے ویٹرز ہوں مگر مجھے مشکوک لگ رہے تم فوری نکلنے کی کرو اس سے پہلے کہ کسی کو ہم پر شک ہو۔"

اسامہ نے ائیر پیس سے اسے وہاں سے جلدی اٹھنے کے لیے کہا تھا۔

"اس نے راجر کہہ کر اف کر کے جبرئیل سے کانیکٹ کیا تھا۔

"کچھ لوگ مشکوک لگ رہے اسامہ کو۔"

طراب نے اس سے عجلت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"پہلے تم اٹھ کر باہر آجاؤ اور پھر مصطفی مراد خو ٹیکس کر دو کہ اپنے لیے کھانا آڈر کرے اور تقریبا ایک گھنٹے بعد وہاں سے کھانا کھا کر نکلے۔"

اس نے جلدی میں اگلی ہدایت دی جس پر طراب نے فوری عمل کیا اوراس سے ہاتھ ملا کر باہر آگیا جہاں اپنی سفید سویک میں بیٹھا اسامہ آگے کے دروازے پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی وہ گاڑی میں بیٹھا اسامہ نے گاڑی زن سے آگے بڑھا دی مین شاہراہ پر آ کر اس نے سپیڈ قدرے نارمل کی تھی۔

"کام ہو گیا؟"

اسامہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اب ہماری منزل کو ہم سے کوئی دور نہیں کر سکتا برسوں پرانے انصاف کے سارے تقاضے آج پورے ہوں گئے۔

دونوں کے چہروں پر عجیب سا جوش چمک رہا تھا انھوں نے پہلی سیڑھی بڑی ہی کامیابی اور ہوشیاری سے پار کرلی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ فون لے کر کب سے ہاتھ میں بیٹھی ہوئی تھی نگاہوں کا محور ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ فون تھا جہاں ابھی ابھی ماہ رخ بیگم کا فون آیا تھا۔

" تو اس میں اداس ہونے کی کونسی بات ہے یار دیکھو خان ولا سے دعوت آئی ہے تمہارے بہن، بھائی کی شادی ہے یاران کی خوشی میں دل سے شرکت کرو یقینا وہاں تمہیں

سب نے معاف کر دیا ہے اس لیے ہی تو بلاوا بھیجا ہے۔"

مائرہ اسے کب سے سمجھا رہی تھی اور اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ خان ولا کے مکینوں کا سامنا آخر وہ کیسے کرے گی۔

"لیکن مائرہ میں کیسے چلی جاو؟ میرے لیے بہت مشکل ہے اپنوں کی آنکھوں میں خود کے لیے نفرت کی چنگاری دیکھنا میں کیسے برداشت کروں گی ان کی وہ نفرت بھری آنکھیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔"

وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔ اس کی بات پر مائرہ نے گہرا سانس بھرا تھا۔

" دیکھو صاریہ یہ جو خونی رشتے ہوتے ہیں نہ ان کے لیے کبھی بھی آپ کی آنکھ میں نفرت کی چنگاری نہیں چمک سکتی ہاں وقتی غصہ اور ناراضگی ضرور ہوتی ہے لیکن معافی مانگنے سے وہ وقتی میل بھی دھل جاتی ہے اس لیے تم زیادہ مت سوچو اور جانے کی تیاری کرو۔"

مائرہ نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی دل نے کہیں کہا تھا کہ آخر کبھی تو خان ولا کے مکینوں کا سامنا کرنا ہی ہے تو پھر اب کیوں نہیں جب انہوں نے خود بلایا ہے۔

"ٹھیک ہے میں جاوں گی لیکن تم بھی میرے ساتھ چلو گی امی نے تمہیں بہت کہا ہے پلیز میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی جانتی ہوں کہ دو دن کوئی نائٹ شفٹ نہیں ہے تمہاری۔"

صاریہ نے اسے انگلی دیکھاتے ہوئے کہا تو مائرہ ہلکا سا مسکرائی۔

"ٹھیک ہے چلوں گی چلو اب تم پیکنگ کرلو پھر صبح صبح نکل جائیں گئے تاکہ شام میں نکاح کے وقت سے پہلے پہنچ جائیں۔"

اس نے لائٹ بند کی اور دوسری جانب سے آکر اس کے برابر میں لیٹ گئی۔ صاریہ کا ذہن اس لمحے لاتعداد سوچوں کے جال میں الجھا ہوا تھا سمجھ نہیں آرہی تھی کہ خود پر ضبط کے بندھن کیسے باندھے گی وہ خیر جو طے تھا وہ تو ہو کر ہی رہنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات کے اندھیرے میں باڈر پر ایک جانب لگے اپنے کیمپ میں بیٹھا ہوا تھا لکڑی کی چھوٹی میز آگے رکھے وہ اس سوالیہ خط کا جواب لکھنے والا تھا جس کے بارے میں پلنے والے سارے خدشات آج صبح بی اماں نے جھٹک دیے تھے۔ سفید بے داغ کاغذ کو میز پر اپنے سامنے پھیلائے وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔

"سفید بے داغ کاغذ بالکل سفید بے داغ وجود کی طرح۔"

اس نے کاغذ کو دیکھ کر سوچا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں سیاہ سیاہی والا قلم تھام رکھا تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے ایک ننھی سی لکیر کاغذ پر کھینچی تھی۔ سفید بے داغ کاغذ پر وہ کالی لکیر واضح ہو رہی تھی۔

"سفید بے داغ وجود پر کالی لکیر کاغذ اور وجود دونوں کو داغدار کر گئی۔"

اس نے ایک بار پھر سے یہی خیال سوچا تھا۔ اگلے لمحے میں سارے خیالات کو جھٹک کر اس نے تیزی سے قلم سفید کاغذ پر گھسیٹا تھا۔

"نکھر جو جاتا ہے سفید سیاہ کے ساتھ

ڈھل جاتی ہے سیاہی ساری

بے دھڑک ہو کر قبول کرتی

سیاہی کو سفیدی۔"

چار سطریں لکھنے کے بعد اس نے قلم روک کر ایک بار پھر سے سفید کاغذ کا جائزہ لیا تھا سفید بے داغ کاغذ سیاہ سیاہی سے قدرے سجا ہوا لگ رہا تھا۔

"مہلت ختم ہونے کو ہے اور اشتیاق بھی

دید ہونے کو ہے اور بات بھی

تمام ہونے کو ہیں پردے اور راز بھی

ملاقات ہونے کو ہے اور تحریر لکھنے کا اعتراف بھی۔"

کاغذ مکمل سیاہی سے بھر چکا تھا مگر بے داغ کاغذ پر خوبصورت لکھائی میں سیاہ سیاہی سے لکھی گئی وہ تحریر کاغذ کی شوبھہ بڑھا چکی تھی۔

"سج جاتا ہے سیاہی سے وجود شفاف

For more visit (exponovels.com)

داغ اکثر چہرے کی زینت ہوا کرتے ہیں"

ایمن خان

اس نے زیر لب شعر پڑھ کر کاغذ لپیٹ کر خاکی لفافے میں بند کیا تھا اور اسے ایک جانب رکھ کر گہرا سانس بھرا تھا۔ بہت عرصے بعد اسے احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے جواب میں ایک مکمل تحریر لکھ پایا تھا ورنہ اس کی تحریریں اتنی مکمل ہوتی تھیں کہ احسن کو جواب لکھتے ہوئے دس بار سوچنا پڑتا تھا کہ وہ ایسا کیا لکھے کہ مقابل جواب لکھنے سے پہلے کچھ دیر سوچے مگر مشکل سے ہی ایسے الفاظ مل پاتے تھے جو مقابل کے معیار پر پورے اتر سکیں مگر یہ صرف تب تک تھا جب تک محبت نے جگہ نہیں بنائی تھی اب جبکہ ادراک ہوا تھا تو الفاظ کا سمندر اس کے اندر آباد ہو گیا تھا ایک بار تو یہ تحریر مقابل کو سوچنے پر مجبور کرنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکاگو میں سرد ہوائیں اس کے پورے وجود میں سرایت کر رہی تھیں وہ کھڑکی کھولے سرد ہوا کے جھونکے اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی آنکھیں بند کیے وہ لمبے اور گہرے سانس بھر رہی تھی دل ویران تھا بوجھل تھا لاتعداد سوال دل میں مچل رہے تھے وہ اس لمحے ہر احساس اور ہر بدلے سے عاری ہو کر صرف محبت کے بارے میں سوچ رہی تھی اپنی محبت کے بارے میں جو اسے کرنل سے تھی کب کیوں کیسے وہ ان سب لفظوں سے خالی

تھی صرف اور صرف اسے یہ معلوم تھا کہ سالوں سے وہ ایک وجود کو ایک معمولی سکرین پر بولتے ہوئے چلتے پھرتے اور حرکت کرتے دیکھتی تھی اور تب سے ہی وہ اس کے لیے کچھ الگ کچھ انوکھا محسوس کرتی تھی۔ اس نے کبھی بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ یہ محبت اس کا مقدر بنے گی کہ نہیں وہ بس بے دریغ اس شخص پر مرتی تھی پورے وثوق کے ساتھ۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

ہوا میں سے ایک ہیولہ پکارا تھا۔

"آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

اس نے سامنے دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا تھا۔ لب آپ ہی آپ مسکرا رہے تھے تصور میں وہ خوبرو چہرہ گردش کر رہا تھا۔

"شکاگو میں میری یادیں چھوڑ جاو گی کیا؟"

ہیولے نے اب اس کے بالکل ساتھ کھڑکی کی چگاٹ سے ٹیک لگائی تھی۔

"نہیں تو ساری یادیں سمیٹ کر اپنے ساتھ لے کر جاوں گی یہی تو وہ شہر ہے جہاں میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا۔"

فضا میں اس کے بال اڑے تھے اور کھلکھلاہٹ گونجی تھی اس کا وجود ہوا کے ساتھ

اٹکھیلیاں کر رہا تھا۔

غلام بخش اسے کب سے پیچھے کھڑا تصور میں باتیں کرتا دیکھ رہا تھا دس سالوں میں وہ صرف تب تب مسکراتی تھی جب وہ اس شخص سے مخاطب ہوتی یا اس کے بارے میں سوچتی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اب بھی تصور میں بالکل اس کے پاس کھڑی ہے۔ ایک گہری تکلیف کا جھونکا غلام بخش کو اپنے وجود میں ہر بار کی طرح محسوس ہوا تھا دل دکھا تھا مگر چہرہ مسکرا رہا تھا محبت کے تصور میں رقیب ہو تو دل تو دکھ ہی جاتا ہے۔

وہ قدم قدم چلتا ہوا اس کے بالکل پیچھے کھڑا ہوا تھا آنکھیں بند کر کے اس کے بالوں سے اٹھتی ہوئی شیمپو کی خوشبو اس نے اپنی سانسوں میں اتاری تھی۔

"تمہارا کبھی دل نہیں کرتا بخش کہ میں تمہاری ہو جاوں ؟"

اس نے سامنے دیکھتے ہوئے ہی غلام بخش سے پوچھا تھا جو ابھی اس کے پیچھے کھڑا تھا اور وہ حیرت زدہ سا رہ گیا تھا کہ وہ تو چہرہ دوسری جانب کیے کھڑی تھی پھر کیسے وہ اس کی موجودگی سے واقف ہوئی تھی مگر یہ تو ہر بار کا معاملہ تھا وہ ہر بار اسے یونہی چونکایا کرتی تھی اور وہ چونک جاتا تھا۔

"نہیں کبھی بھی دل نہیں کیا کہ آپ میری ہو جائیں۔"

جس طرح سے اس نے اپنا سوال کیا تھا بالکل اسی انداز میں بخش نے اسے جواب دیا تھا۔

"ایسا کیوں محبت میں تو محبوب کی طلب ہوتی ہے؟"

اس نے اب کی بار سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ محبت سے بھری ہوئی وہ سیاہ گھور آنکھیں۔ بدلے میں غلام بخش زور سے ہنسا تھا ایس۔ کے نے حیرت سے اسے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

"ہنس کیوں رہت ہو؟"

وہ برہمی سے بولی تھی۔

"آپ کے سوال پر بس ہنسی آگئی جانتی ہیں ایس۔ کے میری اور آپ کی محبت میں کوئی بھی فرق نہیں ہے محبت ہم دونوں ہی کرتے ہیں لیکن محبوب کے ساتھ کی طلب ہم دونوں میں ہی نہیں ہے نہ تو آپ کو کرنل کے ساتھ کی خواہش ہے اور نہ ہی مجھے آپ کے ساتھ کی۔"

اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اور جانتی ہیں یہ کیوں ہے؟"

اس نے ایک بار انتہائی گہرائی سے ایس۔ کے کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں سوال مچل رہے تھے۔

"وہ اس لیے کہ ہماری محبت ساتھ کے بغیر ہی اتنی مکمل ہے کہ کبھی سامنے بیٹھ کر دیکھنے

کی خواہش ہی نہیں ہوئی۔"

غلام بخش وہاں سے جانے لگا تھا جب اس نے اسے پکارا تھا وہ جاتے جاتے ایک دم رکا تھا لیکن پلٹا نہیں تھا۔

"پہلے نہیں تھی اس کے ساتھ کی خواہش مگر اب دل چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ رہ کر ایک مکمل زندگی گزاروں۔"

اس کے بولنے پر وہ پلٹا تھا۔ سیاہ گھور آنکھوں میں شکوے کی لکیر نمایاں تھی کچھ دیر اس کے چہرے کو دیکھ کر وہ بغیر کچھ بھی بولے وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ ایس۔کے کے لبوں پر مسکراہٹ رینگی تھی غلام بخش کی محبت پر وہ اپنا آخری داو کھیل چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح پھولوں کے شہر پشاور پر پوری آب و تاب کے ساتھ ہوئی تھی ناشتے کی میز پر آج ہل چل نہیں تھی کیونکہ آنیہ اور زیبا دونوں ہی ناشتے کی میز پر موجود نہیں تھیں باقی سب ناشتے سے بھرپور قسم کا انصاف کرنے میں مصروف تھے۔ سبتین اور آرون ساتھ ساتھ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ زیبا اور آنیہ کیا شرعی پردہ کرنے لگ گئی ہیں؟"

آرون کو میز کی خاموشی کسی بھی صورت ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"نہیں بیٹا صرف تم دونوں سے پردہ کررہی ہیں۔"

اسامہ نے سلائس کترتے ہوئے اسے باور کروایا تھا۔

"کیوں ہم نے کونسا انہیں چھیڑ دیا جو پردے پر اتر آئیں؟"

سبتین نے بھی اب کی بار گفتگو میں حصہ ڈالنا لازمی سمجھا تھا۔ طراب جبرئیل اور اسامہ تینوں کا قہقہ بے ساختہ تھا کچن سے سگربی کے ساتھ باہر آتی زارا نے بھی قہقے کی آواز سنی تھی۔

"تم دونوں نے کیا چھیڑنا تھا انہیں چھیڑیں گی تو وہ لوگ تم لوگوں کو آج رات دل کے تار سمبھال کر رکھنا۔"

طراب نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے شرارت سے کہا تھا ماہ رخ بیگم اور عشرت جہاں تو بس ان کی باتوں پر مسکرا رہی تھیں۔

"بیٹا جی آپ بھی اتنی باتیں نہ کریں تیرے دل کے تار تو مائرہ درست کرے گی آ کر جو بے ہنگم ہو رہے ہیں نہ؟"

جبرئیل نے بھی ٹھوکا لگایا تھا۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے جو زارا بھابھی کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبے ہوئے ہیں آپ؟"

طراب نے بھی فورا بدلہ چکایا تھا زارا مسکرا کر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

ہاہاہاں اس میں توزرا برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ زارا کے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا ہوں میں۔"

اس نے زارا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا جس نے نگاہیں جھکا لیں تھیں۔

"تو بس پھر تیاری پکڑو تمہارا ولیمہ بھی کل ہی ان کے ولیمے کے ساتھ ہی ہوگا۔"

طراب اور اسامہ یک زبان ہو کر بولے تھے اس نے حیرت سے دونوں کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟"

چہرے پر الجھن کے تاثرات تھے۔

"کہا تھا نہ کہ تیری شادی ایک اور بار کرانی ہے تو بس اسی کی پلیننگ ہے۔"

اب کی بار اسامہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا اس نے عشرت جہاں کی جانب دیکھا تھا جنہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا نکاح کو کافی ٹائم ہو گیا ہے لوگ ولیمے کے بارے میں مجھ سے پوچھ چکے ہیں کافی بار اس لیے کل ہی تمہارا ولیمہ بھی ان کے ساتھ ہی ہوگا۔"

عشرت جہاں نے اسے بتایا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور فون کان سے لگاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

آج شام میں گھر میں نکاح کی تقریب تھی اس شادی کے بعد اسے بہت سے ضروری کام کرنے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا میں صمن بیگم سارا سارا وقت تنہا رہتی تھیں داور کمال تو جیسے کمال ولا کا راستہ ہی بھول گئے تھے ان کی شخصیت میں کافی ٹھہراو اور بدلاو آچکا تھا۔

"کتنا فرق ہوتا ہے انسان کے عروج اور زوال میں جب وہ اپنے عروج پر ہوتا ہے تو غرور کی وہ منزلیں بھی پار کر جاتا ہے جس کی معامنت کی گئی ہوتی ہے وہ اپنے عروج پر اپنی تمام تر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور جب وہی عروج زوال کی جانب پہنچتا ہے تو اپنے عروج میں کئے گئے سارے گناہوں کی فہرست یاد آجاتی ہے کیا ہے انسان بھی بے حس خود غرض اوقات سے زیادہ مل جائے تو اوقات سے باہر اور وہی زیادہ چھن کر جب واپس اوقات پر لے آتا ہے تو توبہ یاد آجاتی ہے گناہ یاد آجاتے ہیں معافی یاد آجاتی ہے۔"

صمن بیگم کا اندر انہیں کچوکے لگاتے ہوئے یہ سب باتیں کہہ رہا تھا اور ان کا ضمیر انہیں اس عدالت میں لے آیا تھا جہاں پیشی کا خیال ہی حواس ضبط کر لیتا تھا اور وہ عدالت کوئی اور نہیں بلکہ اللہ کی عدالت تھی۔ اپنی سنتالیس سالہ زندگی میں صرف انہوں نے غلطیاں ہی تو کی تھیں سب سے بڑی غلطی کسی کے نکاح میں ہو کر کسی اور سے محبت کرنے کی تھی اب جب

تاریخ دھرائی جا رہی ہے تو کیوں تکلیف ہو رہی ہے محض اس لیے کہ ماضی کے وہ سارے کردار آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں جن سے ساری زندگی پیچھا چھوڑاتے گزار دی خیر اپنے ہر کرم کا پھل تو اسی دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے اور یہی قانون ہے۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے اپنے ارد گرد اس کمال ولا کو دیکھ رہی تھیں جس کا کونا کونا انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے سجایا تھا ہر چیز بے حد شوق سے پروان چڑھائی تھی صلاح کے قدم اور علینہ کی کلکاریاں اسی کمال ولا میں محفوظ تھیں پھر سب کچھ ایک ایک کر کے چھن گیا پہلے اللہ پھر صلاح پھر علینہ پھر داور کمال اور اب سکون بھی وہ خالی ہاتھ خالی دامن صرف سمیٹ اور اینٹوں سے بنی ان دیواروں میں سانس لے رہی تھیں جہاں پر زندگی کے کسی قسم کے آثار نہیں پائے جاتے تھے بہت جلد وہ ایک مشکل ترین مرحلے سے گزرنے والی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکا گو پینٹ ہاوس سے سارا سامان گاڑی میں رکھوا کر وہ خود ابھی ابھی لفٹ سے نیچے آئی تھی بلڈنگ کے باہر پہنچ کر اس کی نظر اپنی بلڈنگ کے پاس بنے لیٹر باکس کی جانب گئی تھی جہاں ڈاکیہ خطوط ڈال رہا تھا وہ جانتی تھی کہ اس بلڈنگ میں اس کے خطوط کے علاوہ اور کسی کے خطوط نہیں آتے اس نے جلدی سے ڈاکیہ سے اپنے سارے خطوط دستخط کر کے

موصول کیے تھے اور کندھے پر پہنے ہوئے ہینڈ بیگ میں ڈال لیے تھے سیاہ جینز پر سیاہ قمیض اور کوٹ پہنے وہ گلے میں سکارف لپیٹے بورے بالوں کو پشت پر کھلے چھوڑے ہوئے تھی اس شہر سے جانا شاہد اس کی زندگی کی سب سے بڑی مجبوری تھی ورنہ شکاگو اس کا عشق تھا اور وجہ کوئی اور نہیں بلکہ احسن تھا جسے پہلی بار اس نے شکاگو کی ایک بھیڑ میں دیکھا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ بھیڑ میں موجود اتنے سارے لوگوں میں سے اس کی نظر احسن پر ہی کیوں ٹھہری مگر تب سے اسے شکاگو سے عشق تھا۔

"چلیں؟"

غلام بخش کی آواز نے اسے حال میں واپس دھکیلا تھا وہ جو ایک آخری بار اس بلڈنگ کا جائزہ لے رہی تھی چونک کر رائیل راس کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو اس کے بیٹھنے کا انتظار کر رہی تھی جونہی وہ گاڑی میں بیٹھی گاڑی نے سڑک پر رفتار پکڑلی اس کا رخ ائیر پورٹ کی جانب تھا جہاں سے اسے انڈیا کے لیے فلائی کرنا تھا۔

"تو شکاگو! تم سے رشتہ یہاں پر تمام ہوا مگر تم سے یادیں تا عمر رہیں گی مجھے میری پہچان دینے والا شہر صلاح کو ایس۔ کے بنانے والی جگہ۔"

اس نے دھیرے سے بول کر گہرا سانس بھرا تھا اور بیگ میں سے خطوط نکالے تھے ان چار خطوط میں سے اس کی نظر پاکستان سے آنے والے اس خاکی لفافے پر ٹھہر گئی تھی اسے

یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے اس خط کا جواب آ چکا ہے جس کی امید وہ کب سے چھوڑ چکی تھی۔ محبت میں ایس۔ کے کا ایک اندازہ غلط ثابت ہو چکا تھا۔ وہ خط جلد از جلد پڑھنا چاہتی تھی مگر اسے انتظار کرنا تھا کم از کم انڈیا پہنچنے تک کا۔ آگے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے غلام بخش نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا تھا جو مسکرا رہی تھی۔

"محبت میں ساری پیشنگوئیاں صیح ثابت نہیں ہوتی ہیں ایس۔ کے! کچھ تحفے اچانک بھی ملا کرتے ہیں۔"

غلام بخش نے کہہ کر رخ آگے کو موڑ لیا تھا جبکہ وہ اس کے جملے پر ششدر رہ گئی تھی اسے سمجھنے میں صرف لمحہ لگا تھا کہ کیوں وہ ہمیشہ اس سے خط کے جواب کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔

چھپا نا راز اس دل کے
اگر تم چھوڑ دو جاناں
مجھے تم سے محبت ہے
اگر تم بول دو جاناں
تو جیون کے اس سفر میں
راستہ آسان ہو جائے

ہمارے پاس بھی جینے کا راستہ آسان ہو جائے
وگرنہ ہم تمہارے دل کے دروازے کے باہر
آس میں بیٹھے رہیں گے
کہ کبھی تو بند دروازے کو کھولو گی
میرے شانے پر سر رکھ کر
یہ تم بھی تو بولو گی
محبت راہ نہیں آسان
اس پر چل کر تم دیکھو
جیون کے سارے راز
خود بخود کھولیں گے
درد دلوں کا زبان عام ہوگا
حواس بھی یوں کھو جائیں گے
جب کھو دینے کا خوف غالب آئے گا
جب دوری کی سوچ سانس کھینچے گی

اسی لیے تو اقرار مجھ سے مشکل ہوتا ہے

محبت ہو بھی تو اس کا اظہار مشکل ہوتا ہے

ایمن خان

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا تھا یہ شخص کیوں کر رہا تھا وہ اس طرح کیا عورت اتنی بے مول ہے کہ کوئی بھی دھونس جما کر نکاح کر لے دھونس جما کر زندگی میں شامل کر لے اور جب دل بھر جائے یا کردار پر کسی بھی قسم کا داغ ثابت ہو جائے وہ بھی بغیر غلطی کے تو خاموشی سے کنارہ اختیار کر لے۔

اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا سکارف کو سر پر ڈھیلا کر کے اس نے ہاتھوں کی مخروطی انگلیوں سے دھیرے دھیرے دبایا تھا شاید کچھ افاقہ ہو جائے بستر پر سامنے ہلکے گلابی رنگ کا ہلکا کام دانی جوڑا رکھا ہوا تھا ساتھ میں ہی ایک چھوٹا سا خوبصورت سونے کا سیٹ تھا جو اس نے اس سوٹ کے ساتھ پہننے کے لیے رکھا گیا تھا کچھ دیر میں اس کا نکاح شمس کے ساتھ ہونے والا تھا اور وہ بالکل ہی ساکن بیٹھی ہوئی تھی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے صمن بیگم کی یاد اسے شدت سے آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہی تو ہو رہا ہے کمال والا سے تو تم شادی کرنے کی نیت سے ہی نکلی تھی نہ؟ ارجن نہیں تو شمس ہی سہی۔"

دل نے پکار لگائی تھی اور اس کا دل ایک دم دہلا تھا۔
ہاں صیح ہی تو کہہ رہا تھا دل نکلی تو وہ شادی کی ہی نیت سے تھی پھر کیا ہو گیا جو اس کی شادی دل کی پسند کر بر عکس ہو رہی ہے اسے تو شکر ادا کرنا چائیے تھا کہ اللہ نے اسے محفوظ رکھا ہر قسم کے بڑے گناہ سے ہاں جو اس کے ساتھ ہوا وہ اللہ نے اسے سزا دی کہ وہ کیوں غیر مذہب اور غیر محرم کے ساتھ تنہا نکلی عورت کیوں ہر اس مرد پر بھروسہ کر لیتی ہے جیسے وہ چاہتی ہے؟"
آخر میں ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا جس کا جواب شاہد فاطمہ کے پاس نہیں تھا۔ اس کے آنسو نکل کر اس کے گود میں دھرے ہاتھوں کی پشت پر گر رہے تھے دل بے حد بوجھل اور بھاری ہو رہا تھا اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس خارج کیا تھا دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا حاجی منیر صاحب سر پر سفید عمامہ باندھے اس کی اجازت کے منتظر تھے۔ اس نے جلدی سے اپنے گال رگڑے تھے اور پھر گویا ہوئی تھی۔
"بابا جی! آئیں نہ پلیز آپ دروازے پر کیوں کھڑے ہیں۔"
اس نے جلدی سے کھڑے ہو کر انہیں جگہ دی تھی وہ مسکرا کر اس کی چھوڑی ہوئی جگہ پر بیٹھے تھے اور اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"بیٹا جی بہت غصہ آرہا ہے نہ شمس بیٹے پر؟"

انہوں نے سوال ہی اس موضوع سے شروع کیا تھا جو مسلسل گزشتہ دو دن سے اس کی تکلیف کا باعث تھا۔

"نہیں بابا جی! وقت کے گزرنے کے ساتھ میرا ہر احساس ختم ہو چکا ہے اب تو نہ کسی بات پر خوشی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی بات پر دکھ۔"

وہ ان کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی دھیرے سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے بیٹا جی! شمس کس چیز کو دھڑلے اور حق سے مانگتا؟"

حاجی صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تھا جس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"وہ ہمشہ اس چیز کو حق اور دھڑلے سے مانگتا ہے جس کے کھو جانے یا کسی اور کو مل جانے کا اسے خطرہ لگے۔"

وہ پتہ نہیں اسے کیا سمجھانے آئے تھے مگر اس بات پر اس نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"چیزوں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے بابا جی! چیزیں تو انسان ضد کر کے اور دھڑلے سے مانگ لیتا ہے مگر انسان کس طرح اس طریقے سے حاصل کیے جاتے ہیں۔"

اس نے ایک پر شکوہ نگاہ ان پر ڈال کر سوال کیا تھا۔

"یہی تو مسئلہ یہاں کہ وہ تمہیں چیز بھی نہیں کہہ سکتا اور تم اسے چاہیئے بھی ہو۔"

انہوں نے اب کی بار مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اسے کہا تھا۔

"کیا مطلب ؟"

علینہ نے الجھ کر ان سے پوچھا تھا۔

"وہ ڈرتا ہے بیٹا جی! تمہیں کھونے سے محبت کر بیٹھا ہے تم سے اس لیے دھڑلے سے اور حق سے مانگ رہا ہے وہ تمہیں رعب جما رہا ہے کیونکہ ڈرتا ہے وہ تم سے کہ کہیں تم اسے انکار نہ کردو اس لیے تم سے انکار سننے سے پہلے ہی وہ اپنا فیصلہ سنا چکا ہے۔"

حاجی صاحب اب کھڑے ہو چکے تھے وہ نگاہیں جھکائے یونہی بیٹھی ہوئی تھی۔

"اللہ اپنے بندوں کو اس کی توقع سے زیادہ نوازتا ہے بیٹا جی! اگر تم بھی سوچو تو اس نے تمہیں بہتر نہیں بہترین سے نوازا ہے۔"

وہ کہہ کر اس کا سر تھپک کر باہر نکل گئے تھے اور وہ واقعی ہی اللہ کے کاموں پر حیران رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خان ولا بتیوں سے پوری طرح روشن تھا جونہی مائرہ نے گاڑی خان ولا کے پورچ میں روکی صاریہ کو گزشتہ وقت بری طرح سے یاد آ گیا پورا بچپن اور جوانی خان ولا کے درودیوار میں ہی تو گزار دی تھی اور اب جبکہ سگھے بہن بھائی کی شادی پر آئی بھی تو کس طرح اجنبیوں کی طرح

اس نے آنکھوں کے بھیگتے ہوئے گوشے انگلیوں کی پوروں سے خشک کیے تھے مائرہ نے اس کا شانہ تھپکا تو اس نے بوجھل ہوتے قدم گلاس ڈور کی جانب بڑھائے گلاس ڈور کھول کر دونوں اندر داخل ہوئی تو خاصا شور وغل اور ہنگامہ دیکھنے کو ملا تھا۔ مہمانوں کی چہل پہل میں گھر کے مکین کہیں نظر نہیں آرہے تھے اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے سیاہ شلوار قمیض پر ہلکے گرے رنگ کی چادر اوڑھے جبرئیل کچھ لوگوں کے گھیرے میں دیکھائی دیا تھا اور آج ایسا اتنے سالوں میں پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے جبرئیل کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا وہ اگلے ہی لمحے نظریں جھکا گئی تھی اور جبرئیل کی طرف آتے اسامہ نے اس کا دیکھنا اور پھر نظریں جھکانا باخوبی دیکھا تھا اس نے گہرا سانس بھرا تھا اور بغیر کچھ بھی کہے واپس پلٹ گیا تھا۔

صاریہ دوسری طرف سے آتی ماہ رخ بیگم کی جانب بڑھی تھی جو اسے دیکھ کر اسی کی جانب آرہی تھیں۔

"امی! پلیز مجھے معاف کردیں۔"

وہ روتے ہوئے ان کے گلے لگی تھی اس کے رونے میں بہت زیادہ شدت تھی ماہ رخ بیگم کو اس کے آنسو اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔

"بس کردو بچے! خاموش ہوجاو غلطی کی اس کا احساس ہوگیا معافی بھی مانگ لی بات ختم۔"

ماہ رخ بیگم نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں امی! کچھ غلطیوں کی معافی نہیں ہوتی میں نے بڑی امی، جبرئیل زارا سب کا ہی تو دل دکھایا ہے پھر کوئی مجھے کیوں کر معاف کرے گا۔"

اس نے اب کی بار آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو باقی سب بھی اس کے قریب جمع ہو گئے سوائے جبرئیل کے جو وہاں سے باہر نکل گیا تھا عشرت جہاں خاموشی سے وہاں کھڑی تھیں۔ صاریہ ماہ رخ بیگم کے حصار سے نکل کر ان کی جانب بڑھی تھی۔

"بڑی امی! بہت بری ہو میں بہت زیادہ بری خود غرض انا پرست لالچی بے حس کیا کیا نہیں ہوں میں ایک محبت پانے کی لالچ میں اتنی ساری محبتیں کھو دی میں نے اللہ مجھے کبھی بھی معاف نہیں کرے گا بڑی امی پلیز مجھے بیٹی سمجھ کر معاف کر دیں میں۔۔ مہ وعدہ کرتی۔۔ ہو۔۔ آ۔۔ آئیندہ کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی کبھی بھی جبرئیل اور زارا کے راستے میں نہیں آؤ گئ پلیز بس ایک بات مجھے معاف کر دیں۔"

وہ ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے مسلسل رو رہی تھی عشرت جہاں کو اس کے آنسو پریشان کر رہے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے جوڑے ہوئے ہاتھ تھامے تھے۔

"جانتی ہو صاریہ میں کبھی بھی تمہیں معافی دینے کے حق میں نہیں تھی کیونکہ میرے نزدیک کسی انسان کے قتل سے زیادہ محبت کا قتل گناہ کا کام ہے اور تم نے تو کوئی ایک نہیں اتنی

ساری محبتیں قتل کرڈالیں وہ بھی کس لیے اپنی اس محبت کو پانے کی لالچ میں جو صرف یک طرفہ تھی ہمشہ چھین والوں میں سے ہی رہی ہو تم کبھی دینے والوں میں سے بن کر دیکھا ہے نہیں نہ لیکن اب جب بننا پڑ رہا ہے تو پتہ چل رہا ہے کہ چھیننا آسان ہوتا ہے اور دینا مشکل ۔"

عشرت جہاں اس کے سامنے کھڑی دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں ۔

"اب کیسا لگ رہا ہے اپنی اس محبت کو اپنے سامنے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر جس کے پیچھے تم نے کسی جیتے جاگتے انسان کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کیا تھا تکلیف ہو رہی ہے نہ ؟"

وہ اس کے مزید قریب ہوئی تھیں صاریہ کی آنکھیں ندامت کے باعث جھکی ہوئی تھیں وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں تھی ۔

"محبت بے لگام گھوڑے کی مانند ہوتی ہے یہ کہا ہے اس نے جب تم نے بیچ راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی محبت میں انسان اندھا ہوتا ہے اس میں ہر گناہ ہر قصور معاف ہوتا ہے سوائے بے وفائی کے اور وہ تم نے کی نہیں تو محبت کے صدقے صاریہ خان محبت میں ہی ہم سب نے تمہارا یہ گناہ معاف کردیا ۔ خان ولا کے مکینوں کا ظرف اتنا چھوٹا نہیں ہے کہ ان کے گھر کی لڑکیاں کوئی غلطی کریں اور وہ درگزر کرنے کا حوصلہ بھی نہ رکھتے

ہوں۔"

انہوں نے اس کا شانہ تھپکا تو وہ ان کے سینے سے لگ کر سسک پڑی انہوں نے اس کی پشت سہلا کر اسے اپنے سامنے کیا۔

"بس جاو جا کر اپنی بہنوں کو دیکھو تیار کرو انہیں تھوڑی دیر میں مزید مہمان آنے والے ہیں۔"

انہوں نے اس سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر زیبا کے کمرے کی جانب بڑھ گئی جبکہ باقی سب بھی اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے کچھ ہی دیر میں نکاح کی تقریب تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جہاز انڈیا کی سر زمین پر لینڈ کیا تھا۔ ممبئی انٹرنیشنل ائیر پورٹ پر جہاز کے لینڈ کرتے ہی ایس۔کے کا دل بری طرح خراب ہوا تھا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ دوبارہ کبھی انڈیا آئے گی وہ بھی غلام بخش کے بغیر۔ اس نے پورے راستے کی طرح اب بھی غلام بخش کو شدت سے یاد کیا تھا جو دوسری فلائٹ سے پاکستان چلا گیا تھا۔ اپنا سوٹ کیس ہاتھ میں تھامے اور دوسری جانب ہینڈ بیگ لٹکائے وہ جینز پر ہلکے مہرون رنگ کی قمیض پہنے ہوئے تھی بال ہمشہ کی طرح پشت پر بکھرے ہوئے تھے دودھیہ رنگت دمک رہی تھی۔ ہینڈ کیری کو گھسیٹ کر وہ چیکن ائیریا سے باہر احاطے میں نکل آئی تھی جس کے سامنے

ائیر پورٹ کا داخلی راستہ تھا وہ اپنا ہینڈ کیری گھسیٹتی ہوئی داخلی دروازے سے باہر آگئی
اسے لوگوں کی عجیب سی نظریں اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی وہ اب کوفت کا شکار
ہوئی تھی۔ ائرپورٹ کے باہر بے شمار ٹیکسیاں کھڑی تھیں وہ چپ چاپ بغیر کچھ بھی کہے
ان میں سے ایک ٹیسکی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور ڈرائیور کو چلنے کے لیے کہا ڈرائیور
نے حیرت سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا جو بالکل لاتعلق سی بنی ٹیکسی میں بیٹھی
ہوئی تھی۔

"میم صاحب! کہاں کو جانا ہے؟"

ڈرائیور نے اپنے پان سے لتھڑے دانت نکالتے ہوئے اس سے پوچھا تو اس نے اپنے
سیاہ شیڈز سے سجی آنکھیں اٹھا کر فرنٹ مرر میں دیکھا جہاں سے ڈرائیور اسے دیکھ رہا تھا۔

"کمال ولا۔"

وہ کہہ کر واپس نظریں جھکا گئی تھی جبکہ ڈرائیور نے اب کی بار بغیر کوئی بھی سوال کیے ٹیکسی
سٹارٹ کر دی تھی۔

زندگی ایک بار پھر سے اسے کمال ولا کی دہلیز پر لے آئی تھی جس کے پار وحشت، خوف اور
ناقابل فراموش یادیں چھپی ہوئی تھیں کمال ولا کی دہلیز نے اس سے اس کی معصومیت
چھین لی تھی اس کے ارمانوں کی قاتل تھی وہ دہلیز اور آج پھر سے قسمت کی ستم ظریفی تو

دیکھو پھر سے اسی دہلیز پر جا رہی تھی لیکن اب کی بار مقصد اس دہلیز کے پار پناہ لینے کا نہیں تھا اس بار مقصد اس دہلیز سے اپنے بدلے لینے کا تھا نم ہوتی آنکھوں کو سیاہ شیڈز کے نیچے سے اس نے پونچھا تھا اور سر سیٹ کی پشت سے ٹکا گئی تھی۔

اس کے حصے کا پیار اس کی چھوٹی بہن کو دے دیا گیا اس کی ماں کی اس سے غفلت اور لاپرواہی نے اس سے اس کی عزت اس کی معصومیت چھین لی وہ جو ایک حساس لڑکی تھی حیوان پرستی پر اتر آئی لوگوں کو تکلیف پہنچا کر ان سے ان کی پسندیدہ چیزیں چھین کر جیسے اسے اپنے وجود میں ایک الگ قسم کی تمنا یت کا احساس ہوتا تھا ہاں یہ سچ تھا کہ وقت نے صلاح کو بے حس اور بے رحم بنا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورا کمرہ خوبصورت گلاب کے پھولوں اور پیلی موم بتیوں سے روشن تھا بیڈ کے وسط میں وہ سرخ لباس زیب تن کیے بیٹھی ہوئی تھی سرخ خوبصورت لہنگا جس کے اوپر گولڈن خوبصورت اور نفیس کام کیا گیا تھا سر پر گولڈن اور مہرون شیڈ کا دوپٹہ اوڑھے زیورات سے آراستہ سرخ لپ اسٹک سے اپنے تراشیدہ ہونٹوں کو رنگے وہ دل دہلا دینے کی حد تک حسین نظر آرہی تھی چہرہ جھکا ہوا تھا اور دل کی دھڑکن بے حد تیز تھی دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اس کے پورے وجود میں ایک اشتعال برپا کر گیا تھا وہ سمٹ کر سبتین کے

سرخ گلاب کے پھولوں سے مزین بیڈ پر بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ وہ پریشان تھی کیونکہ یہ سب بے حد اچانک سے ہوا تھا نہ سوچنے کا موقع ملا اور نہ وہ کچھ سوچ پائی صرف نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اس کی روح کانپی تھی دل دھڑکا تھا ہاتھ کانپے تھے ہمشہ ہمشہ کے لیے خود کو کسی اور کے حوالے کر دینا کیسا ہوتا ہے آنیہ خان آج اچھے سے سمجھ چکی تھی۔

سوچوں کا مسلسل بہتا دریا اس کی ذات کو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا تھا مگر دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ جیسے اس تیز بہاو سے لوٹ آئی تھی۔

ڈل گولڈن شیروانی میں مہرون کلا پہنے وہ پوری شان اور تمکنت سے اندر داخل ہوا تھا وہ چاہ کر بھی نگاہوں کا زاویہ اس کی جانب کر کے اس کے تاثرات نہیں جان پائی تھی قدموں کی آہٹ نزدیک سے نزدیک تر آتی جا رہی تھی کھوسے میں قید پاوں بیڈ کے بالکل پاس آکر رک گئے تھے سر پر پہنا ہوا کلا اتار کر وہ کاوچ پر رکھ چکا تھا بیڈ پر بیٹھتے آنیہ نے اس کے وجود کی دلفریب مہک کو محسوس کیا تھا جو اس کے گرد ایک عجیب سا حصار باندھے ہوئے تھی۔

"کیسی ہو؟"

اس کی آواز آنیہ کو اپنے کانوں میں سنائی دی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

آنیہ نے نگاہیں جھکائے ہوئے ہی انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔ اس کے جواب کے بعد

سبتے اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈریسنگ میں چلا گیا تھا اور آنیہ شدید خوف کے زیر اثر چلی گئی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ شاہد اس سے کوئی غلطی سر زد ہو گئی ہے کچھ ہی دیر میں جب وہ واپس آیا تو انتہائی فارمل کپڑوں میں ملبوس تھا سیاہ ٹراوزر پر نیوی بلوٹی شرٹ پہنے وہ قدرے فریش نظر آ رہا تھا۔ وہ دوبارہ سے اس کے قریب بیٹھ گیا تھا اور اس کا مہندی سے سجا ہوا ایک ہاتھ اپنے حدت دیتے ہاتھوں میں تھاما تھا آنیہ کے ہاتھوں کی نرمی سبتے کو محسوس ہوئی تھی وہ بے اختیار مسکرا گیا تھا۔

اپنے قریب رکھی ہوئی مخملی لمبی ڈبیہ کھول کر اس نے اس میں سے ایک انتہائی قیمتی زرغون اور زمرد سے مزین وہ بریسلٹ وائٹ گولڈ میں بنا ہوا تھا جس کے اوپر ہر گول دائرے میں تھوڑے فاصلے پر زرغون لگایا گیا تھا اور دوسری زنجیر پر پوری زمرد کے پتھروں کی لکیر تھی وہ ایسا بریسلٹ تھا کہ دیکھنے والا اس کی بناوٹ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا آنیہ کی آنکھیں اس قیمتی بریسلٹ کو دیکھ کر قدرے پھیل گئی تھی سبتے نے وہ بریسلٹ نرمی سے آنیہ کی کلائی میں پہنا دیا تھا جو ابھی بھی بریسلٹ کو ہی دیکھ رہی تھی کمرے کی پرسوز خاموشی میں سبتے کا قہقہ انتہائی بے ساختہ تھا آنیہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا جو مسلسل ہنس رہا تھا۔

"کیا ہے آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟"

For more visit (exponovels.com)

اس نے نگاہیں اس پر مرکوز کیے کہا تھا۔

"کیونکہ ایک تو تم اتنی خوبصورت لگ رہی ہو اور اوپر سے اس بریسلٹ کو ایسے دیکھتے ہوئے اتنی کیوٹ بھی۔"

اس نے اس کے گال پر اپنے لب رکھتے ہوئے کہا تو آنیہ ایک دم بدک کر پیچھے کو ہٹی سبتے نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔

"اتنی مشکل سے ملی ہو اور پھر بھی بھاگنے کی کوشش کر رہی ہو؟"

سبتے نے ابرو اچکاتے ہوئے اس سے کہا تو وہ نگاہیں جھکا گئی۔

"میں تمہیں بہت پہلے سے پسند کرتا ہوں آنیہ بمجھے تم شروع سے اچھی لگتی ہو معصوم سمجھدار، خوبصورت بالکل ویسی جیسی مجھے اپنی بیوی چاہئیے تھی بس کبھی تمہیں کہہ نہیں پایا تمہارے ہاتھ کی چائے سچ پوچھو تو میں اس چائے کا دیوانہ ہوں مجھے بس بہانہ چاہئیے ہوتا تھا تمہارے ہاتھ کی چائے پینے کا اور اب تو حق سے بنوایا کروں گا۔"

اس نے کہہ کر اس کی پیشانی پر اپنے حق کی پہلی مہر ثبت کی تھی آنیہ نے آنکھیں بند کر کے اور سانس روک کر اس کے لمس کو اپنے وجود میں محسوس کیا تھا ایک حلال رشتے کا لمس۔

"اب میرا تحفہ لگا لو جلدی؟"

سبتے نے اس کے آگے اپنی ہتھیلی پھیلائی تھی آنیہ نے حیرت سے اس کی پھیلی ہوئی

ہتھیلی کو دیکھا تھا۔

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے آپ کو دینے کے لیے۔"

وہ شرمندہ ہوتے ہوئے گویا ہوئی تھی سبتے نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"ہے نہ تم میں اور تمہارے ہاتھ کی ایک کپ چائے وہ بھی ابھی اور اسی وقت۔"

وہ مزے سے بولتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں اس وقت اس حولیے میں آپ کے لیے چائے بناو؟"

وہ پوری کی پوری آنکھیں کھولے کہہ رہی تھی۔

"آہ! اتنی سی چھوٹ ہے کہ تم کپڑے بدل سکتی ہو۔"

اس نے کہا تو دونوں ساتھ ہی ہنس دیے کمرے میں اور ان کی زندگی میں ان کی یہ مسکراہٹ ان کی دائمی خوشیوں کی ضمانت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کب سے اس کا انتظار کر رہی تھی مہرون غرارے میں ملبوس وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی مگر آرون کی آمد کا کمرے میں کوئی نشان نہیں تھا وہ اب کی بار پریشان ہو کر اپنا غرارہ سمبھالتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتری تھی کمرے کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلی تھی سیڑھیوں سے اتر کر وہ نیچے آئی خان ولا کی پر سوز خاموشی

اس کا منہ چڑا رہی تھی وہ متواتر اپنا غرارہ سمبھالتی ہوئی لاونج میں داخل ہوئی تھی جہاں ہلکا سا پیلا بلب روشن تھا اس کی نظر اچانک سے گلاس ڈور کے ساتھ بنی ہوئی گلاس وال پر پڑی جس کے پار اسے چند ہیولے نظر آئے تھے وہ ایک دم خوفزدہ ہوگئی تھی آرون کا دور دور تک اسے کوئی نشان دیکھائی نہیں دے رہا تھا وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی گلاس ڈور کی جانب آئی تھی گلاس ڈور کا دروازہ کھولتے ہی سرد ہوا کا جھونکا اسے اپنی ہڈیوں میں گھستا ہوا محسوس ہوا تھا اس نے اپنے دونوں بازو فولڈ کر کے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی اور قدم آگے بڑھائے تھے آرون کی آواز نے اس کے قدم وہی جکڑ لیے تھے۔

"شادی ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے بھائی کہ میں اپنے مشن سے باز آجاؤں گا۔"

وہ تیز تیز بول رہا تھا زیبا کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کیا تھا کیونکہ جبرئیل کے جواب نے اس کی ساری سماعتیں بیدار کردی تھیں۔

"سمجھنے کی کوشش کرو رون! تم پلیز زیبا کو لے کر کہیں باہر چلے جاؤ وہ تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔"

جبرئیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"آرون! جبرئیل ٹھیک کہہ رہا ہے یار یہ سب جتنا سیدھا ہمیں لگ رہا ہے نہ اتنا سیدھا ہے نہیں۔"

طراب نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اسامہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"لیکن بھائی میں بزدل نہیں ہوں جو موت کے خوف سے روح پوش ہو جاؤ مجھے موت کا کوئی خوف نہیں ہے لیکن اس بار میں اپنے بابا اور چاچو کے قاتلوں کا پتہ لگوا کر ہی رہو گا۔"

آرون کی آواز سے زیبا لڑکھڑائی تھی گرنے سے بچنے کے لیے اس نے قریب رکھے گملے کا سہارا لیا تھا گملا ایک دم پیچھے کو لڑک کر گر گیا تھا آواز پیدا ہونے کی وجہ سے وہ چاروں اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے زیبا کو حیرت سے وہاں کھڑے دیکھ کر آرون نے اپنا سر تھاما تھا وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"زیبی!"

اس نے اسے بازو سے تھاما تھا۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟"

اس نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا تو اس نے ایک پر شکوہ نگاہ آرون پر ڈالی۔

"چلو میرے ساتھ اندر۔"

وہ اسے ایسے ہی تھامے اندر لے آیا بیڈ پر بیٹھا کر خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"دیکھو زیبی! تم ایک پولیس آفیسر کی بیوی ہو یار ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر دل چھوڑ دو گی تو زندگی کیسے گزرے گی؟"

آرون نے اسے انتہائی نرمی سے سمجھایا تھا۔

"اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو رون ؟"

زیبا نے اس کا گریبان مضبوطی سے پکڑتے ہوئے پوچھا تو آرون نے بے بسی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"جانم !زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جب کسی کی سانسوں کی ڈور ٹوٹنی ہوئی تو وہ ٹوٹ جائے گی اس کے لیے تم ابھی سے پریشان مت ہو جاو شاباش فریش ہو جاو۔"

اس نے اس کا سر تھپکتے ہوئے اس کے دوپٹے سے ڈھکے سر پر اپنے لب رکھے تھے اور اسے ڈریسنگ کے دروازے تک چھوڑ کر آیا تھا جونہی وہ اندر گئی آرون نے گہرا سانس بھرا تھا واقعی ہی جن لوگوں سے آپ کو محبت ہوتی ہے انہیں کھو دینے کی تکلیف آپ کو اندر سے توڑ کر رکھ دیتی ہے وہ زیبا کے جذبات اچھے سے سمجھ رہا تھا مگر اس لمحے اس کا فرض جذبات کے اوپر بازی لے گیا تھا وہ سگریٹ سلگائے ٹیرس پر نکل آیا تھا اسے سکون کے لیے صرف سگریٹ سجائی دیا تھا اور وہ سگریٹ کے دھویں میں اپنا غصہ زائل کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

علامہ اقبال انٹرنیشنل ائیرپورٹ پر غلام بخش اترا تھا جونہی وہ ائیرپورٹ سے باہر نکلا سفید

رنگ کی کرولا اس کے انتظار میں کھڑی تھی بیگ گاڑی کی ڈگی میں رکھ کر وہ خود پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا یہ گاڑی خصوصی طور پر اسے ہی لینے کے لیے بھیجی گئی تھی گاڑی میں بیٹھتے ہی گاڑی تیزی سے ائیر پورٹ کی حدود سے باہر نکلی تھی۔ مین شاہراہ پر پہنچ کر ڈرائیور نے اس کی جانب ایک سیم بڑھائی تھی۔

"صاحب یہ سیم آپ کو اپنے فون میں لگانی ہے۔"

اس نے کہا تو غلام بخش نے اس کی بڑھائی ہوئی سیم تھام لی اپنا فون کھول کر اس نے نیا سیم کارڈ اس میں لگایا اور فون پھر سے سٹارٹ کر دیا۔

"لاہور کتنے دن رکنا ہے؟"

غلام بخش نے دھیمی آواز میں ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

"دو دن تب تک حالات سازگار ہو جائیں گئے تو ہم پنڈی کے لیے نکلیں گئے۔"

اس آدمی نے اس سے کہا تو بخش نے اثبات میں سر ہلایا۔ کام ہونے تک وہ ایس۔ کے سے کوئی رابطہ نہیں کر سکتا تھا اور یہی چیز اسے دکھی کر رہی تھی اتنے طویل سفر نے اسے اچھا خاصا تھکا دیا تھا۔ وہ منزل آنے تک سیٹ کی پشت سے سر ٹکا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اس کی گود میں دھرے ہوئے فون کی گھنٹی گاڑی کے خاموش ماحول میں گونجی تھی اسے زرا برابر بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ نئی لگانے والی سیم پر کہاں سے فون آ سکتا جس مقصد کے

For more visit (exponovels.com)

لیے وہ پاکستان بھیجا گیا تھا وہ مقصد شروع ہو چکا تھا اور اسے ایس ۔ کے کو اس کے مقصد میں کامیاب کرانا تھا چاہے اس کے لیے غلام بخش کو کوئی بھی قیمت کیوں نہ چکانی پڑتی اور غلام بخش بہت بڑی قیمت چکانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کو ہوئے پورا ایک دن بیت چکا تھا وہ اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھی ابھی تک اسی کمرے میں تھی جہاں پر وہ ہمشہ سے رہتی تھی یہ بات سچ تھی کہ وہ علینہ فاطمہ سے اب علینہ شمس بن چکی تھی شمس حیدر کی بیوی وہ اس شخص سے شدید خوفزدہ تھی کیونکہ وہ جب بھی اس کے سامنے آتا علینہ خود بخود خوف وہراس میں آجاتی نکاح تو اس نے کرلیا تھا مگر نہ تو شمس نے اپنے ماں باپ کو اس کی رخصتی کا کہا تھا اور نہ ہی انہوں نے خود ابھی علینہ کی رخصتی شمس کے کمرے میں کی تھی۔ باہر کے شور سے اس کی آنکھ کھلی تھی وہ اپنے بکھرے بال سمیٹ کر سر پر سکارف اوڑھ کر باہر دالان میں نکلی تھی جہاں پر شمس کھڑا اماں اور بابا کے ساتھ کچھ بول رہا تھا شمس کی پشت علینہ کی جانب تھی وہ کچھ بول کر مین دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اور وہ پیچھے کھڑی بس یہی سوچتی رہ گئی کہ وہ اس قدر غصے میں گیا کیوں ہے۔

"کیا ہوا سب خیر ہے نہ؟"

اس نے تخت پر بیٹھی ہوئی اماں سے پوچھا تھا۔

"بیٹا جی! یہ ان ماں بیٹے کا ہر دفعہ کا ہے تم فکر نہیں کرو یہاں آو میرے پاس بیٹھ جاو آکر۔"

بابا نے اس سے کہا تو وہ چہرے پر ہلکی مسکراہٹ سجا کر ان کے قریب آگئ۔

"شمس ایک مشن پر جا رہا ہے بیٹا جی! اس کی نوعیت کیا ہے یہ ہم نہیں جانتے مگر وہ ہمشہ جانے سے پہلے اپنی ماں کو بتاتا ہے اور یہ اسی طرح دل خراب کرتی ہے جیسے اس وقت کر رہی ہے اور پھر وہ غصے سے نکل جاتا ہے جیسے آج چلا گیا۔ اسے سمجھ میں نہیں آتا کہ جن ماوں کے بچے ملک و قوم کی خدمت کے لیے وقف کر دیے جاتے ہیں اللہ ان ماوں کے جگرے خود بخود بڑے کر دیتا ہے کم از کم اتنے کہ وہ اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر شکر ادا کر سکیں۔"

بابا جی نے ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھا ہوا تھا لیکن ان کے منہ سے لفظ شہادت سن کر فاطمہ کا دل ایک دم بھاری ہوا تھا ایسے جیسے کسی شخص کو پانے سے پہلے ہی کھو دیا ہو۔

"تو بھی دل بڑا رکھ بیٹا جی! یہ اعزاز ہوتا ہے۔ بس یہ دعا کر کہ اللہ اسے اس کے مقصد میں کامیاب کرے۔"

انہوں نے جیسے ہی جملہ مکمل کیا بے ساختہ اس کے منہ سے آمین نکلا۔

"کب جانا ہے انہوں نے ؟"

اس نے خاصا جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آج رات کو نکل جائے گا۔"

بابا جی نے جونہی اسے بتایا اس کا دل مزید برا ہو گیا۔

"اس کی سلامتی کی دعا کرنا بس اور کچھ نہیں کامیابی دینے والی ذات بے شک اللہ ہی کی ہے"

انہوں نے اس سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کچن میں چلی گئی علینہ فاطمہ کا صیح امتحان تو اب شروع ہونے والا تھا دیکھنا یہ تھا کہ اس امتحان میں کامیابی اس کا کتنا مقدر بنتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے سائیوں نے خان ولا کی رونقوں میں چار چاند لگا دیے تھے خان ولا کا وسیع و عریض لان رنگا رنگ فینوس اور بتیوں سے روشن تھا ولیمے کی

تقریب اپنے پورے جوبن پر تھی مختلف مہمان کھڑے آپس میں گپ شپ میں مصروف دیکھائی دے رہے تھے مائرہ بھی طراب کے ساتھ ایک جانب کھڑی تھی جبکہ صاریہ تنہا مہرون نیٹ کی ساڑھی میں ملبوس زبردستی وہاں کھڑی تھی کیونکہ اس کا دل اس قدر عجیب ہو رہا تھا کہ اس سے وہاں مزید کھڑے رہنا محال لگ رہا تھا۔

ایک دم لان میں لگی بتیاں مدھم ہوئی تھیں اور میزوں کے درمیان بنائی گئی روش پر سپاٹ لائٹ ڈالی گئی تھی سیاہ ڈنر سوٹ میں وائٹ شرٹ پر لائٹ پرپل ٹائی لگائے اور رومال رکھے اور دوسری جانب لائٹ پرپل شرارے میں خوبصورت میک اپ اور جیولری کے ساتھ مسٹر اینڈ مسز سبتین خان تشریف لائے تھے آنیہ سبتے کی بازو میں اپنا ہاتھ ڈالے ہوئے تھی دیکھنے والے ان دونوں کو رشک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے وہ سٹیج پر پہنچے ہی تھے کہ روش پر نیوی بلو تھری پیس سوٹ میں ملبوس لائٹ سکن شرٹ پر پینچ ٹائی اور رومال رکھے وہ مغرونہ چال چلتا ہوا داخل ہوا تھا باہوں کے گھیرے میں پیچ اور سلور لانگ گاون میں وہ خوبصورت لگ رہی تھی زیبا اور آرون ساتھ میں اس طرح سے آتے ہوئے سب کا دل دھڑکا گئے تھے۔

"دیکھو تو زرا انہیں کیسے نئے نئے انداز سے انٹریاں دے رہے ہیں۔"

اسامہ نے طراب کے کان کے قریب ہو کر کہا تھا۔

"اگر لالے نے ناک کٹوائی نہ تو اسے چھوڑنا نہیں ہے۔"

طراب نے بھی اسامہ کو انگلی دیکھاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ دونوں ابھی اپنی گفتگو میں ہی محو تھے کہ سرخ روش پر سیاہ بوٹ نمودار ہوئے تھے فضا میں ایک دم خاموشی ہوئی تھی ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز کے علاوہ کسی کی کوئی آواز نہیں تھی۔

ڈل گرینش براون پرنس سوٹ میں ملبوس آگے کو بروچ لگائے اپنے فوجی کٹ بال سلیقے سے سیٹ کیے چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے وہ قدم قدم چلتا ہوا آ رہا تھا۔ ہیزل گرین اور ڈل گولڈن میکسی میں ملبوس بالوں کا خوبصورت اور سٹائلش جوڑا بنائے وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھی کیونکہ وہ کہیں اور نہیں بلکہ اس کے مضبوط بازوں میں تھی اس کی گردن کے پیچھے ہاتھ ڈالے وہ جبرئیل کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔

اسامہ اور طراب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا اور پھر تھم زپ کا اشارہ دیا تھا سٹیج پر پہنچ کر اس نے اسے نیچے اتارا تھا دونوں ساتھ کھڑے بالکل مکمل لگ رہے تھے ولیمے کے اختتام پر انہیں آج رات ہی واپس کشمیر جانا تھا۔

وہ بالکل کونے میں خاموشی سے کھڑی تھی سامنے سٹیج پر فوٹو سیشن کا سلسلہ جاری تھا اسے ایک دم اپنی کلائی پر کسی کی گرفت کا احساس ہوا تھا اس نے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر اس کوشش سے پہلے ہی کوئی اسے پوری طرح سے اپنی گرفت میں لے چکا تھا خان ولا کی پچھلی طرف سناٹا چھایا ہوا تھا سناٹے میں اسے اپنی کلائی کسی گرفت سے آزاد ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی آنکھیں کھولنے پر سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ بے اختیار نظریں جھکا گئی تھی شاہد اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے وہ نظریں چرا گئی تھی وہ سینے پر بازو باندھے مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔

"آئی۔۔۔آئی ایم رئیلی سوری۔"

وہ نگاہیں جھکاتے ہوئے توڑ توڑ کر بولی تھی۔ جب کچھ دیر بعد بھی وہ کچھ نہیں بولا تو اس نے نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ جو بالکل ایسے ہی کھڑا تھا مزید کچھ بھی بولنے کی ہمت صاریہ میں نہیں تھی اسامہ نے اپنی سب سے آخری چھوٹی انگلی میں سے ایک سلور رنگ اتاری تھی اور صاریہ کا ہاتھ تھام کر اس کی تیسری انگلی میں پہنا دی تھی وہ بس خاموش اور حیرت زدہ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"چاہتا تھا جب واپس لوٹو تو تمہاری انگلی کے ناپ کی انگھوٹی تمہارے ہاتھ میں پہناو لیکن اب سوچتا ہوں واپس زندہ نہ لوٹا تو کہیں تمہیں اپنا دیکھنے کی خواہش ادھوری نہ رہ جائے اس لیے یہ انگھوٹی پہنا کر میں نے تمہیں اپنے نام کرلیا ہے اب زندہ واپس نہ بھی لوٹا تو کم ازکم یہ خوشی تو ہوگی نہ کہ تم میرے ناپ کی انگھوٹی پہن کر میرے لوٹنے کا انتظار کر رہی ہوگی۔"

وہ اس کے ہاتھ تھامے نگاہیں جھکائے بول رہا تھا صاریہ کا ایک آنسو اسامہ کے ہاتھ پر گرا تھا اس نے نگاہیں اٹھا کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جو سارا کا سارا بھیگا ہوا تھا۔

صاریہ نے اپنے سامنے کھڑے اس رائل بلو تو پیس میں ملبوس دراز قد اور صاف رنگت کے تیکھے نقوش والے چھ فٹ ایک انچ کے آدمی کو دیکھا تھا اور شاید پہلی بار اس کے

واپس نہ لوٹنے کے خیال سے اس کا دل دھڑکا تھا۔

"یاد رہیں اسامہ رحمان صاحب! آپ کو صاریہ خان کے لیے واپس آنا ہے ہر حالت اور ہر قیمت پر مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔

صاریہ نے آنسو صاف کرتے اس سے کہا تھا۔

"مجھے واپس آنا ہے تمہارے لیے۔"

اس نے اس کے ہاتھ چھوڑے تھے اور دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

"چلتا ہوں خیال رکھنا اپنا۔"

اس نے دور سے کہہ کر اسے ہاتھ ہلایا تھا اور الٹے قدم پیچھے کو لیے تھے۔

"پیچھے مڑ کر کیوں نہیں جا رہے؟"

صاریہ نے تھوڑا اونچا بولا تھا کیونکہ اسامہ کچھ فاصلے پر ہو گیا تھا۔

"ڈرتا ہوں کہ پھر کبھی تمہیں دیکھ پاوں کہ نہ اس لیے الٹے قدم لے رہا ہوں تاکہ جب تک ممکن ہو تب تک دیکھ لوں۔"

وہ اب بالکل روشنی والی جگہ پر پہنچ گیا تھا صاریہ رخ موڑ گئی تھی تاکہ وہ جا سکے وہ جانتی تھی کہ اگر وہ رخ نہیں موڑے گی تو وہ یونہی الٹے قدم لیتا رہے گا اس کے رخ موڑتے ہی اسامہ تیزی سے نکل گیا تھا۔ صاریہ کے آنسو بے اختیار تھے۔

طراب اور مائرہ گاڑی میں اس کا انتظار کر رہے تھے جیسے ہی وہ بیٹھا طراب گاڑی خان ولا کی حدود سے باہر لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سب مہمان جا چکے تھے وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی اپنا دوپٹہ سر سے ہٹا چکی تھی بیڈ پر ایک طرف دوپٹہ رکھنے کے بعد اس نے اپنے بال جوڑے کی قید سے آزاد کیے تھے وہ کب سے بیڈ پر بیٹھا فون پر مختلف ہدایات جاری کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک اسی پرنس سوٹ میں ملبوس تھا البتہ اب بٹن کھلے ہوئے تھے فون سے فارغ ہو کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا جو اب جیولری اتار کر ڈریسنگ میز پر رکھ رہی تھی وہ بیڈ سے اٹھ کر قدم قدم چلتا ہوا اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔

"جانتی ہو کہ آج تم کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔"

اس نے زارا کے کھلے ہوئے بالوں میں اپنا منہ چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"پتہ ہے مجھے کہ آپ کبھی بھی اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آسکتے۔"

اس نے آئینے میں سے اسے گھورا تھا جو مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"اچھا مجھے ابھی کشمیر کے لیے نکلنا ہے تم ابھی ساتھ نہیں جاؤ گی یہی رہو میں وہاں بالکل بھی تمہیں وقت نہیں دے پاؤں گا میں ایک امپورٹنٹ مشن لیڈ کر رہا ہوں تم دعا کرنا زارا

جس وقت نے تمہیں یہاں پہنچایا ہے اس کے سارے پرخچے تمام کرنے والا ہوں میں یہ سب کب کیوں اور کیسے ہوا یہ سب میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا لیکن جیسے ہی یہ سب ختم کرلوں گا ہم پھر ملیں گے اپنی نئی زندگی اور نئے سفر کے ساتھ سب کے سامنے ہر کسی کی رضا کے ساتھ میرا انتظار کرنا اور میری کامیابی کی دعا بھی۔ "

اس نے زارا کے ماتھے پر اپنے لب رکھے تھے جو یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی بغیر پلک جھپکائے نجانے کیوں زارا کو ایسا لگا تھا کہ آج کی رات کے بعد وہ اس شخص کو کبھی اپنے سامنے نہیں دیکھ پائے گی اس نے جلدی سے مڑ کر اس کا بازو تھاما تھا۔

"نہیں آپ کہیں نہیں جائیں گے اتنی جلدی سب کچھ پا کر میں کھو نہیں سکتی میجر صاحب!"

اس کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر نکل آئے تھے۔

"تم کچھ نہیں کھوگی میری جان! اپنا خیال رکھنا۔ "

وہ جلدی سے اسی حلیے میں اپنی گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھا کر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور پیچھے اس کے کمرے میں اس کی خوشبو رہ گئی تھی۔ زارا نے ایک نظر اس جگہ کو دیکھا تھا جہاں ابھی ابھی وہ مسکرا رہا تھا اور اب وہ جگہ خالی تھی اسے یوں لگا تھا جیسے وہ زندگی میں دوسری بار بے سہارا ہوئی ہو اس کے پیروں کے نیچے سے کسی نے پوری کی پوری زمین کھینچ لی ہو اس نے ایک نظر اپنے وجود پر ڈالی تھی ولیمے کی دلہن کا وہ لباس ابھی

بھی اس کے وجود پر جچ رہا تھا ہاتھوں کی مہندی تازہ تھی سرخ رنگ خوب گہرا تھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے میجر صاحب!ابھی تو میری مہندی یونہی لگی ہوئی ہے اور آپ مجھے جینے اور مرنے کی سولی پر لٹکا کر چلے گئے۔"

آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے جی مطلا رہا تھا وہ تیزی سے کمرے سے ملاحقہ واشروم کی جانب بھاگی تھی زندگی زارا نور کے لیے ایک امتحان کھڑا کرنے والی تھی اور جبرئیل کے بغیر شاہد یہ امتحان زارا کی زندگی کا پہلا امتحان تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسمان پر سیاہی پھیل چکی تھی رات کے دو بج رہے تھے ہر زی روح نیند کی آغوش میں چھپا ہوا تھا ایسے میں صرف وہ لوگ جاگ رہے تھے جو ان سوئے ہوئے لوگوں کے محافظ کہلاتے تھے۔ وہ بارہ بجے کی بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی آنکھیں بند ہونے کے باوجود وہ پوری طرح سے ہوش میں تھی کمرے کے خاموش ماحول میں گھڑی کی ٹک ٹک وقت کے تیزی سے گزرنے کا پتہ دے رہی تھی۔ کمرے میں ٹن کی آواز گونجی تھی جس کا مطلب تھا کوئی پورا ہندسا بج چکا ہے فاطمہ نے نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں گھڑی دیکھنے کی کوشش کی تھی جو دو کے ہندسے کو چھو رہی تھی۔ دو کے ساتھ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تھی دستک کی آواز اس قدر آہستہ تھی کہ وہ بامشکل ہی سن پائی

تھی۔ رات کے اس پہر کسی کے ہونے کا خیال ہی اس کے جسم سے روح کھینچ لینے کے لیے کافی تھا اتنی دیر میں دستک ایک بار پھر سے ہوئی تھی وہ ہمت کرتی ہوئی دوپٹہ اوڑھ کر بستر سے اٹھی تھی اور آہستگی سے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا تھا سامنے وہ وائٹ ڈریس شرٹ پر پیراشوٹ کی جیکٹ پہنے زپ بند کیے کندھے پر بیگ اور سر پر پی کیپ پہنے کھڑا تھا۔ چہرہ ہر بار کی طرح اب بھی سنجیدہ ہی تھا اسے پیچھے ہٹا کر وہ جلدی سے اندر داخل ہوا تھا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تھا فاطمہ گھبرا کر دو قدم پیچھے کو ہٹی تھی۔ اس کی یہ حرکت شمس سے مخفی نہ رہ سکی اور اس کے ماتھے پر گہرے بل نمودار ہوئے تھے۔

"اتنا ٹائم نہیں ہے میرے پس کہ تمہارے ساتھ یہاں کچھ بھی کر سکوں اس لیے یہ اپنی محدود سوچ کا دائرہ زرا اپنے تک ہی محدود رکھو۔"

اس نے اسی سنجیدگی سے کہا تو فاطمہ نظریں جھکا گئی۔

"میری بات سنو!"

اس نے فاطمہ کو دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے قریب کیا تھا۔

"میں جا رہا ہوں مجھے نہیں پتہ کہ کب لوٹوں گا زندہ لوٹوں گا یا سبز پرچم میں لپٹا ہوا میرے پیچھے اماں اور بابا جی کا خیال رکھنا اور اگر شہید ہو گیا تو تم ساری زندگی میری بیوہ ہی بن کر رہو گی کسی اور کے نکاح میں آنے کی اجازت میں تمہیں ہر گز نہیں دے رہا۔"

اس نے اپنی گرفت اس کے کندھوں پر زارا سخت کی تھی۔

"جنگ لڑنے جا رہے ہیں؟"

وہ کیا سوال کر رہی تھی شمس کو ایسی صورتحال میں بھی ہنسی آ گئی تھی جسے وہ بڑی ہی مہارت سے چھپا گیا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔"

اس نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا تھا اور دروازے کی جانب مڑا تھا دروازہ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک دم رکے تھے اور وہ مڑ کر اس کے قریب آیا تھا اپنے لب اس کے ماتھے پر رکھ کر اس نے انتہائی دھیرے سے کہا تھا۔

"اپنا خیال بھی رکھنا۔"

اور تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا فاطمہ اس کے پیچھے اسے مین دروازے تک چھوڑنے گئی تھی گلی کے کونے میں ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی وہ تیزی سے قدم اس کی جانب بڑھا گیا تھا۔ جونہی وہ موٹر سائیکل پر بیٹھا وہ تیزی سے گلی میں سے نکل گئی فاطمہ نے دور تک نگاہیں اس پر لگائی تھیں اور پھر بے ساختہ ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھا تھا جہاں ابھی ابھی وہ اپنا لمس چھوڑ گیا تھا۔ وہ مریل قدموں سے اندر آ گئی تھی اب اس کی باقی کی رات بھی آنکھوں میں کٹنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ باڈر جانے والی سڑک پر گاڑی ڈال چکا تھا اسامہ پیچھے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا ڈھلوان شروع ہونے والی تھی۔ طراب نے گاڑی ڈھلوان کے قریب روک دی تھی کیونکہ اس سے اوپر باڈر تک بیدل کا راستہ تھا۔

"اسامہ! تو چل میں بس دو منٹ میں آتا ہوں۔"

طراب نے اسامہ سے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ طراب نے ایک نظر اپنے برابر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی مائرہ پر ڈالی تھی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم اسامہ کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟"

مائرہ نے اس سے پوچھا تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"میں نے سوچا زرہ تم سے مل لوں۔"

اس نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"ابھی تم کہیں نہیں جا رہے جو مجھ سے ملنا تھا تم نے۔"

مائرہ نے نگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئے کہا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ میں اب جا رہا ہوں انڈیا۔"

اس نے جیسے اس کے علم میں اضافہ کیا تھا۔

"لیکن پہلے تو تم جبرئیل کے ساتھ یہاں رکنے والے تھے؟"

مائرہ نے اسی کی بتائی گئی بات اسے یاد دلائی تھی۔

"ہاں مگر اب آڈر آیا کہ جانا ہے سو جا رہا ہوں۔"

اس نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

"جلدی آنا پلیز۔"

اس نے اس کے سینے پر سر رکھے ہی کہا تو طراب نے اس کے بالوں پر اپنے رب رکھے۔

"جلدی آوں گا۔"

وہ کہہ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تو مائرہ بھی اپنا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

"خدا حافظ۔"

مائرہ نے اس سے کہا تو وہ دھیرے دھیرے ڈھلوان کی جانب چل دیا اور خود مائرہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کر کے ریورس کر گئی۔

یہ جو مسافر ہیں
انہیں گھر سے نکلے ہوئے
اک زمانہ بیت گیا ہے
سرحد کی پگڈنڈیوں پر دوڑتے دوڑتے

ان کے پاوں گرد آلود ہیں

مگران کے پر عزم چہرے

فرط شوق سے چمک رہے ہیں

تھکن کے کوئی آثار نہیں

یوں دیکھائی دیتا ہے کہ

زندگی اپنے جوبن پر ہے

اک جستجو ہے جو بیٹھنے نہیں دیتی

اک طلب ہے جو رگ و جان کے

ریشے میں سماگئی ہے

اسی لیے تو جاگ رہے ہیں

یہ مسافر ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے اس پہر وہ پوری کی پوری ٹیم باڈر پر موجود تھی آج کی آخری رات وہ اس باڈر پر تھے جہاں ان کی منزل تک ایک پورا بھرپور راستہ بن چکا تھا۔ دوسری ٹیم باڈر پر ڈیوٹی کے لیے آچکی تھی۔ کرنل خاور سمیت سب وہاں موجود تھے۔

"احسن !اس سرنگ میں سب بہت احتیاط سے جانا یہ سرنگ سیدھی جا کر جموں کشمیر کی ایک کچی بستی کے گھر میں نکلے گی جو بالکل سنسان پڑا ہوا ہے اس مشن کے دوران تم لوگ اسی گھر میں رہو گئے وہ بھی اپنا روپ بدل کر کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کا آرمی سے تعلق وہاں کسی کو بھی پتہ لگے لیکن ممکن ہے کہ اگر سارے ایک جگہ رہو تو پتہ لگ سکتا ویسے بھی وہاں آئے دن کسی نہ کسی گھر میں چھاپا پڑ رہا ہے تو اس گھر کی پچھلی گلی میں اور ایک اس کے ساتھ والی گلی میں بھی ایک ایک مکان خالی پڑا ہوا ہے جہاں کوئی آتا جاتا نہیں ہے چابیاں ڈبلی کیٹ کرنا شمس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے دو دو آفیسرز ایک گھر میں رہیں گئے طراب تم صبح جاو گئے وہ بھی مظفر آباد ائیر پورٹ سے سیدھا ممبئی تمہارا پاسپورٹ اور ویزا صبح ائر پورٹ پر تمہیں مل جائے گا اور رہائش کہاں کرنی ہے اور کس حولیے میں جانا ہے یہ سب تمہیں جبرئیل ابھی کچھ دیر میں سمجھا دے گا۔

"سو آفیسرز آر یو ریڈی ؟"

کرنل خاور کی گرج دار آواز خاموش فضا میں گونجی تھی۔

"غازی ہو کر وقار بڑھائیں گئے شہید ہو کر نام بنائیں گئے۔"

اسامہ نے زوردار آواز سے کہا تھا۔

"نعرہ تکبیر!"

جبرئیل کی آواز میں ایک الگ طرح کا جوش تھا۔

"اللہ اکبر!"

سب یک زبان ہو کر بولے تھے۔

"میں نے اپنی ٹیم تمہارے حوالے کی کرنل احسن مجھے یہ سارے واپس چاہیئے وہ بھی کامیابی کے ساتھ میں اپنا ایک بھی بازو کٹا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔"

کرنل خاور کا لہجہ جوش کے باعث نم ہو گیا تھا۔

"انشاءاللہ سر!"

احسن نے انہیں سیلوٹ کیا تھا کرنل خاور نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔

"سر! ابھی بھی وقت ہے مجھے جانے دیں۔"

جبرئیل نے ایک بار پھر موہوم سی کوشش کی تھی۔

"یہ مشن تمہارے ہی ہاتھوں مکمل ہونا ہے ینگ مین ہم ساتھ جائیں گئے انشاءاللہ بس تھوڑا سا انتظار کرو۔"

کرنل خاور نے اس کا شانہ تھپتھایا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

"اجازت ہے سر؟"

کرنل احسن نے ان سے اجازت طلب کی تھی۔

"جاو اللہ تم لوگوں کو کامیاب کرے اور دشمنوں کا غرور خاک میں ملائے۔"

کرنل خاور نے کہا تو سب نے یک زبان ہو کر امین بولا۔

سرنگ میں سب سے پہلے لیفٹینینٹ طلال اترا تھا اندھیرا ہونے کے باعث کچھ بھی دیکھنا ناممکن تھا اس نے ٹارچ روشن کی ٹارچ کی روشنی نے راستہ دیکھانا شروع کیا تھا وہ بل کھاتی ہوئی ایک تنگ سرنگ تھی جس میں ایک وقت میں چوڑائی کے اعتبار سے ایک ہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا۔

"آل کلئیر سر!"

طلال نے اشارہ کیا تو اس کے پیچھے کیپٹن عبداللہ اترا تھا کیپٹن عبداللہ کے بعد اسامہ نے سرنگ میں چھلانگ لگائی تھی جبرئیل نے اسے آل دی بیسٹ کا اشارہ کیا تھا جسے اس نے سیلوٹ کر کے قبول کیا تھا اسامہ کے بعد شمس اترا تھا اس کے دل میں ایک حشر برپا تھا وہ ارجن کو ڈھونڈنے کا ارادہ بے صبری سے رکھتا تھا شمس کے بعد کیپٹن موحد اور پھر آخر میں کرنل احسن خود اترے تھے۔ چھ لوگوں کی یہ ٹیم اس اندھیری سرنگ میں اللہ اکبر کے مسلسل نعروں سے آگے بڑھ رہی تھی اب طلال کی جگہ اسامہ نے کمانڈ سمبھالی تھی وہ ٹارچ کی روشنی سے باقیوں کے لیے سرنگ کا راستہ صاف کر رہا تھا سب سے آخر میں اس دستے کو لیڈ کرنے والے کرنل احسن تھے جو تمام دستے کو اپنی تحویل میں لیتے ہوئے چل

رہے تھے صبح فجر سے پہلے تقریبا دو گھنٹوں میں وہ اپنی اپنی منزل تک پہنچنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سب کے جانے کے بعد طراب اور جبرئیل نے دو سپاہیوں سے کہہ کر سرنگ واپس بند کرنے کا کہا تھا انہوں نے فوری اس سرنگ کا ڈھکن اس پر ڈال کر اسے مکمل طور پر روح پوش کر دیا تھا وہ جگہ ایسے ہوگئی تھی جیسے یہاں پر کوئی کھدائی کبھی ہوئی ہی نہیں تھی۔

کرنل خاور، طراب اور جبرئیل پاس ہی بنے ایک کیمپ میں آ گئے تھے۔

"میری بات دھیان سے سنو طراب! پاسپورٹ اور ویزا صبح ائیرپورٹ کے باہر سے تمہیں میرا آدمی دے جائے گا۔ اور دوسری بات تم ایک تاجر بن کر وہاں جاو گئے پاسپورٹ برٹش ڈوبلی کیٹ ہے وہ چاہ کر بھی پتہ نہیں لگوا پائیں گئے کہ تم لندن سے آئے ہو یا مظفر آباد سے اور جہاں تک بات رہی فلائیٹ کی تو تمہارے ویزے کے ساتھ یہ بات مینشن ہوگی کہ تم پاکستان ٹریڈنگ کے لیے آئے تھے اور اب اسی ٹریڈنگ کے لیے ہی تم پاکستان سے انڈیا جا رہے ہو اور آخری اور اہم بات۔"

کرنل خاور سانس لینے کو رکے تو اس نے ان کی جانب دیکھا۔

"ممبئی ائیرپورٹ سے سیدھا باہر نکل کر تم ایک ٹیکسی لو گئے کوئی بھی رہنڈیم ٹیکسی اور اسے تم کمال ہوٹلز میں ڈراپ کرنے کا کہو گئے میری بات سمجھ رہے ہو نہ؟"

انھوں نے اس کی تائید چاہی تھی۔

"یس سر!"

طراب نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"باقی کا کام وہاں پہنچ کر تمہیں پتہ لگ جائے گا۔"

انھوں نے بات ختم کی تھی اور اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔

"یہ کیا ہونے والا ہے لالے! کمال ہوٹلز کیوں رکوں گا میں؟"

طراب نے حیرت سے جبرئیل سے پوچھا تھا۔

"کیونکہ بہت سارے سراغ کمال ہوٹلز سے ہی ملیں گئے بہت حد تک اس سب میں اس کے مالک کا ہاتھ لگتا ہے باقی تو وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا۔"

جبرئیل نے اپنے موبائل پر کچھ مسجز چیک کرتے ہوئے کہا تو طراب نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"تیرا مطلب ہے کہ جتنی بھی لڑکیاں غائب اور سمگل ہو رہی ہیں اس کے پیچھے کمال ہوٹلز کے مالک کا ہاتھ ہے پر یار ہم تو کمال ہوٹلز کے مالک کو جانتے تک نہیں ہیں؟"

طراب اپنی طرف سے بہت پتے کی بات ڈھونڈ کر لایا تھا۔

"آج سے پہلے نہیں جانتے تھے مگر اب جان چکے ہیں۔"

اس نے ایک فائل اس کے سامنے رکھی تھی طراب نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر فائل کو۔ فائل کھولتے ہی جو پہلی تصویر اس کے سامنے آئی تھی اس نے طراب کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

"یہ تو انڈیا کا مشہور پولیٹیشن اور بزنس مین داور کمال ہے نہ جو شاہد سالوں پہلے پاکستان سے ہی ایلیگلی انڈیا گیا تھا تب بیچ میں اس کے مسلم کمیٹی کے رکن بننے کی خبریں میں نے میڈیا پر دیکھی تھیں۔"

طراب نے کہا تو جبرئیل نے سر ہلایا۔

"تو اس سب سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

طراب نے اب کی بار مدعے کی بات کی تھی۔

"94 میں جس وقت کرنل خاور کی بہن اغوا ہوئی تھیں اس وقت یہ انڈیا کی مسلم کمیونٹی کے صدر کی حیثیت سے پاکستان دورے پر آیا ہوا تھا اور جس دن یہ واپس گیا تھا اس دن صبح کرنل خاور کی بہن اغوا ہو گئی تھی اور یہ تو تجھے اور مجھے دونوں کو ہی معلوم ہے کہ اغوا کرنے کے بعد وہاں سے لڑکیاں پاکستان لائی جا رہی ہیں اور یہاں سے ان کی سمگلنگ انڈیا ہو رہی ہے مجھے شک ہے کہ یہ شخص کوئی بہت ہی بڑا گیم کھیل رہا ہے یہ پاکستان جس دورے پر آیا تھا وہ مجھے تجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پتہ بس یہ لگانا ہے کہ کیا ہم جیسا سوچ

رہے ہیں ویسا ہی ہے یا پھر کوئی اور ہے جو داور کمال کی آڑ میں یہ سب کر رہا ہے۔"

جبرئیل نے ایک بار پھر موبائل پر کچھ ٹائپ کیا تھا۔

"تو ہماری ٹیم الیگلی انڈیا تو کشمیر کی اغوا شدہ لڑکیوں کا سراغ لگانے پہنچ گئی ہے جلد ہی اس کے پیچھے کون ہے یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔"

طراب نے ہاتھ اپنے بالوں میں چلاتے ہوئے اسے کہا تھا۔

"بالکل اور تجھے رکھنی ہے نہ صرف کمال ہوٹلز کی چین پر نظر بلکہ داور کمال کی ہر ایکٹیویٹی پر بھی وہ کب ہوٹل آتا ہے کب جاتا ہے کس قسم کے لوگوں کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہے اور کیا میٹنگز کی نوعیت ہوتی ہے جو وہ اٹینڈ کرتا ہے دو دن بعد میں خود تجھے جوائن کروں گا۔"

جبرئیل نے اس سے کہا تو دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"مسئلہ کیا ہے کب سے موبائل پر کچھ لکھی جا رہے ہو؟"

طراب نے مسلسل حرکت کرتی اس کی انگلیاں دیکھ کر پوچھا تھا۔

"ڈیم اٹ یہ آرون باز نہیں آسکتا یار یہ سمجھ نہیں رہا کہ میں نہیں چاہتا اس کی زندگی خطرے میں پڑے"

جبرئیل نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

طراب نے بھی اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اس کے چمچے انسپیکٹر دانش نے اسے یہ خبر دے دی ہے کہ پنڈی سیکرٹ ایجنسی میں پولیس نفری درکار ہے کیونہ وہاں کوئی بڑی گڑبڑ چل رہی ہے اس پاگل نے پوری ٹیم پنڈی کے لیے روانہ کرنے کے آڈرز جاری کردیے ہیں صبح ہوتے ہی سب پنڈی کے لیے نکلیں گئے۔"

اس کے لہجے میں آرون کے لیے فکر ہی فکر تھی۔

" دیکھ لالے! تو خود کہتا ہے کہ پٹھانوں کو موت کا خوف نہیں ہوتا تو پھر تو خود کیوں یہ بات بھول جاتا ہے کہ آرون خان کی رگوں میں بھی وہی ضدی خون دوڑ رہا ہے جو تیری ضدی طبعیت میں دوڑتا ہے اس پر بھروسہ رکھ وہ سب سمبھال لے گا۔"

طراب نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو جبرئیل نے گہرا سانس بھرا۔

"میں کمزور نہیں ہوں طراب! مگر میں پھر بھی اسے کھونے سے خوفزدہ ہوں بابا اور چاچو کے بعد اپنے کسی رشتے کو کھونے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں زارا کو بھی نہیں میں اسے بھی سمبھال کر رکھنا چاہتا ہوں اپنے پاس ہمشہ حفاظت سے۔"

جبرئیل کا لہجہ مسلسل ضبط کے باعث بھر آگیا تھا طراب نے اسے گلے لگایا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا جسٹ ٹرسٹ ٹو اللہ ہی ول سیٹل ایوری تھنگ۔"

اس نے اس کی کمر تھپکتے ہوئے کہا تو وہ بامشکل ہی مسکرا پایا۔

"اچھا تو گاڑی لے جا فریش ہو کر ائیر پورٹ کے لیے نکل جا فجر کے بعد ایسی گریشن سٹارٹ ہو جائے گی فوری تیری فلائیٹ ہے۔"

جبرئیل نے اس سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا جبکہ جبرئیل نے وائرلیس سے کرنل احسن کو کنیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"224! میجر جبرئیل ئیر سر!"

اس نے وائیرلیس منہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا تقریبا دو منٹ کے بعد ان کی ہانپتی ہوئی آواز وائیرلیس کے کرائیڈل سے ابھری تھی۔

"216! کرنل احسن ئیر! جبرئیل!"

انہوں نے اب کی بار خود کو قدرے سمبھال لیا تھا۔

"کتنی دیر میں پہنچ جائیں گئے آپ لوگ؟"

اس نے کیمپ سے باہر آتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ بس مزید آدھے گھنٹے میں کیونکہ یہ سرنگ اب یہاں سے تنگ ہو گئی ہے کافی یہ آگے جا کر ہی کھلے گی۔"

انہوں نے وائیرلیس سے انتہائی تحمل سے کہا تھا سناٹہ ہونے کے باعث آواز گونج رہی تھی۔

"اوکے سر پہنچ کر سگنل دیجیے گا ویٹنگ آوور۔"

اس نے کہہ کر وائیرلیس واپس بند کر کے رکھا تھا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکایا تھا۔ اسے شدت سے زارا یاد آئی تھی مگر وہ چاہ کر بھی ابھی اسے فون نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ولا کا سناٹہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا وہ رات میں ہی کمال ولا پہنچی تھی مگر ابھی تک اس کی ملاقات صمن بیگم اور داور کمال دونوں سے ہی نہیں ہوئی تھی وہ اپنے کمرے میں بیٹھی بیٹھی شدید بے چینی کا شکار ہو رہی تھی وہ اٹھ کر پشت پر بکھرے ہوئے اپنے بال سمیٹ کر کمرے سے باہر نکلی تھی تقریبا سامنے دو کمرے چھوڑ کر صمن بیگم کا کمرہ تھا شام میں جس وقت وہ کمال ولا میں آئی تھی صمن بیگم گھر پر موجود نہیں تھیں وہ آہستگی سے قدم اٹھاتی ہوئی ان کے کمرے کے دروازے پر پہنچی تھی اس نے دستک دینے کی بجائے ہلکی سی ناب گھمائی تھی تہجد کا وقت تھا وہ جانتی تھی کہ وہ سو رہی ہوں گئ مگر وہ پھر بھی دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر ان کے کمرے میں آ گئی تھی مگر اس کی حیرت کی کوئی حد نہیں رہی تھی جب اس نے انہیں تہجد کے فرض کی نیت باندھے دیکھا تھا چہرہ سادہ اور مرجھایا ہوا

تھا جدید میک اپ سے آراستہ چہرہ آج بالکل سادہ اور بیمار نظر آ رہا تھا جس چہرے کو وہ ہمشہ سجا سنوار کر رکھتی تھیں آج جھریاں وہاں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

وہ سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا رہی تھیں نماز تو اس نے بھی دس سالوں سے شاہد ادا نہیں کی تھی نہیں یا شاہد پڑھی تھی جب وہ بہت پریشان ہوتی وہ نماز کا ہی تو رخ کیا کرتی تھی تو کیا صرف اللہ کو پریشانی میں یاد کرنا چاہئیے؟

سوال ذہن کی سکرین پر ابھرا تو اس کا جواب بھی صمن بیگم کو یوں دیکھ کر بے اختیار مل گیا۔

"یاد تو اسے ہر گھڑی کرنا چاہئیے مگر یہ اصول ہم بھول جاتے ہیں انسان کتنا مطلبی ہوتا ہے نہ خود غرض اللہ کو تب یاد کرتا جب اسے اللہ کی ضرورت ہوتی اور اللہ وہ تو اپنے بندے کو کبھی بھی نہیں چھوڑتا۔"

جوں ہی وہ دعا سے فارغ ہوئیں ان کی نظر سب سے پہلے دروازے پر کھڑی ایس۔ کے پر پڑی۔

"صا۔ صلاح!"

انہوں نے توڑ کر اس کا وہ نام پکارا تھا جو وہ اسے ہمشہ پکارتی تھیں دس سالوں میں فون پر وہ کبھی بھی اس کا نام نہیں پکارتی تھیں وہ نہیں ایس۔ کے کہتی تھی ماں پکارنا وہ انہیں

چھوڑ چکی تھی صمن کمال ان کی پہچان بنا دی تھی اس نے اور اب
اتنے سالوں بعد وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ اسے بہت عرصے بعد اپنا چہرہ بھیگا ہوا محسوس ہوا تھا وہ صرف آج تک دو لوگوں کی وجہ سے ہی روئی تھی اور وجہ دونوں بار ہی محبت تھی ایک بار ماں کی محبت اور دوسری بار زندگی سے محبت۔ جتنی مرضی سخت سہی مگر تھی تو وہ مٹی سے بنی ہوئی ایک انسان ہی جو اس ہستی کو اپنے سامنے دیکھ کر پگھل گئی تھی۔
"مام!"
اس کے لبوں سے بے ساختہ ادا ہونے والے لفظوں نے صمن بیگم کو اپنی آنکھیں بند کر کے اس لفظ کو محسوس کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"تم۔۔ تم آ گئی؟"
انہوں نے اپنی باہیں کھولی تھیں گویا وہ چاہتی تھیں کہ اسے خود میں بھینچ کر اس کا برسوں پرانا کھویا ہوا لمس اپنے اندر محسوس کر سکیں۔ ان کے باہیں کھولنے پر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی ان کی جانب بڑھی تھی اور ان کے مہربان تڑپتے ہوئے سینے میں خود کو چھپا گئی تھی۔
"ترس گئی تھی میں خود میں ایک ماں کو محسوس کرنے کے لیے کہی مہینے بیت گئے علینہ کو

نکلے ہوئے تمہارے باپ نے کوئی کوشش نہیں کی اسے ڈھونڈنے کی اسے بس اپنی دولت اور شہرت پیاری ہے نام اور پیسہ کمانے کے لیے یہ انسان کسی بھی حد تک گر سکتا ہے صلاح!میں مر رہی ہوں پل پل میرا وجود ختم ہو رہا ہے معافی مانگتی ہوں وہ معاف ہی نہیں کرتا۔"

انہوں نے اوپر دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

"کون معاف نہیں کرتا؟"

اس نے صمن بیگم کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جن کا چہرہ رونے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"اللہ وہ نہیں کرتا مجھے معاف اور کرے گا بھی کیوں اس کے بندوں کا دل دکھایا ہے میں نے۔"

انہوں نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

"کس کا دل دکھایا ہے مام آپ نے؟"

وہ حیرت زدہ سی وہاں کھڑی ان سے سوال کر رہی تھی۔

ابھی وہ کچھ بولنے ہی والی تھیں جب کمرے میں قدموں کی چاپ اور لڑکھڑاہٹ گونجی تھی۔

اس نے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں داور کمال دروازے کا سہارا لیے کھڑے

ہونے کی کوشش کررہے تھے۔ انہوں نے ایک نظر صمن بیگم اور دوسری نظر ان کے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا تھا پہچاننے میں انہیں زیادہ دکت نہیں ہوئی تھی وہ مدہوش وجود کے باوجود اپنے پورے حواس کے ساتھ اس سامنے کھڑی لڑکی کو پہچان چکے تھے۔

"تم۔۔ تم۔۔ یہاں۔۔ میرے گھر میں کیا کر رہی ہو؟"

وہ تقریبا دھاڑنے کی کوشش کررہے تھے یہ بات مکمل طور پر بھولتے ہوئے کہ گزشتہ سالوں میں وہ کس طرح اس سے خوفزدہ تھے۔

"اور رئیلی؟ آپ کا گھر؟"

اس نے دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے تمسخرانہ مسکراہٹ سے پوچھا تھا۔ داور کمال کے ماتھے کے بل مزید گہرے ہوئے تھے۔

"مت بھولیے مسٹر کمال! جس چھت کو آپ کمال ولا بولتے ہیں نہ یہ میری ہی دی ہوئی خیرات ہے ورنہ آپ کی اوقات سے تو سارا پاکستان اور اب انڈیا بھی بہت اچھے سے واقف تھا۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا تو ان کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔

"صمن بیگم! اپنی بیٹی کو سمجھا لو کہ اپنی اوقات میں رہے یہ مجھے جانتی نہیں ہے ابھی۔"

داور کمال دھاڑے تھے۔

"اور رئیلی یہ آج تک خود کو نہیں سمجھا پائیں تو مجھے کیا سمجھائیں گئیں جو بھی تھا مام! میرے باپ کو آپ نے غربت کی وجہ سے ہی چھوڑا تھا اور جس امیر سے آپ نے شادی کی تھی وہ آج آپ کی ہی بیٹی کے دیے ہوئے گھر میں رہ کر اسی کو آنکھیں دیکھا رہا ہے احسان فراموش!"

وہ بولتے بولتے سرخ ہو گئی تھی مگر صمن بیگم کے جسم میں تو کاٹو تو لہو نہ ہونے کے برابر تھا وہ حیران تھی کہ اسے یہ کیسے معلوم ہے کہ داور کمال اس کا اصل باپ نہیں ہے۔

"تم۔۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا اصل باپ کون ہے؟"

وہ خوف کے زیر اثر لگ رہی تھیں۔

"نہیں اور نہ ہی مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی ہے کہ میرا اصل باپ کون ہے یہ میرا اصل باپ نہیں ہے یہ تو میں شاگو جانے سے پہلے ہی سن چکی تھی جب آپ ان سے مجھے شاگو بیجھنے کی بات کر رہی تھیں اور یہ آگے سے لاتعلقی برت کر تمہاری بیٹی ہونے کے افسانے فرما رہے تھے۔"

وہ کہہ کر ان کے کمرے سے نکل گئی تھی جب کہ داور کمال نشے میں دھت لڑھک کر بیڈ پر گر گئے تھے۔

زندگی انسان کو بیتے ہوئے ماضی میں ضرور لے کر جاتی ہے اور یہی انسان کی سب سے بڑی

خطا ہوتی ہے کہ وہ اپنا کیا بھول کر آگے بڑھ جاتا ہے یہ جانے اور سوچے بغیر کہ جو بویا ہوتا ہے اس کی فصل بھی کاٹنی لازم ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پوری رات الٹیاں کرنے کے بعد بھی اس کی طبعیت کسی طور بھی نہیں سنبھل رہی تھی مسلسل چکر اور مطلی دل اس کی طبعیت بے حد بوجھل کر رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی وہ نہیں آئی تو عشرت جہاں خود ہی اس کے کمرے میں آگئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو کمرہ خالی تھا واشروم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی وہ ایک جانب بیڈ پر بیٹھ کر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگیں کچھ ہی دیر میں وہ تولیے سے منہ تھپکتی ہوئی باہر نکلی تھی ایک ہی رات میں رنگ زرد اور چہرہ مرجھا چکا تھا انہوں نے اس کی حالت دیکھی تو حقیقی معنوں میں پریشان ہوگئیں۔

"زارا بچے! کیا ہوا ہے طبعیت تو ٹھیک ہے نہ تمہاری؟"

انہوں نے اس کے بالکل قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا جو بیڈ کراون سے ٹیک لگا چکی تھی۔

"پتہ نہیں انٹی! بس رات سے الٹیاں اور چکر آرہے ہیں۔"

اس نے مدھم آواز میں انہیں بتایا تو انہوں نے غور سے اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے تو کوئی خوشی کی بات لگتی ہے بچے! پھر بھی تم اپنی تسلی کے لیے میرے ساتھ ڈاکٹر

For more visit (exponovels.com)

کے پاس چلنا جو بھی بات ہوگی کھل کر سامنے آجائے گی۔"

انہوں نے زارا کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تو وہ خاصی نروس ہوگئی اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جو وہ کہہ رہی ہیں وہ سچ ہے بھی یا نہیں اگر تو ہے پھر اسے ہر قیمت پر جبرئیل واپس اپنی زندگی میں چاہئیے تھا ورنہ آگے کا خیال ہی اس کے اوسان خطا کر رہا تھا۔ عشرت جہاں اس کے لیے کچھ کھانے کو لینے باہر چلی گئیں تھیں وہ آنکھیں موندے بری طرح اس کے خیالوں میں الجھی ہوئی تھی جب سائیڈ میز پر رکھا ہوا اس کا فون بجا تھا اس نے نگاہیں بجتے ہوئے فون کی جانب مرکوز کیں فون پر کوئی ان نون پرائیوٹ نمبر آرہا تھا زارا نے جلدی سے کال اٹھائی تھی۔

"ہیلو! جی کون؟"

وہ فون کان سے لگائے انتہائی عجلت میں بولی تھی دوسری جانب سے گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔

"پلیز آپ بتانا پسند کریں گئے کہ آپ ہیں کون؟"

اس نے پھر سے اپنا سوال دھرایا تھا کچھ دیر خاموشی کے توقف کے بعد فون کے پار سے ایک بھاری مردانہ آواز نمودار ہوئی تھی۔

"کیا تم اپنی ماں سے ملنا چاہتی ہو زارا! کیا تم انہیں اپنی زندگی میں واپس دیکھنا چاہتی ہو؟"

فون کے پار جو کوئی بھی شخص تھا وہ اسے اس کی ماں کے بارے میں بات کر رہا تھا وہ ماں جسے کھوئے ہوئے زارا کو ایک سال ہونے کو تھا۔

"تہ۔۔ تم کون ہو؟ او۔۔ اور مہ۔۔ میری ام۔۔ اماں کے بارے میں

کہ۔۔ کیسے۔۔ جا۔۔ جانتے ہو؟"

اس شخص سے بات کرتے ہوئے اسے اپنے حلق میں ایک بھاری آنسوں کا گولا اٹکتا ہوا محسوس ہوا تھا جواب میں دوسری جانب سے خاموشی ملی تھی۔

"پہ۔۔ پلیز بتاؤ۔۔ مجھ۔۔ مجھے کہ۔۔ کون ہو تم؟"

اب کی بار اس کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ آئے تھے۔

"تمہارے لیے یہ جاننا بالکل بھی ضروری نہیں ہے کہ میں کون ہوں تم صرف یہ ذہن میں رکھو کہ تمہیں تمہاری اماں سے ملوانے کا میں ایک واحد ذریعہ اور راستہ ہوں سوچ لو کل پھر اسی وقت فون کروں گا۔"

اس کے کوئی بھی جواب دینے سے پہلے ہی دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا زارا کو اپنے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں محسوس ہو رہی تھیں۔

"کہاں چلے گئے آپ میجر صاحب! کم از کم آپ ہوتے تو میری مدد ہی کر دیتے۔"

وہ اپنے تصور میں اس سے مخاطب ہوئی تھی پھر واپس آنکھیں موند گئی تھی۔ زارا نور کی

زندگی بھی اسی وہی پر لے کر جانے والی تھی جہاں سے اس کی زندگی کا سیاہ باب شروع ہوا تھا ہر گرہ کھلنے والی تھی ہر کڑی اپنی گمشدہ کڑیوں سے ملنے والی تھی ساری گھتی لمحوں میں سلجھ جانی تھیں دیکھنا یہ تھا کہ وقت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سرنگ کا ڈھکن کھولتے ہی زرہ سی روشنی کی لکیر دیکھائی دی تھی وہ سب دو ڈھائی گھنٹوں سے مسلسل چل رہے تھے اب کہیں جا کر وہ اپنی منزل پر پہنچے تھے۔ اسامہ نے آگے بڑھ کر ڈھکن ہٹایا تھا جو کھدائی کرتے ہوئے وہاں پر لگایا گیا تھا تاکہ کسی بھی غیر معمولی حرکت کا سراغ تک نہ مل سکے وہ ڈھکن ہٹا کر اوپر کو ہاتھ ڈال کر چڑھا تھا تاکہ سرنگ سے باہر نکل سکے پیچھے شمس نے اس کو سہارہ دے کر اس کی مدد کی تھی وہ جونہی سرنگ سے باہر نکلا اسے اپنے نیچے کچے فرش کا گمان ہوا تھا اس نے باریک بینی سے اس فرش کا جائزہ لیا تھا جہاں وہ کھڑا تھا زرہ سا غور کرنے پر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ فرش کچا نہیں ہے بلکہ مسلسل مرمت نہ ہونے کے باعث جگہ جگہ سے اکھڑ چکا ہے.جس کے بالائی تحہ اتنی باریک ہے کہ وہاں سے اس کے کچے ہونے کا اندازہ باخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

اسامہ نے شمس کو ہاتھ دے کر اوپر آنے میں مدد دی تھی اور پھر اسی طرح سب باری باری اس گھر میں پہنچ گئے تھے.جس کی حالت اس قدر بوسیدہ تھی کہ وہاں آنے جانے کا کوئی سوچ

بھی نہیں سکتا تھا۔

"سر! یہ جگہ تو بالکل ہی کوئی کھنڈر لگ رہی ہے ہم اتنے دن یہاں کیسے رہیں گئیں؟"

شمس نے کرنل احسن سے کہا تھا جو مسلسل اس جگہ کا معائنہ کررہا تھا۔

"ہاں جگہ تو کافی ابتر حالت میں ہے لیکن جو بھی ہے بر حال کام تو کرنا ہی ہے۔"

اس نے کہا اور باقی سب لوگوں کی جانب متوجہ ہوا۔

"میں، عبداللہ اور طلال اس گھر میں رہیں گئے اور اسامہ! تم شمس اور موحد سامنے والی گلی میں جو آخری گھر ہے وہاں رہو گئے۔"

انہوں نے اپنا حکم جاری کیا تو وہ دونوں باہر کے دروازے کی جانب بڑھے۔

"اپنے اپنے بلوتوتھ آن رکھنا اور کوئی بھی گڑبڑ ہو فوری انفارم کرنا ناو مووا یوری ون"!

ان کے کہنے کی دیر تھی سب اپنی اپنی طے شدہ جگھوں پر چلے گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد کرنل احسن نے کرنل خاور کو کنیکٹ کیا تھا۔

918"کرنل احسن ہیر سر"!

پینٹ کی جیب میں اٹکایا ہوا وائیر لیس اٹھا کر اس نے کرنل خاور کو ریچ کیا تھا کچھ ہی دیر میں سپیکر سے کرنل خاور کی آواز ابھری تھی۔

"لسن احسن! کچھ دیر پہلے یہاں سے مخبری ہوئی ہے کہ سامنے کی دو گلیاں چھوڑتے ہی

تیسرے نمبر والے مکان سے ایک لڑکی اغوا ہونے والی ہے ابھی تک شاہد وہ یہ نہیں
جانتے کہ ان کو کوئی ریچ کرنے کی کوشش کر رہا ہے ان کا پیچھا کرنے کا یہ آخری موقع ہے
اور یہ کام تم خود کرو گے ڈونٹ ٹرسٹ اینی ون۔"
انہوں نے انتہائی عجلت کے باوجود اسے یہ انسٹرکشن دیے تھے۔
"مگر سر! یہ مخبری ہوئی کہاں سے؟"
اس نے دل میں مچلتا ہوا سوال ان سے پوچھ ہی ڈالا تھا۔
"یہ مشن شروع ہونے سے پہلے میں نے کچھ انڈر کور آفیسرز پہلے ہی یہاں بھیجے تھے ان کے
ذریعے ہی مجھے معلوم ہوا کہ یہاں ایک اغوا ہونے والا ہے اب یہ خبر صیح ہے یا ہمیں گمراہ
کرنے کے لیے جھوٹی خبر پھیلائی گئی ہے اس کا فیصلہ تو اب تعاقب کرنے پر ہی پتہ چلے گا
گو ہیڈ اوور۔"
انہوں نے ہدایات جاری کر کے رابطہ منقطع کر دیا تھا جبکہ اسے اب یہ نئی گتھی سلجھانی تھی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
خان ولا میں ناشتے کے بعد ادھر ادھر کے کام جاری و ساری تھے صاریہ لاونج میں آنیہ
کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی وہ اب پہلے کی طرح ہر وقت بولتی نہیں تھی بلکہ زیادہ تر وقت
خاموش ہی رہتی تھی اسامہ نے اسے انگھوٹی پہنائی ہے یہ بات ابھی تک اس نے کسی کو

بھی نہیں بتائی تھی۔ وہ مسلسل خاموشی سے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی اس انگھوٹی کو دیکھ رہی تھی جو اسامہ کی ذات سے منسلک تھی۔

"آپا یہ انگھوٹی کس کی ہے اس طرح کی انگھوٹیاں تو آپ بالکل بھی نہیں پہنتی ہیں؟"

آنیہ نے اس کی انگھوٹی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"یہ اسامہ نے پہنائی ہے مجھے۔"

اس نے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں کھوئے ہوئے ہی اسے جواب دیا تھا اس کے جواب پر وہ ایک دم چونک گئی تھی۔

"اسامہ بھائی نے مگر کیوں؟"

اس نے حیرت سے صاریہ سے پوچھا تھا جواب قدرے ہوش میں آچکی تھی وہ شاہد اسے بتا کر کوئی غلطی کر چکی تھی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اس لیے اس نے حقیقی بات بتانا ہی ضروری سمجھا تھا آخر وہ کب تک چھپا سکتی تھی۔

"آنی! اسامہ نے مجھے پرپوز کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اس مشن سے زندہ واپس آ گئے تو باقاعدہ رشتہ بھجوائیں گے۔"

اسے خود بھی احساس نہیں ہوا تھا یہ بات کرتے ہوئے اس کے آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے تھے آنیہ نے حیرت سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جو دھیرے دھیرے

بھیگ رہا تھا۔
"آپا! رو کیوں رہی ہو وہ انشاء اللہ واپس آئیں گئیں۔"
آنیہ نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔
"دعا کرو وہ زندہ واپس آجائے بہتر کو کھو کر میں نے بہترین پایا ہے آنیہ بہترین کو بھی کھو دیا تو میرے ہاتھ بھی خالی رہ جائیں گئے۔"
وہ اب قدرے خود کو سمبھال چکی تھی جبکہ آنیہ اس کی اتنی گہری بات کہنے پر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔
"آپا اب آپ ادھر ہی رہیں گی نہ؟"
وہ بات بدلنے کو اس سے بولی تو صاریہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"لیکن کیوں آپا اب تو آپ کو سب نے معاف بھی کر دیا ہے؟"
آنیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔
"نہیں آنی! ابھی تو میں خود سے واقف ہونا شروع ہوئی ہوں فل حال میں فاطمہ سے ملنا نہیں چھوڑ سکتی کیونکہ اس کی باتوں میں ایک سحر ہے ایک سکون ہے جو مجھے اپنی جانب کھینچتا ہے۔"
وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی آنیہ کو باخوبی اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ صاریہ نے

اپنے لیے ایک بہت ہی انوکھی راہ چنی ہے جہاں نہ توجانا آسان ہے اور نہ واپسی ممکن ہے ایک بات تو طے تھی خوبصورت راہیں انسان سنوار دیتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح سے اپنے کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ سٹڈی میز پر رکھا ہوا اپنا فون اٹھا کر اس نے ایک نمبر ملایا تھا کچھ دیر فون کان سے لگائے رکھنے کے بعد دوسری جانب سے کوئی شخص بولا تھا۔

"بخش پاکستان پہنچ گیا؟"

اس نے سیدھا مدعے کی بات کی تھی۔

"جی میڈم لاہور پہنچ گیا ہے دو دن بعد پنڈی کے لیے نکلیں گئے ہم۔"

مقابل نے اسے اطلاع دی تھی۔

"تم بخش کا خیال رکھنا رزاق اور یاد رہے وہ اپنا کام کامیابی سے مکمل کرے۔"

ایس۔کے نے اس کی توجہ اصل کام کی جانب کروائی تھی۔

"میڈم! آپ فکر مت کریں وہ لڑکی صرف دو دن میں آپ کے پاس ہوگی۔"

رزاق نے اسے نوید سنائی تھی۔

"وہ لڑکی مجھے ہر حالت میں چاہئیے رزاق! میری پرسنلی اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے پہلے

میں سمجھتی تھی کہ شاہد وہ میرے مقصد کے بارے میں کچھ جان گئی ہے مگر اب صرف مجھے اس کے ذریعے جبرئیل کے خاندان سے بدلہ لینا ہے کیونکہ مزید میں انہیں ڈھیل دینے کا ارادہ کسی صورت نہیں رکھتی۔"

اس کے لہجے میں خان ولا کے مکینوں کے لیے اس لمحے نفرت بول رہی تھی۔

"ایسا ہی ہوگا میڈم"!

مقابل نے فون بند کردیا تھا۔ وہ یہ سب کرتے ہوئے یہ بات بھول چکی تھی جس جرم کی آڑ میں وہ خان ولا کے مکینوں سے بدلہ لینے کے درپے ہے وہ جرم تو کبھی خان ولا کے مکینوں سے سرزد ہوا ہی نہیں تھا۔

وہ مڑکر اپنے ہینڈ بیگ کی جانب بڑھی تھی اسے محبت پر لکھا ہوا خط پڑھنے کا انتظار تھا اور اس کا یہ انتظار اب ختم ہونے والا تھا۔ خط کھول کر وہ سٹڈی میز پر بیٹھ گئی تھی۔ خط نہیں تھا وہ تو کھلے عام زندگی کی نوید تھی سفید بے داغ وجود سیاہی کو قبول کرنے کا پروانہ تھما چکا تھا وہ اس سے محبت کا اعتراف سننا چاہتا تھا اس کی ہر تڑپ کا حساب مانگ رہا تھا اف وہ جتنا خوش ہوتی کم تھا خوشی سے اس کی آنکھیں بھر آگئی تھیں صلاح احسن کے لیے رو رہی تھی وہ اس کے لیے ہمشہ رویا کرتی تھی اب اسے اپنا آخری خط احسن کے نام لکھنا تھا تاکہ روبرو ہونے سے پہلے خط وکتابت کا سلسلہ تمام ہوسکے۔ سفید کاغذ پر وہ سیاہ قلم سے اپنی محبت

کے نشان چھوڑ رہی تھی بالکل محو ہو کر وہ اس کے خط کا جواب لکھ رہی تھی لکھتے ہوئے
اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے وہ سچ سوچ رہا تھا کہ مقابل اس بار جواب
لکھتے ہوئے ضرور سوچے گا اور یہی ہوا تھا مگر وہ محبت میں پکی کھلاڑی تھی اس لیے سوچ
ضرور گئی تھی مگر جواب ایک بار پھر سے چونکا دینے والا ہی لکھا تھا۔

"اعتراف محبت بھی ہوگا
اور قبول و اجاب بھی
تو سامنے روبرو ہوگا اور
تیرے بے سبب سوال بھی
جواب بھی دوں گی اور
ثبوتوں کا انبار بھی
محبت بے دریغ ہے
اور تجھے پانے کا اعتماد بھی
دھڑکنیں بڑھ رہی ہیں اور
سانسوں کا اشتعال بھی
تجھے اپنا کرنے کی چاہ ہے

اور پالینے کا امتزاج بھی"

اس نے کاغذ پر بارہ سطریں لکھ کر اسے تہہ لگا دیا تھا خاکی لفافے میں ڈال کر اس نے پتہ لکھا تھا اور خط لفافے میں ڈال کر وہ پوسٹ کرنے والی تھی لیکن وہ یہ بات نہیں جانتی تھی کہ جس شخص کو وہ پاکستان خط بھیجنے والی ہے وہ خود چل کر اس کی منزل تک آگیا ہے بہت جلد تحریری باتیں حقیقت میں تبدیل ہونے والی تھیں کیونکہ ایس۔ کے اور احسن روبرو آنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ممبئی ائیر پورٹ پر اترا تھا ایمی گریشن سے ساری کلئیرنس کرانے کے بعد وہ پروفیشنل انداز میں قدم باہر کی جانب بڑھا رہا تھا۔ سیاہ بالوں میں سفیدی کی لکیریں لگانے آنکھوں کو نظر کے موٹے چشمے سے ڈھکے اور چہرے پر ہلکی بڑھی ہوئی داڑھی کے ساتھ وہ بالکل کوئی یورپین فورنر لگ رہا تھا جو ہاتھوں میں بریف کیس تھامے لانگ کوٹ پہنے ہوئے ٹیکسی سٹینڈ کی جانب آیا تھا جہاں بے شمار کالے اور پیلے رنگ کی ٹیکسیاں ایک قطار میں لگائی گئی تھیں اور ساتھ میں ان کے ڈرائیورز بھی موجود تھے وہ ان میں سے ایک ٹیکسی ڈرائیور کی جانب بڑھا تھا جو اسے دیکھ کر فوری طور پر چوکنا ہوا تھا اور اس کی جانب بڑھا تھا۔

"جی صاحب! کہاں جانا ہے آپ کو؟"

اس نے اپنے کندھے پر رومال ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کمال ہوٹلز چلو وہی جانا ہے۔"

اس نے آنکھوں پر اپنا چشمہ ٹھیک کرتے ہوئے اس سے کہا تو اس نے فوری سر ہلا کر طراب کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا طراب جونہی ٹیکسی میں بیٹھا ٹیکسی والے نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"111! جبرئیل میجر طراب اسپیکنگ! ٹیکسی میں بیٹھ گیا ہوں اور کمال ہوٹلز کے راستے میں ہوں نیکسٹ کیا کرنا ہے۔"

اس نے اتنی دھیرے سے کان میں لگے بلوتوتھ کے ذریعے کہا تھا کہ ٹیسکی ڈرائیور تو کیا اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو سکتی تھی کہ اس وقت اس کی ٹیکسی میں بیٹھا ہوا شخص کوئی عام آدمی نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی قابل آرمی آفیسر ہے۔

"طراب! کمال ہوٹلز میں تم نے ہر قیمت پر روم نمبر 217 لینا ہے کیونکہ اس کمرے کے بالکل پیچھے والا کمرہ داور کمال کے ہوٹل کا ماسٹر روم ہے اور یہاں پر رہنے کا مطلب ہے کہ چوبیس و گھنٹے اس کے پرسنلز میں نظر رکھی جا سکتی ہے۔"

جبرئیل کے کہنے پر طراب کی تمام تر فوجی حسیں بیدار ہوئی تھیں۔

"یو مین کہ پیچھے اپنے کمرے کی کھڑکی سے میں اس کے کمرے پر نظر رکھوں وہاں کیا ہو رہا

ہے کون آرہا ہے جارہا ہے ہر چیز کو نظر میں رکھوں۔"

طراب جبرئیل کی بات فوری طور پر سمجھ گیا تھا۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کمرے کی کھڑکی پر جو پردے لگا یے گئے ہیں ان پردوں کی اوڑسے مشکل سے ہی سہی مگر اندر کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔"

جبرئیل نے اس سے کہا تو طراب کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ڈونٹ وری ناو داور کمال ازمائی ٹارگٹ۔"

اس نے ٹیکسی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا تھا اور رابطہ منقطہ کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ٹیکسی ایک بلند و بالا عمارت کے باہر رکی تھی وہ کئی ایکڑ پر پھیلی ہوئی ایک عمارت تھی جو ممبی کے لیمنگ ٹن روڈ پر واقعی تھی سرخ اینٹوں سے بنا وہ خوبصورت ہوٹل دیکھنے والوں کے لیے ایک شاہکار تھا وہ ایک فائیو سٹار ہوٹل تھا جہاں بڑے بڑے لوگ آکر رہتے تھے۔ وہ ٹیکسی سے اترا تھا اور ٹیکسی والے کو کرائے سے زیادہ رقم ادا کر کے وہ ہوٹل میں داخل ہوا تھا سرخ کارپیٹ سے بنی روش پر چلتا ہوا وہ رسیپشن پر آیا تھا جہاں ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی اپنا کام کر رہی تھی۔

"ایکسکیوز می آئی نیڈ آ روم نیر روم نمبر 217 از ا یو یلیبل؟"

اس نے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے مطلوبہ کمرے کا پوچھا تھا جو شاہد خوشقسمتی سے

خالی تھا۔

"یس سر روم 217 از فری۔"

رسیپشنسٹ کے بتانے کی دیر تھی اس نے سکون کا سانس خارج کیا تھا کہ چلو شکر تھا پہلا مرحلہ تو پار ہوا۔ وہ کمرہ بک کروا کر ایک ویٹر کو سامان پکڑا کر اس کے ساتھ ہی روم نمبر 217 میں آ گیا کمرے کے دروازے میں چابی لگا کر دروازہ کھولا تھا ویٹر نے سامان رکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا جبکہ طراب نے سب سے پہلے بلو تو تھ سے جبرئیل کو کنیکٹ کیا تھا۔

111 "میجر طراب سپیکنگ! روم نمبر 217 از ڈن جبرئیل۔"

اس نے انتہائی آہستہ آواز میں کہا تھا۔

"گڈ طراب تم اپنا کام شروع کر دو اب۔"

جبرئیل نے اس سے کہا تو اس نے او کے کے ساتھ کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ وہ جلدی سے کھڑکی کی جانب بڑھا تھا زرہ سے پردے کھسکانے پر اس کی نظر سیدھی داور کمال کے کمرے کی کھڑکی پر گئی تھی جو بات ان کے لیے فائدے مند ثابت ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ طراب اور داور کمال کے کمرے کی کھڑکیوں کے درمیان فاصلہ صرف گیارہ انچ کا تھا جس کے باعث وہ آرام سے اس کمرے میں جھانک سکتا تھا اس نے اپنی کھڑکی کے پردے

برابر کیے تھے اور صرف زرہ سا ایک کونہ کھسکا کر مقابل کی کھڑکی میں جھانکا تھا۔ وہ کمرہ بالکل خالی تھا دیکھنے میں طراب کو سب کچھ نارمل محسوس ہوا تھا۔ اس نے پردے واپس برابر کیے تھے اور اپنا لیپ ٹاپ کھول کر باقی کی ای میلز دیکھی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عشرت جہاں زارا کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس سے ابھی واپس آئی تھیں اور جو خبر انہیں ڈاکٹر نے سنائی تھی وہ ان کے لیے بے حد خوشی کا باعث تھی وہ زارا کو پیار کرتے نہیں تھک رہی تھیں۔

"تم نے اب اپنا بہت خیال رکھنا ہے زارا! اور یقین رکھو جو وہ کہتا ہے وہ جبرئیل کرتا ہے اگر اس نے کہا ہے کہ وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا تو اس پر یقین رکھو وہ واپس آئے گا تمہارے لیے ہم سب کے لیے اور اب اپنے بچے کے لیے بھی۔"

انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تھا اس لمحے ان کے الفاظ اس کے دل پر ایک ٹھنڈی پھوار کی طرح لگ رہے تھے لیکن دل مسلسل پریشان تھا۔

صاریہ کشمیر کے لیے نکل چکی تھی اور زیبا مسلسل صبح سے رو رہی تھی۔ خان ولا کا ایک عجیب سا ماحول بنا ہوا تھا۔

"یار زیبی بس کر دو کیوں روئے جا رہی ہو؟"

آنیہ نے آخر کو تنگ آکر اس سے کہا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے آنی روِن میری بات سنے بغیر گھر سے نکل گیا ہے دل عجیب انداز میں ڈر رہا ہے میرا۔"

زیبا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"اللہ پر اور اس کے بعد روِن پر بھروسہ رکھو انشاء اللہ سب بہتر ہو گا چلو اٹھو آو زارا کے پاس چلیں بھائی کے جانے کی وجہ سے وہ بھی اتنی پریشان ہے اور پھر تو ہم دونوں پھوپھو بننے والے ہیں۔"

آنیہ نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا تو زیبا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا؟ از شی ایکسپیکٹنگ؟"

زیبا نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو آنیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"واو امیزنگ کتنا مزہ آئے گا۔"

زیبا نے جوش سے کہا تو آنیہ بھی مسکرا دی اور دونوں اٹھ کر زارا کے کمرے کی جانب چلی گئیں وہ پل بھر کے لیے اپنے آنسو بھول کر مسکرا ضرور دی تھی لیکن دل عجیب سے وہم و وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا۔

زارا اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی جب اس کا فون ایک بار پھر سے بجا تھا۔ فون پر وہی نمبر

تھا جس نے اسے ایک بار پہلے کشمکش میں ڈالا تھا اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ فون اٹھایا تھا وہی مردانہ آواز دوسری جانب سے ابھری تھی۔

"تو پھر کیا سوچا ہے زارا! تم نے اپنی ماں سے ملنا چاہتی ہو کہ نہیں؟"

دوسری جانب سے پوچھا گیا تھا ایک دم سے اسے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"کیا۔۔کیا گارنٹی ہے۔۔کہ۔تم۔۔تم مجھے میری اماں سے ملوا و گئے؟"

اس نے حلق تر کرتے ہوئے ہمت سے پوچھا تھا۔دوسری جانب سے ایک جاندار قہقہ ابھرا تھا۔

"کتنی بھولی ہو تم زارا جبرئیل! تم اس نہج پر نہیں ہو کہ گارنٹی مانگ سکو کیونکہ اس وقت کے بعد تم شاہد اپنی ماں کو کبھی نہ دیکھ پاو۔"

دوسری جانب سے کہنے کی دیر تھی وہ حیرت و صدمے سے کچھ بھی نہیں بول پائی تھی اسے صرف اور صرف یاد تھی تو اپنی ماں اور اسے دیکھنے کی خواہش اس کے زندہ ہونے کی دلیل۔"

اس نے اپنے بہتے ہوئے آنسو صاف کیے تھے اور پھر ڈرتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"کہ۔۔کیسے۔۔ملوں گی میں اپنی اماں سے؟"

اس نے اٹکتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی مقابل ایک بار پھر سے قہقہ لگا گیا تھا اب کی بار

زارا حیران ہوئی تھی لیکن بولی کچھ بھی نہیں۔
"کافی سمجھدار ہو جلدی سمجھ گئی آج رات کو پچھلی طرف سے باہر آجانا اور یاد رکھنا اگر کسی کو بھی کچھ کہا تو اپنی ماں کو دیکھنے کی خواہش کو بھول جانا سمجھی انتظار کروں گا۔"
دوسری جانب سے کہہ کر فون بند کر دیا گیا تھا اور زارا کے پورے وجود میں ایک عجیب قسم کا خوف سرایت کیا تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
وہ دو دن کے بعد سکول آئی تھی سر پر سلک کا ہلکے مہرون رنگ کا سکارف اوڑھے سی گرین فراک پہنے وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی کندھے پر بیگ لٹکائے وہ ابھی کلاس لے کر باہر نکلی تھی سامنے درخت کے نیچے رکھے ہوئے بینچ پر بیٹھ گئی تھی دل خوبصورت انداز میں دھڑک رہا تھا کتنی خوبصورتی سے وہ اس سے ملنے آیا تھا کتنا خوشگوار احساس تھا جب اس کے لہجے میں نرمی محسوس کی تھی۔ علینہ فاطمہ کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ مردوں کے معاملے میں بدقسمت نہیں ہے بلکہ اس کی زندگی میں خوش نصیبی کے پتے بھی موجود ہیں وہ یونہی بیٹھی ہوئی تھی جب اسے سامنے سے صاریہ آتی ہوئی دیکھائی دی تھی ڈل براون کرتے کو سفید پجامے کے ساتھ پہنے کندھوں پر شال ڈالے سیاہ بال پشت پر کھولے وہ ہمشہ کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی چہرہ آج چمک رہا تھا۔ اسے دیکھ کر فاطمہ کے دل میں یک گونہ

سکون اترا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی ہوئی فاطمہ کے قریب آئی تھی۔
"کیسی ہو فاطمہ؟"
صاریہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں صاریہ! آپ کیسی ہیں؟"
اس نے صاریہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جس پر وہ مسکرائی تھی۔
"کیا ہوا آپ مسکرا کیوں رہی ہیں؟"
فاطمہ نے اس کی مسکراہٹ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"ایسے ہی میں سوچ رہی ہوں کہ انسان کی زندگی میں لوگ بھی کتنی اہمیت رکھتے ہیں نہ پہلے بہتر کو بچانے کے پیچھے سارا وقت بھاگتے رہتے ہیں وہ بھاگنے کے باوجود بھی جب نہیں بچ پاتا تو پھر روتے ہیں تڑپتے ہیں لیکن وہ بہتر دور جا چکا ہوتا پھر جب اس کو کھونے پر صبر آتا تو اللہ انعام کے طور پر بہترین سے نوازتا ہے اور پھر آپ ایک نئی دور میں پڑ جاتے ہو اور جانتی ہو وہ دوڑ کیا ہوتی ہے؟"
وہ بول کر خاموش ہوئی تھی اور اس نے فاطمہ کی جانب دیکھا تھا جو حیران بیٹھی اس کی بات سن رہی تھی۔
"پھر ہم بہترین کو بچانے کی دوڑ میں اٹک جاتے ہیں دل ہر لمحے ڈرتا رہتا ہے کہ بہتر کے

بعد کہیں ہم بہترین کو بھی نہ کھودیں اور پھر مسلسل اسی خوف کے اثر میں زندگی گزر جاتی ہے لیکن یہ خوف بہت برا ہوتا ہے کیونکہ بہترین کے بعد آپ کے ہاتھ خالی رہ جانے ہوتے ہیں کیونکہ اس کے بعد کوئی بھی راستہ نہیں بچتا خالی ہاتھ رہنا اس زندگی کا سب سے مشکل کام ہے فاطمہ بجھے ڈر لگتا ہے۔"

وہ مدہم لہجے میں خوف کے زیر اثر اس سے کہہ رہی تھی فاطمہ کو اس کے جملے بالکل اپنی ذات سے جڑے ہوئے لگ رہے تھے فرق صرف یہ تھا کہ اسے کبھی بھی ارجن اپنے لیے بہتر نہیں لگا تھا مگر وہ اسے کھونے سے خوفزدہ رہتی تھی لیکن وہ بہتر نہ ہونے کے باوجود اسے کھو چکی تھی اور اسے کھو کر اس نے بہترین ہی پایا تھا اور اس کا یقین تھا اس کے دل میں اپنے لیے بہترین کو کھونے کا خوف موجود نہیں تھا۔

"بہتر آپ سے چھین لیے جاتے ہیں صاریہ! لیکن بہترین عطا کر کے واپس نہیں لیا جاتا اور جانتی ہیں یہ یقین ہوتا ہے آپ کے اندر کا یقین کہ بہترین آپ کا مقدر بنا دیا جاتا ہے تو وہ آپ کا ہی رہے گا اسے کوئی نہیں چھین سکتا نہ اب اور نہ کبھی۔"

اس کے یقین کی روشنی صاریہ کے وجود کو بھی روشن کر گئی تھی اس کے جملے اس کے بدن پر ٹھنڈی میٹھی پھوار کی طرح برس رہے تھے وہ دل سے مسکرا گئی تھی اور یہ یقین تھا جو اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے پشاور سے نکلے ایک گھنٹے ہونے کو آیا تھا مزید ایک گھنٹے میں وہ راولپنڈی پہنچنے والا تھا ایک گھنٹے کے سفر کے دوران اسے مسلسل اپنے پیچھے کسی کا پیچھا کرنے کا گمان ہو رہا تھا شروع میں اس نے اپنا وہم سمجھ کر یہ بات جھٹک دی تھی مگر مسلسل پیچھا کرنا اس کی ساری حسیں بیدار کر گیا تھا اس نے گاڑی اونچے نیچے راستے پر ڈالی تھی مسلسل گاڑی گھما کر وہ مقابل کو چکما دینے کی کوشش میں تھا مگر مقابل بھی کافی اچھا ڈرائیور ثابت ہوا تھا وہ جلدی سے اس کی گاڑی کے نزدیک آیا تھا آرون اور مقابل کی گاڑی کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا ایک جھٹکے میں پیچھے والی گاڑی نے اسے اورٹیک کیا تھا آرون نے ایکسیلیٹر پر دباو بڑھایا تھا اور گاڑی اس کے مقابل لے کر آیا تھا آرون نے جونہی اپنی گاڑی اس کے مقابل کی تھی اس نے ایک جھٹکے سے گن نکالی تھی اس کی گن دیکھ کر آرون کو ساری بات سمجھنے میں ایک لمحہ لگا تھا اس نے بھی ڈیش بورڈ سے اپنا ریوالور نکالا تھا اور ایک فائر مقابل کی گاڑی پر کھولا تھا مقابل نے دو فائر آرون پر کیے تھے جس میں سے ایک فائر شیشے کو چیرتا ہوا اس کی سیٹ پر بالکل اس کے سر کے پاس لگا تھا جبکہ دوسرا فائر عین اس کی پسلیوں کے نیچے آرون کو درد کا شدید احساس ہوا تھا تکلیف سے اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھلی تھیں ایک پاوں ایکسیلیٹر سے ہٹا تھا لیکن شدید تکلیف کے باوجود اس نے گاڑی

سمبھالنے کی کوشش کی تھی مگر خون کا ایک فوارہ اس کی پسلیوں سے برآمد ہوا تھا تکلیف کی لہر اس کی پسلیوں کو چیرتی ہوئی اسے دوہرا کر گئی تھی ایک اور مزید بلٹ فائیر کیا گیا تھا جو اسے کندھے پر لگا تھا ہاتھ سٹیرنگ سے چھوٹ چکے تھے پاوں نے ایکسیلیٹر چھوڑ دیا تھا گاڑی ویران سڑک پر جھول گئی تھی اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہو رہی تھیں اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ کسی چیز سے زوردار ٹکرایا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بے بسی جب حد سے سوا ہو گئی

بھول یہ مجھ سے جا بجا ہو گئی

توڑ کر اعتبار کی ڈوریاں

میں بھی محبت میں فنا ہو گئی

منتظر جو تھا وہ دہلیز کے پار

اسے پشت دیکھا کر میں رہا ہو گئی

بے دھڑک وہ بھی قدم بڑھا گیا

اس کے جانے سے میں بھی تباہ ہو گئی

جگ ہر سائی میری پھریوں ہوئی

اس کے نام سے جڑ کر رسوا ہو گئی

زخم ایسے لگے تھے روح کو میری

اس کی چوٹوں سے میں بے رحم ہو گئی

ایمن خان

وہ کب سے دیوار کے ساتھ کھڑا وہاں نظر رکھے ہوئے تھا تقریبا صبح سے ہی وہ وہاں کھڑا تھا اب تو انتظار کرتے کرتے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں اس نے کان میں لگائے ہوئے بلو توتھ کا بٹن دبایا تھا۔

"214! احسن ہیر اسامہ!"

اس نے اسامہ کو کنیکٹ کیا تھا۔

"یس سر!"

دوسری جانب سے اسامہ کی الرٹ آواز ابھری تھی۔

"کوئی دکھا کیا؟"

اس نے گن کا رخ اسی جانب رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں سر! صبح سے شام ہونے والی ہے لیکن اب تک کوئی بھی نہیں دکھا۔"

اسامہ نے اسے بتایا تو اس نے گہرا سانس بھرا مگر جونہی وہ پلٹا عجیب سی آواز نے اس

کے قدم وہی پر جکڑ لیے تھے۔

"اسامہ بجھے لگ رہا ہے وہاں کوئی ہے تم نظر رکھو اور جوں ہی کوئی پیش رفت نظر آئے مجھے انفارم کرو اور یاد رہے ڈونٹ فائر۔"

اس نے اسے ایک بار پھر سے یار کرواتے ہوئے کہا تھا۔

"راجر سر!"

اسی کے ساتھ اس نے بٹن بند کیا تھا اور واپس دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا تھا وہاں جو کچھ دیر پہلے آواز ابھری تھی اب چار، پانچ آدمی چہرہ ڈھکے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"او شیٹ اسامہ موو لیفٹ۔"

اس نے جلدی سے اسامہ کو الرٹ کیا تھا اور خود بھی تھوڑا سا پیچھے ہو کر کھڑا ہوا تھا۔ وہ آدمی گہرے نیلے رنگ کے لکڑی کے دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے احسن نے اسامہ کو اشارہ کیا تھا وہ لیفٹ سائیڈ سے دھبے پاوں چلتا ہوا سیدھا اس کے پیچھے آکر کھڑا ہوا تھا۔

"آگے کیا کرنا ہے سر!"

اسامہ نے سر گوشیانہ اس کے کان میں کہا تھا۔

"کچھ نہیں بس خاموشی سے ابھی دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کرتے کیا ہیں آج کم از کم اتنا تو پتہ چل ہی جائے گا کہ آخر یہ سب جاتی کہاں ہیں۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا اور واپس اس جانب متوجہ ہوا تھا جہاں پر وہ لوگ لکڑی کے اس دروازے کو توڑ کر اندر کی جانب چلے گئے تھے گھر سے کچھ ہی دیر میں چیخوں کی آواز ابھری تھی وہ دونوں ہی اس لمحے اپنے اپنے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں ایک بے ہوش لڑکی کے ساتھ وہ لوگ برآمد ہوئے تھے لڑکی کو شاید انہوں نے کوئی انجیکشن لگا کر بے ہوش کیا تھا۔ وہ لوگ لڑکی کو لے کر بستی کی تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے سنسان راستے پر پڑ چکے تھے جہاں ایک جیپ کھڑی تھی انہوں نے اس لڑکی کو جیپ میں ڈالا تھا اور خود بھی تیزی سے جیپ میں بیٹھے تھے۔

"سر بغیر کسی ٹرانسپورٹ کے ہم ان کا پیچھا کیسے کریں گئے؟"

اسامہ نے اس کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اس سے۔"

احسن نے قریب کھڑے رکشے کی جانب اشارہ کیا تھا جس کا ڈرائیور وہاں پر موجود نہیں تھا تب تک وہ لوگ جیپ سٹارٹ کر چکے تھے۔

"سر اس کا تو ڈرائیور ہی نہیں ہے۔"

اسامہ نے الجھن بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"تو تمہارے ہوتے ڈرائیور کی کیا ضرورت ہے؟"
اس نے مسکراتے ہوئے آنکھ ماری تھی اور خود رکشے کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا اسامہ بھی گہرا سانس بھر کر اس کے پیچھے گیا تھا اور رکشے والے کی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا اپنی جیب سے ایک چابیوں کا گچھا نکال کر اس نے باری باری چابیاں کی ہول میں لگائی تھیں دوسری چابی لگانے پر ہی رکشہ سٹارٹ ہو گیا تھا۔ جیپ تیزی سے آگے نکل گئی تھی جیسے ہی جیپ سنسان راستے سے نکلی اسامہ نے رکشہ سٹارٹ کر کے اسی راستے پر ڈال دیا۔
"سر! اس فوج نے کیا سے کیا بنا دیا مجھے۔"
وہ جلتے ہوئے کہہ رہا تھا جبکہ احسن کا قہقہ بے ساختہ تھا۔
"ابھی تو صرف رکشے والے بنے ہو آگے تو اور بھی بہت کچھ بننا پڑے گا۔"
احسن نے اس سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ جیپ ان کی نظروں سے اوجھل ہونے ہی والی تھی جب اسامہ نے رکشے کی رفتار بڑھائی تھی فراٹے بھرتی ہوئی جیپ ایک بار پھر سے دونوں کو نظر آئی تھی جیپ نے ایک مین روڈ پر ٹرن لیا تھا احسن نے باہر سڑک پر بورڈ دیکھا تو وہاں بڑے بڑے سفید حروف میں ٹن روڈ لکھا ہوا تھا جیپ تیزی سے ٹن روڈ پر بھاگ رہی تھی وہ دونوں چونکے تھے کیونکہ جیپ ایک بے حد تنگ گلی کے باہر روک دی گئی تھی اسامہ نے رکشہ سڑک کے دوسری جانب بہت فاصلے پر روکا تھا تاکہ ان کے بارے میں کسی کو کوئی

شک نہ ہو وہ چاروں آدمی لڑکی کے بے ہوش وجود کو کندھوں پر اٹھائے اس تنگ گلی میں چلے گئے تھے۔

"سر! یہ لوگ تو گلی میں چلے گئے ہیں۔"

اسامہ نے حیرت سے کہا تو اس نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

"تو ہم بھی آج چل کر تماشہ دیکھ ہی لیتے ہیں کہ آخر اس تنگ گلی کے پار ایسا کونسا ٹھکانہ ہے جہاں یہ لڑکیاں رکھی جاتی ہیں۔"

احسن نے اس سے بولا تو دونوں دھیرے سے اس تنگ گلی کی جانب بڑھ گئے جو ڈھلوان سے زرہ نیچے کو اترتی تھی وہ دونوں آہستہ سے ڈھلوان اترے تھے گلی چھوٹی اور تنگ تھی وہ دونوں بے ربط بس چلتے جا رہے تھے ایک دم ان دونوں کو ٹھہرنا پڑا تھا کیونکہ اس گلی کے آخر میں تین گھر بنے ہوئے تھے ایک ہی قطار میں بنائے گئے وہ تینوں گھر چھوٹے مگر ایک جیسے تھے۔

"او مائی گاڈ یہ تو تینوں گھر ہی ایک طرح کے ہیں پتہ کیسے چلے گا کہ ان تینوں میں سے کس میں گئے ہیں وہ لوگ۔"

اسامہ نے اپنے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے کہا تو احسن نے تینوں گھروں کو باری باری دیکھا دروازہ تینوں گھروں کا ہی بند تھا وہ خاموشی سے باری باری ہر ایک دروازے پر گیا

اور تینوں دروازوں کا مکمل جائزہ لینے کے بعد وہ اسامہ کی جانب پلٹا تھا۔

"یہ اس گھر میں گئے ہیں وہ لوگ۔"

اس نے بائیں جانب والے گھر میں اشارہ کیا تو اسامہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"آپ کو کیسے معلوم سر؟"

اس نے واقعی ہی حیرت سے پوچھا تھا۔

"تینوں دروازوں میں سے اس بائیں والے گھر کے دروازے پر تازہ مٹی کے زیادہ نشانات ہیں تم نے دیکھا ہوگا جب ہم گلی میں داخل ہوئے وہاں پانی کا ایک چھوٹا سا چھپڑ بنا ہوا تھا جہاں کچھ کیچڑ بھی تھا یہ لوگ اسی کیچڑ میں سے ہو کر آئے ہیں جبکہ باقی کے دونوں گھروں کی دہلیزیں بالکل صاف نہ سہی پر وہاں تازہ مٹی کے کوئی نشان نہیں ہیں اب ہمیں اس گھر کی کھڑکی تلاش کرنی ہے چلو میرے ساتھ۔"

وہ اسامہ کو کہتا ہوا آگے کی جانب بڑھا تو وہ بھی یس سر کہتا ہوا اس کے پیچھے چلا گیا دونوں نے کہانی کے کچھ حصے دریافت کر لیے تھے بہت جلد ساری کہانی کھل کر سامنے آنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام میں عشرت جہاں ماہ رخ بیگم کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں آنیہ بھی وہی قریب

For more visit (exponovels.com)

بیٹھی چائے پی رہی تھی جبکہ زیبا مسلسل لان میں چکر کاٹ رہی تھی۔
"اف زیبی کیا ہوگیا ہے یار بیٹھ جاؤ تمہیں دیکھ کر ہی مجھے چکر آ رہے ہیں۔"
آنیہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے زیبا سے کہا تھا جو مسلسل کوئی لانگ مارچ کر رہی تھی۔
"میرا دل بہت گھبرا رہا ہے آنی! میں دوپہر سے آرون کو کال ملا رہی ہوں میرا فون نہیں اٹھا رہا وہ۔"
اس نے آنکھیں پونچھتے ہوئے پریشانی سے کہا تھا۔
"ریلیکس کرو یار کسی کام میں بزی ہو گئے فری ہو کر رون تمہیں خود ہی کال کر لیں گے۔"
آنیہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ابھی وہ یہ کہہ ہی رہی تھی جب عشرت جہاں کا فون بجا تھا اور پر جبرئیل کا لنگ آ رہا تھا۔ اس کی کال دیکھ کر وہ خاصی حیران ہوئی تھیں کیونکہ کسی بھی مشن کے دوران جبرئیل کبھی کال نہیں کرتا تھا انہوں نے فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔ اور جو خبر جبرئیل نے انہیں دی تھی اسے سن کر ان کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر زمین بوس ہوا تھا اور وہ ایک دم سکتے میں چلی گئی تھی۔
"بھابھی کیا ہوا ہے؟"
ماہ رخ بیگم نے ان کی حالت دیکھی تو فوری اپنی کرسی چھوڑ کر ان کے نزدیک آئی تھیں

تب تک زیبا اور آنیہ بھی ان کے پاس آچکی تھیں۔

"رون!رو۔۔رون کو گولی لگی ہے ہاسپٹل میں ہے میرا بچہ۔"

اس کے ساتھ ہی ان کے دو آنسو ٹوٹ کر گرے تھے لیکن وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو سمبھال چکی تھیں جبکہ زیبا جہاں تھی وہی پر بیٹھ گئی تھی۔

"آنیہ سبتے کو فون ملاو۔"

عشرت جہاں نے سپاٹ چہرے کے ساتھ آنیہ کو کہا تو اس نے جلدی سے سبتے کو فون کیا تھا۔

"امی! بھائی نے کیا کہا ہے اور؟"

اب کی بار آنیہ نے فون بند کر کے براہراست عشرت جہاں سے کہا تھا۔

"وہ ہاسپٹل نہیں جا پائے گا کیونکہ وہ پنڈی کے لیے نکل گیا ہے اپیے کام کے سلسلے میں اس لیے سبتے کے ساتھ ہم لوگوں کو ہی ہاسپٹل جانا ہوگا۔"

ان کے کہنے کی دیر تھی باہر مین گیٹ پر ہارن بجا تھا چوکیدار نے سبتے کی گاڑی دیکھ کر فوری گیٹ کھولا تھا وہ سب گاڑی کی جانب بڑھی تھیں آنیہ مسلسل ساکن بیٹھی زیبا کو تقریبا گھسیٹتے ہوئے گاڑی تک لے کر گئی تھی۔

"امی زارا؟"

آنیہ کو اچانک سے زارا کا خیال بھی آیا تھا۔

"ماہ رخ تم زارا کے پاس ہی رک جاو بیچاری بچی کی حالت پہلے ہی صیح نہیں ہے۔"

انہوں نے ماہ رخ بیگم سے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا باقی سب گاڑی میں بیٹھ چکے تھے ان کا رخ اب ہاسپٹل کی جانب تھا جہاں آرون زندگی اور موت کے بیچ میں جھول رہا تھا۔

وہ بیچ راستے میں تھا جب اس کے وائیرلیس پر کرنل خاور کی کال آئی تھی اور انہوں نے اسے آرون کو گولی لگنے والی خبر دی تھی اسے لگا تھا جیسے کسی نے ایک دم سے اس کا سانس بند کر دیا ہو وہ کتنی دیر خاموش رہا تھا دوسری جانب سے کرنل خاور کی پکار نے اسے واپس ہوش کی دنیا میں پٹخا تھا وہ اسے دلاسہ دے رہے تھے اور بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر نہ تو اس کی سماعتیں ہماتن گوش تھیں اور نہ ہی اس کا پورا وجود۔

"سر! اگر آرون کو کچھ بھی ہوا میں ان سب کی سانسیں اس بے دردی سے کھینچوں گا کہ اپنے دنیا میں آنے کا افسوس ہی کرتے رہیں گئے۔"

اس کی گرفت سٹیرینگ پر سخت ہوئی تھی۔

"ڈونٹ وری ینگ مین ایس۔پی آرون خان از آفائیٹر ہی ول بھی فائن انشاءاللہ۔"

وہ اسے دلاسہ دینے کی مکمل کوشش کر رہے تھے اس کا دل آرون کو دیکھنے کے لیے مچل

رہا تھا مگر وہ چاہ کر بھی اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ مجھے اس کی صحت کے حوالے سے اپ ڈیٹ کرتے رہیے گا پلیز سر میں پولیس فورس کے ساتھ پنڈی جا رہا ہوں وہی سے باقی کا کیس اے۔ ایس۔ پی سبتین خان ہینڈل کرے گا اور میں اس فورس کو لیڈ کروں گا اور یہ کام نمٹانے کے بعد کشمیر مشن پر اپنے حصے کا کام مکمل کروں گا۔"

اس نے باری باری اپنے سارے کام ان کے گوش گزار کیے تھے۔

"اوکے اور یہ جو کچھ سیکرٹ ایجنسی میں ہو رہا ہے اسے جلد از جلد سمیٹو جبرئیل ورنہ ہم کیا ملک بھی تباہ ہو جائے گا اور ہم اسے بچانے کے لیے کچھ بھی نہیں کر پائیں گئے۔"

انہوں نے بہت مشکل سے اپنی بات مکمل کی تھی۔

"نہیں سر ایسا کچھ نہیں ہو گا میں جان پر کھیل جاوں گا مگر ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

اس کے لہجے میں وطن سے محبت بول رہی تھی کرنل خاور نے ڈن کا سگنل دے کر کال بند کر دی تھی جبکہ اس نے اپنی جیپ کی رفتار مزید بڑھائی تھی۔ اس کا رخ اب سیکرٹ ایجنسی پنڈی کی جانب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھیرے دھیرے رات کی سیاہی آسمان پر پھیل رہی تھی۔ خان ولا میں سناٹوں کا راج تھا

ماہ رخ بیگم ہی صرف گھر میں موجود تھیں وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھی ہاتھ میں پکڑا ہوا فون مسلسل بیپ دے رہا تھا وہ عجیب سی کشمکش میں تھی۔

"میرا بھروسہ رکھو میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

کہیں سے جبرئیل کی زندگی سے بھرپور آواز اس کے کانوں کے پردے میں گونجی تھی۔ اس نے زور سے آنکھیں میچی تھیں۔

"میں تب تک محفوظ ہوں جب تک میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

اسے کہیں سے اپنی آواز بھی سنائی دی تھی۔ آنسوؤں کی ایک لڑی اسے اپنے چہرے پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ فون مسلسل حرکت کر رہا تھا۔

"میں جلد واپس آوں گا"

اس کی آواز ماحول میں بکھری تو زارا کی ایک سسکی نکلی۔

"کاش آپ آج میرے پاس ہوتے میرے سامنے ہوتے تو میں اس مشکل میں نہ ہوتی میجر صاحب آپ کو زرہ فکر نہیں ہے میری پل پل مر رہی ہوں میں۔"

اس نے آواز دبا کر فون کان سے لگایا تھا دوسری جانب سے اسے پچھلے گیٹ سے باہر آنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔ وہ سیاہ چادر اپنے وجود کے گرد لپیٹ کر دبے پاوں اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی خان ولا کی کچھ پیلی بتیاں روشن تھیں وہ لاونج سے کچن میں گئی تھی

اور وہی سے پچھلا جالی کا دروازہ کھول کر پچھلے لان میں نکل آئی تھی اس کا دل اس لمحے انتہائی تیزی سے دھڑک رہا تھا اس نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ پیچھے چھوٹا گیٹ تھا جس پر آکر اس نے گہرا سانس بھرا تھا پچھلے گیٹ کی کنڈی کھول کر وہ باہر نکلی تھی ایک بار اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا خان ولا اسی شان سے کھڑا تھا وہ اپنے پاوں خان ولا کی دہلیز سے باہر نکالتے ہوئے یہ بالکل فراموش کر چکی تھی کہ خان ولا سے باہر قدم نکالنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی بننے والا ہے۔ باہر پوری سڑک سنسان تھی سنسان سڑک پر صرف اس لمحے ایک پراڈو کھڑی تھی جس کی ہیڈلائیٹس پوری سڑک کو دور تک روشن کر رہی تھیں وہ الجھے چہرے اور خوف سے سڑک پر موجود اس پراڈو کو دیکھ رہی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا میری جان!"

اس کے آخری بار کے کہے گئے جملے زارا کے کانوں میں گونجے تھے۔

"اگر اس بار تم اپنی ماں سے نہ ملنے آئی تو تم انہیں اپنی زندگی میں کبھی بھی نہیں دیکھ پاوگی۔"

ایک دوسری اجنبی آواز بھی اس کے اردگرد لہرائی تھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کی میسج ٹون بجی تھی اس نے روشن سکرین کو کھول کر آنے والا میسج دیکھا تھا۔

"اس سامنے کھڑی ہوئی پراڈو میں آجاو۔"

ماں کی محبت ایک لمحے میں شوہر کی محبت اور بھروسے پر غالب آئی تھی وہ بھول چکی تھی کہ

اسے جبرئیل پر بھروسہ رکھنا تھا اس کی اجازت کے بغیر اسے کہیں نہیں جانا تھا مگر اس کے قدم سڑک پر کھڑی سیاہ پراڈو کی جانب بڑھے تھے وہ بہت جلد گیٹ سے گاڑی تک کا سفر عبور کر گئی تھی است قریب آتے دیکھ کر پراڈو کا دروازہ کھل چکا تھا اور اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ دیا گیا تھا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی کچھ ہی دیر میں تیزی سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طراب نے اپنے لیپ ٹاپ سے کرنل خاور کی بھیجی ہوئی ای میلز دریافت کر لی تھیں ان ساری ای میلز میں اس کے مکمل لائحہ عمل کے بارے میں بریفینگ دی گئی تھی اس نے لیپ ٹاپ ایک جانب کو رکھا اور اٹھ کر واپس کھڑکی کی جانب آ گیا اپنے شولڈر بیگ میں سے اس نے ایک دوربین نکالی تھی کھڑکی کے پردے زرہ سے سر کا کر اس نے دوربین لگا کر بالکل اس سمت دیکھا تھا جہاں داور کمال کے کمرے کی کھڑکی تھی اس نے ابھی ابھی اس کمرے میں دو آدمیوں کو داخل ہوتے دیکھا تھا جونہی اس نے دوربین سے داور کمال کے کمرے کی کھڑکی میں جھانکا پردے برابر ہونے کے باوجود اندر کا منظر واضح ہوا تھا وہاں سامنے کے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر ایک درمیانی عمر کا مرد سگرٹ سلگائے بیٹھا ہوا تھا سامنے میز پر کوئی مشروب بھی رکھا ہوا تھا ایک آدمی سائیڈ صوفے پر بیٹھا شاہد سگار

سلگائے ہوئے تھا کیونکہ طراب کو وہ سگرٹ سے زرہ بڑے سائز کا لگا تھا زرہ غور کرنے پر دوربین سے اس شخص کا چہرہ واضح ہوا تھا وہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ داور کمال خود تھا لیکن اس کے سامنے بیٹھا ہوا شخص کون تھا طراب اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا اس نے جلدی سے میز پر رکھا ہوا اپنا فون اٹھایا تھا اور بہت فوکس کر کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی تصویر لی تھی اور اسے جبرئیل کے نمبر پر فارورڈ کیا تھا نیچے ایک میسج بھی چھوڑا تھا کہ جلد از جلد اس شخص کے بارے میں معلومات فراہم کرے دوسرا کام جو اسے کرنا تھا وہ یہ تھا کہ اسے جاننا تھا کہ اس کمرے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں اور اس کے لیے اسے کچھ ایسا حل نکالنا تھا کہ وہ وہاں ٹرانسمیٹر فٹ کر سکے صورتحال خاصی نازک ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے جلدی سے اپنا پورا بیگ بیڈ پر انڈیلا تھا کچھ ہی دیر کے کشت کے بعد اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی تھی وہ وائس ٹرانسمیٹر تھا جس کا سائز اتنا چھوٹا تھا کہ بہت غور سے دیکھنے پر ہی معلوم ہوتا ورنہ کوئی عام انسان اسے دیکھ کر کبھی بھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ وہ وائس ٹرانسمیٹر اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال کر ڈنر کرنے کے لیے نیچے ریسٹورینٹ میں نکل آیا تھا اسے اب وہ ٹرانسمیٹر داور کمال کے کمرے میں فٹ کرنے کے لیے موقعے کی تلاش تھی جو اسے بہت جلد ملنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کے آنسو اس کی گود میں دھری ہوئی ہتھیلیاں بھگو رہے تھے وہ ہاسپٹل میں آئی سی یو کے باہر رکھی ہوئی ویٹنگ چئیر پر بیٹھی ہوئی تھی سر پر دوپٹہ اوڑھے وہ مسلسل منہ میں کچھ پڑھ رہی تھی اس سے کچھ فاصلے پر عشرت جہاں تسبیح لے کر بیٹھی ہوئی تھیں اور آنیہ سبتین کے ساتھ آئی سی یو کے دروازے کے پاس کھڑی تھی اس کے آپریشن کو ہوتے ہوئے تین گھنٹے بیت چکے تھے آئی سی یو کے ساتھ بنے آپریشن تھیٹر پر سرخ بلب ابھی بھی روشن تھا زیبا کو یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اندر آرون کے نہیں اس کے جسم میں چیر پھاڑ کر رہا ہو لیکن اپنے ارد گرد اس کے قریبی رشتوں کو صبر کی تصویر بنے دیکھتے ہوئے وہ بھی حوصلہ پکڑنے پر مجبور ہو گئی تھی مگر دل اندر ہی اندر خوب شور مچا رہا تھا۔

"تم ایک پولیس والے کی بیوی ہو یار تمہیں بہادر بننا ہے۔"

دو دن قبل کہی ہوئی آرون کی بات زیبا کو سنائی دی تھی۔

"اور کتنی بہادری دیکھاؤ میرا دل پھٹ رہا ہے لیکن تمہاری بیوی ہونے کا اعزاز مجھ میں ضبط بڑھا رہا ہے آرون!"

وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"ضبط کے امتحان میں کامیاب ٹھہرو گی تو مجھے اپنے پاس واپس پاؤ گی زیبی!"

دل نے جیسے آرون کا پیغام اسے پہنچایا تھا اس نے اپنے مہندی لگے ہاتھوں سے اپنے

نکلنے والے آنسو پونچھے تھے۔ سامنے آپریشن تھیٹر کا سرخ بلب بجھ چکا تھا اس کا دل ایک دم گھبرایا تھا کچھ ہی دیر میں دروازہ کھول کر ڈاکٹرز باہر نکلے تھے سبتین جلدی سے ڈاکٹر کی جانب بڑھا تھا۔

"کیسا ہے آرون اب؟"

اس نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں مسٹر سبتین!"

ڈاکٹر نے اس سے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا ڈاکٹر کے ساتھ چل دیا زیبا بے چینی سے اپنی نشست سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"بڑی امی! ی۔۔یہ کیو۔۔کیوں س۔۔بتے کو۔۔اپنے۔۔سا۔

ساتھ لے کر گئے ہیں؟"

وہ شکستہ لہجے اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے ان سے پوچھ رہی تھی جو کمال ضبط سے اس کے قریب آئی تھیں اور اسے کندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ والی کرسی پر واپس بیٹھایا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو کیوں رو رہی ہو اتنا صرف اس ڈر سے کہ کہیں وہ تم سے رون کو چھین نہ لے؟"

انھوں نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا تھا اس نے حیرت سے ان کی جانب

دیکھا تھا۔

"یہ۔۔۔بڑی امی۔۔ی۔۔یہ۔آپ کیا؟"

"شیش!صرف دو دن پہلے اللہ نے اسے تمہارا محافظ بنایا ہے اسے اور تمہیں ایک دوسرے کی تحویل میں دیا ہے اور تم اسے کھونے سے رو رہی ہو اور میں میرا کیا پورے نو مہینے زینبی اسے اپنے پیٹ میں رکھا ہے اسے پیدا کیا پالا پوسا چلنا سکھایا لیکن پھر بھی میں ضبط سے بیٹھی ہوئی ہوں جانتی ہو اس کے پیچھے وجہ کیا ہے؟"

انہوں نے اب کی بار اس کی جانب دیکھا تھا۔جس نے نفی میں اپنی گردن ہلائی تھی۔

"اس کی وجہ وہ یقین ہے جو مجھے اس ذات پر ہے۔جس کے قبضے میں آرون کی جان ہے بچے وہ اگر پیدا کرنے پر قادر ہے تو چھین لینے پر بھی قادر ہے تم سے پہلے اس پر میرا حق ہے اور مجھ سے پہلے اس کی ذات پر اللہ کا حق ہے لیکن یہ یقین کہ اللہ اسے اچھائی کے راستے میں برائی کو ختم کرنے کے عوض اپنے پاس بلا رہا ہے تو تمہیں اور مجھے تو اس کی خوشقسمتی پر ناز کرنا چاہئیے کیونکہ تم یا میں تو مر کر فنا ہو جائیں گئے مگر آرون خان شہید ہو کر بھی ہمشہ زندہ رہے گا۔"

انہوں نے اسے اپنی پوری بات بڑے ہی اچھے انداز میں سمجھا دی تھی اور اسے سننے کے بعد اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہے تھے آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"بڑی امی! میں نے اپنا آرون اللہ کی سپرد کر دیا مجھے یقین ہے وہ اسے مجھے ضرور واپس لوٹا دے گا۔"

اس نے بے دردی سے آنسو رگڑتے ہوئے کہا تو عشرت جہاں بے اختیار مسکرا دی۔

وہ ڈاکٹر کے سامنے پریشان بیٹھا ہوا تھا۔

"مسٹر سبتے جو گولی آرون کے کندھے پر لگی تھی وہ گولی ہم نے اس کے کندھے سے نکال لی ہے لیکن جو دو گولیاں اسے پسلیوں کے نیچے لگی ہیں ان میں سے ایک سامنے کی جانب لگی ہے اور دوسری گولی اس کے سپائینل کوڈ کے بے حد قریب لگی ہے اتنا نزدیک کے وہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کو تھوڑا سا متاثر کر چکی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے واپس چلنے میں کافی وقت لگ سکتا ہے۔"

ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں اسے بتایا تھا۔

"وہ رکور تو کر لے گا نہ ڈاکٹر آپ جانتے ہیں کہ وہ پولیس فورس میں ہے اس کے لیے مکمل صحت یاب ہونا کتنا ضروری ہے۔"

سبتین نے ڈاکٹر سے کہا تو انہوں نے سر ہلایا۔

"آپ بس دعا کریں کہ وہ جلد رکور کر لے اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں جو انفیکشن پھیلا ہوا ہے وہ میڈیسنز سے ٹھیک ہو جائے ورنہ مسئلہ ہو سکتا ہے سبتین!"

ڈاکٹر نے کہا تو وہ خاصہ پریشان ہوگیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"اسے ہوش کب تک آئے گا؟"

اس نے ڈاکٹر سے پوچھا تو ڈاکٹر نے ایک پرسکرپشن اس کی جانب بڑھایا۔

"اسے ہوش جلد آجائے گا ابھی پین کلر کا انجیکشن لگایا ہے جس کے باعث وہ نیند میں ہے صبح تک اسے ہوش آجائے گا۔"

ڈاکٹر نے اسے آرون کی حالت سے متعلق ساری معلومات فراہم کی تھی جسے سن کر وہ پریشان ہوگیا تھا وہ اچھے سے جانتا تھا کہ پولیس میں آنا آرون کا جنون تھا اور وہ اپنی صحت کے باعث اپنے اس جنون سے ہاتھ دھو بیٹھے یہ آرون کو کسی طور بھی منظور نہیں تھا ابھی اسے پنڈی کے لیے بھی نکلنا تھا وہ ایک گہرا سانس بھر کر ڈاکٹر کے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سیکرٹ ایجنسی راولپنڈی کے باہر کھڑا تھا اندر داخل ہونے کے لیے اسے اپنا کارڈ اور تھم پرنٹس دینے تھے وہ اپنے یونیفارم میں ہی ملبوس تھا مگر چہرے پر تھکن کے شدید آثار تھے کل رات سے وہ نجانے کیوں زارا کی وجہ سے بہت پریشان تھا اس نے چاہا تھا کہ وہ ایک بار اسے فون کر لے مگر پھر یہ سوچ کر نہیں کیا کہ اگر اس نے زارا کی آواز سنی تو وہ

کمزور پڑجائے گا تمام مطلوبہ چیزیں داخلی راستے پر جمع کروا کر وہ اندر داخل ہوا تھا راہداری عبور کر کے ایک بہت بڑا حال کمرہ تھا جہاں سب سیکرٹ کوپس اپنے اپنے سسٹمز پر بیٹھے ہوئے کام کر رہے تھے جیسے ہی اس نے راہداری عبور کی میجر اشیاق نے اسے سیلوٹ کیا۔

"اسلام علیکم سر!"

وہ بالکل مودب اور الرٹ انداز میں کھڑا تھا۔

"وعلیکم اسلام صاب!"

اس نے خالص اپنے فوجی انداز میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"کیا رپوٹ؟"

اس نے انتہائی دھیمے لہجے میں اس سے پوچھا تو وہ اسے اشارے سے اپنے آفس کی جانب لے گیا جہاں ایک عدد لیپ ٹاپ میز پر رکھا ہوا تھا اس نے کرسی پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ کر رخ اپنی جانب کر کے چند کیز بڑی تیزی سے پریس کی تھیں۔ اور پھر لیپ ٹاپ کا رخ قدرے جبرئیل کی جانب بھی کیا تھا۔

"سر! یہ کنٹرول روم کا منظر ہے۔"

اس نے ایک نظر سکرین پر نظر آتے منظر پر ڈالی تھی جہاں دس سے بارہ لوگوں کی ایک ٹیم

مختلف سسٹمز پر بیٹھی کام کر رہی تھی اور سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک میوچل سسٹم رکھا ہوا تھا جس پر سارے سسٹمز پر کیا جانے والا کام کمبائن ہو رہا تھا وہاں اس ایجنسی کے سب سے ہونہار کوپ کی سیٹ تھی۔

"سر ابھی تک ہمارے سسٹمز کو تین بار ہیک کرنے کی کوشش کی جا چکی ہے لیکن تینوں ہی بار کیپٹن ارسلان نے بہت اچھے طریقے سے ہینڈل کیا ہے مگر سر! آج صبح سے مسلسل میوچل سسٹم میں داخل ہونے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس دفعہ وہ کوشش اتنی سٹرونگ ہے کہ کیپٹن ارسلان اپنی ساری سکیلز یوز کر کے بھی قابو نہیں پا پا رہے ہیں۔"

اس نے پوری تفصیل اس کے سامنے رکھی تھی وہ مزید کوئی بات کہنے والا تھا جب جبرئیل کا وائیرلیس چیخا تھا وہ آج سے اپنا پرسنل فون بند کر چکا تھا اب صرف وائیرلیس ہی استعمال کیا جا رہا تھا۔

"یس سبتین!"

دوسری جانب سے سبتین تھا۔

"بھائی! آرون از بیٹر ناو بٹ ڈاکٹرز ابھی اسے ڈسچارج نہیں کر رہے ہیں اس کی بیک بان متاثر ہوئی ہے اگر تو میڈیسنز سے اسے آرام آگیا تو ویل اینڈ گڈ ورنہ آرون کے لیے ٹھیک

طرح سے چلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"

آخر کی بات اس نے انتہائی ضبط سے کہی تھی اس کی آواز کے بھاری پن کو محسوس کر کے جبرئیل نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

"ڈونٹ یو وری سبتے آرون کو کچھ نہیں ہوگا ہی از آ ٹائیگر اور جس نے یہ کیا ہے نہ وہ تو بس اپنی الٹی گنتی شروع کر دے کیونکہ اب تو میں اسے پاتال سے بھی نکال کر ماروں گا وہ بھی تڑپا تڑپا کر اس کی جانب میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تو سبتے نے بھی گہرا سانس بھرا تھا۔

"اور بھائی آپ کے کہنے کے مطابق پولیس فورس کی پوری نفری میں نے ایجنسی کے گرد نافذ کر دی ہے ہاسپٹل سے ہو کر میں بس پنڈی کے لیے ہی نکل رہا ہوں آج یہ ہیکر میرے ہاتھوں بچ نہیں سکتا کیونکہ ایکسپرٹس کے مطابق اس سسٹم کو صرف تین سے پانچ میل کی رینج میں ہی ہیک کیا جا سکتا ہے اس سے دور جا کر سسٹم کسی صورت بھی ہیک نہیں کیا جا سکتا۔"

سبتے نے کہا تو جبرئیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم نظر رکھو میں اب اس سسٹم کو خود چیک کروں گا اگر ایک بار یہ میوچل سسٹم ہیک ہو گیا نہ سبتے تو ہمارے ملک کے بہت سے راز اس ہیکر تک پہنچ جائیں گے اور وہ کہاں

سے ہو سکتا ہے مجھے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے ساری بات کہہ کر وائیر لیس ڈسکنیکٹ کر دیا تھا۔

اس کی کال بند ہوئی تھی کہ میجر اشیاق کی میز پر رکھا ہوا لینڈلائن بجا تھا جوں جوں وہ فون پر بات کر رہے تھے ان کے چہرے کے زاویے پریشانی میں تبدیل ہوئے جا رہے تھے۔

"واٹس رانگ میجر!؟"

اس نے اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے کہا تو میجر اشیاق نے اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

"سر ہیکر سسٹم میں اینٹر ہو چکا ہے۔"

اس نے کہا تو جبرئیل کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا۔

"کنٹرول روم میں آئیں میرے ساتھ۔"

وہ جلدی سے کہہ کر آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اس کا ارادہ کنٹرول روم کی جانب جانے کا تھا اس لمحے جبرئیل کا دل اس تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اسے اپنی دھڑکن کی آواز صاف اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی ایک بار دشمن کے ہاتھ راز لگتے ہی سب کچھ ختم ہو جانا تھا ان کی محنت لگن اور حوصلہ سب کچھ ایک ہی ساتھ ختم ہو جانا تھا اور وہ مر تو سکتا تھا مگر پورے ملک کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ کنٹرول روم میں داخل ہوتے ہی اس

کی نظر چار پانچ آفیسرز پر پڑی تھی جو میوچل سسٹم کے گرد کھڑے تھے اسے داخل ہوتے دیکھ کر سب ایک جانب کو ہوئے تھے ارسلان اپنی سیٹ پر بیٹھا پریشانی سے مختلف کیز دبا رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے ارسلان!؟"

اس نے ارسلان کی ریوالونگ چئیر کی پشت تھامتے ہوئے جھک کر سکرین کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا جہاں ایک مخصوص ائیریا میں سرخ لکیر دیکھائی دے رہی تھی۔

"سر ہیکر مسلسل سسٹم میں گھس کر انفاریشن کے لیے سرچ شروع کر چکا ہے۔"

ارسلان نے اس سے کہا تو اس کی رگیں غصے سے تنی تھی۔

"سسٹم کو آف کرنے کے لیے کیا کرنا ہے ہمیں ارسلان؟"

اس نے انتہائی سنجیدگی سے اپنی بات پوچھی تھی۔

"سر! یہ سکرین پر سرخ لکیر دیکھ رہے ہیں نہ آپ یہ سرخ لکیر یہ ساتھ بنی ہوئی نیلی لکیر کے جب بھی پاس آئے گی سسٹم کریش ہو جائے گا مگر مشکل یہ ہے کہ اس لمحے یہ سسٹم صرف میرے ہی ہاتھ میں نہیں ہے اسے دوسری جانب سے دو اور لوگ بھی چلا رہے ہیں اگر میں سسٹم کریش کرنے کی کوشش کروں گا بھی تو بھی دوسرے ہیکرز مجھے میری کوشش میں کسی بھی صورت کامیاب نہیں ہونے دیں گئے۔"

ارسلان نے جبرئیل سے کہا تو اس نے انتہائی سنجیدگی سے ارسلان کی جانب دیکھا تھا۔
"کیپٹن ارسلان! یہ سسٹم ہمارا ہے اس کے داؤ پیچ دوسرے لوگ ہم سے زیادہ نہیں جانتے اس لیے وہ لاکھ کوشش کرلیں مگر یہ ہماری ڈیوائس ہماری ہے اس لیے اسے اگلے پانچ منٹ میں ان کی لاکھ کوشش کے باوجود کریش کرنا ہے ورنہ ہم سب کچھ گنوا دیں گئے ارسلان سکرین پر کاونٹ ڈاون سٹارٹ ہوچکا ہے پانچ منٹ کے بعد یہ پورا سسٹم ان کے قبضے میں چلا جائے گا۔"
اس نے سسٹم کی سکرین پر دیکھتے ہوئے کہا تھا جہاں سیاہ حروف میں پانچ منٹ کا کاوئنٹ ڈاون شروع ہوچکا تھا۔
"اٹھو تم یہاں سے؟"
اس نے عجلت میں ارسلان کو کرسی سے اٹھنے کے لیے کہا تھا۔ جونہی وہ کرسی سے اٹھا جبرئیل نے اس کی جگہ سمبھالی تھی اور ایک بار غور سے سکرین کو دیکھا تھا جہاں پر سرخ لکیر نیلی لکیر سے دور ہوتی جارہی تھی اس نے تیزی سے ایک دو بٹن دبائے تھے اس نے جلدی سے ایک یو۔ ایس۔ بی پورڈ میں لگائی تھی اور جلدی جلدی ساری امپورٹنٹ سیکرٹ فائیلز کاپی کی تھیں فائیلز کاپی کر کے اس نے یو۔ ایس۔ بی کا فولڈر اوپن کیا تھا وہاں پیسٹ کی کی پریس کر کے اسے ایک دو منٹ انتظار کرنا تھا کیونکہ فائیلز کا لوڈ اتنا زیادہ تھا کہ دو منٹ

سے پہلے وہ پیسٹ نہیں ہو سکتی تھیں سیاہ کاونٹ ڈاون پر اب صرف تین منٹ باقی تھے۔

"کم ان کم ان۔"

وہ اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر اپنی بائیں ٹانگ مسلسل ہلا رہا تھا تمام سٹاف اس کی کرسی کے گرد جمع ہو گیا تھا۔ کوپینگ 80% ہو چکی تھی سبز رنگ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور اتنی ہی تیزی سے وقت ختم ہو رہا تھا جونہی سبز رنگ اختتام پذیر ہوا جبرئیل نے پوڈ سے یو۔ایس۔بی کھینچ لی تھی اس کی انگلیاں اب کی بورڈ پر مسلسل حرکت کر رہی تھیں سیاہ ٹائیمر کے مطابق پیچھے دس سیکنڈ بچے تھے۔

"سر ہمارے پاس صرف دس سیکنڈ بچے ہیں۔"

ارسلان نے سکرین دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا تو میجر اشیاق نے بھی سکرین پر چلتا ہوا سیاہ ٹائیمر دیکھا۔

"آئی نو ارسلان آپ لوگ سب بیک ورڈ کاونٹ ڈاون دیں۔"

اس نے مصروف انداز میں ہی کہا تو سب نے چونک کر اس کی جانب دیکھا جو مسلسل اپنے کام میں مصروف تھا سب کی گنتی گننے کی آواز آ رہی تھی۔

اس نے سارا کام کر کے دھڑکتے دل کے ساتھ اینٹر کے بٹن کی جانب انگلی بڑھائی تھی۔

"تھری، ٹو، ون،"

جبرئیل نے اینٹر پریس کر کے آنکھیں زور سے بند کی تھیں فضا میں ٹوٹو کی آواز گونجی تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا جہاں سکرین سیاہ تھی اور سب تالیاں بجا رہے تھے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے ہوئے کہا تو میجر اشیاق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"یو آر جینیئس سر آپ نے ایک ناممکن کام کو ممکن بنایا ہے آئی سویر آپ جیسے بہادر فوجی اس ملک میں جب تک ہیں کوئی اس ملک کا بال بھی باکا نہیں کر سکتا۔"

اشیاق نے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"میجر صاحب! کوئی بھی کام کرنے کے لیے آپ پیدا نہیں ہوتے آپ کو اللہ کی طرف سے چنا جاتا ہے جیسے اس نے مجھے آپ کو اور ہم سب کو چنا۔"

اس نے میجر اشیاق سے کہا تو انھوں نے اثبات میں سر ہلایا جبرئیل کے وائیرلیس نے وہاں موجود لوگوں کو ایک پل میں خاموش کرایا تھا۔

"ہاں سبتے بولو کیا خبر ہے؟"

اس نے کنٹرول روم سے باہر نکلتے ہوئے سبتے سے پوچھا تو وہ عجلت میں گویا ہوا تھا۔

"بھائی ایجنسی سے تقریب چار میل کے فاصلے پر ایک کھنڈر نما گھر تھا جہاں ابھی ابھی کچھ دیر پہلے میری ٹیم نے ریڈ کی ہے وہاں سے بہت سارے لیپ ٹاپس اور دوسری الیکٹرونک ڈیوائسیس برآمد کی گئی ہیں اور یہی نہیں ہم نے تین بندوں کو بھی گرفتار کیا ہے اب آگے کے لیے میرے لیے کیا حکم ہے؟"

اس نے اپنی پوری بات کر کے اپنے لیے اگلا لحہ عمل پوچھا تھا۔

"گڈورک اے ایس پی سبتین خان آپ نے تو کمال ہی کر دیا انہیں میرے کشمیر والے ٹارچر سیل میں بچھوا دو سبتے! کیونکہ اگران کے ماتحتوں کو ان کے گرفتار ہونے کی خبر ہوئی تو ہمارے لیے مسئلہ ہو جائے گا۔"

جبرئیل نے کہا تو اس نے اوکے کے ساتھ لائن ڈسکنیکٹ کر دی اس نے لائن کاٹنے کے بعد جبرئیل نے میجر اشیاق کے آفس میں رکھا ہوا لینڈ لائن اٹھا کر طراب کو کنیکٹ کیا تھا ایک دو بیل جانے کے بعد دوسری جانب سے کال اٹھا لی گئی تھی۔

"کیسے ہو طراب؟"

اس نے اس سے حال احوال دریافت کیا تو طراب نے اسے حال کے بعد وہاں پیش آنے والی صورتحال سے بھی آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"اچھا طراب! اس آدمی کا نام ارجن مہتا ہے بظاہر وہ ایک بزنس مین دیکھائی دیتا ہے مگر

جب میں نے اس کے بارے میں اپنے لینکس استعمال کر کے پتہ کروایا تو ارجن میتھا ایک سمگلر ہے جو مختلف میشیات اور لڑکیاں سمگل کرتا ہے اور جو حیران کن بات مجھے لگی وہ یہ تھی کہ ارجن میتھا نت نئی لڑکیاں صرف اپنے ایک ساتھی کو بیچتا ہے. جس کا نام راجویر سنگ ہے وہ ایک انتہائی امیر آدمی ہے اس کی تصویر اور ڈیٹیلز میں تمہیں کچھ دیر میں میل کرتا ہوں باقی کا اپنا کام تم بہت اچھے سے جانتے ہو۔ "

جبرئیل نے اسے ساری بات بتا کر کال ڈسکنیکٹ کی تھی اور آفس کا دروازہ کھول کر باہر کی جانب راہ لی تھی اسے اب اپنی پہلی جیت کی خبر کرنل خاور کو دینا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے ایک دم اپنے سر میں ٹیس سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اس نے اپنا ایک ہاتھ اپنے سر پر رکھا تھا اسے اپنے سر پر کپڑے کا احساس ہوا تھا جس سے یہ بات واضح ہوئی تھی اس کے سر پر رومال موجود تھا آنکھیں ہنوز بند تھیں وہ انہیں کھولنے کی سعی کر رہی تھی مگر مسلسل اسے ناکامی کا سامنا تھا بے تحاشہ سرد تھپیڑے اسے مسلسل اپنے وجود میں گھستے ہوئے محسوس ہو رہے تھے فرش کی یخ بستہ سیت اس کے پورے وجود میں سرایت کر رہی تھی مسلسل کوشیش کے باعث وہ اپنی آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہو پائی تھی بھاری ہوتے پپوٹوں کو اس نے انتہائی آہستگی سے کھولا تھا مگر آنکھیں کھولنے کے

باوجود بھی اسے ہر جانب اندھیرا ہی نظر آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تھی مگر بے ساختہ کراہ سے وہ واپس اپنی سابقہ حالت میں بیٹھ گئی تھی سر سے مسلسل ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں ہے دماغ کے خانوں پر زور دینے سے اسے یاد آیا تھا کہ وہ کس قدر نادانی اور بے وقوفی کر کے جبرئیل کے منع کرنے کے باوجود خان ولا کی دہلیز عبور کر گئی ہے اور اب جس لالچ میں وہ گھر سے باہر نکلی تھی کچھ بھی نہیں تھا اس کا دل انتہائی تیزی سے دھڑکا تھا یعنی کہ جس مصیبت سے بچانے کے لیے جبرئیل نے اس سے شادی کی تحفظ دیا بڑی آسانی سے اس کے تحفظ کا حصار توڑ کر وہ دشمن کے جال میں آ پھنسی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا اپنی حالت پر بین کرے کیا کر آئی تھی وہ یہ اس لمحے ماں کی محبت اسے کبھی نہ دیکھنے کا خیال ہی اس سے اس کی زندگی کا سب سے بیوقوفانہ فیصلہ کروا چکی تھی۔ وہ کہاں تھی کیوں تھی کسی بھی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ تھوڑے ہوش سنبھلے تو اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تھا وہ کوئی بند جگہ تھی سیاہ اینٹوں کا فرش قریب رکھی ہوئی ایک لکڑی کی کرسی اور ایک مکڑی کے جالے کی طرح بنی ہوئی جالے کی دیوار تھی کم از کم زارا کو تو یہ ایک دیوار ہی محسوس ہوئی تھی اس نے جالے کے پار دیکھنے کی کوشش کی تھی دوسری جانب کے کونے میں ایک روشن دان تھا جس سے چاند کی روشنی کی ایک لکیر سیاہ اینٹوں کے فرش پر گر رہی تھی جس سے اسے یہ

اندازہ ہوا تھا کہ باہر رات ہو چکی ہے وہ کل رات خان ولا سے نکلی تھی اور اب ایک رات اور ایک پورا دن بیت چکا تھا اس کی حالت کسی بھی قسم کا رسک لینے والی نہیں تھی وہ تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی مگر اس سب کے باوجود وہ بے یارومددگار اپنی حماقت کے باعث آج اس مقام پر تھی اسے تیزی سے اپنے آنسو اپنے گالوں پر بہتے ہوئے محسوس ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ جالے کے پار سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ بھی سنائی دی تھی وہ مسلسل عجیب و غریب اضطراب میں تھی وہ مسلسل اپنی سیدھ میں دیکھ رہی تھی اس نے فرش پر دیکھا تھا ایک سیاہ لمبا سایہ ابھرا تھا اس کے وجود میں خوف کی ایک لہر اٹھی تھی اس نے اپنی ہتھیلی اپنے لبوں پر رکھ کر اپنی بے ساختہ امڈنے والی چیخوں کا گلہ گھونٹا تھا اب سائے کی وجہ سیاہ بوٹ سے سجے قدموں میں لی تھی۔ دراز قدامت کا وہ چوڑا مرد کنپٹیوں پر سفیدی لیے ہاتھوں میں سگار دبائے وہ پوری شان و تمکنت سے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"او کیسی ہو تم دونوں؟"

اس نے لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے پوچھا تھا زارا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تھا مگر جالے کے آدھے حصے کے بند ہونے کی وجہ سے وہ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں نہیں دیکھ پائی تھی۔

"کیسی ہو آرا ڈارلنگ؟"

وہ مسلسل اسی جانب دیکھ رہا تھا زارا کی نگاہوں میں الجھن تھی وہ دوسری جانب سے جواب کی منتظر تھی مگر ہنوز خاموشی ہی اختیار کی گئی تھی۔ جس طرح وہ کسی اور زی نفس کو مخاطب کر رہا تھا اس سے تو زارا یہی اندازہ لگا پائی تھی کہ اس تحہ خانے میں وہ تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔

"اور تم کیسی ہو؟ یہ آرا تو اب بالکل خاموش ہو چکی ہے میرے اتنی محبت سے پوچھنے پر بھی یہ اب کچھ نہیں بولتی۔"

اس نے مسکراہٹ گہری کر کے پورے غور و توجہ سے زارا کو دیکھا تھا جس کے گالوں پر صرف آنسو نہیں چہرے پر خوف کی بھی لہر تھی۔

"کو۔۔کون ہو تم؟'

زارا بڑی مشکل سے جملہ مکمل کر پائی تھی۔ دوسری جانب کی آواز سن کر آرا کے کان بھی کھڑے ہوئے تھے اس کے دل میں بے انتہا خوف پیدا ہوا تھا یعنی کہ جو نوریز کہہ رہا تھا کہیں وہ کر تو نہیں گزرا۔

"کون ہے نوریز؟ کسے لائے ہو تم؟"

آرا کی آواز نقاہت زدہ تھی خوف لیے ہوئے نوریز کا قہقہ بے ساختہ تھا۔

"سرپرائیز آرا ڈارلنگ جسٹ سرپرائیز۔"

For more visit (exponovels.com)

وہ قہقہے لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آرا کی آواز پر زارا کے ہونٹوں میں بھی جنبش پیدا ہوئی تھی۔

"اماں!"

اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔

"اوکے چلو سرپرائیز ختم کرتے ہیں تم خود ہی دیکھ لو آرا خوامخواہ ہی ناراض ہوتی ہو۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہہ کر وہ جالا بیچ میں سے سر کا کر ہٹا دیا تھا جوں ہی وہ جالا ہٹا کر سائیڈ پر ہوا تھا آرا اور زارا دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا حیرت اور آنسوں سے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ جو کچھ دیر پہلے ہل بھی نہیں پا رہی تھی اب انجانی قوت کے تحت آرا کی جانب بڑھی تھی جس کا حولیہ قابل رحم تھا بکھرے بال گندہ لباس گرد سے اٹا ہوا چہرہ وہ بالکل بھی اس کی پہچان میں نہیں آرہی تھیں۔ پچھلے چار مہینوں سے وہ اس سیاہ اینٹوں والے تہہ خانے میں قید تھیں یہ حالت تو ہونی ہی تھیں وہ سر کتے ہوئے ان کی جانب بڑھی تھی اور ان سے لپٹ گئی تھی۔

"مہ۔۔میں نے تجھے بہت یاد کیا اماں!"

اس سے لفظ انتہائی دھیرے اور ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے آرا بیگم نے بغور اسے دیکھا تھا اچھے کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھی ان کے اندر ایک دم اطمینان کی لہر اتری

تھی نوریز سامنے کھڑا دونوں کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا کچھ پا لینے کی دلخراش مسکراہٹ ہو۔
"ملن ہو گیا ہو تو مجھ غریب کی فریاد بھی سن لو۔"
اب کی بار چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ تمسخر اڑاتے تاثرات تھے۔ زارا نے خوف سے پہلے آرا اور پھر سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو کہ یہ شخص آخر چاہتا کیا ہے اور کیوں اسے یہاں لے کر آیا ہے۔
"نوریز میری بیٹی کے قریب بھی مت جانا۔"
آرا اب کی بار چیخ کر سنجیدگی سے نوریز کو اپنے ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کر رہی تھی جو دھیرے دھیرے زارا کی جانب بڑھ رہا تھا۔
"اوکم اون آرا مجھ سے بیٹی پیدا کر کے تم مجھے ہی اس کے قریب جانے سے روک رہی ہو؟"
اس کے الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ زارا کا وجود اس کے جملوں سے مکمل طور پر ہل گیا تھا۔
وہ اب بالکل زارا کے قریب بیٹھ گیا تھا زارا کی آنکھوں میں حیرت کا ایک جہاں آباد تھا۔
"کیا جانتی ہو میرے بارے میں؟"
اسے بالوں سے دبوچ کر اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے نوریز نے پوچھا تھا زارا کو سر میں شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"کہ۔۔کچھ بھی نہیں۔"

اس کی آواز حلق میں ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ نوریز کی گرفت ابھی بھی سخت تھی زارا کے وجود میں تکلیف کی شدت زور پکڑتی جا رہی تھی۔

"آرا تم نے اسے بتایا نہیں کہ میں اس کا کون ہوں؟"

اب کی بار نوریز کے چہرے پر ایک پر سرار سی مسکراہٹ ابھری تھی آرا نے نفی میں سر ہلا کر نوریز کو باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"چلو کوئی بات نہیں اگر تم نے نہیں بتایا تو یہ سرپرائز میں خود ہی اسے دے دیتا ہوں۔"

نوریز نے کہہ کر دلکشی سے آرا کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"زارا! تمہاری ماں نے بتایا نہیں تمہیں کہ میں تمہارا باپ ہوں نوریز داور کمال۔"

اسی کے ساتھ نوریز کا قہقہ گونجا تھا اور زارا لفظ باپ پر ہی اٹک گئی تھی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کبھی بھی اگلا سانس نہیں لے پائے گی اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور وہ دھیرے دھیرے غنودگی میں جا رہی تھی گہری غنودگی میں آنکھیں بند کرتے وقت تک تہہ خانے کی گہرائی میں قہقے گونج رہے تھے جو زارا کے اعصاب پر قدرے بھاری پڑ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں کھڑکی کے قریب کھڑے تھے اندر کا منظر نہیں دیکھا جا سکتا تھا مگر خوسقسمتی سے اندر کی آوازیں بخوبی سنی جا سکتی تھی وہ لوگ کل صبح تک اس لڑکی کو ممبی لے کر جانے کی بات کرر ہے تھے احسن اور اسامہ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

"یہاں سے وہ کشمیر کی کچی بستی کا فاصلہ کتنا ہے اسامہ؟"

آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

"سر تقریباآدھے گھنٹے کا۔"

اسامہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے ہی کہا تھا۔

"کل صبح یہ لوگ اس لڑکی کو ممبی لے جائیں گئے اور ہمیں بھی ان کے پیچھے ممبی جانا ہوگا اسامہ! تاکہ پتہ چل سکے کہ یہ لوگ کشمیر سے لڑکیاں ممبی لے کر جا کر رکھتے کہاں ہیں ایک بار ان کے ٹھکانے کا علم ہوجائے گا توان پر ہاتھ ڈالنا آسان ہوگا۔"

احسن نے گلی کے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اسامہ سے کہا تھا۔

"لیکن سر! ہم دونوں کے علاوہ بھی کسی کو چلنا چاہئیے ساتھ دونوں کے لیے کسی بھی گڑبڑ پر معاملہ سمبھالنا مشکل ہوجائے گا۔"

اسامہ کا انداز پرسوچ تھا۔

"ہوں بات تو ٹھیک ہے چلو سوچتے ہیں کچھ۔"

وہ لوگ واپس اپنے رکشے کی جانب آ گئے تھے جو سڑک کے دوسری جانب کھڑا تھا۔

"مگر سر !ایک بات ہے اگر ہم کسی بس پر جاتے ہیں تو ان کا پیچھا کرنا مشکل ہو گا اس کے لیے تو ہمیں کوئی اپنی سواری درکار رہے۔"

اسامہ نے وہی کہا جو کب سے احسن کا دماغ سوچ رہا تھا۔

"آئی نو اسامہ !خاور سر سے اس پر بات کرتے ہیں جا کر اور باقیوں سے بھی آج کے دن کی رپوٹ طلب کرنی ہے۔"

اسامہ نے رکشہ سٹارٹ کیا تو دونوں نے واپس کچی بستی کی راہ لی تھی جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ معاملہ سنگین صورتحال اختیار کر چکا تھا ان کے الگ الگ جگہوں پر پھیلے لوگوں کی خبر اگر دشمنوں میں سے کسی کو بھی ہو جاتی تو ان کے ملک کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پنڈی سے نکلے اسے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا مسلسل سڑک پر دوڑتی جیپ اس کے دل کی دھڑکن بھی بڑھا رہی تھی وجہ کیا تھی اس بات سے جبرئیل یکسر انجان تھا بس دل گھبرا رہا تھا وہ ابھی کرنل خاور کو پہلی کامیابی کی اطلاع دینے کے لیے فون کرنے ہی والا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا سکرین پر کرنل خاور کا نام چمک رہا تھا اس نے کانوں میں لگائے بلو توتھ کا بٹن

دبا کر کال یس کی تھی۔

"!اسلام علیکم سر"

وہی سلام کا خالص فوجی انداز کرنل خاور کے اعصاب چٹخا گیا تھا۔

"وعلیکم سر! کامیاب ہو گئے؟"

انہوں نے چھوٹتے ہی سوال کیا تھا جبرئیل کے دلخراش لبوں پر مسکراہٹ رینگی تھی۔

"!الحمدواللہ سر"

لہجے میں سرشاری تھی۔

"پراوڈ اف یوینگ مین۔"

ان کا لہجہ عنوز سنجیدگی لیے ہوا تھا جبرئیل کو مسلسل کچھ غلط ہونے کا عندیہ ہوا تھا۔

"!میرے پاس تمہارے لیے ایک خبر ہے میجر"

ان کا لہجہ از حد سنجیدہ تھا جبرئیل کے اعصاب لمحوں میں چٹخے تھے۔

"!میں سن رہا ہوں سر"

چہرہ اور لہجہ دونوں ہی سنجیدہ اور سپاٹ ہو گئے تھے۔

"!گاڑی ایک طرف روک لو میجر"

کرنل خاور کی جانب سے حکم دیا گیا تھا مگر اس کا دباوا یکسیلیٹر پر بڑھ گیا تھا۔

"!آپ بولیے سر"

جیپ کی رفتار ناقابل یقین حد تک تیز ہوگئی تھی دل ایک دم بھاری ہوا تھا وہ دوسری جانب کے الفاظ سے یکسر انجان تھا۔

"زارا غائب ہے میجر شاہد رات سے تمہارا فون نہیں لگ رہا تھا تو عشرت بھابھی کی کال آئی تھی مجھے۔"

کرنل خاور کے الفاظ تھے کہ نشتر اس کے پاوں زور سے بریک پر لگے تھے سنسان پتھریلی سڑک پر جیپ لڑکھڑائی تھی ٹائر چرچرائے تھے آواز اتنی شدید تھی کہ کرنل خاور اسے زور سے پکارنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"کہاں گئی وہ؟"

لہجہ سرد و سپاٹ تھا۔

"معلوم نہیں شاہد وہ لوگ لے گئے اسے جو اس کی طاق میں تھے۔"

کرنل خاور کے الفاظ اس کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو اشتعال دلا گئے تھے اس نے بغیر کچھ بھی بولے کال بند کر دی تھی اس کے ہاتھ تیزی سے سکرین پر چلنے تھے اور عشرت جہاں کا نمبر ملا کر اس نے دوسری جانب سے کال اٹھانے کا انتظار کیا تھا کچھ دیر کے توقف کے بعد کال اٹھا لی گئی تھی۔

"!جبرئیل۔۔زارا"

وہ بے تحاشہ روتے ہوئے اسے کہہ رہی تھیں۔

"ماں! پوری بات بتائیں پلیز۔"

اس کا دماغ ایک دم ہی معاوف ہو رہا تھا۔

"میں کل اسے ماہ رخ کے ساتھ گھر پر چھوڑ کر ہاسپٹل رون کے پاس گئی تھی اس کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی رات ہاسپٹل میں ہی رکنا پڑا صبح ماہ رخ کا فون آیا کہ زارا اپنے کمرے میں نہیں ہے اس نے پورا گھر چھان مارا بچے! مگر زارا نہیں ملی اسے ڈھونڈ لو جبرئیل! وہ ٹھیک نہیں تھی وہ۔۔"

وہ کچھ کہتے کہتے ایک لمحے کے لیے رکی تھی شاہد دوسری جانب سے انہیں بھی صورتحال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

"کیا ہوا تھا اسے؟"

اس کے سرد اور سنجیدہ لہجے نے عشرت جہاں کے اعصاب پر بھی خاصہ بوجھ ڈال دیا تھا۔

"وہ۔۔ پریگننٹ ہے بچے ابھی پرسوں ہی میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی۔"

وہ مسلسل روتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور جس لمحے میں جبرئیل کو خوش ہونا چاہئیے تھا اس لمحے اس کا دل ضبط سے پھٹنے کو ہو رہا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

"اسے کچھ نہیں ہوگا ڈونٹ وری۔"
وہ تو انہیں دلاسے کے بھی مکمل الفاظ نہیں کہہ پایا تھا بے ساختہ اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا تھا۔
کچھ خوشیوں کی مدت کتنی کم ہوتی ہے نہ زارا! وہ آپ کے ہاتھ آتی ہیں آپ کو سراب کرتی ہیں اور ابھی آپ مکمل ان کے حصار سے نکلنے بھی نہیں ہوتے اور وہ روٹھ کر کہیں کھو جاتی ہیں۔"
وہ ایک انتہائی مضبوط اعصاب کا مرد تھا اپنی اٹھائیس انتیس سالہ زندگی میں شاہد اس نے ایک لمحے کے لیے بھی لفظ محبت پر یقین نہ کیا ہو مگر گزشتہ چار مہینوں سے وہ ایک ایسی ہستی کے ساتھ رہ رہا تھا جسے زندگی میں کبھی اس نے پہلے دیکھا بھی نہیں تھا مگر اس سب کے باوجود اس کا تعلق زارا سے روح کا بن گیا تھا اس کا کہیں کھو جانا جبرئیل کے لیے سخت تکلیف کا مرحلہ تھا گزشتہ دو دن میں یہ دوسری بھاری تکلیف تھی جو اسے دی گئی تھی۔
ایک آوارہ آنسو کہیں سے لڑھک کر اس کی گال پر بہا تھا لیکن وہ فوری سنبھل گیا تھا ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑتے ہوئے اس نے دل میں اٹھتے ہوئے شدید غصے کی لہر کو دبایا نہیں تھا بلکہ وہ پوری قوت سے چیخا تھا بایاں ہاتھ زور سے سٹرینگ ویل پر مارا تھا۔
میرا وعدہ ہے تم جو کوئی بھی ہو مجھ سے بچ نہیں سکتے تمہاری طرف سے میں نے اپنے "

"سارے حساب نہ بے باک کیے تو میں اپنا عہدہ چھوڑ دوں گا یو بلڈی ڈیم مونسٹر۔
اس نے کہتے ہوئے دوبارہ جیپ سٹارٹ کی تھی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ دو گھنٹے کا سفر ایک گھنٹے میں آرام سے تحہ کر سکتا تھا اس کا رخ سیدھا بیس کی جانب تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
طراب ہوٹل کی لوبی میں بیٹھا کافی پی رہا تھا بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ وہ نظر رکھنے کے لیے کافی پی رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ایک ویٹرس اس کے نزدیک آئی تھی منی سکرٹ میں ملبوس وہ ویٹرس خاصی بالڈ تھی طراب نے اس کا سر تا پا جائزہ لے کر بے ساختہ ایک جھرجھری لی تھی کہاں اس کی خوبصورت منگیتر اور کہاں یہ بے حیا انڈین لڑکی۔
"خیر میں نے کونسا اس سے رشتہ کرنا ہے جو اتنا سوچ رہا ہوں۔ "
اس نے اپنی ہی سوچ پر ایک لمحے میں دو حرف بھیجے تھے اور واپس سے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائی تھی۔ وہ ویٹرس اس کے نزدیک آ چکی تھی۔
"اینی تھنگ ایلس سر!؟"
سرخ لپ اسٹک سے رنگے ہوئے تراشیدہ لبوں کو پھیلا کر اس نے پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا تھا دکھنے میں وہ ایک خوبصورت لڑکی لگی تھی۔
"نو مس یہ لے جائیں پلیز۔ "

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے میز پر رکھی ہوئی کافی کی ٹرے کی جانب اشارہ کیا تھا جس میں ایک سفید چٹ رکھی گئی تھی۔ لڑکی نے اپنی بھنویں اچکا کر کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھے طراب کو دیکھا تھا جو سنجیدگی سے لڑکی کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

لڑکی نے وہاں کھڑے کھڑے ہی چٹ کھولی تھی وہ بھی بالکل اسی طرح سے کہ دور سے دیکھنے والوں کو محسوس بھی نہ ہو۔

"مجھے روم نمبر 213 میں ملو فوری۔"

اس نے چٹ پڑھ کر الجھن زدہ نظروں سے طراب کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر اب گہری مسکراہٹ تھی۔ لڑکی نے بھی مسکرا کر چٹ فولڈ کی تھی اور ٹرے اٹھا کر کاونٹر کی جانب بڑھی تھی جبکہ طراب لفٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کیا تھا اور کھڑکی کی جانب بڑھا تھا۔ پردے سرکا کر اس نے سامنے کے کمرے کا جائزہ لیا تھا کمرہ اس لمحے بالکل خالی تھا وہ ابھی جائزہ ہی لے رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھر کر دروازے کی طرف قدم بڑھائے تھے دروازہ کھولا تو وہی ویٹرس چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھی طراب نے ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا ویٹرس نے ایک نظر باہر اپنے دونوں جانب دیکھا تھا اور پھر اندر آگئی تھی۔

"جی سر کیوں بلایا ہے مجھے ؟"

ویٹرس کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی طراب کو اس کی مسکراہٹ سخت کوفت میں مبتلا کر گئی تھی۔

"!یور گڈ نیم پلیز"

اس نے ایزی چئیر پر بیٹھتے ہوئے ویٹرس کا نام پوچھا تھا۔

"!رادیکا سر"

ویٹرس نے بڑی ادا سے اسے اپنا نام بتایا تھا۔

"مس رادیکا جو آپ سوچ رہی ہیں مجھے ویسا کوئی کام نہیں ہے آپ سے۔"

طراب نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش سب سے پہلے کی تھی اس کی بات سن کر ویٹرس کے چہرے پر الجھن بھرے تاثرات ابھرے تھے۔

"یہ پیسے رکھیں۔"

طراب نے ایک نوٹوں کی گڈی اس کے سامنے میز پر رکھی تھی رادیکا نے شاہد ہی اپنی زندگی میں اتنے نوٹ دیکھے تھے۔

"!کام کیا ہے سر"

وہ فوری سے پہلے لائن پر آئی تھی طراب کی مسکراہٹ بھی کچھ گہری ہوئی تھی وہ چئیر سے

کھڑا ہو کر اس لڑکی کے نزدیک آیا تھا۔

"یہ ایک چھوٹی سی ڈیوائس ہے کیا ہے کیوں ہے یہ سب آپ کا مسئلہ نہیں ہے آپ نے بس کرنا یہ ہے کہ یہ ڈیوائس میرے سامنے والے کمرے میں لگانی ہے کسی بھی ایسی جگہ جہاں سے یہ نظر نہ آ سکے کسی گولدان میں یا کسی بھی چیز پر۔"

اس نے بڑے ہی آرام سے اس کی سماعتوں پر گولہ باری کی تھی۔

"سر!سا۔۔سامنے کا کمرہ تو۔۔مالک کا ہے۔۔کسی۔۔کو پتہ۔۔چل گیا تو میری نوکری چلی جائے گئ۔"

رادیکا کے چہرے پر خوف کے گہرے سائے ابھرے تھے۔

"مس رادیکا تو پیسے آپ کو اسی کام کے لیے دیے جا رہے ہیں۔"

وہ فوری سے پہلے سنجیدہ ہوا تھا۔

"کون ہیں آپ؟"

رادیکا نے خوف سے ہمت کر کے اس سے پوچھا تھا۔

"اٹس نان اف یور کنسرن یہ ڈیوائس سامنے کے کمرے میں اگلے دس منٹ کے اندر لگ جانی چاہیے کمرہ ابھی خالی ہے ورنہ۔"

وہ ورنہ کے آگے خاموش ہو چکا تھا رادیکا نے بغور اس کے پتھریلے تاثرات کا جائزہ لیا

تھا۔

"ورنہ کیا کریں گئے آپ؟"

اس نے بھی اب کی بار چیختے ہوئے کہا تھا۔

ورنہ مجبوراً مجھے تمہارے بہن بھائی کو غائب کرنا پڑے گا ابھی تو عزت اور تمیز سے رکھا ہوا ہے لیکن اگر اگلے دس منٹ میں یہ ڈیوائس اس کی مطلوبہ جگہ پر نہ لگی تو نتائج کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں اور منہ تو ویسے ہی بند رکھنا ہے جانتی ہو نہ؟"

اس نے شدید اضطراب کے عالم میں اسے کہا تھا۔

"کہاں ہیں میرے بہن بھائی؟"

وہ ایک دم سے ہوش میں آئی تھی۔

میرے پاس ہیں لیکن فکر نہیں کرو ادھر تم نے ڈیوائس لگائی ادھر اگلے دس منٹ میں وہ واپس اپنے گھر نوناولہ چول میں رہتی ہو نہ تم؟"

وہ اب کی بار انتہائی مزے سے اس کے گھر کا پتہ بتا رہا تھا جو حواس کھو کر بس زمین بوس ہونے ہی والی تھی۔

"آپ کو۔۔کیسے پتہ؟"

اس کے چہرے پر حیرانگی کے علاوہ اور کوئی تاثر نہیں تھا۔

میں نے جس سے کام کرانا ہوتا اس کے بارے میں ساری معلومات جمع کرنے کے بعد "
"ہی اسے کام سونپتا امید ہے تم اپنا کام ہوشیاری اور ایمانداری سے کرو گی۔
طراب نے کہہ کر ڈیوائس اس کی جانب بڑھائی تھی جسے اس نے ڈرتے مگر تھام لیا تھا میز سے پیسے اٹھا کر وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی۔
"سنو! کام ہونے کے بعد تم مجھے تھم ازاپ کر و گئی میں نیچے گیلری میں ہوں۔ "
طراب نے اس سے کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی باہر بکل گئی جب کہ وہ خود بھی دروازے سے باہر گیلری کی جانب چل دیا بس کچھ وقت اور اس کے بعد ٹرا سمیٹر لگتے ہی وہ آسانی سے اس کمرے میں ہونے والی گفتگو ملاحظہ کر سکتا تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
وہ مسلسل غصے سے ٹہل رہی تھی فون پر مختلف نمبر ڈائل کر رہی تھی مگر جواب ندارد غلام بخش سے وہ رابطہ کرنا نہیں چاہتی تھی مگر زندگی میں پہلی بار وہ کسی کے لیے اپنا کوئی اصول توڑ رہی تھی مگر مسلسل بیل جانے کے باوجود بھی دوسری جانب سے فون نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ ہاتھ میں تھامے ہوئے سگریٹ کا ایک گہرا کش لگانے کے بعد اس نے ایک اور نمبر ملایا تھا۔
"فیاض! بخش کدھر ہے؟"

اس نے بغیر فیاض کی کوئی بھی بات سنے چھوٹتے ہی بخش کے بارے میں پوچھا تھا
دوسری جانب سے خاموشی چھائی ہوئی تھی اس خاموشی نے ایس۔کے کے اندر اشتعال
کی ایک لہر پیدا کر دی تھی وہ انتہائی سخت لہجے میں گویا ہوئی تھی۔
"فیاض! میں نے پوچھا بخش کدھر ہے؟"
ایک بار پھر سے اس نے اپنے جملے دہرائے تھے۔
"میڈم! وہ بخش صاحب کا کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا ہم دونوں کل ہی پنڈی آئے تھے ایجنسی
کے پاس ایک گھر میں ہیکرز کی ٹیم کے ساتھ ہم نے ایجنسی کے سسٹم کو ہیک کر لیا تھا
اس وقت میں موجود نہیں تھا سارا کام بخش صاحب نے خود ہی کرایا تھا مگر نجانے کیسے ہم
سسٹم میں گھسنے کے باوجود کوئی بھی چیز حاصل نہیں کر پائے ایک دم سے سارا سسٹم
کریش ہو گیا تھا اور تب سے بخش کا کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا سننے میں آیا ہے کہ وہاں پولیس کی
ریڈ ہوئی تھی اور پولیس ان ہیکرز کو گرفتار کر کے لے گئی ہے۔"
فیاض کی کہی گئی باتیں ایس۔کے کے اعصاب پر بری طرح لگ رہی تھیں۔
"میڈم! مجھے لگتا ہے ہیکرز کے ساتھ بخش صاحب بھی۔"
وہ ابھی اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا جب اسے ایس۔کے کی بھاری آواز محسوس ہوئی
تھی۔

پاکستانی پولیس کی کسٹڈی میں بخش! دو گھنٹے میں پتہ کر کے بتاؤ فیاض کے بخش کدھر ہے "
"ورنہ میں کسی کو نہیں چھوڑوں گی سب کے سب مریں گئے ہر جانب تباہی ہوگی۔
اس نے کہہ کر کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا اور خود میز پر رکھی ہوئی وسکی کی بوتل سے مشروب گلاس میں انڈیلا تھا آدھ بجھا ہوا سگریٹ ایسٹرے میں مسل کر اس نے گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا اور ایک ہی سانس میں خالی کر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خان ولا کے مکین تو گویا کسی قیامت کے زیر اثر آ گئے تھے ایک طرف آرون ہاسپٹل میں تھا اور دوسری طرف زارا غائب تھی اور جبرئیل وہ بھی یہاں پر موجود نہیں تھا زیبا آرون کے باعث مسلسل ہسپتال کی ہو کر رہ گئی تھی آنیہ اور ماہ رخ بیگم عشرت جہاں اور زیبا کو مسلسل سمبھال رہی تھیں جبکہ سبتین بھی کسی کیس کے سلسلے میں گھر سے باہر تھا ہر جانب ایک جان لیوا خاموشی کا راج تھا یہ سب کیوں ہو رہا تھا کوئی بھی نہیں جانتا تھا زارا کہاں سے آئی تھی کیوں آئی تھی اس کے پیچھے کون لگا ہوا تھا یہ سارے وہ سوال تھے جو خان ولا کے مکینوں کے لیے ایک سوالیہ نشان تھے۔ ماہ رخ بیگم کے بے پناہ اصرار پر صاریہ نے کشمیر سے پشاور ٹرانسفر کے لیے اپلائی کیا تھا جو کہ منظور کر لی گئی تھی وہ کل پشاور آنے والی تھی۔

"آنیہ جبرئیل نے فون اٹھایا؟"

عشرت جہاں جبرئیل کی وجہ سے خاصی پریشان تھیں اس لیے پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل یہی سوال کررہی تھیں۔

"نہیں ماں! بھائی فون نہیں اٹھا رہے ہیں۔"

اس کا وہی جواب تھا جو وہ کب سے انہیں دے رہی تھی۔

"یا اللہ پتہ نہیں جبرئیل کس حال میں ہوگا میرے بچے کی حفاظت کرنا اللہ اسے ہمت دینا کہ وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرسکے۔"

انہوں نے دل کی گہرائی سے اس کے لیے دعا کی تھی۔

"آپ فکر مت کریں ماں! بھائی سب سہی کرلیں گئے۔"

آنیہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ان کی آنکھیں شدید ضبط کے باوجود بھی آنسو بہا رہی تھیں۔ غضب کا حوصلہ تھا ان میں ایک بیٹے کو دشمنوں کی گولی کی نظر ہسپتال میں دیکھ رہی تھیں اور دوسرے بیٹے کی زندگی موت اور حیات میں جھول رہی تھی۔

"برسوں پہلے آنی! یونہی ہوا تھا جب تمہارے بابا ہسپتال کے بستر پر تھے اور تمہارے چاچو بھاگ دوڑ کررہے تھے نہ تمہارے بابا رہے اور نا چاچو اسی بات سے خوف آتا تھا مجھے کبھی بھی نہیں چاہتی تھی میں کہ تاریخ کے یہ سیاہ اوراق دھرائے جائیں لیکن اب پھر سے وہی

ہورہاہے کتنا بچانے کی کوشیش کی تھی میں نے خاور بھائی نے مگر ہماری لاکھ کوشیشوں کے
"باوجود بھی ہم سب کچھ خراب ہونے سے نہیں بچا پائے۔
ان کے آنسو میں تیزی آچکی تھی اور الفاظ ٹوٹ کر ادا ہورہے تھے آنیہ کی سمجھ میں ان کے جملے بس اتنے ہی آرہے تھے جتنے وہ جانتی تھی باقی وہ کیا کہہ رہی ہیں اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
ماں !پلیز آپ ریلیکس ہوجائیں اب کی بار جبرئیل بھائی ہیں ماں !وہ سب کچھ ٹھیک کر دیں"
"گئے وہ زارا کو بھی واپس لے آئیں گئے کچھ نہیں ہوگا سب ٹھیک ہوجائے گا۔
وہ انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی ان کے دل میں ایک عجیب سا اطمینان پھیل رہا تھا کہ جبرئیل سب ٹھیک کردے گا مگر اگر سب ٹھیک نہ ہوا تو؟ یہ خیال ہی ان کے لیے سوہان روح تھا وہ نماز کے لیے اٹھ گئی تھیں اب تو صرف اللہ ہی تھا جو ان کے دل میں اطمینان بھر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"!اسلام علیکم سر احسن ہیر"
ائیر پیس میں سے احسن کی آواز سنائی دی تھی کرنل خاور اپنی کرسی پر سیدھے ہوئے تھے۔
"وعلیکم اسلام کرنل !کہاں تک پہنچا مشن ؟"

انہوں نے اپنی تمام تر توجہ احسن کی جانب مبذول کی تھی۔

"سر مجھے کوئی سواری چاہیئے جس کا استعمال کر کے ہم ممبئی جا سکیں۔"

اس نے مدعے کی بات کی تھی۔

یہ تو نہیں پوچھوں گا میں کہ کیوں چاہیئے کیونکہ ضرور کوئی مقصد ہوگا آج شام کو گاڑی تم "

"لوگوں کی کچی بستی کے باہر پہنچ جائے گی۔

انہوں نے فوری سے پہلے ان کی ضرورت پوری کی تھی۔

"رپوٹ کیا ہے؟"

سر! جو مخبری کی رپوٹ آپ نے ہمیں دی تھی اس کا پیچھا ہم نے کل کیا تھا وہ کشمیر کی ایک انتہائی تھرڈ کلاس جگہ پر ایک گلی کے اندر اس لڑکی کو لے کر گئے تھے مزید یہ کہ کل صبح وہ اسے لے کر ممبئی چلے جائیں گے اور ممبئی میں وہ کہاں لے کر جاتے ہیں یہی پتہ کرنے

"ہم کل ممبئی جائیں گے۔

احسن نے ساری تفصیل انہیں بتائی تھی۔

"کون کون جا رہا ہے تمہارے ساتھ؟"

انہوں نے مزید سوال پوچھا تھا۔

سر! میں، اسامہ اور شمس باقی یہاں پر ہونے والی کاروائی پر نظر رکھیں گے اور کوئی بھی گڑ"

"بڑے ہونے پر مجھے انفارم کریں گئے۔

احسن نے ساری بات انہیں بتائی تھی۔

مجھے امید ہے کہ یہ آخری داؤ ہے اسے کھیلنے کے بعد برسوں کی ریاضت تمام ہوجائے "
"گی۔

انہوں نے گہرا سانس بھرتے ہوئے کہا تھا ان کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

"!انشاءاللہ سر"

اس کے ساتھ دوسری جانب سے لائن کاٹ دی گئی تھی جوں ہی وہ ائیر پیس رکھ کر سیدھے ہوئے تھے دروازے پر جبرئیل کو دیکھ کر ٹھٹکے تھے آنکھیں سرخ آنگارہ ہو رہی تھیں بال بکھرے ہوئے تھے حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔

"!جبرئیل! یہاں آو ینگ مین"

انہوں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے اسے اپنے قریب بلایا تھا وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ان کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا تھا۔

"!مجھے کشمیر جانا ہے سر"

اس کا لہجہ بے لچک تھا فیصلہ کن سا انداز تھا۔

"وہاں جا کر کیا کرو گئے تم؟"

انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"زارا کو ڈھونڈنے۔"

آواز مردہ سی ہو رہی تھی جیسے نجانے کہاں سے ہمت جمع کر کے بول رہا تھا کرنل خاور نے اپنے کرئیر میں کبھی اسے ایسا نہیں دیکھا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ وہ انڈیا میں ہے؟"

انہوں نے ایک اور سوال داغا تھا۔ بدلے میں اس نے شروع سے لے کر آخر تک اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا زارا سے پہلی ملاقات سے لے کر سب کچھ۔

"ہوں ہم انڈیا جائیں گے لیکن کشمیر نہیں ممبی۔"

کرنل خاور کا انداز بھی اب کی بار فیصلہ کن تھا۔

"لیکن سر! وہ تو کشمیر سے آئی تھی۔"

اس نے الجھ کر کہا تھا۔

ہاں لیکن ہم ایک لڑکی کو بچانے کی خاطر ہزاروں لڑکیوں کی جان اور ابرو خطرے میں نہیں" ڈال سکتے پہلے جڑ سے فساد ختم کرنا ضروری ہے ینگ مین! وہ تمہاری بیوی ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کمزور نہیں ہے خود کو کیسے بچانا ہے وہ بہت بہتر طریقے سے جانتی ہے اپنے زور بازو کے ساتھ اس اوپر والے پر بھی یقین رکھو جس نے تمہیں یہ

"طاقت عطا کی ہے۔

ان کی بات کے جواب میں وہ محض سر ہی ہلا پایا تھا۔

"یہ لو۔"

انہوں نے ایک نیلا پاسپوٹ اور کچھ کاغذات اس کے سامنے رکھے تھے۔

تم اب سے میجر جبرئیل نہیں ہو تم سراج کمار ہو اور میں ابھیشیک کمار تم میرے بیٹے اور"

"میں تمہارا باپ۔

ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی جبرئیل نے ان کی بات سمجھتے ہوئے مسکرا کر سر ہلایا تھا اور ان کے آفس سے باہر آگیا تھا اب اس کا رخ ٹارچر سیل کی جانب تھا جہاں پر کچھ مہمان اس کے منتظر تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات کے اس پہر اس گھر کے سامنے کھڑی تھی جس کا پتہ گزشتہ روز فاطمہ نے اسے دیا تھا دوسری بار دستک دینے پر دروازہ کھول دیا گیا تھا صاریہ نے سر اٹھا کر دروازہ کھولنے والی شخصیت کو دیکھا تھا سفید داڑھی میں ملبوس سفید ہی شلوار قمیض پہنے وہ چہرے پر پر شفیق تاثرات لیے اسے دیکھ رہے تھے۔

"!اسلام علیکم انکل"

صاریہ نے جھجکتے ہوئے انہیں سلام کیا تھا جو سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے فاطمہ سے ملنا ہے انکل"

اس نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تو انہوں نے دروازے سے ہٹ کر اسے اندر داخل ہونے کی جگہ دی تھی۔ صحن میں ایک بلب روشن تھا سردی کے باعث دالان کے پردے برابر تھے۔

"!فاطمہ بیٹی"

انہوں نے اندر کی جانب منہ کرکے فاطمہ کو پکارا تھا۔ کچھ ہی دیر میں فاطمہ اندر سے برآمد ہوئی تھی۔

"!جی باباجی"

وہ اپنی رو میں چلتی ہوئی باہر آئی تھی مگر آگے صاریہ کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"ارے صاریہ آپ؟"

اس نے قدرے حیرانی سے کہا تو وہ مسکرادی۔

"ہاں بس میں واپس جارہی ہوں صبح پشاور تو سوچا ایک بار تم سے مل لوں۔"

اس نے دھیرے سے مسکرا کر کہا تو فاطمہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں؟"

اس کا سوال بے ساختہ تھا۔

"بیٹی پہلے بہن کو بیٹھاو پھر اس سے باقی کے سوال پوچھنا۔"

اندر سے اماں بھی نکلی تھیں۔ فاطمہ اسے لے کرا پنے کمرے میں آگئی تھی۔

"آپ واپس کیوں جا رہی ہیں صاریہ؟"

فاطمہ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کے سوال پر صاریہ نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

"ہر شخص کا ایک اصل ہوتا ہے فاطمہ! زندگی کی لاتعداد مسافت طے کرنے کے بعد آخر کار ایک وقت آتا ہے جب آپ کو اپنے اصل کی جانب لوٹنا پڑتا ہے تم سمجھ لو کہ وہ وقت آگیا ہے کہ میں اپنے اصل کی جانب لوٹ جاو جس بات کی وجہ سے میں نے اپنا گھر چھوڑا تھا جب وہ وجہ ہی ختم ہوگئی ہے تو دوری کا فائدہ؟"

وہ جیسے اس سے سوال کر رہی تھی اور فاطمہ کو ایک دم سے اپنا اصل یاد آیا تھا اس کا بھی تو ایک اصل تھا جسے چھوڑ کر وہ یہاں پر تھی تو کیا اسے بھی اپنے اصل کی جانب لوٹنا تھا لاتعداد سوالوں کا جال اس کے ذہن کی سکرین پر ابھرا تھا۔

"میں نے سوچا جانے سے پہلے تم سے ملتی ہوئی جاوں دعا کرنا میرے لیے اللہ مجھے ثابت قدم رکھے چلتی ہوں خیال رکھنا اور رابطے میں رہنا۔"

وہ اس سے گلے ملتی ہوئی اسے ہراساں چھوڑ کر باہر نکل آئی تھی فاطمہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی صاریہ کی گاڑی گلی کا موڑ مڑ گئی تھی فاطمہ دروازہ بند کر کے لوٹنے ہی والی تھی جب دو آدمی تیزی سے اس کے قریب آئے تھے اور اسے دروازہ بند کرنے سے روکا تھا۔

"کون ہیں آپ لوگ؟"

فاطمہ نے الجھن بھری نظروں سے ان سے پوچھا تھا۔

"بی بی آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

ان میں سے ایک آدمی نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا تھا۔

"کیوں ہو کون تم لوگ اور میں کہیں نہیں جاوں گی۔"

وہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"بی بی دیکھیں ایس۔کے میڈم نے آپ کو ہمیں لانے کا حکم دیا ہے ہمیں آپ سے کسی بھی قسم کی بدتمیزی کی اجازت نہیں ہے براہ کرم آپ ہمارے ساتھ چلیں ورنہ مجبوراً ہمیں زبردستی کرنی پڑے گی۔"

پہلے والے آدمی نے پھر سے کہا تھا غصے کی زیادتی سے فاطمہ کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔

"میں کہی نہیں جاوں گی بتا دینا اپنی میڈم کو کہ جب مجھے ان کی ضرورت تھی وہ کہیں نہیں

تھی اور اب جبکہ میری زندگی سکون میں ہے تو انہیں میری یاد آگئی میں ہر گز بھی تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاوں گی۔"

غصے سے تیز تیز بولتے ہوئے اس کا سانس پھول گیا تھا اس کی آواز سن کر اندر سے اماں اور بابا جی بھی دروازے پر آ گئے تھے اس کے ساتھ دو اجنبی آدمیوں کو دیکھ کر ان دونوں کے چہروں پر لاتعداد سوالات تھے۔

"بابا جی ان سے کہہ دیں میں کہی نہیں جاوں گی ان کے ساتھ۔"

اس نے بابا جی کی اوٹ میں ہوتے ہوئے کہا تھا بابا جی نے معاملے کی تحہ تک جانا ضروری سمجھا تھا اور جو حقیقت ان پر آشکار ہوئی تھی اس نے انہیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔

دیکھیں یہ ہمارے گھر کی عزت ہیں میرے بیٹے کی بیوی ہے یہ ان کا گھر ہے ہم آپ" لوگوں کو انہیں یہاں سے لے کر جانے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دیکھ سکتے۔"

بابا جی کا لہجہ دو ٹوک تھا ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا اور پھر ان میں سے ایک نے اپنے پیچھے لگی ہوئی گن نکالی تھی۔

معاف کیجیے گا بابا جی! ہم بی بی کے بغیر نہیں جا سکتے ورنہ میڈم ہمیں جان سے مار دیں گی" آپ نے اگر ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو مجبوراً مجھے آپ کو اور آپ کی بیوی کو گولی مارنی پڑے گی۔"

آدمی کا لہجہ برف کی مانند ٹھنڈا ٹھار تھا جس کا سرد پن فاطمہ کو اپنے پورے وجود میں محسوس ہوا تھا۔

"آ۔۔آپ پلیز گن نیچے کریں میں آتی ہوں۔"

فاطمہ نے گھبرا کر آدمی کو گن نیچے کرنے کے لیے کہا تھا اور خود بابا اور اماں کی جانب مڑی تھی۔

"یہ میرا گھر ہے بابا جی! میرے شوہر کا گھر مجھے یہی پر واپس آنا ہے کیپٹن سے کہیے گا کہ ان کے بعد میرے نام کے آگے کبھی کوئی نام نہیں جڑے گا میں جلد واپس آوں گی۔"

اس نے بہت مشکل سے اپنے چہرے پر چمکتی نمی کو خود میں انڈیلا تھا شمیم بیگم مسلسل آنسو بہا رہی تھیں جبکہ بابا جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اللہ تمہاری حفاظت کرے بیٹی! ہمیں تمہاری واپسی کا انتظار رہے گا۔"

انہوں نے افسردہ لہجے میں کہا تو وہ سر ہلاتی ہوئی شمس کے گھر کی دہلیز عبور کر گئی تھی جس کے پار شاہد اسے وہ ملنے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

داور کمال کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر ساکن بیٹھی اپنی ماں کا چہرہ دیکھتی رہی تھی جہاں صرف قرب تھا زارا نور اس لمحے اپنے اصل میں تھی کیا ماں اور کیا باپ نگہت آرا کا وجود

زارا کی شخصیت پر اپنی زندگی کے سیاہ راز کھولنے کے لیے بے چین تھا مگر وہ تو یوں بیٹھی ہوئی تھی گویا ہلایا یا چھیڑا تو پھٹ پڑے گی۔ انہوں نے بغیر اسے پکارے اپنی بات شروع کی تھی۔

"خاور بھائی کی شادی پر میرا اسمائیل سے باضابطہ سامنا اور تعارف ہوا تھا۔"

وہ سامنے دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں اسے بتا رہی تھیں۔

"کیا شاندار پرسنیلٹی اوپر سے آرمی میں خاور بھائی کے ساتھ جوائن کیا تھا ان کے بہت اچھے دوست تھے۔"

لہجے میں ایک عجیب سی افسردگی تھی۔

"خاور کون تھے اماں! اور یہ اسمائیل؟"

زارا نے اس ساری بات میں پہلی بار زبان کھولی تھی۔ آرا کے چہرے پر ایک تاسف کی گہری لکیر چھائی تھی جسے وہ گہرے ضبط سے چھپا گئی تھیں۔

"خاور بھائی میرے سگے بھائی ہیں اور اسمائیل ان کے دوست اور بھابھی کے بھائی بھی تھے۔"

انہوں نے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"آپ نے تو کہا تھا کہ اس پوری دنیا میں میرا آپ کے علاوہ کوئی بھی رشتہ نہیں ہے تو پھر

"یہ سب؟

حیرت نہ صرف اس کے چہرے پر تھی بلکہ اس کے الفاظ بھی اپنے اندر حیرت کا ایک سمندر آباد کیے ہوئے تھے۔

"جب رشتے چھوٹ جائیں تو پھر وہ زندہ ہو کر بھی مر جاتے ہیں بیٹا اور میرے رشتے تو تمہارے باپ کی سفاکیت نے مار دیے۔"

ایک بے درد آنسو آرا کی آنکھ نے چھلکایا تھا۔

"آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

اتنے عرصے بعد کسی نے اس کی تکلیف اور اذیت کو جاننے کی کوشش کی تھی آرا کا بس نہیں چل رہا تھا اس لمحے زارا کے سامنے اپنا پورا دل کھول کر رکھ دے۔ وہ دھیرے دھیرے گویا ہوئی تھی۔

"پہلی ملاقات کے بعد پھر بے دریغ ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا کبھی کسی فیملی گیدرنگ میں تو کبھی ویسے ہی ان کی نظریں بولتی تھیں شاہد وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے اور ان کے لفظ سننے کے لیے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ ایک روز میں کالج سے گھر آئی تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ ہمارے گھر آئے ہوئے تھے مجھے انہیں اپنے گھر دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ بھابھی کی فیملی تھی آنا جانا تو لگا ہی رہتا تھا میں اماں کے کہنے پر فوری کچن میں

کھانے کے انتظامات میں لگ گئ اور وہ میرے پیچھے کچن میں آ گئے اور جو لفظ انہوں نے مجھ سے کہے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے اور اس میں سب گھر والوں کی مرضی شامل تھی دیکھتے ہی دیکھتے شادی کی تاریخ طے ہو گئ اور تیاری بھی ہونے لگی مجھے اچھے سے یاد ہے اس دن میری مہندی تھی جب صبح کالج سے میری دوست کا فون آیا تھا وہ کسی افیشل کام کے لیے مجھے صرف آدھے گھنٹے کے لیے کالج بلا رہی تھی نا چاہتے ہوئے بھی مجھے جانا پڑا تھا کام نمٹا کر میں کالج سے باہر نکلی تھی بھائی نے کہا تھا وہ مجھے پک کریں گے میں وہاں کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھی جب پیچھے سے مجھے یوں لگا کسی نے میرے سر میں کوئی نوکیلی چیز دے ماری ہو درد کی ایک شدید لہر میرے پورے جسم میں پھیل گئ تھی اور میں دنیا و مافیا سے بے خبر ہو گئ آنکھ کھلنے پر اپنے آپ کو ایک لکڑی کے کوٹیج میں پایا اور ایک شخص کو اپنے پورے جھکے ہوئے دیکھا۔"

ان کی آنکھیں اور لہجہ مسلسل بھیگا ہوا تھا زارا کو ان کی تکلیف اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔

"پھر آگے کیا ہوا؟"

اس نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

اس شخص نے کہا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اس نے مجھے کشمیر میں دیکھا تھا اور پھر وہ"

For more visit (exponovels.com)

مجھے یہاں لے آیا۔ میں خوب روئی چیخی گڑگڑائی کہ کل میری شادی ہے مجھے واپس چھوڑ کر آو لیکن بے رحم اور سنگدل لوگوں کو بھی کبھی کیا رحم آیا ہے وہ تو شکر ہے اس شخص نے مجھ سے نکاح کرلیا تھا ورنہ جس طرح کی حوس اس کے چہرے سے ٹپک رہی تھی نہ میرے پورے وجود میں آگ بھڑکا گئی تھی مجھ سے نکاح کے بعد اس نے مجھے اسی کاٹیج میں رکھا اور خود کئی کئی دن بعد اپنی شکل دیکھاتا میرے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا بیٹا میرا بہت خیال رکھتا آہستہ آہستہ حالات کی رسی میرے حق میں ڈھلکتی گئی اور میں اس رسی کے ساتھ محبت کے گہرے سمندر میں کودتی گئی وجود میں ایک دم عجیب سا احساس رہتا میرا لاشعور ہر وقت اپنے اردگرد اس شخص کا متمنی رہنے لگا پھر پتہ چلا کہ میں حاملہ ہوں اور وہ میری زندگی کا سب سے سیاہ دن تھا نوریز داور کمال کی حیوانیت اس روز مجھ پر آشکار ہوئی تھی اسے مجھ سے اولاد نہیں چاہیے تھی اور میں حیرت سے صرف گنگ اپنی محبت پر ماتم کررہی تھی اور اس شخص کی ستی سوچ پر افسوس تب سے میری زندگی کا زوال شروع ہوگیا نوریز کئی کئی دن بعد اپنی شکل دیکھاتا میں بہت زیادہ بیمار رہنے لگ پڑی تھی اس دن ایک گہرے درد کا جھونکا میرے پیٹ میں اٹھا تھا اور کوئی میری مدد کرنے کے لیے نہیں تھا میں اپنے نڈھال ہوتے وجود کو گھسیٹے ہوئے گھر سے باہر لے کر مدد کی تلاش میں نکلی تھی چلاتے ہوئے میں کب غافل ہوئی کچھ پتہ نہیں چلا ہوش میں آئی تو خود کو قریبی کلینک میں پایا

کمرے سے رونے کی آواز آرہی تھی تم۔۔ تم اس دنیا میں ساتھ خیرت کے آگئی تھی زندہ سلامت اس دن کے بعد سے آج تک کبھی نوریز واپس نہیں آیا تھا میں تمہیں لے کر واپس اسی کاٹیج میں آگئی تھی تمہیں ساری زندگی بہت سمبھال کر رکھتی آرہی تھی دنگا فساد تو جیسے اس بستی کا معمول بن گیا تھا اور اس روز تمہیں نکالنے کے بعد نوریز کے بندے مجھ۔۔مجھے اٹھا کر یہاں لے آئے اور گزشتہ چار مہنوں سے میں اپنی زندگی کے سب سے سیاہ دن کاٹ رہی ہوں پچھلے بائیس سال سے میں نوریز سے نفرت کرتی آرہی ہوں شدید نفرت نفس کا پجاری یہ شخص ایسی سزا بھگتے گا کہ ہم دونوں کی روحوں پر لگے ہوئے سارے زخم بھر جائیں گئے۔"

اب کی باران کی آنکھوں سے آنسوں کی بازگشت ختم ہوچکی تھی جیسے نوریز کی بربادی کا سوچ کر دل میں سکون سا بھر گیا ہو اور زارا محض اپنی اور ان کی زندگی کے وہ سال سوچتی رہی تھی جوان دونوں نے شدید غربت میں باپ اور شوہر کے ہوتے ہوئے بھی تنہا گزارے تھے اس کا سفاک باپ مرہی جاتا تو اچھا تھا اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا اس نے اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے سے چوک نہیں کی تھی اپنے مقصد کے لیے تو اس نے اپنے سالوں پہلے دفنائے ہوئے رشتوں کو بھی پاتال سے نکال کر زندہ کردیا تھا کیا ہونے والا تھا اس شخص کے ساتھ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور اس کی

برسات کا سوچ کر ہی زارا کا پورا وجود لرز گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گہرے اور خوفزدہ کوریڈور سے گزرتے ہوئے اس کے پورے وجود پر ایک عجیب قسم کی وحشت طاری تھی کوریڈور میں ہر چند قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹا پیلا بلب روشن تھا جو پورے کوریڈور کو روشن کیے ہوئے تھا تھوڑا سا آگے جا کر روشنی بالکل ختم ہوگئی تھی کیونکہ وہاں سیڑھیاں تھیں جو نیچے کو جاتی تھیں سیڑھیاں اترتے ہی تین مختلف سیلز کے سامنے وہ رکا تھا جہاں ایک ایک بلب روشن تھا سبتے وہی پر کھڑا شاہد اسی کی آمد کا منتظر تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں بھائی؟ وہ ابھی امی کی کال آئی تھی وہ۔"

اس نے فکرمندی سے اس سے کہا تھا ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا جب جبرئیل کی سپاٹ اور سنجیدہ آواز نے اسے وہی پر روک دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں سبتے! دروازہ کھولو لاک اپ کا۔"

اس نے سنجیدگی سے کہا تو سبتین نے لاک اپ کا دروازہ کھول دیا وہ اپنے یونیفارم کے بازو فولڈ کرتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔ سامنے کرسی پر بندھے ہوئے شخص کو دیکھ کر بے ساختہ اسے طیش آیا تھا مگر وہ کسی بھی قسم کی حماقت نہیں کر سکتا تھا اس لیے خاموشی سے قدم اٹھاتا ہوا اس وجود کے نزدیک آیا تھا۔

غلام بخش کی آنکھ اس اندھیرے لاک اپ میں کھلی تھی اس کا وجود درد سے نڈھال تھا جگہ جگہ چوٹوں کے نشانات تھے وہ کتنی دیر تک یقین نہیں کر پایا تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کرنے سے پہلے ہی گرفتار ہو چکا ہے اور یہ احساس کہ ایس۔ کے کا حکم تعمیل نہیں لا پایا غلام بخش کے وجود میں عجیب سی توڑ پھوڑ کر رہا تھا اور اب اس سامنے کھڑے ہوئے چھ فٹ پانچ انچ کے فوجی کو دیکھ کر وہ کیسے فراموش کر سکتا تھا کہ یہ کون ہے۔ غلام بخش کے سامنے اس لمحے وہ شخص کھڑا تھا جس کے خاندان سے نفرت میں ایس۔ کے اپنا سب کچھ بھلائے ہوئے تھی اپنی نسوانیت اپنا وقار سب کچھ اس نے ریت کے زروں کی مانند بہا دیا تھا۔

"تمہارا نام؟"

وہ قریب آتے ہوئے اس سے اس کا نام پوچھ رہا تھا لہجہ اور چہرہ اس قدر سنجیدہ تھے کہ ایک پل کے لیے غلام بخش کو گمان ہوا تھا جیسے اگر اس نے کچھ بھی غلط بتایا یا بتانے سے انکار کیا تو یہ شخص اس کے پورے وجود کو جھلس دے گا۔

"غلام بخش۔"

انتہائی آہستگی سے اس نے اپنا نام بتایا تھا۔

"تمہاری ولدیت؟"

سوال ایک بار پھر سے آیا تھا لہجہ ہنوز وہی تھا۔

"دین بخش۔ "

وہی دو لفظی جواب۔

"کس کے کہنے پر کام کر رہے ہو؟ "

اس نے ایک ٹانگ کرسی کے ایک سائیڈ پر رکھی تھی اور جھکتے ہوئے پوچھا تھا۔ مگر مقابل کی جانب سے اب کی بار کوئی بھی جوان موصول نہیں ہوا تھا۔

دیکھو میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے میں نہیں چاہتا کہ میں تم سے زبردستی تشدد "

"کر کے کچھ بھی اگلواوں اس لیے بہتر ہے کہ تم خاموشی سے جو بھی جانتے ہو سب بتا دو۔

اس کے لہجے کی سنجیدگی ابھی بھی برقرار تھی غلام بخش نے اس کے چہرے پر اذیت کی وہی لکیر دیکھی تھی جو اس لمحے خود غلام بخش کے چہرے کا خاصا بنی ہوئی تھی۔

"لیکن میری تم سے دشمنی ہے۔ "

اس کے جواب نے جبرئیل کے تمام تر اعصاب اچھے خاصے چٹخا دیے تھے۔

"کس کے لیے کام کر رہے ہو؟ "

سوال ابھی بھی وہی تھا اور جواب میں اب کی بار بھی خاموشی تھی۔

"میں نے پوچھا کس کے لیے کام کر رہے ہو؟ "

اب کی بار جبرئیل نے اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا تھا اس کی

For more visit (exponovels.com)

گرفت اتنی سخت تھی کہ غلام بخش کے چہرے پر تکلیف کے واضح آثار ابھرے تھے مگر اس کی زبان تو گویا آج تالو سے ہی چپک گئی تھی مزید کچھ بھی بولا تو کوئی گناہ کوئی جرم سر زد ہو جائے گا۔

"میری بات کا جواب دو۔"

اب کی بار چیخ کر پوچھا گیا تھا ساتھ میں ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر مارا تھا جو کہ بخش کے رخسار پر جبرئیل کی انگلیوں کے نشان واضح چھوڑ چکا تھا۔

"میں کچھ نہیں بتاؤ گا۔"

لہجے میں نہ تو ڈر تھا اور نہ ہی کوئی لچک جبرئیل کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنے آیا ہو۔

"وجہ؟"

وہ اب کی بار پیچھے سے کرسی گھسیٹ کر اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا تھا جبرئیل کا فوکس بخش کی آنکھیں تھیں جو اس لمحے عجیب سے انداز میں چمک رہی تھیں۔

"وجہ صرف اتنی ہے کہ محبت ہار کر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہار سکتا۔"

انداز میں ایک ٹھہراؤ تھا اس کے الفاظ جبرئیل کے اعصاب پر بہت بری طرح لگے تھے۔

محبت میں اعتماد اور بھروسہ نہ ہارنے کا عزم تو صرف عورت کی محبت ہوتی ہے"

"انٹرسٹنگ یعنی کہ تم ایک عورت کے لیے کام کرتے ہو تھینک یو۔

اس کا انداز سلگا دینے والا تھا اور بخش اب اپنے ہی بے اختیار کہے گئے جملے پر پچھتا رہا تھا۔

"کون ہے وہ عورت ؟ "

اس نے آگے کو ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کا ذہن مسلسل اس عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کا ذکر زارا نے بہت پہلے کیا تھا جو گفتگو اس نے کھڑکی کے پار سے سنی تھی اس میں بھی تو وہ لوگ کسی میڈم کو رپوٹ کرنے کا کہہ رہے تھے۔ تو اس سارے کھیل میں

"کوئی عورت بھی شامل ہے ؟

جبرئیل کا دماغ عجیب انداز میں سوچ رہا تھا۔

میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں بخش !اگر نرمی سے بتا دو گئے تو ٹھیک رہے گا ورنہ پھر "

تم بھروسہ اور اعتماد قائم رکھنے کے جرم میں وہ بھیانک سزا بھگتو گئے جس کا سوچ کر ہی

"روح کانپ جائے۔

جبرئیل کا لہجہ ازحد سپاٹ تھا اس نے الفاظ چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

"میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں چاہئیے جتنی بھی اذیت دے لو۔ "

غلام بخش کا لہجہ برف کی مانند ٹھنڈا ٹھار تھا۔ نجانے کیوں جبرئیل کا دل اسے کسی بھی قسم کی اذیت دینے کا نہیں چاہا تھا مگر وہ نرمی دیکھا کر کوئی چوک نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اسے

For more visit (exponovels.com)

ناچاہتے ہوئے بھی یہ بھیانک قدم اٹھانا پڑنا تھا۔

"سبتے؟"

اس نے چیخ کر سبتین کو آواز لگائی تھی۔

"!جی بھائی"

وہ محض ایک منٹ بعد ہی حاضر ہوگیا تھا۔

اس کے ساتھ جو بندے تھے انہیں بھی اسی سیل میں لے آو اور گرم کھولتے ہوئے پانی "

"کے ساتھ کٹر بھی لے کر آو فوری۔

اس کے حکم پر سبتے نے گہرا سانس بھرا تھا یعنی اب ان لوگوں کو جبرئیل سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا تھا غلام بخش کا اطمینان قابل دید تھا جب کہ جبرئیل کے کانوں میں دوسرے ساتھیوں کی صدائیں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ تینوں ایک دوسرے کے مقابل کرسیوں پر بندھے ہوئے دیکھے جاسکتے تھے قریب ہی سلور کا ایک بڑا سا ٹب رکھا ہوا تھا جس میں بلبلے مارتا ہوا گرم پانی تھا اور کٹر جبرئیل کے ہاتھ میں تھا۔

"اس سسٹم میں گھس کر کیا کرنے والے تھے؟"

ان میں سے پہلے والے کی گود میں ٹانگ رکھ کر اس نے جھک کر کہا تھا۔

"کہ۔۔کچھ نہیں۔"

اس کے جواب پر اس نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے تھے اور ایک زوردار جھٹکا دیا تھا۔ اس کی چیخ پورے سیل میں گونجی تھی۔

"بول!"

اس نے اس کا ایک پاوں گرم پانی میں ڈبوتے ہوئے کہا تھا۔

آہ! اس کی چیخ اونچی رونے کی آواز میں بدل چکی تھی۔ "

"میں نے کہا بول!"

اب کی بار دوسرا پاوں بھی پانی کے ٹب میں ڈال دیا گیا تھا پورے سیل میں بھیانک چیخیں گونج رہی تھیں۔

"سی۔۔ سیکرٹ۔۔۔ ڈیٹا۔۔۔ میڈ۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید بتا تا غلام بخش نے اسے ٹوکا تھا۔ سبتین نے غلام بخش کے منہ کو باندھا تھا اور اس کے چہرے پر تھپڑ مار کر اسے خاموش کرایا تھا۔ جبرئیل واپس اس آدمی کی جانب متوجہ ہوا تھا جس کے پاوں اب اس نے ٹب سے باہر نکال دیے تھے ان کی کھال سرخ ہو کر اترنا شروع ہو گئی تھی۔

"ہاں بتا ورنہ دوبارہ سے پاوں کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دوں گا۔"

جبرئیل نے اسے دھمکی دی تھی لیکن وہ اب کی بار بالکل خاموش رہا تھا۔

"تو نہیں بتائے گا تو؟"

اسنے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"!بول"

اب کی بار جبرئیل نے کٹر سے اس کی آخری انگلی کاٹ ڈالی تھی خون کا پورا ایک فوارا ابلا تھا جس کے کچھ چھینٹے جبرئیل کے چہرے اور لباس پر بھی آ گئے تھے۔

"بتاتا ہوں بتاتا ہوں۔"

اس آدمی نے درد کی شدت سے چلاتے ہوئے کہا تھا جبکہ اس کی بات پر غلام بخش نے اپنے اچھے خاصے ہاتھ پاوں چلائے تھے جبرئیل نے استزایہ مسکراہٹ سے غلام بخش کو دیکھا تھا اور پھر سے آدمی کی جانب متوجہ ہوا تھا جو رو رہا تھا۔

"صاحب ہم کو میڈم نے بولا تھا ہیک کرلو فائیلز میڈم سے نہ کبھی ہم ملیں ہیں اور نہ ہی بات ہوئی ہے وہ صرف بخش صاحب سے بات کرتی ہیں اور یہ ہم تک کام پہنچا دیتے ہیں وہ کون ہیں کیوں ہیں کیا کرتی ہیں کہاں رہتی ہیں ہم کچھ نہیں جانتے صاحب پلیز ہم کو چھوڑ دو۔"

اس آدمی نے مسلسل روتے ہوئے اس سے کہا تھا جس پر جبرئیل نے گہرا سانس بھر کر غلام بخش کی جانب دیکھا تھا۔

"سبتے! میں ضروری کام سے باہر جارہا ہوں تم تب تک اس بخش سے اس کی معشوق میڈم کا سارا بائیوڈیٹا کیسے بھی کر کے نکلواو کوئی بھی طریقہ کوئی بھی حربہ آزماؤ مجھے ساری معلومات چائیے اگر یہ نہ بتائے تو اسے اتنی اذیت دو کہ اس کے سر سے محبت کا سارا بھوت ہوا ہوجائے۔"

وہ کہہ کر سیل سے باہر نکل گیا تھا جتنی معلومات اسے معلوم ہوئی تھی وہ کرنل خاور تک پہنچانا ضروری تھی باقی کل ان دونوں نے انڈیا کے لیے نکل جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فجر ہونے سے کچھ دیر قبل وہ تینوں کچی بستی سے باہر نکلے تھے تینوں آگے پیچھے چلتے ہوئے بستی سے باہر نکل گئے تھے جہاں پر ایک چھوٹی جیپ کھڑی تھی شاہد نہیں یقیناً یہ کرنل خاور کے سیکرٹ کوپس یہاں کھڑی کر کے گئے تھے وہ تینوں باہر نکل کر جیپ کی جانب چلے گئے تھے اسامہ نے ڈرائیونگ سیٹ سمبھالی تو احسن اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا جبکہ پچھلی سیٹ پر شمس بیٹھ گیا تھا تینوں سیول ڈریس میں ملبوس تھے اسامہ نے جونہی جیپ سٹارٹ کی احسن کے موبائل کی ٹون بجی تھی اس نے جیب سے موبائل نکال کر کھولا تو طراب کی جانب سے واٹس ایپ پر تصویر بیجھی گئی تھی احسن نے تصویر کھولی تھی تصویر ایک درمیانی عمر کے نوجوان کی تھی جس کے نیچے مکمل تفصیل بھی درج تھی اور نیچے میسج بھی

بچھا گیا تھا۔

نام : ارجن میتھا"

پیشہ : بزنس مین

"ولدیت : مہیش میتھا

لڑکیاں سمگل کرتا ہے ان سے دوستی کر کے انہیں بیچ دیتا ہے کشمیر آنے والا ہے اس پر

"چیک رکھا جائے۔

پوری بات احسن نے با آواز بلند کہی تھی ارجن کے نام پر شمس کی رگیں غصے تن گئ تھی اس بات میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی کسی قسم کا شک محسوس نہیں ہوا تھا کہ یہ ارجن وہی آدمی ہے جس نے فاطمہ کے ساتھ۔ اس سے آگے شمس کا ذہن نہیں سوچ پایا تھا وہ ایک دم بے قابو ہوا تھا۔

"اس شخص کو تو میں چھوڑوں گا نہیں۔"

وہ غصے سے دھاڑا تھا احسن اور اسامہ نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا اور پھر اس کی جانب جس کے چہرے کی نسیں غصے کی زیادتی سے ابھری ہوئ تھیں۔

"کام ڈاون کیپٹن! کیا ہو گیا ہے ؟"

احسن نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو اسے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا۔

"سوری سر!"

وہ معذرت کر کے نظریں جھکا گیا تھا مگر یہ سچ تھا کہ اس کے ذہن میں اس لمحے ایک لاوا پک رہا تھا جو صرف اسی صورت میں باہر آسکتا تھا جب تک وہ ارجن کو اپنے ہاتھوں سے اذیت نہیں دے لیتا بالکل اس سے زیادہ اذیت جو اس نے فاطمہ کو دی تھی۔ وہ کچھ ہی دیر میں اس بستی میں پہنچ گئے تھے جہاں ان آدمیوں نے وہ لڑکی رکھی ہوئی تھی جیپ انہوں نے سڑک کے دوسری جانب گلی سے اتنی دور کھڑی کی تھی کہ کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا تھا اندازے کے مطابق ان لوگوں کی جیپ بھی وہی گلی کے باہر کھڑی تھی۔

"سر! یہ لوگ تو لڑکی کو لے کر آ ہی نہیں رہے؟"

اسامہ نے گلی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو احسن نے گہرا سانس بھرا۔

"ویٹ میجر! آتے ہی ہونگے بس۔"

ویٹر کے کہنے کی دیر تھی گلی میں سے وہ آدمی آتے ہوئے دیکھائی دیے تھے مگر جو بات اس لمحے حیرت کا باعث تھی اور جس بات نے ان تینوں کو اپنی اپنی جگہ چونکا دیا تھا وہ یہ تھی کہ اس لمحے ان تین لوگوں کے ساتھ ایک لڑکی نہیں بلکہ تین لڑکیاں تھیں وہ بھی بے ہوش نہیں بلکہ پورے ہوش و حواس میں وہ لوگ بے حد نارمل انداز میں ان کے ہاتھ تھامے انہیں لے کر آ رہے تھے کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ ان پر زبردستی ہو رہی ہو۔ وہ لوگ

انہیں جیپ میں بیٹھا کر خود بھی بیٹھ کر جیپ سٹارٹ کر کے روڈ پر ڈال چکے تھے ان کے تھوڑی دور جانے کے بعد اسامہ نے بھی جیپ سٹارٹ کی تھی۔

"سر! کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو ہم سوچ رہے ہیں؟"

شمس نے اسامہ کی جانب دیکھتے ہوئے احسن سے پوچھا تھا جس کا انداز پر سوچ دیکھائی دے رہا تھا۔

"ہاں لیکن یہ صرف ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے تھا جتنا سیدھا ہم ان کو سمجھ رہے ہیں نہ یہ سب اتنا سیدھا ہے نہیں۔"

احسن نے موبائل پر کچھ ٹائپ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن سر مجھے نہیں لگتا کہ ہمارا پیچھا کرنا انہیں پتہ چلا ہے مجھے لگتا ہے کہ دنیا کو دیکھانے کے لیے اتنے نارمل انداز میں لے کر جایا جا رہا تھا ضرور انہوں نے ان لڑکیوں کو کوئی دھمکی دی ہو گی یا ہوئی ایسا ڈرگ جس سے یہ مکمل اپنے ہوش کھو بیٹھی ہیں۔"

اسامہ نے جیپ کے پیچھے زرا فاصلے سے موڑ کاٹتے ہوئے کہا تھا۔ احسن اور شمس دونوں کو ہی اسامہ کی بات میں دم لگا تھا اس لیے وہ خاموش ہو گئے تھے مزید تین گھنٹوں میں انہوں نے ممبی پہنچ جانا تھا جہاں بہت سے راز اور بہت سی حقیقتیں ان کا انتظار کر رہی تھی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

صبح کا سورج ممبی شہر پر یوں روشن ہوا تھا جیسے اندھیرے میں چاند اپنی مکمل روشنی کے بعد جہان بیدار کرتا ہو وہ تمام رات سوتی جاگتی کیفیت میں رہی تھی کچھ دیر قبل ہی اس کی آنکھ لگی تھی لیکن مسلسل بجتے فون نے اس کی نیند کا حصار لمحوں میں توڑ ڈالا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو!"

نیند کے باعث لہجہ تھوڑا بھاری ہو رہا تھا مگر مقابل کے لفظوں نے اسے پورا کا پورا بیدار کر دیا تھا۔

"کب؟ اور تم مجھے اب بتا رہے ہو؟"

نجانے مقابل نے کیا کہا تھا کہ وہ برہمی دیکھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"اوکے میں دیکھتی ہوں۔"

وہ کہہ کر فون بند کر کے فوری اپنے بستر سے اتری تھی پیروں سے سلیپر پھنسا کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھی شب خوابی کے لباس میں بکھرے ہوئے بال نیند سے بوجھل آنکھیں لیے وہ سیڑھیوں سے نیچے آئی تھی لاونج کے درمیانی صوفے پر داور کمال اخبار پڑھ رہے تھے جبکہ نظر گھمانے پر بھی اسے کہیں صمن بیگم نظر نہیں آئی تھیں۔ وہ داور کمال کو یکسر نظرانداز کیے باہر کے مین دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"صبح صبح کہاں جا رہی ہو؟"

داور کمال اپنی فطرت کے عین مطابق اسے بلانے سے باز نہیں آئے تھے۔

"میں آپ کو اپنے کسی بھی عمل کے لیے جواب دہ نہیں ہوں۔"

وہ کہہ کر تیزی سے باہر کی جانب بڑھی تھی دروازہ کھول کر لان میں نکلی ہی تھی کہ گیٹ سے اسے علینہ آتی ہوئی نظر آ گئی وہ مسکرا کر جوش سے علینہ کی جانب بڑھی تھی جس کا چہرہ از حد سنجیدہ تھا آنکھیں مسلسل رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔

"!علینہ"

وہ اسے پکار کر اس کی جانب بڑھی تھی فرط جذبات سے ایس۔ کے نے علینہ کو گلے لگایا تھا کتنے عرصے بعد وہ اپنی بہن کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی اسے گلے لگا کر وہ اچھی طرح سے اس کے لمس کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ لیکن علینہ بالکل سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی رہی تھی۔

علینہ! تم ایسے کیوں کھڑی ہو کچھ بولو تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پیچھے مام نے اپنی کیا"

"حالت بنا لی ہے؟

وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہہ رہی تھی اسے اپنے ساتھ گھسیٹے ہوئے وہ اندر لے آئی تھی لاونج میں داور کمال بھی اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے بدک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ کیچن سے

نکلتی صمن بیگم اپنی جگہ ساکن ہوگئی تھیں۔ صمن بیگم کو سامنے دیکھ کر علینہ کا ضبط جواب دے گیا تھا وہ دوڑ کر ان کی جانب بڑھی تھی اور ان کے سینے سے لگ کر خوب روئی تھی۔

"کہاں چلی گئی تھی تم؟ ارجن سے شادی کرنی تھی نہ میں کراو دوں گی لیکن پلیز تم آئندہ کبھی مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی میرا دل پھٹ جائے گا۔"

وہ مسلسل روتے ہوئے اسے والہانہ چوم رہی تھیں۔

"کہاں سے آرہی ہو تم؟"

داور کمال اپنی تمام تر سنجیدگی کے ساتھ اس کی جانب بڑھے تھے جو صمن بیگم سے چپک کر کھڑی تھی۔

"ڈ۔۔ڈیڈ۔۔۔وہ!"

اس سے اس لمحے کچھ بھی بولنا دشوار لگ رہا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ علینہ! اتنے دنوں بعد نجانے کہاں سے منہ کالا کر کے آرہی ہو اپنی کمیونٹی میں کیا جواب دوں گا؟"

وہ اسے دیکھ کر بپھر ہی تو گئے تھے اپنی ساکھ انہیں ایک ہی پل میں خطرے میں نظر آرہی تھی۔

"مسٹر کمال! اپنی اس سو کالڈ جھوٹی کمیونٹی میں آپ کیا جواب دیں گے یہ آپ بہتر جانتے

ہوں گئے۔ مام!اس انسان نے ایک بھی بار آپ کی بیٹی کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی اور جب میں ان سے فون کر کے پوچھتی تھی کہ علینہ کا کچھ پتہ چلا تو یہ آگے سے فوری ٹال جاتے تھے میں نے ڈھونڈا ہے تو مل ہی گئی ہے نہ یہ بھی ڈھونڈ سکتے تھے مگر اپنی جھوٹی شان و شوکت اور پیسے نے ان کا خون سفید کر دیا ہے میں تو چلو ان کی سگی بیٹی نہیں "ہوں مگر یہ تو ان کی سگی اولاد ہے نہ؟

وہ جب بولنے پر آئی تو وہ سارا زہر اگل گئی جو برسوں سے اس کے اندر داور کمال کے خلاف تھا مگر اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والے اصل واقعے سے وہ اب بھی انجان ہی تھی۔

"کہاں تھی یہ؟"

صمن بیگم نے سپاٹ تاثرات کے ساتھ پوچھا تھا۔

"!کشمیر پاکستان"

اس کے الفاظ تھے یا کوئی بارود کا گولا جو سیدھا وہاں موجود نفوس کے سروں پر لگا تھا کشمیر پاکستان کے نام پر صمن بیگم پیچھے کو لڑکھڑائی تھیں۔ ماضی کسی فلم کی مانندان کے آگے چل پڑا تھا ہر ایک لمحہ ان کی آنکھوں کے پردوں پر اس طرح تازہ ہوا تھا جیسے کچھ دیر قبل ہی ہوا ہو آنکھوں کی پتلیاں یک دم ساکت ہو گئی تھیں۔ داور کمال غصے سے گھر سے باہر نکل

گئے تھے جبکہ علینہ ایس۔کے کی جانب بڑھی تھی جو اسے اور صمن بیگم کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"کیا سوچ کر آپ نے مجھے ڈھونڈا تھا؟"

وہ اب بالکل اس کے روبرو آگئی تھی ایس۔کے نے ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

بہن ہو تم میری مام نے تمہاری وجہ سے مجھے شکاگو سے انڈیا بلایا تھا اور میں تمہیں"

"ڈھونڈتی نہ کیسی عجیب بات کر رہی ہو تم؟

وہ ایک دم پریشان ہوگئی تھی۔علینہ کی حالت اس کے چہرے کا نور اس کی ذات کا وقار ایس۔کے کے پورے وجود میں ایک عجیب سا احساس پیدا کر رہا تھا۔

میں یہاں کے بناوٹی چہروں اور دیکھاوے کی زندگی کب کی چھوڑ چکی تھی جہاں میں تھی" وہاں تو میں نے خود کو اور اللہ کو جانا تھا اس کی ذات کے پردوں سے واقف ہو رہی تھی میں اور آپ کے وہ کرائے کے آدمی مجھے واپس اسی دلدل میں لے آئے جہاں سے بچ کر میں بھاگی تھی میرا باپ کیا ہے وہ کیا کرتا ہے یہ مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں جان سکتا میں تو اس کے انجام کو سوچ سوچ کر لرز اٹھتی ہوں میں اب کسی اور کی امانت ہوں میرا وجود کسی اور کا "ہے میں اس کی چھت تلے تھی مگر آپ مجھے یہاں لے آئی پھر سے۔

اس کے لفظوں اور چہرے دونوں پر ہی شدید اضطراب تھا وہ رو نہیں رہی تھی وہ دکھی تھی

کبھی کبھی انسان کے سگے رشتے بھی اس کے نہیں ہوتے وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئی تھی جبکہ ایس کے بھی صمن بیگم کو تنہا چھوڑ کر اوپر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ بالکل تنہا اپنے ماضی کے ساتھ وہاں کھڑی رہ گئی تھیں۔ ان کا دل ایک دم گھبراہٹ کا شکار ہوا تھا وہ مردہ قدموں سے باہر لان میں آگئی تھی کئی ایکڑ پر پھیلا ہوا کمال ولا صمن بیگم نے تو کبھی چل پھر کر اس کے پورے در و دیوار بھی نہیں دیکھے تھے وہ شدید پس مردگی میں چلتی جا رہی تھیں انہیں چلتے ہوئے یہ بھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ کمال ولا کے پچھلے حصے میں آگئی ہیں جہاں شاہد وہ پہلی بار آئی تھیں اجاڑ بیابان وہ حصہ اپنے اندر شدید وحشت لیے ہوئے تھا۔ ان کے چہرے پر ایک دم گھبراہٹ طاری ہوئی تھی کچھ دیر قبل پیش آنے والا واقعہ وہ اس لمحے مکمل طور پر فراموش کر چکی تھیں ایک جانب بہت سارے درخت لگے ہوئے تھے اچانک سے صمن بیگم کی نظر ان درختوں کے درمیان لگے چھوٹے سے لوہے کے دروازے پر گئی تھی وہ دروازہ اس قدر چھپا ہوا تھا کہ شاہد آگر کوئی غور سے دیکھتا تو اسے نظر آجاتا ان کا لاشعور انہیں اس دروازے کی جانب لے کر جا رہا تھا دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ لگ رہا تھا کہ ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا انہوں نے ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر سے دروازے کی جانب بڑھی تھیں دروازہ زمین سے۔بس چند فٹ ہی اونچا تھا اس کا لاک درخت کے پتوں سے ڈھکا ہوا تھا صمن بیگم نے زرہ سے درخت

For more visit (exponovels.com)

کے پتے ہٹائے تو انہیں لاک نظر آ گیا جو شاہد باہر سے ہی کھولا جا سکتا تھا۔ انہوں نے لاک گھما کر کھولا تو چھوٹا لوہے کا دروازہ کھل گیا اس کا ایک پٹ کھول کر صمن بیگم نے اندر جھانکنے کی کوشش کی تھی مگر اندر اندھیرا تھا بس انہیں دیکھنے پر اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کوئی چھوٹی سیاہ اینٹوں کی بنی ہوئی سیڑھیاں تھیں جو نیچے کو جا رہی تھیں صمن بیگم نے ایک سیڑھی پر انتہائی آہستگی سے قدم رکھا تھا اور اپنے پیچھے دھڑکتے دل سے دروازہ بند کر دیا تھا سچ کہتے ہیں انسان کا فطری تجسس اس سے بڑے بڑے کام کرواتا ہے اور اس لیے صمن بیگم کا فطری تجسس ہی انہیں یہاں تک لے آیا تھا۔

وہ انتہائی آہستگی سے ایک ایک زینا پھلانگ رہی تھیں زینے خاصی تنگ اور طویل تھیں جونہی وہ آخری زینے پر پہنچی ان کی آنکھوں نے ایک بوسیدہ سیاہ اینٹوں کا بنا ہوا وہ تہہ خانہ دیکھا جہاں روشنی کے نام پر صرف باہر روشن دان سے آتی وہ لکیر تھی جو اسے ناقابل فہم روشنی فراہم کر رہی تھی ان کی آنکھیں اور اوسان تب ساکت ہوئے تھے جب انہوں نے وہاں آنکھیں بند کیے ہوئے ایک وجود کو دیکھا تھا اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دوسرا وجود گھٹنوں ہر سر رکھے ہوئے تھا انہوں نے بے حد مشکل سے اپنے آپ کو لڑکھڑانے سے بچایا تھا وہ جہاں تھیں وہی جم گئی تھیں انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی آواز کئی کھو گئی ہو۔ انتہائی ہمت کر کے وہ پکار پائی تھیں۔

"کو۔۔کون۔۔ہو۔۔۔تم؟"

ان کے جملے بے ربط تھے اور لہجہ لڑکھڑا رہا تھا۔ سامنے بیٹھے وجود نے دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں اور اس کی پتلیاں وہی پر ساکت ہوگئی تھیں اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر آرا کی صرف آنکھیں ہی بلکہ وجود بھی جم گیا تھا۔

"اِصا۔۔صم۔۔صمن بھابھی"

آرا کے جملے نے صمن بیگم کے پورے وجود کو ایک دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا تھا زارا نے سر اٹھا کر دونوں کو نا سمجھی سے دیکھا تھا۔

"نگہت؟"

انہیں اپنی ہی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ آرا نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر ہمت کرنے کے باوجود وہ لڑکھڑا کر وہی پر گر گئی تھی صمن بیگم خود تیزی سے آرا کی جانب آئی تھیں اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر انہوں نے آرا کے ہاتھ تھامے تھے۔

"تم یہاں۔۔کیا۔۔کر۔۔کر رہی ہو؟"

بولنا اب بھی انہیں اتنا ہی مشکل لگ رہا تھا۔

"تم۔۔تم تو اغوا۔۔؟"

انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا آرا نے اپنی آنکھیں ضبط سے میچی تھیں اور پھر انہیں شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی سنا دی تھی چوبیس سال سے دل میں پلنے والے لاوے کو آنسو کی جگہ آج ملی تھی وہ انہیں بتاتے ہوئے شدت ضبط سے رو دی تھیں شاہد برسوں بعد کسی اپنے کو دیکھ کر وہ ضبط کھو گئی تھیں زارا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں خاموش کرانے کی کوشش کی تھی۔

"یہ۔۔یہ میری بیٹی زارا!"

انہوں نے زارا سے ان کا تعارف کروایا تھا اور زارا تو شاہدا نہیں پہلے سے جانتی تھی گزشتہ رات آرا اسے ان کے بارے میں بتا چکی تھی۔

"آپ۔۔آپ یہاں۔۔کیسے؟"

آرا نے ہمت کر کے دل میں مچلتا ہوا سوال ان سے پوچھا تھا جس پر وہ ایک دم نظریں جھکا گئی تھیں جیسے اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔

"بتائیں نہ بھابی! خاور بھائی کہاں ہیں اور آپ یہاں کیسے؟"

آرا کو مسلسل کچھ غلط ہونے کا احساس ستا رہا تھا اس کے سوال پر صمن بیگم کا سر نہ صرف ندامت سے جھکا تھا بلکہ ان کے آنسو بھی رواں ہو گئے تھے دل میں پلتے پچھتاوے کو آج زبان مل گئی تھی وہ بغیر رکے ان سے سب کہہ گئی تھیں اور ان کی بات سن کر آرا کا چہرہ

لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا اس کے چہرے پر بے یقینی تھی اعتبار ٹوٹنے کی اذیت کے ساتھ محبت گنوانے کا غم تھا۔

یہ کیا۔۔کیا۔۔کر دیا آپ۔۔نے؟ خاور بھا۔۔بھائی سے "
بے وفائی۔۔۔انہیں دھو۔۔کہ دے۔۔دیا۔۔پیسوں۔۔۔اور عیش و عشرت کی لالچ نے آپ کو اتنا اندھا کر دیا کہ آپ نے عمر بھر کے لیے گھاٹے کا سودا کر لیا اس حیوان کے ساتھ شادی کر لی جس میں انسانیت نام کو نہیں اس کا باپ ہے وہ مگر انسانیت کے درجے سے گرا ہوا آدمی ہے میری محبت تھا وہ مگر اب میں اسے اپنی نفرت کے لائق بھی نہیں سمجھتی میرا دل چاہتا ہے اس کی ہستی نست و نابود ہو جائے اسے ایسا عذاب دیا جائے کہ دیکھنے "والوں کی روحیں کانپ جائیں۔

وہ سلگھتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں آنکھوں میں اذیت کی ایک گہری داستان رقم تھی صمن بیگم مسلسل اس کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھیں۔

بے وفائی کی سزا برسوں سے بھگت رہی ہوں میں نگہت پل پل پچھتاوے کی بھٹی میں "
جل رہی ہوں معافی مانگتی ہوں مگر وہ معاف کرنے کو تیار نہیں ہے دل کے بند ہو جانے "کی دعا کرتی ہوں وہ بھی قبول نہیں ہوتی تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔

وہ مسلسل روتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھیں۔

"صمن بیگم سزا تو تم بھگت چکی ہو لیکن سکون کی نیند تمہیں تب تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے معافی نہیں مانگ لیتی جس کی تم گناہ گار ہوں"

آرا کا لہجہ اب کی بار کسی بھی قسم کی لچک سے پاک تھا صمن بیگم نے آنسو بھری آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"جاو یہاں سے اس سے پہلے کہ تمہارا مال دار شوہر آجائے اور پھر تمہارا بھی وہی حال کرے جو ہمارا ہو رہا ہے جاو اللہ تم پر رحم کرے۔"

اس نے کہہ کر سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا تھا اور واپس آنکھیں موند گئی تھیں۔ وہ بوجھل قدموں اور بھرے ہوئے دل کے ساتھ واپسی کے راستے پر چل پڑی تھیں اس امید کے ساتھ کہ شاید اللہ کو ان پر رحم آجائے اور ان کی سزا میں کچھ ترمیم ہو جائے۔ مگر اس کی باتیں وہی بہتر جانتا ہے اس کے فیصلے وہی کرتا ہے۔

کوئی بن گیا رونق پکھیاں دی
کوئی چھوڑ کے شیش محل چلیا
کوئی پلیا ناز تے نخریاں وچ
کوئی ریت گرم تے تھل چلیا

کوئی بھل گیا مقصد آون دا

کوئی کر کے مقصد حل چلیا

ایتھے ہر کوئی فرید مسافر اے

کوئی آج چلیا کوئی کل چلیا

ان کے جانے کے بعد آرا نے بے رحمی سے یہ نظم پڑھی تھی اور ہلکا ہلکا جھومنے لگی تھی۔

****

اسلام علیکم سر!"

اس نے باہر آکر فوری کرنل خاور کو کال ملائی تھی جو کچھ توقف کے بعد اٹھالی گئی تھی۔

"وعلیکم اسلام ینگ مین! کیا رپوٹ ہے؟"

دوسری طرف مصروف لہجے میں جواب دیا گیا تھا شاہد وہ مصروف تھے۔

"سر! اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ ان ہیکرز کو بیجھنے والی کوئی عورت تھی جس کو وہ آڈرز دے رہی تھی وہ آدمی تو شدید کوشش کے بعد بھی کچھ نہیں بولا جبکہ اس کے ساتھ موجود دو آدمیوں میں سے ایک خوف کے باعث اگل گیا ہے کہ کوئی عورت ہے اس سب کے پیچھے مگر وہ اسے نہیں جانتے کیونکہ انہیں آڈرز دینے والا غلام بخش ہے وہی جو کچھ نہیں بول رہا باقی میں نے سبتے کو اس پر چھوڑ دیا ہے وہ اپنے طریقے سے پوچھ لے گا۔"

اس نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی تھی دوسری طرف کرنل خاور ایک عورت پر ہی اٹک گئے تھے یعنی ایک عورت ہو کر اتنا سب کچھ کرنا بات کچھ سمجھ میب نہیں آ رہی تھی۔

"جبرئیل! مجھے نہیں لگتا کہ اس سب کے پیچھے صرف یہ عورت ہے اس عورت کے ساتھ ضرور داور کمال بھی شامل ہے جو نہی طراب کی جانب سے کوئی رپوٹ آتی ہے یہ بات فائینل ہو جائے گی فل حال اس غلام بخش کو ایس پی سبتین کو ہینڈل کرنے دو میری بہت خواہش تھی کہ آرون اپنا خواب پورا کرتا مگر اب اس کی ایسی حالت نہیں ہے تو اس کی جگہ سبتین کو چارج سمبھالنے دو تم آج رات مظفر آباد ائیر پورٹ پر ملو مجھے ہم آج رات ہی انڈیا کے لیے نکلیں گئے۔"

انہوں نے کہہ کر کال کاٹ دی تھی جبکہ انڈیا جانے کا خیال ہی جبرئیل کے اندر عجیب سا اشتعال برپا کر رہا تھا اسے ایک بار پھر سے زارا کا خیال آیا تھا اس کی آنکھوں میں ایک دم جلن کا احساس بڑھ گیا تھا اس نے آنکھیں جھپک کر نمی خود میں واپس انڈیلی تھی اور اپنی جیپ کی جانب چلا گیا تھا اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا وہ کچھ دیر زارا کی موجودگی محسوس کرنا چاہتا تھا ایسے جیسے اس کا وجود جبرئیل کے لیے طاقت کا پہرا امن ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لوگ اس جیپ کا مسلسل پیچھا کرتے ہوئے ممبی کی حدود میں داخل ہوئے تھے۔ وہ جیپ

تیزی سے آگے کو بھاگ رہی تھی اور قدرے فاصلے سے اسامہ اس کا پیچھا کر رہا تھا اگر ارجن کشمیر جارہا تھا تو اس کی اطلاع کیپٹن عبداللہ کو دے دی گئی تھی وہ اگر وہاں نظر آئے تو اس کا پیچھا کر کے اس کے بارے میں مکمل رپوٹ کی جائے جیپ نے اچانک سے ایک یوٹرن لیا تھا اسامہ اور احسن نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا احسن نے اسے مسلسل پیچھا کرنے کی ہدایت جاری کی تھی مگر شاہد اگلی والی جیپ کو کسی کے پیچھا کرنے کا شک ہو گیا تھا۔

"اسامہ! گاڑی روکو۔"

انہوں نے ایک دم ہی اسامہ کو گاڑی روکنے کا کہا تھا اسامہ نے چونک کرنا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"آئی سیڈ سٹاپ۔"

اس نے اب کی بار اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ جیپ کے ٹائر چرچرائے تھے اور پھر سڑک پر جیپ رک گئی تھی احسن دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

"کیپٹن! تم آگے آو اور تم دونوں دوسری طرف سے جاو اور میں اسی طرف سے لوکل جاتا ہوں تم لوگوں کو لوکیشن انفارم کرتا رہوں گا۔"

یہ ساری ہدایات محض اس نے ایک سیکنڈ میں دی تھیں اور بھاگ کر ایک آٹو روکی تھی تب

تک جیپ دوسرا موڑ مڑنے ہی والی تھی وہ جلدی سے آٹو میں بیٹھا تھا تب تک اسامہ نے بھی جیپ سٹارٹ کر کے دوسری طرف جاتی ہوئی روڈ پر ڈال دی تھی شمس نے جیپ میں جی۔پی۔ایس آن کر لیا تھا تاکہ انہیں راستے کے حوالے سے کسی بھی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے بہت جلد وہ اپنی منزل پر پہنچنے والے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ علینہ کے رویہ سے خاصی پریشان تھی اپنے کمرے میں آکر وہ گرنے کے سے انداز میں بستر پر لیٹی تھی ابھی اسے لیٹے ایک منٹ ہی ہوا تھا جب اس کی نظر سائیڈ میز پر رکھے ہوئے خاکی لفافے پر گئی تھی اسے ایک دم یاد آیا تھا کہ اس دفعہ اس نے خط لکھ کر پوسٹ تو کیا ہی نہیں۔اس لمحے اسے غلام بخش کی یادشدت سے آئی تھی وہ ہوتا تو اس کے بغیر کہے ہی اس کا خط پوسٹ کر دیتا مگر اب وہ نہیں تھا تو ایس۔کے کو اپنا یہ کام خود ہی کرنا تھا وہ جلدی سے واڈروب کی جانب بڑھی تھی خوبصورت نیوی بلو گھٹنوں تک آتا کرتا جینز کے ساتھ پہن کر اس نے اپنے بورے سلکی بال پشت پر کھلے چھوڑ دیے تھے ہونٹوں کو سرخ لپ اسٹک سے رنگ کر وہ اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر باہر نکلی تھی خلاف توقع سارا خان ولا خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا وہ اس دل دہلا دینے والی خاموشی کو نظر انداز کرتی ہوئی ڈرائیور کے ساتھ باہر نکلی تھی ڈرائیور سے پوسٹ آفس چلنے کا کہہ کر اس نے فیاض کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

کچھ دیر کے توقف کے بعد دوسری جانب سے کال اٹھالی گئی تھی۔

"ہاں فیاض! بخش کا کچھ پتہ چلا؟"

اس کے لہجے میں فکرمندی نمایاں تھی۔

"میڈم! مخبری ہوئی ہے کہ غلام بخش سمیت دونوں ہیکرز گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

اس نے پریشان کن لہجے میں اسے بتایا تھا۔ ایس۔ کے کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا ہو اسے لگا تھا جیسے وہ اب کبھی بھی کچھ بھی نہیں بول پائے گی۔ دوسری جانب سے فیاض مسلسل اسے پکار رہا تھا لیکن اسے شاہد فیاض کی کوئی بھی آواز نہیں آرہی تھی وہ فون بند کر چکی تھی۔ اسے اپنے چہرے پر کوئی گرم سیال بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا پندرہ سال کوئی کم عرصہ نہیں ہوتا پندرہ سال سے غلام بخش کسی سائے کی طرح اس کے ساتھ تھا بالکل کسی سائیبان کی طرح ہر طرح کے سرد و گرم سے اس کی حفاظت کرتا آرہا تھا اور اب ایک دم سے غلام بخش کا اس کی زندگی سے نکل جانا ایس۔ کے کے لیے قبول بے حد مشکل تھا۔ گاڑی کے ایک دم رکنے سے وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی گاڑی پوسٹ آفس کے باہر رک چکی تھی وہ اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے آنکھوں میں موجود سرخی کو چھپانے کے لیے سیاہ شیڈز سے ڈھک کر باہر نکلی تھی۔

آسمان پر ایک دم سے کالے گھرے بادل رائج ہوئے تھے ٹھنڈی ہوا نے اس کے بال

For more visit (exponovels.com)

اس کے چہرے پر بکھیرے تھے جنہیں اس نے ہاتھوں کی انگلیوں سے پیچھے ہٹایا تھا۔
شولڈر بیگ میں سے خاکی لفافہ نکال کر اس نے ہاتھ میں تھاما تھا اور آفس کی جانب بڑھی تھی
گلاس ڈور کھولتے ہوئے وہ اپنی جگہ ٹھٹھک کر رک گئی تھی وہ سامنے ہی تو کھڑا تھا فون کان
سے لگائے کسی سے غصے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ غصے کی زیادتی سے اس کا چہرہ سرخی چھلکا رہا
تھا۔ سالوں پرانی خواہش تھی کہ وہ اسے روبرو دیکھے وہ اسے روبرو دیکھ رہی تھی آنکھوں
سے سیاہ شیڈز ہٹا کر بالوں پر اٹکا گئی تھی اسے دیکھنے کے درمیان وہ کسی بھی قسم کی کوئی
رکاوٹ نہیں چاہتی تھی۔ لب مسکرا رہے تھے دل زور سے دھڑک رہا تھا اور وہی لمحہ تھا
جب احسن نے اس کی جانب دیکھا تھا فون سنتے ہوئے اس نے دیکھا تھا وہ لڑکی بے حد
غور سے اسے ہی دیکھ رہی تھی بغیر پلکیں جھپکائے یک ٹک جیسے زرہ سی نظریں ہٹانے
سے اس کا وجود اوجھل ہو جائے گا احسن کا دل نجانے کیوں زور سے دھڑکا تھا وہ لاشعوری
طور پر اس کی جانب بڑھا تھا ایس۔ کی کی محویت میں رتی بھر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ اسے
سامنے اپنے سے چند انچ کے فاصلے پر دیکھ کر خاکی لفافہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر احسن
کے پیروں میں گرا تھا وہ جو الجھ کر اسے دیکھ رہا تھا ایک نظر لفافے کو دیکھا تھا جس کی پچھلی
طرف اس کا پاکستان کا پتہ درج تھا احسن کے چہرے پر حیرت کے ساتھ الجھن کے آثار
واضح تھے دل اس قدر تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ سمبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ لمحے کے ہزارویں

حصے میں وہ نیچے جھکا تھا اور خاکی لفافہ اٹھا کر کھولا تھا تحریر پڑھتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات میں واضح تبدیلی محسوس کی جا سکتی تھی ایس۔ کے بس یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی تحریر ختم کرنے کے بعد احسن نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا جو مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کون ہو تم؟"

اب کی بار وہ اس سے براہ راست سوال کر رہا تھا ایس۔ کے کو احسن کی آواز اپنے کانوں میں کسی میٹھے رس کی طرح محسوس ہوئی تھی۔ وہ خاموش لب سیے بس اس کے ملتے ہوئے ہونٹ دیکھ رہی تھی ایک کوندا سا خیال اس کے دل کے گوشے میں پیدا ہوا تھا وہ ان ہونٹوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھونا چاہتی تھی ان کی نرماہٹ کو اپنے دل کے خانوں میں محسوس کرنا چاہتی تھی۔

"میں نے پوچھا کون ہو تم؟"

اب کی بار لہجے میں سختی کا عنصر نمایاں تھا اس کے یاقوتی لب پھڑپھڑائے تھے احسن اسے دیوار کے ساتھ لگائے اس کا راستہ بند کر چکا تھا۔

"مح۔۔ محبت۔"

وہ ایک لفظ نہیں تھا بلکہ پورا افسانہ تھا احسن کو لگا تھا جیسے وہ ساری کی ساری دل چیر دینے

والی تحریریں اس کے روبرو چل کر آگئی ہوں۔

"تم۔۔ تم وہ خط۔۔ والی۔"

اس سے جملہ مکمل کرنا دشوار ہو رہا تھا ایس۔ کے کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ نمایاں ہوئی تھی اس کی دل دہلا دینے والی مسکراہٹ پر احسن کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا تھا احسن کی گرفت دیوار سے ڈھیلی ہوئی تھی ایس۔ کے اس کا حصار توڑ کر اس کی پہنچ سے دور بھاگی تھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک لمحہ بھی اس شخص کی نظروں کے زیر اثر رہی وہ یہی ختم ہو جائے گی احسن اس کے پیچھے بھاگا تھا وہ اسے روکنا چاہتا تھا اپنے سارے سوالات کے جواب چاہتا تھا مگر اس کے بجتے ہوئے فون نے ایس۔ کے کو اس کی پہنچ سے بہت دور کر دیا تھا۔ اسے اپنے فرائض کی ادائیگی پہلے کرنی تھی اس نے گہرا سانس بھر کر فون اٹھایا تھا جہاں پر اسامہ کا نمبر چمک رہا تھا۔

"سر!"

اسامہ کی گھبرائی ہوئی آواز نے اس کی ساری حسیں لمحوں میں بیدار کر دی تھیں۔

"وہ ان تینوں لڑکیوں کو لے کر کمال ہوٹلز کے پچھلی طرف لے گئے تھے جہاں پر کمال ہوٹلز کا خفیا تحہ خانہ تھا وہی وہ لوگ ان لڑکیوں کو لے کر گئے ہیں اور ابھی میری جبرئیل سے بات ہوئی تھی وہ اور کرنل خاور ہوٹل پہنچ جائیں گئے۔"

"ہوں اوکے تم طراب سے رابطہ کرکے اس کی جانب کی اپڈیٹ لو باقی میں تمہارے پاس ہی آرہاہوں۔"

دل کی دھڑکن کو سمبھالتے ہوئے اس نے اپنے فرض کی ادائیگی مقدم کی تھی اور سڑک پر کسی لوکل سواری کی تلاش میں نکل گیا تھا مگر اس لڑکی کا سراپہ اس کی نظروں کے سامنے سے جانے کو تیار نہیں تھا بہت جلد یہ محبت احسن کا امتحان بننے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سر تھام کر لاونج میں بیٹھی ہوئی تھیں آنکھیں مسلسل آنسو برسا رہی تھیں دل تھا کہ ضبط کی زیادتی سے بس پھٹنے کے قریب تھا۔

"ہر گناہ کی سزا ہے ہر جرم کا کفارہ ہے اور ہر محبت کو زوال ہے صمن بیگم! اگر تم یہ سمجھ رہی تھی کہ تم اپنے وقتی زوال پر تھوک کر عروج کو چاٹ لوگی اور پھر ساری عمر اس کا سحر تمہارے لیے سکون کا باعث رہے گا تو یہاں تم غلطی کرگئ تھی جس وقتی زوال کو چھوڑ کر تم ابدی عروج کے پیچھے بھاگی تھی اصل میں وہ عروج اور اس کی کشش وقتی تھی جس نے تمہیں اپنی جانب ایسا کھینچا کہ تم گناہ اور ثواب کا فرق ہی بھول گئ۔"

یہ کوئی اور نہیں تھا ان کا اندر تھا ان کا ضمیر ان کی روح تھی جو انہیں جھنجھوڑ رہی تھی وہ روتے ہوئے نیچے بیٹھتی چلی گئ تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

"مام! کیا ہوا ہے آپ کو؟"

علینہ نے لاونج میں قدم رکھتے ہی ان کی یہ حالت دیکھی تو دوڑتی ہوئی ان کی جانب آئی تھی انہیں کندھوں سے تھام کر صوفے پر بیٹھایا تھا اس کے چہرے پر ان کے لیے پریشانی نمایاں تھی۔

"یہ کیا ہر وقت منحوس عورتوں کی طرح گھر میں رونا دھونا مچایا ہوتا ہے؟"

داور کمال نے لاونج میں قدم رکھتے ہی تقریبا دھاڑتے ہوئے کہا تھا صمن بیگم اپنی جگہ خاموش ہو کر رہ گئی تھیں۔

"ایک وہ تمہاری بیٹی کم ہے کیا ٹینشن دینے کے لیے جو تم بھی ہر وقت اپنی منحوس شکل لے کر گھومتی رہتی ہو؟"

ان کا انداز انتہائی ہتک امیز تھا علینہ کو ان کے جملے قطعی طور پر پسند نہیں آئے تھے۔

"ڈیڈ پلیز! یہ آپ کس طرح مام سے بات کر رہے ہیں؟"

علینہ نے داور کمال کی جانب دیکھتے ہوئے افسوس سے پوچھا تھا۔

"رہنے دو بیٹا! جب کسی انسان پر شیطان غالب آجاتا ہے نہ تو وہ اسی طرح بے حس ہو جاتا ہے اس شخص کو تو اتنا بھی خیال نہیں کہ یہ بیٹیوں کا باپ ہے جب اپنی بیٹی کے ہوتے ہوئے کسی کی بیٹی پر بری نظر رکھو نہ تو اپنی بیٹیاں بھی غلیظ نظروں سے محفوظ نہیں رہتی۔"

وہ انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھیں چہرے پر اس درجہ نفرت اور تلخی تھی کہ ایک پل کو تو داور کمال بھی دنگ رہ گئے تھے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟"

وہ ان کی جانب انہیں مارنے کو لپکے تھے۔

" بکواس میں کر رہی ہو؟ ہاں کہ بکواس تم کرتے آرہے ہو نفرت تو مجھے تم سے اس دن ہی ہو گئی تھی جس دن تم نے میری معصوم بچی کی عصمت پر ہاتھ ڈالا تھا اور پھر اس کے ذہن میں یہ خناس بھر دیا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کرنے والے اس کے ننھیال میں سے کوئی ہے یہ ان لوگوں کی اسے چھیننے کی سازش ہے صرف تم جیسے درندے سے بچا ہے کے لیے میں نے اسے شاکا کو بیچھا تھا اس کی نفرت مول لی تھی پورے تین سال تک اس نے مجھ سے بات تک نہیں کی تھی تمہاری غلیظ نظروں اور حوس نے میری دونوں بیٹیوں سے ان کی معصومیت ان کی عصمت چھین لی نوریز داور کمال ایک کو عورت سے بے حس بنا دیا وہ کرنل خاور کی بیٹی ہے لیکن تمہاری حوس نے اسے اس کے باپ کے بالکل بر عکس کر دیا ہے اتنا سخت کہ اس پر کسی کی التجا کوئی اثر نہیں کرتی اس کا وجود بے حس اور بے رحم ہو چکا ہے اور دوسری تو تمہارے سامنے چلتا پھرتا مکافات ہے لو دیکھو اپنے سامنے اپنی سگی اولاد کو دیکھو علینہ فاطمہ کو دیکھو اس کو بے دردی سے نوچنے کے نشانات کو جو اسے

تمہاری بیٹی ہونے پر تحفے میں ملے ہیں۔"

وہ علینہ کا سکارف سر کا چکی تھیں اس کی گردن پر وہ نشانات جوں کہ توں تھے علینہ کی آنکھیں ضبط سے سرخ تھیں جبکہ دروازے میں کھڑی ایس کے کے قدم ایک پل کو لڑکھڑائے تھے داور کمال جہاں کھڑے تھے وہی پر ساکت ہو گئے تھے ان کا وجود کسی بے جین شے کی طرح زمین پر لگا تھا وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے چہرہ سپاٹ تھا آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

"برسوں سے میں ان لوگوں کی نفرت میں جل رہی تھی جو میرے گناہ گار تھے بھی نہیں اور جو میرا گناہ گار تھا وہ کھلے عام گھومتا رہا تفخر اور عزت کے ساتھ مہان ہونے کے تمغے اپنے گلے میں سجا کر اور میں نے اپنا بدلہ لینے کے لیے اپنے شفاف ہاتھ خون سے رنگ لیے اور میرا ابا۔۔۔باپ۔۔کر۔۔کرنل خاور۔"

اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا تھا جیسے یقین نہ آرہا ہو وہ کرنل خاور کو کتنی بار احسن کے ساتھ ٹی وی پر دیکھ چکی تھی وہ اس کا باپ تھا سگا باپ۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک بھی قدم آگے بڑھا پاتی وہ بس چپ سادے وہی پر کھڑی تھی بغیر کچھ کہے کیسا دن تھا آج بے شمار حقیقتں آج کے دن آشکار ہوئی تھیں جوان سب کے لیے ناقابل فراموس ناقابل یقین تھیں ہر کسی کا وجود مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا معافی کسی کو

بھی نہیں ملنی تھی سب نے اپنی اپنی جگہ سزا بھگتنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ شام کو کمال ہوٹلز پہنچ چکے تھے ان کی کوشش کے بعد انہیں طراب کے ساتھ والا کمرہ دیا گیا تھا ابھی جبرئیل نے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا تھا۔

"ہاں سبتے بولو؟"

اس نے چھوٹتے ہی سبتے سے پوچھا تھا۔

"بھائی! غلام بخش کی دیتھ ہوگئی ہے۔"

سبتے کے الفاظ پر یقین کرنے کے لیے اسے اچھا خاصہ وقت درکار تھا اس کے جملوں نے جبرئیل کو ایک دم خاموش کرادیا تھا۔

"کیسے اور کب؟"

کچھ دیر بعد وہ اپنے آپ کو کمپوز کرتے ہوئے بولا تھا۔

"بھائی کچھ ٹارچر تھا اور کچھ شاہد اسے کوئی مسئلہ تھا لاسٹ ٹائم اس کا ہاتھ دل پر تھا اس نے مجھ سے جلدی جلدی ایک پیپر اور پین مانگا تھا اور اس پر کچھ لکھ کر کہا کہ یہ ایس۔کے تک پہنچا دوں اسے اس کی آخری خواہش سمجھوں۔"

سبتے کی تصدیق پر جبرئیل سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"پوسٹ مارٹم رپوٹ کیا کہتی ہے ؟"
جبرئیل نے گہرا سانس بھر کر اگلا سوال پوچھا تھا ۔
"پوسٹ مارٹم رپوٹ کے مطابق ہارٹ اٹیک ہوا تھا اسے اور اسی وقت اس کی دیتھ ہو گئی ۔"
سبتے نے مزید معلومات فراہم کی تھی ۔
"اور اس عورت کے بارے میں معلوم ہوا اس چیز کے علاوہ کہ اس کا نام ایس ۔ کے ہے ؟"
اس کے سوال پر سبتے حیران ہوا تھا یہ تو اس نے بھی نہیں سوچا تھا کہ جس کو وہ خط پہنچانے کو کہہ رہا ہے وہ وہی متلاشی عورت ہو سکتی جس کا نام ایس ۔ کے ہے ۔"
سبتے مان گیا تھا اس کے مقابل ایک بلا کا ذہین انسان تھا ۔
"جی بھائی !ایک فیاض نامی بندے پر مجھے شک تھا میرے آفیسرز نے بتایا تھا کہ وہ ہیکنگ والے گھر میں کافی دفعہ چکر لگا کر غلام بخش کا پوچھ چکا ہے اس کے پیچھے اپنے بندے لگائے تھے پھر کہیں جا کر پکڑا گیا ہے وہ زبان کھولنے پر تیار نہیں تھا پھر مجھے اپنا طریقہ استعمال کرنا پڑا ویسے کہنا پڑے گا اس عورت کے بندے ہیں بہت وفادار ۔"
سبتین نے بیچ میں اپنی رائے سے بھی آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا ۔

"کیا بتایا اس فیاض نے؟"

اس نے دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں سے کرنل خاور اندر داخل ہو رہے تھے۔

"سر! اس عورت کا سارا بائیو ڈیٹا مل چکا ہے اس وقت وہ ایس۔ کے نامی عورت انڈیا میں ہی ہے ممبی میں فیاض کے فون پر جو ایس۔ کے کی کالز آئی تھیں اس کی لوکیشن ٹریس کرنے پر پتہ چلا ہے کہ ممبی کے ایک پوش علاقے لنک ٹن روڈ پر واقع بنگلے میں سے فون کیا گیا تھا۔"

اس نے مزید معلومات فراہم کی تھی جسے سن کر جبرئیل ٹھٹکا تھا اس وقت کمال ہوٹلز بھی تو لنک ٹن روڈ پر ہی تھا نہ تو کیا وہ بنگلہ بھی ادھر ہی کہیں آس پاس ہے؟

جبرئیل کا دماغ کسی اور ہی لے میں کام کر رہا تھا۔

"گڈ جاب سبتے! پراوڈ آف یو رکھو تم باقی میں دیکھ لوں گا۔"

اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور کرنل خاور کی جانب متوجہ ہوا تھا جنہیں اس نے اب ساری بات بتانی تھی بہت ساری الجھی ہوئی چیزوں کے سرے ہاتھ آ گئے تھے اتنا تو معلوم ہو ہی چکا تھا یہ جو بھی ہو رہا تھا اس سب کی ڈور کمال ہوٹلز سے ہی جڑتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طراب اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا ہوا تھا ساتھ میں ایک کان میں بلوتوتھ سیٹ

کیا ہوا تھا۔ دوبارہ وہ کھڑکی کا پردہ سرکا کر سامنے والے کمرے کے حالات ملاحظہ کر چکا تھا وہاں پر اس وقت داور کمال تو موجود نہیں تھا مگر ارجن پیتھا اور اس کے علاوہ چار پانچ آدمی موجود تھے جو ارجن پیتھا کے کشمیر جانے کی خبر طراب کو موصول ہوئی تھی وہ محض ان کی ایک احتیاطی تدابیر تھی مگر اصل بات تو یہ تھی کہ وہ آج کے آج کمال ہوٹلز میں اپنے آدمیوں کے ساتھ مل کر داور کمال کے حکم کے مطابق کوئی کاروائی کرنے والا تھا۔ وہ وائس اور کھولے لیپ ٹاپ بستر پر رکھے بیٹھا ہوا تھا فون کے اس پار جبرئیل اور کرنل خاور تھے جنھیں اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے معلوم ہونے والی ساری انفارمیشن دینی تھی۔

"جبرئیل! میٹنگ سٹارٹ ہو چکی ہے۔"

طراب نے اسے وہاں کی میٹنگ شروع ہونے کے بارے میں اطلاع دی تو جبرئیل نے کرنل خاور کو میٹنگ کے شروع ہونے کا بتایا تھا۔

"اومائی گاڈ! جبرئیل! کمال ہوٹلز کی بیس مینٹ میں جتنی بھی لڑکیاں رکھی گئی ہیں وہ آج رات تک شپ مینٹ کے ذریع سری لنکا سمگل کی جائیں گی رات بارہ سے ایک کے درمیان یہ لوگ یہ کام کریں گئے۔"

اس نے جلدی سے کام کی بات بتائی تھی جس پر جبرئیل اور کرنل خاور دونوں ہی ساکت ہوئے تھے یعنی کہ انہیں جو بھی کرنا تھا آج رات ہی کرنا تھا۔

"جبرئیل! وہ وقت آگیا ہے جس کا ہم سب کو انتظار تھا یعنی آر یا پار اگر تو ہم ان سب مجرموں کو کیف کردار تک پہنچا دیتے ہیں تو تو وی ار سیکسیں فل اگر نہیں تو پھر شہید ہو کر ہی مجھے میرے وطن لے کر جانا۔"

ان کی آنکھیں جذبات کی زیادتی سے نم ہو گئی تھیں۔

"نہیں سر! اس مشن کو بہت سال کے انتظار کے بعد شروع کیا ہے کامیابی سے ختم تو ہو کر رہے گا اللہ ہمارے ساتھ ہے اللہ مدد کرے گا۔"

اس کے لہجے کا عزم کرنل خاور کو بہت کچھ باور کروا رہا تھا۔

"ان سب کو کیف کردار تک بھی پہنچانا ہے اپنی زارا کو واپس اپنے وطن اپنے گھر بھی لے کر جانا ہے اور ان ذلیلوں سے اپنے باپ اور چچا کی موت کا بدلہ بھی لینا ہے۔"

اس کی آنکھیں اس لمحے لہو رنگ ہو رہی تھیں وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا جب اس کا فون بجا تھا اس نے دیکھا تو شمس تھا۔

"ہاں کیپٹن بولو!"

اس نے چھوٹتے ہی اس سے مطلب کی بات کرنے کے لیے کہا تھا۔

"سر! جو لوکیشن آپ نے بھیجی تھی وہ اسی لنک ٹن روڈ پر کمال ہوٹلز سے تقریبا پانچ میل آگے ہے ایک بہت بڑا بنگلہ ہے جس کے باہر کمال ولا کی تختی لگی ہوئی ہے سر میرے

خیال کے مطابق تو وہ گھر بھی داور کمال کا ہی ہے اور وہ عورت یقیناً اسی گھر کی ایک فرد ہے شاید داور کمال کی کوئی بہن "بیٹی یا بیوی؟"

وہ اپنے خیال کا اظہار کر کے خاموش ہو گیا تھا جبکہ جبرئیل بہت کچھ سوچ گیا تھا۔

"کیپٹن! میں نے تم سے بولا تھا کہ کشمیر سے طلال، عبداللہ اور موحد کو ممبی بلوالو کیونکہ ہماری اطلاع کے مطابق ان کا اس بار کا جتنا بھی کوٹا کشمیر کی لڑکیاں لانے کا تھا وہ لا چکے ہیں اسی لیے تو انہیں سمگل کرنے کے اقدامات شروع ہوئے ہیں اتنے بے وقوف نہیں ہے کہ ایک ہی بار اتنا غبن کر لیں کہ پکڑے جائیں۔"

اس نے بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔

"یس سر! وہ لوگ پہنچ چکے ہیں ممبی۔

شمس کی انتہائی پیشہ ورانہ آواز سنائی دی تھی۔

"پکڑے تو اس بار یہ لوگ جائیں گئے وہ بھی بڑے برے طریقے سے۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

"ناولسن تم، میں، عبداللہ اور موحد آج رات کمال ولا کا گھیراؤ کریں گئے جتنا بھی اسلہ ہماری کشمیر سرنگ میں تھا وہ عبداللہ اور موحد یہی پر کمال ہوٹل کے سوپر روم میں شفٹ کر چکے ہیں باقی بیس یمنٹ پر اٹیک کرنل احسن کی ٹیم کرے گی طراب، اسامہ، طلال اور وہ

خود بیس مینٹ پر اٹیک کریں گئے اور میں، تم، عبداللہ اور موحد کمال والا میں کرنل خاور یہی سے ہم سب کو لیڈ کریں گئے۔"

اس نے ساری بات سمجھا کر کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی اب ان سب کو رات کا انتظار تھا جبرئیل اپنے بدلے کا آخری داؤ آج رات کو کھیلنے والا تھا اور یقیناً اس کا آخری وار داور کمال کا نشان صفا ہستی سے مٹا دینے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ممبی پر تاریخی شام اپنے سائے گہرے کر رہی تھی وہ شہر جہاں ہر طرف مصروفیت دیکھائی دیتی تھی نجانے کس کے غم میں آج سکوت میں ڈوبا ہوا تھا وہ پورا کا پورا دن ان کی ذات پر بہت بھاری پڑا تھا دل دھڑک رہا تھا مگر اس کی دھڑکن معمول جتنی سکون آور نہیں تھی معافی مانگنے کی ہمت بھی شاداب جواب دے چکی تھی کیونکہ اپنے گناہوں کا آئینہ وہ بڑی ہی سفاکی کے ساتھ دیکھ چکی تھیں۔ سامنے رکھا ہوا قرآن کھولا تھا شاہد سکون کے لیے کوئی طریقہ تو کارآمد ثابت ہو جائے۔

چند صفحات پلٹنے پر ایک آیت پر وہ ٹھہر گئی تھیں زبان نے خود بخود رفتار پکڑی تھی۔

"بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالی کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالی نہ ان سے بات چیت کرے گا اور نہ ہی

قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا۔ نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

سورت آل عمران آیت بمبر 77

ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے دروازے پر کھڑے داور کمال کا دل بھی زندگی میں پہلی بار خدا کے خوف سے یک لخت کانپا تھا مگر اب دیر ہو چکی تھی محض دل کے کانپنے سے ان کے گناہوں کی نہ تو توبہ ہونی تھی اور نہ ہی کفارہ۔

چند صفحات پلٹنے کے بعد وہ ایک بار پھر رکی تھیں۔

"اور اس کتاب پر ایمان لاو جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق پر نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمتوں پر فروخت نہ کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔"

سورت البکرہ آیت نمبر 41

"میں تو سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی آنکھیں بند کیے ہوئے تھی مجھے پتہ تھا اللہ اپنی کتاب میں کیا فرماتا ہے پھر بھی سب جھٹلا دیا سب فراموش کر بیٹھی کیوں کیا میں نے ایسا؟"

روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی تھی صرف ایک آخری بار انہوں نے چند صفحات پلٹے تھے اور پھر ٹھہر سی گئی تھیں جیسے ساری چیزوں کا خلاصہ محض اسی آیت میں ہو۔

"لو داور کمال دیکھو اللہ تمہیں ان آیات سے توبہ کی مار مارنا چاہتا ہے۔"

وہ انہیں دروازے پر خاموش کھڑے دیکھ چکی تھیں۔

"نہیں بلکہ ہمیں توبہ کی مار مار رہا ہے وہ اللہ۔"

انہوں نے روتے ہوئے لرزتے کانپتے لہجے میں آیت کا ترجمہ پڑھا تھا۔

"اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کہ آیات سنا کر نصیحت کی جائے وہ ان سے منہ پھیرے اور اس برے انجام کو بھول جائے جس کا سر و سامان اس نے اپنے لیے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟ جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہم نے ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے ہیں جو انہیں قرآن کی آیات سمجھنے نہیں دیتے اور ان کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف بلاو وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہیں پائے گئیں۔"

سورت الکھف آیت نمبر 57

انہوں نے آیت پڑھ کر داور کمال کی جانب دیکھا تھا جن کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا ایسا جیسے ان کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔

"یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گئے۔ اور وہ دن ہے جس میں سب لوگ حاضر کیے جائیں گئے۔"

سورت ھود آیت نمبر 103

اور اس کے ساتھ قرآن بند کر کے چوم کر اسے الماری میں رکھ کر چہرے پر سکون آور تاثرات لیے ساکن کھڑے داور کمال کے قریب سے گزر گئی تھیں۔ نوریز داور کمال کو صیح معنوں میں احساس ہو رہا تھا کہ جب اللہ اپنی آیات سے توبہ کی مار مارتا ہے تو کیسا محسوس ہوتا ہے آپ اپنے آپ کو بیچ کی کشتی میں محسوس کرتے ہو جسے نہ توڈبویا جاتا ہے اور نہ ہی پار لگایا جاتا ہے ایسا ہی کچھ اس لمحے ان کے ساتھ ہو رہا تھا وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھے دل میں پھانس تھی لیکن دماغ اس پھانس کا حصہ نہیں بن رہا تھا آخر کو تو انھوں نے اپنی آخری کوشش کرنی ہی تھی سو وہ لڑکیوں کو سمگل کرا کے خود بھی بھاگنے کے چکر میں تھے مگر اللہ ظالم کی رسی جتنی بھی دراز کیوں نہ چھوڑ دے مگر جب کھینچتا ہے تو اگلے پچھلے سارے حساب بے باک ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جونہی گھڑی کی ٹک ٹک نے ساڑھے گیارہ بجائے وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا اپنے

سامان میں رکھی ہوئی گن جو اس تک کل ہی طلال نے پہنچائی تھی اس نے اپنی جینز میں اڑسائی تھی اور بلوٹی شرٹ پر بلیک لیدر جیکٹ پہن کر اس نے وہ ریوالور ڈھانپ لیا تھا کرنل خاور سے اجازت لے کر وہ باہر کوریڈور میں نکلا تھا جہاں اس وقت مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا وہ ایک دم سے واپس اندر ہوا تھا اور اس نے طراب کو فون ملایا تھا۔

"ہاں طراب! میں ریڈی ہوں سسی ٹی وی کیمراز کچھ دیر کے لیے بند کر دو۔"

جبرئیل نے طراب سے کہا تو طراب نے اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ پر کچھ کیز پریس کی تھیں ایک لمحے کے توقف کے بعد سکرین پر سرخ دائرہ ظاہر ہوا تھا۔

"نکلو تم کیمراز بند ہو گئے ہیں میں تمہارے پیچھے ہی آ رہا ہوں کیمراز کا سسٹم میں نے ہیک کر کے اوٹومیٹک آن کر دیا ہے تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد خودبخود کیمراز چل پڑے گئے۔"

اس کے کہنے پر جبرئیل بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"تیرا سافٹ وئیر انجئیرنگ کرنے کا آئیڈیا بالکل ٹھیک تھا ویسے۔"

جبرئیل نے مسکرا کر اسے سراہا تو دوسری جانب سے اس کی بھی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"بس اسی لیے تو کرلی۔"

طراب نے کہا تو جبرئیل کمرے سے باہر آ گیا۔ پورا کوریڈور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا ہلکی

فینسی لائٹس آن تھیں جو شاہد لوگوں کے لیے آن کی گئی تھیں وہ کوریڈور سے نکل کر لیفٹ میں جانے کی بجائے سیڑھیوں کی جانب آیا تھا کچھ دیر بعد اسے اپنے پیچھے طراب کی آواز سنائی دی تھی۔

"جبرئیل! سٹور روم میں عبداللہ اور طلال ہمارا انتظار کر رہے ہیں اور کرنل احسن ہوٹل کی پچھلی طرف کب سے اسامہ اور شمس کے ساتھ کھڑے باقیوں کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔"

طراب نے انتہائی عجلت میں کہا تھا وہ دونوں ہی بغیر کوئی آواز کیے سیڑھیوں سے اتر رہے تھے دوسرے فلور کے آخر میں سٹور روم تھا ان دونوں نے ہی سٹور روم کے باہر پہنچ کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا اور پھر طراب نے ہاتھ بڑھا کر انتہائی آہستگی سے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا سٹور روم میں نیم اندھیرا تھا۔

"اسلام علیکم سر!"

طلال اور عبداللہ نے باری باری دونوں کو سلام کیا تھا دونوں نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"سر! یہ ریوالور۔"

اس نے ایک ریوالور طراب اور ایک جبرئیل کی جانب بڑھایا تھا دونوں نے ریوالور تھام

لیے تھے۔

"باقی کے گیجٹس آفیسرز تک پہنچ گئے ہیں نہ؟"

جبرئیل نے پوچھا تھا طلال نے سر ہلایا باقی کے سارے ریوالور لے کر وہ چاروں سٹور روم سے باہر نکل آئے تھے بیس منٹ کی جانب جاتی ہوئی سیڑھیوں پر پہنچ کر وہ چاروں پارکنگ میں نکل آئے تھے۔ پارکنگ سے نکل کر وہ ہوٹل کی پچھلی طرف بنی روش پر چلے گئے تھے جہاں پر چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں تھیں کرنل احسن سیڑھیوں کے پاس کھڑے تھے ان کے سامنے اسامہ کھڑا تھا اور پھر شمس اور موحد بھی وہی تھی۔

"سر! میں، شمس اور طلال کمال ولا جا رہے ہیں کچھ سیکرٹ کوپس سیکیورٹی کے لیے وہاں پہنچ چکے ہیں اور ہوٹل کے آس پاس بھی کرنل خاور کے کوپس نے گھیرا وڈال لیا ہے آپ اسامہ موحد اور عبداللہ یہاں سمبھال لیجیے گا۔ طراب تم ہمارے ساتھ آجاو۔"

اس نے کہا تو احسن نے اثبات میں سر ہلایا وہ چاروں ہوٹل سے باہر نکل آئے تھے مگر اس کام کے لیے جبرئیل نے کیب کا استعمال کیا تھا جو کچھ دیر قبل اس نے ہوٹل کے باہر منگوائی تھی تاکہ ہوٹل کے چوکیدار کو کسی غیر معمولی پن کا احساس نہ ہو وہ چاروں کیب میں بیٹھ کر ہوٹل سے باہر نکلے تھے گھڑی تقریبا ساڑھے گیارہ کا ہندسہ چھونے والی تھی سڑک پر ہوٹل سے کچھ دیر آکر اس نے کیب ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا کہا تھا اس کے کہے کے

مطابق ڈرائیور نے گاڑی روکی تو وہ چاروں باہر نکل آئے جبرئیل نے ڈرائیور کو اس کا مطلوبہ کرایہ ادا کیا جو منہ کھولے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اتنے سے راستے کے لیے کیب منگوائی عجیب پاگل لوگ ہیں۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا گیا مگر وہاں پرواہ کسے تھی چاروں نے اپنے ہینڈ سیٹ اپنی جینز کی جیبوں میں ڈالے تھے اور کانوں میں لگائے ہوئے بلو توتھ کو درست کر کے چاروں نے اپنے اپنے سروں پر پی کیپ پہنی تھی۔

"طراب! تم اور طلال پیچھے سے جاو اور میں اور شمس یہاں اگلی طرف سے جاتے ہیں کچھ بھی مسئلہ ہو مجھے فوری انفارم کرنا اپنے لوڈیڈ ریولور ہاتھوں میں لے کر احتیاط سے جانا چھوٹی سی گڑبڑ بھی کام خراب کر سکتی کمال ولا میں گھسنا آسان نہیں ہے آگے اور پیچھے گارڈز کی بھاری نفری تعینات ہے سمبھل کر۔"

اس نے مزید ہدایات دیں تو وہ چاروں اپنی اپنی طرف چل دیے جبرئیل اور شمس آگے کی طرف سے گئے تھے سامنے گیٹ پر دو گاڈز تھے لوہے کی باڑ کے ساتھ ساتھ وہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت سے آگے بڑھ رہے تھے جبرئیل بالکل گاڈ کے پیچھے پہنچ چکا تھا شمس گاڈ کے پیچھے تو پہنچ چکا تھا مگر وہ ابھی نیچے جھکا ہوا تھا جبرئیل نے اپن بھاری مردانہ ہاتھ گاڈ کے منہ پر رکھا تھا اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ گاڈ کی آنکھیں پوری کی پوری کھل

چکی تھیں اس نے ایک ہی جھٹکے سے اپنے ریولور کی نالی اس کے سر پر ماری تھی وہ لڑکھڑا کر گر گیا تھا جبکہ دوسری سمت شمس نے بھی یہی عمل دوسرے گاڈ کے ساتھ کیا تھا دونوں نے ان کو گھسیٹ کر دونوں جانب دیواروں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا دیا تھا اور دونوں گیٹ کی جانب بڑھے تھے۔

پچھلے حصے کی دیوار چھوٹی تھی سب سے پہلے طراب نے دیوار کے اوپری حصے کو تھام کر اندر کی جانب چھلانگ لگائی تھی اور پھر اس کے پیچھے طلال نے بھی یہی کیا تھا پچھلالان مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا مگر جونہی وہ مڑ کر باہر نکلنے لگے تھے انہیں مین دروازے کے پاس دو گاڈ نظر آئے تھے طراب نے دور سے ہی دونوں کا نشانہ لیا تھا اور اپنے ریولور سے یک مشت دو فائر کیے تھے ان سب کی گنز پر سائیلنسر لگے ہوئے تھے جس کے باعث گولی چلنے کی آواز نہیں سنائی دی تھی سامنے کے مین دروازے پر کھڑے گاڈز کو بھی جبرئیل اور شمس نے یونہی قابو کیا تھا جبرئیل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک زوردار جھٹکا دیا تھا اس کی گردن ایک جانب لولڑھک گئی تھی جبکہ شمس نے اس کے سر پر نالی مار کر گاڈ کا سر پھاڑ دیا تھا وہ بے ہوش ہو چکا تھا وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ کمال ولا میں اس لمحے اندھیروں کا راج تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمال ہوٹلز کے بیس منٹ کی سیڑھیوں پر وہ آمنے سامنے کھڑے تھے احسن کے اشارہ کرنے پر سب اپنے اپنے ریولور تھام کر دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر گئے تھے سب سے آگے خود احسن تھا اس کے پیچھے اسامہ پھر عبداللہ اور پھر موحد ان چاروں کی ٹیم بیس منٹ کے لوہے کے دروازے کے سامنے پہنچ چکی تھی مگر دروازے پر موٹا سیاہ تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

"اسامہ! کوئی کٹر ہے؟"

احسن نے آگے سے ہی اسامہ سے پوچھا تھا جس نے اپنی جیب میں رکھا ہوا کٹر اس کی جانب بڑھایا تھا احسن نے کٹر تھام کر اسے موڑا تھا اور تالے کے سوراخ میں اس کی نوک گھسا کر گھمایا تھا ایک جھٹکے میں کلک کی آواز آئی تھی اور تالا کھل گیا تھا احسن نے دروازے سے تالا ہٹا کر دروازے کو آہستگی سے دھکا دیا تو وہ کھلتا چلا گیا اس کے اشارہ کرنے پر سب اس کے پیچھے اندر کی جانب بڑھے تھے۔ اندر مکمل اندھیرا تھا وہ کوئی گودام تھا جہاں مختلف ڈبوں کے ڈھیر کے علاوہ بہت ساری لڑکیاں باندھ کر بیٹھائی گئی تھیں جن کے چہرے پس مردہ سے ہو رہے تھے اور ان کی حالتیں قابل اعتراض تھیں۔

"کو۔۔کون ہے؟"

ان میں سے ایک لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو ان تینوں نے احسن کی جانب دیکھا۔

"دیکھو بہن! آپ لوگ فکر مت کرو ہم لوگ آرمی آفیسرز ہیں آپ لوگوں کو بچائیں گئے۔"

احسن نے انتہائی نرمی سے ان سے کہا تھا۔

"ہم۔۔ہم کہا۔۔کہاں ہیں۔۔اس وقت؟"

اتنے میں دوسری لڑکی کی بھی آواز آئی تھی۔

"آپ لوگ ممبی میں ہیں انڈیا۔"

اب کی بار احسن کے بجائے اسامہ نے جواب دیا تھا۔

"ہم۔۔ہم پا۔۔کستان سے۔۔انڈ۔۔یا"!

وہی پہلی والی گھبرا کر گویا ہوئی۔ ابھی وہ اسے کچھ کہتا اس سے پہلے ہی سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

"او شٹ! سر بارہ بج گئے ہیں وہ لوگ آ گئے۔"

عبداللہ نے کہا تو اس نے جلدی سے سب کو ڈبوں کے پیچھے چھپنے کا اشارہ کیا اور لڑکیوں کو خاموش رہنے کا کہا تھا اگلے ایک منٹ میں وہ لوگ نیچے آ چکے تھے۔

"یہاں کوئی آیا تھا کیا جو تالا ٹوٹا ہوا ہے؟"

ارجن نے اس لڑکی کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا جو ڈر کر پیچھے کو ہٹی تھی۔

"بول۔"

For more visit (exponovels.com)

اس نے اب کی بار اس کا بازو تھاما تھا۔
"باس !ٹائم نہیں ہے باہر ٹرک انتظار کررہا ہے جلدی کریں ورنہ کسی کو خبر ہو گئی تو آج کے آج ڈیلیوری دینا مشکل ہو جائے گا۔"
ان مین سے ایک آدمی نے ارجن سے کہا تو اس نے لڑکی کا بازو ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا اس وقت اس گودام میں کل سات آدمی تھے ان چاروں کے لیے ان سات لوگوں کو ہینڈل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا وہ لڑکیوں کی لائن بنوا کر دروازے کی جانب بڑھے تھے جب احسن نے ایک آدمی کا نشانہ ڈبے کت پیچھے سے لیا تھا گولی سیدھی اس کی ٹانگ میں لگی تھی اس کو لڑکھڑا کر گرتے ہوئے دیکھ کر باقی کے سب بھی الرٹ ہوئے تھے اور انہوں نے بھی گولیاں چلانی شروع کی تھیں ساری لڑکیوں کو احسن نے چیخ کر نیچے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔
مختلف ڈبوں کے پیچھے سے احسن، اسامہ عبداللہ اور موحد نے نشانے لیے تھے ان کے پانچ آدمی ڈھیر ہو چکے تھے ارجن اور ایک آدمی مزید رہتے تھے جو ان کے ہاتھ نہیں آرہے تھے۔
"کیپٹن موحد ساری لڑکیوں کو دروازے کی طرف لے کر جائیں۔"
احسن نے کہا تو موحد لڑکیوں کی جانب بڑھا تھا مگر ان دونوں کی طرف سے مسلسل آتی

گولیوں کی زد سے لڑکیوں کو بچا کر دروازے تک لے کر جانا قدرے مشکل کام تھا۔
اسامہ نے ایک گولی ارجن کے ساتھ موجود آدمی پر چلائی تھی جس کے ہاتھ پر گولی لگنے کے باعث گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر چکی تھی۔
"جلدی جائیں۔"
احسن نے اسی لڑکی سے بولا تھا جو ادھر ادھر اپنا دوپٹہ تلاش کر رہی تھی جبکہ باقی کی پوری لائن دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ اس آدمی نے ایک بار پھر سے گن سمبھالی تھی عبداللہ بھی موحد کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھا تھا جبکہ اسامہ مسلسل ارجن اور اس آدمی سے لڑنے میں مصروف تھا جونہی احسن نے اسے جلدی کرنے کے لیے کہا تھا ارجن نے ایک گولی اس لڑکی کو ماری تھی احسن اس کا ارادہ بھانپ کر فوری لڑکی کے آگے آیا تھا وہ گولی سیدھی احسن کے کندھے پر لگی تھی اس نے بھی گولی چلائی تھی جو ارجن کے پیٹ میں لگی تھی ارجن کی جانب سے دو تین فائیر مزید کیے گئے تھے جس میں سے ایک گولی احسن کے پیٹ میں جبکہ دوسری دل کے پاس لگی تھی وہ لڑکھڑا کر زمین پر گرا تھا جبکہ اسامہ نے دو تین فائر ارجن پر کیے تھے جس کے باعث وہ بھی زمین بوس ہوا تھا اسامہ اپنی گن پھینک کر احسن کی جانب بڑھا تھا جس کا تیزی سے نکلتا خون زمین رنگین کر گیا تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جونہی وہ چاروں کمال ولا کے اندر داخل ہوئے سائرن کی آواز پیدا ہوئی تھی سائرن کی آواز کے ساتھ ہی شاہد کمال ولا کے مکینوں کی آنکھ کھل گئی تھی۔ صمن بیگم اپنے کمرے سے باہر آئی تھیں جبکہ سائرن کی آواز کی وجہ سے چار گاڈز اندر داخل ہوئے تھے ہاتھوں میں گنز تھامے انہوں نے جبرئیل اور شمس کا نشانہ لیا تھا جبکہ پیچھے کھڑے طراب اور طلال نے دو فائر کر کے ان گاڈز کو زمین بوس کیا تھا صمن بیگم سیڑھیاں پر ٹھٹک کر رک گئی تھیں اپنے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ کر ان کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوئی تھیں وہی سیاہ گھور آنکھیں وہی تیکھی مغرور ناک وہی نقش وہی چہرہ ہو بہو ابرائیم خان کی شبہی ان کے سامنے کھڑی تھی ان کے لب خو بخود حرکت میں آئے تھے اور جو نام اس لمحے ان کے ہونٹوں سے ادا ہوا تھا اسے سن کر جبرئیل سمیت باقی کے نفوس کو سانپ سونگ گیا تھا۔

"جبر۔۔جبرئیل"!

جبرئیل نے اپنے نام کی پکار سنی تو چونک کر سیڑھیوں کی جانب دیکھا تب تک ایس۔ کے بھی اپنے کمرے سے باہر آ چکی تھی شب خوابی کے لباس میں کھلے ہوئے بالوں اور خمار آلود آنکھوں کے ساتھ اپنا حسین سراپا لیے وہ اس قدر قاتل لگ رہی تھی کہ اس سے نظریں چرانا شدید مشکل تھا مگر جبرئیل بہت رسانیت سے نظریں چرا گیا تھا۔

"صمن پھوپھو"!

اس کے ہونٹ بے اختیار حرکت میں آئے تھے در حقیقت کمال ولا میں صمن بیگم کی موجودگی اسے حیران کر گئی تھی۔

وہ والہانہ جبرئیل کی جانب بڑھی تھیں اور اس کت چہرے کے ہر نقش کو چھو کر محسوس کرنا چاہتی تھیں مگر جبرئیل دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ حیرت زدہ سا اسے بس دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"داور کمال کہاں ہے اور ایس۔ کے کون ہے؟"

جبرئیل نے ان کی جانب دیکھنے سے قدرے گریز کیا تھا اس کے رویے کی خار کو وہ بخوبی سمجھ رہی تھیں۔

"وہ۔۔اوپر۔"

انہوں نے سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا تو شمس اور طلال فوری سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے جبکہ ایس۔ کے چلتی ہوئی جبرئیل کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"میں ہوں ایس۔ کے ارف صلاح خاور۔"

اس نے اب کی بار دانستہ اپنے آگے اپنے اصل باپ کا نام لگایا تھا جبرئیل نے حیرت سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"تم۔۔تم کرنل۔۔خاور۔۔کی بیٹی ہو؟"

For more visit (exponovels.com)

وہ اپنے آپ کو ان جملوں سے روک نہیں پایا تھا۔ اس کے اثبات میں سر ہلانے پر جیسے جبرئیل کو یقین نہیں آیا تھا کرنل خاور کی بیٹی اور ایک کریمنل۔

"زارا کہاں ہے مس ایس۔ کے! بولو میری بیوی کہاں ہے؟"

وہ اس کے نزدیک آکر تقریباً غرایا تھا جس پر ایس۔ کے دانستہ دو قدم پیچھے کو ہٹی تھی۔

"میں۔۔ میں نہیں جانتی؟"

اس نے فوری سے پہلے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"جھوٹ مت بولو ورنہ میں ابھی کہ ابھی تمہیں شوٹ کردوں گا۔"

اس نے پستول کی نال ایس۔ کے کی پیشانی پر رکھتے ہوئے کہا تھا اس کی سرخ انگارہ آنکھوں سے جیسے اس لمحے شعلے نکل رہے تھے۔

"وہ نیچے تہہ خانے میں ہے جبرئیل بیٹا! میں جانتی ہوں۔"

صمن بیگم فوری سے پہلے بیچ میں آئی تھیں جس پر جبرئیل نے ایک جھٹکے سے اس کی بازو چھوڑی تھی۔

"کہاں ہے تہہ خانہ؟"

اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

انہوں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔

"طراب! اریسٹ ہر۔"

اس نے طراب سے کہا تو وہ آگے ایس۔ کے کی جانب بڑھا۔

"میرے قریب مت آنا کس جرم میں اریسٹ کر رہے ہو تم؟"

وہ اب بھپری ہوئی شیرنی کی طرح دھاڑی تھی۔

"تمہارا جرم نہیں ہے مس صلاح ارف ایس۔ کے تمہارے جرائم ہیں سب کے سب تمہیں گنوائیں جائیں گئے لیکن بس پانچ منٹ رک جاو مجھے زرا اپنی بیوی کو ملنے کی جلدی ہے۔"

اس نے انتہائی طنزیہ لہجے میں اس سے کہا تھا اور پھر صمن بیگم کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"چلیے مسز کمال اپنا تحہ خانہ دیکھائیے۔"

اس نے انہیں آگے چلنے کا راستہ دیا تھا وہ خود میں آنسوں کا ایک گولہ انڈیلتی ہوئی باہر کی جانب بڑھی تھیں اور ان کے پیچھے جبرئیل بھی تھا جس کا دل اس لمحے صرف زارا کو دیکھنے کو مچل رہا تھا۔

لوہے کا دروازہ کھول کر وہ سیڑھیاں اتری تھیں جبرئیل بھی ان کے بالکل پیچھے ہی تھا آخری سیڑھی پر قدم رکھتے اس کے دل کی دھڑکن ڈوب کر ابھری تھی سیڑھی سے اتر کر اس

نے تہہ خانے میں دیکھا تھا دو نفوس گھٹنوں پر سر دیے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جبرئیل کا دل ایک لمحے کے لیے ڈوبا تھا۔

"زا۔۔زارا"!

اس نے زارا کو پکارا تھا جبرئیل کے لہجے کی محبت اور تڑپ نے زارا کو سر اٹھانے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کے سامنے بالکل وہی چہرہ کھڑا تھا جس کے کھو جانے کا خوف زارا کو ہر گزشتہ رات اور لمحے ستایا تھا جسے زارا نے لمحہ لمحہ یاد کیا تھا جس کے سامنے ہونے کی وہ شدت سے متمنی تھی آرا بیگم نے بھی اپنے سامنے کھڑے اس دلکش نوجوان کو دیکھا تھا جس کے چہرے سے ہی زارا نور کے لیے محبت اور والہانہ پن ٹپک رہا تھا۔

"میجر۔۔میجر صاحب"!

اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر نقاہت کے باعث وہ اٹھ نہیں پائی تھی۔ جبرئیل خود تیزی سے اس کے قریب آیا تھا اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے دو زانو بیٹھا تھا۔

"تم ٹھیک ہو زارا"!

اس کے پوچھنے کی دیر تھی زارا فوری اس کے سینے سے لگی تھی زارا کے آنسو جبرئیل کی نیلی شرٹ کا گریبان تیزی سے بھگو رہے تھے اس نے جبرئیل کی شرٹ اپنی مٹھیوں میں

مضبوطی سے جکڑی ہوئی تھی اس کی سسکیاں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"آپ۔۔آپ کیوں گئے تھے۔۔مجھے چھوڑ کر اگر میں مر جاتی تو؟"

وہ شدت جذبات سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"شیش !کیسی باتیں کر رہی ہو۔

"اگر۔۔میرے۔۔مہ۔۔میرے بچے۔۔کو کچھ ہو جاتا۔۔تو؟"

وہ پتہ نہیں کس رو میں تھی جبرئیل کو کم از کم وہ اپنے حواس میں نہیں لگی تھی اس نے لب بھینچ کر اسے رونے دیا تھا جب کچھ دیر تک بھی وہ خاموش نہ ہوئی تو جبرئیل نے اس کا سر اپنے سینے سے ہٹا کر ہاتھوں کے پیالے میں بھرا تھا۔

"بس چپ اب ایک اور لفظ نہیں۔"

اس نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھی تھی اور اس کت آنسو صاف کیے تھے اس کے بکھرے ہوئے بال اس کے چہرے سے ہٹا کر اس نے اس کا ماتھا چوما تھا اور آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا تھا۔

ہمت تو آرا بیگم میں بھی نہیں تھی صمن بیگم نے آگے بڑھ کر آرا کو سہارا دیا تھا اور وہ چاروں تہہ خانے سے باہر آ گئے تھے کمال ولا کے لاونج میں داخل ہوتے ہی جبرئیل کو ہتھکڑی میں جکڑی ایس۔کے نظر آئی تھی جس کے قریب ہی طراب کھڑا تھا البتہ طلال اور

شمس ابھی تک واپس نہیں آئے تھے مگر اب وہاں ایک اور نفس کا اضافہ بھی ہو چکا تھا جو شاہد وہاں کے شور کو سن کر باہر آئی تھی۔

جبرئیل نے زارا کو صوفے پر لٹایا تھا تب ہی پچھلی طرف سے طلال آتا ہوا دیکھائی دیا تھا وہ پورے طریقے سے ہانپ رہا تھا۔

"سر! وہ داور کمال بھاگ گیا ہے شمس سر! اس کت پیچھے گئے ہیں۔"

طلال نے پھولے ہوئے سانس سے اسے بتایا تو جبرئیل نے غصے سے اسے گھورا۔

"اگر وہ شخص آج بچ کر گیا نہ تو میں تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گا پکڑوا سے۔"

جبرئیل نے کہا تو وہ باہر کی طرف واپس چلا گیا تھا۔

"یہ سب ہو کیا رہا ہے؟"

ایس۔کے کی زبان زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکی تھی داور کمال کے انجام کا وقت آگیا تھا یہ تو وہاں موجود ہر نفس جانتا تھا۔

"کھولو مجھے۔"

وہ غصے سے بولی تھی۔

"یہ تو اب پاکستان جا کر ہی تمہیں جیل میں پھینک کر ہی کھلے گی۔"

اس نے بھی انتہائی سفاکیت سے جواب دیا تھا۔

"اور جرم پوچھ رہی تھی نہ مس صلاح تو تمہارے جرائم میں تمہیں گنواتا ہوں کس کس جرم کے لیے سزا بھگتو گی تم ایک زارا کو کڈ نیپ کرنے کا جرم دوسرا زارا پر گولی چلوانے کا جرم تیسرا اسے اغوا کرانے کی کوشش کرنے کا جرم چوتھا میرے بھائی آران پر قاتلانہ حملہ کرانے کا جرم اور پانچواں اور ناقابل معافی جرم ملک سے غداری کا تھا بھلے ہی تم پاکستان رہتی نہیں تھی مگر وہ تمہارا ملک ہے وہی تم پیدا ہوئی ہو اور اس سے غداری کا جرم تو ناقابل معافی ہے اپنی سزا کے لیے تیار ہو جاو۔ "

اس کے الفاظ تھے کہ نشتر جو سیدھے صمن بیگم کے دل پر چلے تھے یعنی کہ ان کی بیٹی اتنی سفاک اور بے رحم ہو گئی تھی کہ ملک سے غداری تک کرتے ہوئے اس کا وجود نہیں کانپا تھا۔

جبرئیل کے چیختے ہوئے فون نے وہاں موجود نفوس کو ہوش کی دنیا میں پٹخا تھا۔

"یس سر!

وہ انتہائی مودب بن گیا تھا لیکن جو خبر اسے دوسری جانب سے دی گئی تھی وہ نا چاہتے ہوئے بھی چیخ پڑا تھا۔

"واٹ کرنل احسن کو گولیاں کیسے ؟"

وہ عجیب سے اضطراب کی کیفیت میں تھا۔ جبکہ ایس۔ کے کے اعصاب اس خبر کہ بعد

بالکل مفلوج ہو گئے تھے وہ ایک منٹ کے اندر اندر زمین بوس ہوئی تھی صمن بیگم اور علینہ اس کی جانب بڑھی تھیں جب پچھلے دروازے سے شمس اندر داخل ہوا تھا۔

"سر !وہ داور کمال"!

وہ اس سے پہلے کہ جملہ مکمل کرتا اس کی نظر علینہ فاطمہ پر گئی تھی اور علینہ فاطمہ بھی وہی پر ساکن ہو گئی تھی شمس حیدر اس کا شوہر اس لمحے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ شمس غصے سے اس کے قریب آیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو فاطمہ؟"

وہ تقریباً غصے سے دھاڑا تھا جبکہ جبرئیل سمیت سب اس کی اس دھاڑ پر حیران رہ گئے تھے علینہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"وہ۔۔وہ میں۔"

اس سے کچھ بھی بولا نہیں جا رہا تھا۔

"کیپٹن کام ڈاون کیا ہوا ہے اور تم ان سے ایسے بات کیوں کر رہے ہو؟"

طراب نے انتہائی حیرت سے اس سے پوچھا تھا۔

"سر !یہ منکوحہ ہے میری یہاں کیا کر رہی ہے؟"

وہ بھی متھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"ریلیکس شمس اپنے گھر یلو میٹرز بعد میں سولو کرنا تم فل حال داور کمال کے بارے میں رپوٹ دو مجھے۔"

جبرئیل نے درشتگی سے اس سے کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔

"سوری سر! داور کمال کا ایکسڈینٹ ہوا ہے بہت برا روڈ پر میرا نہیں خیال وہ بچ پائے گا۔"

شمس نے اسے بتایا تو جبرئیل نے ہاتھ کا مکا بنا کر اپنی ہتھیلی پر مارا۔

"ڈیم شٹ اسے اٹھاو اور ڈرائی پورٹ پہنچو کرنل خاور از ویٹنگ ڈئیر۔"

اس نے کہا تو وہ ایک نظر علینہ پر ڈال کر باہر نکل گیا جبکہ ان سب کو جبرئیل نے اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا طراب نے ایس۔کے کو ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی جب وہ ہوش میں نہ آئی تو اس نے اپنے بازوں میں اٹھایا تھا اور کمال ولا سے باہر نکل آئے تھے کوپ آفیسرز نے ان کے پیچھے کمال ولا کو سیل کر دیا تھا داور کمال پر تو اب دوہرا کیس بننا تھا انڈیا اور پاکستان دونوں سے غداری پر کیس۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈرائی پورٹ پر کرنل خاور جبرئیل کا انتظار کر رہے تھے واپس پاکستان جانے کے لیے انہوں نے سمندری راستہ اختیار کیا تھا۔ ارجن کے مارے جانے کی خبر شمس کے اعصاب

پر بہت بھاری پڑی تھی وہ اسے اپنے ہاتھوں سے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا مگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی تھی۔ احسن کو جہاز میں موجود سیک روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا جہاں اسے بحری جہاز کے ڈاکٹر نے ٹریٹ منٹ دینا شروع کر دیا تھا۔ تمام تر اغوا شدہ لڑکیوں کو بازیاب کرا لیا گیا تھا جو مقبوضہ کشمیر کی تھیں انہیں وہاں بھیجنے کا انتظام کیا تھا مگر زیادہ تر آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں تھیں انہیں یہ لوگ اپنے ساتھ پاکستان لے جا رہے تھے جہاز پر سارے انتظامات مکمل تھے۔ ممبی کے کسی بھی ہاسپٹل میں جانے سے احسن نے صاف انکار کر دیا تھا اس کے دل چیر دینے والے جملے ابھی بھی کرنل خاور کے اعصاب جھنجھوڑ رہے تھے۔

"سر! میں۔۔ اپنے۔۔ وطن۔۔ اپنی۔۔ سرزمین۔۔ پر مرنا چاہتا ہوں۔۔ دشمن کی زمین پر مجھے مت مرنے دیجیے گا۔"

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے ان سے کہہ رہا تھا آنکھوں میں بے بسی اور آنسو تھے کرنل خاور نے اپنے لب بھینچے تھے۔

جونہی ڈرائی پورٹ پر جبرئیل پہنچا کرنل خاور نے جہاز کو تیار کرنے کے لیے کہا لیکن اس کے پیچھے آنے والی ہستی کو دیکھ کر وہ جہاں کھڑے تھے وہی پر جم گئے تھے چوبیس سال کے بعد وہ اسے دیکھ رہے تھے وہ عورت جوان کی محبت تھی ان کی بیٹی کی ماں تھی اور ایک

بے وفاہ وجود بھی تھا ان کی آنکھوں میں اس لمحے صمن بیگم کو اپنے لیے کوئی شناسائی کا تاثر نظر نہیں آیا تھا ان کی آنکھیں اپنے ساتھ کھڑی ہوئی ہستی کو دیکھ کر بدلی تھیں بدحال وہ وجود کرنل خاور کے وجود میں جیسے بجلیاں دوڑا رہا تھا۔

"آرا"!

ان کی زبان نے حرکت کی تو آرا نے ان کی جانب دیکھا یہ وہی تھا آرا کا جان سے پیارا بھائی وہ دو ہی تو بہن بھائی تھے ایک دوسرے کا سہارا وہ بھاگی تھی ایسے جیسے اس کی رفتار زرہ برابر بھی ہلکی ہوئی تو خاور اس کی زندگی اور پہنچ سے پھر کہیں دور نکل جائیں گئے۔ ان کے قریب پہنچ کر وہ ان کے سینے سے لگی تھی چوبیس سال سے پلتے ہر زخم ہر درد کو آنسوں کے زریعے باہر آنے کی راہ ملی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہاں موجود ہر آنکھ آشک بار تھی۔ کرنل خاور انہیں کندھوں سے تھام کر جہاز کی طرف لے گئے تھے طراب نے صمن بیگم اور علینہ کو بھی اندر چلنے کے لیے کہا تھا جبرئیل زارا کو سہارا دیے کھڑا تھا۔

"چلو زارا! ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

اس نے زارا کو چلنے کے لیے کہا تو اس نے خوف سے جبرئیل کی جانب دیکھا جبرئیل اس کا ہاتھ تھامے اسے کنارے تک لے کر آیا تھا خود وہ جہاز پر چڑھ گیا تھا جبکہ زارا ابھی بھی کنارے پر کھڑی تھی۔

"آو نہ؟"

اس نے کہا تو زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

"پانی۔۔سے ڈر لگتا ہے مجھے۔۔میں گر جاوں گی۔"

اس کے لہجے کا خوف جبرئیل کو صاف محسوس ہوا تھا۔

"ڈونٹ لک ڈاون جسٹ لک ایٹ می۔"

اس نے کہا تو زارا نے اس کی جانب دیکھا جبرئیل نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ لیا ان کے اندر آتے ہی جہاز نے حرکت کی تھی اور پھر ان کا پرائی سرزمین سے اپنی زمین تک کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انہیں پاکستان کی حدود میں داخل ہوئے ایک گھنٹہ بیت چکا تھا زارا، صمن بیگم اور علینہ اور نگہت آرا کو خان ولا پہنچا دیا گیا تھا جبکہ ایس۔کے کسی طور بھی وہاں سے ہٹنے کو راضی نہیں تھی۔بحری جہاز کے سک روم کے شیشے سے وہ مسلسل احسن کو دیکھتی رہی تھی اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا مگر وہاں درد کی ایک گہری داستان رقم تھی یہ تو سزا تھی اس کی ساری زندگی میں صرف ایک ہی انسان کے ساتھ کی چاہ اتنی شدت سے کی تھی اور وہ بھی اس کی دسترس سے دور جا رہا تھا وہ احسن کو بے خبر سمجھ رہی تھی مگر اس کی موجودگی سے وہ اتنا

بھی بے خبر نہیں تھا جتنا صلاح خاور اسے سمجھتی تھی محبت تو اس نے بھی کی تھی پھر وہ یہ کیسے بھول گئی کہ تحریریں احسن نے بھی اسے لکھی تھیں۔ داور کمال بھی اسی ہسپتال میں زیر علاج تھا۔

اس کے آپریشن کو شروع ہوئے تین گھنٹے بیت چکے تھے تمام کے تمام آفیسرز کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی ایس۔ کے وہاں جہاز پر کیا کر رہی تھی یہ وہ الریڈی اپنی خراب حالت کے باوجود اس کی موجودگی طراب کو بلوا کر آپریشن شروع ہونے سے پہلے پوچھ چکا تھا اور جو انکشاف طراب نے اس پر کیے تھے ان بھیانک انکشافات نے احسن کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اسے اس ایک ایک تحریر میں پوشیدہ سوالوں کے جوابات مل چکے تھے صیح معنوں میں تو سیاہی کا مقصد اور مطلب اسے اب سمجھ میں آیا تھا۔

"یہ لڑکی کیوں ہے یہاں ؟"

کرنل خاور نے مسلسل آپریشن تھیٹر کے دروازے کے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ کر جبرئیل سے پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں سر مگر اس کا کرنل احسن کی حالت کو لے کر ردعمل میری سمجھ سے باہر ہے۔"

اس نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"یہ لڑکی"!

وہ اسے دیکھ کر انتہائی پر سوچ سے دیکھائی دے رہے تھے جبرئیل نے ان کی جانب بے بسی سے دیکھا تھا۔

"سر! یہ آپ کی بیٹی ہے صلاح خاور"!

اس کے لفظ تھے کہ یا کوئی پگھلا ہوا سیسہ جو اس لمحے ان کے کانوں میں انڈیلا جا رہا تھا۔

"مہ۔۔ میری بیٹی ایک۔۔ مجرم؟"

وہ ناقابل یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"وہ بری نہیں تھی سر! داور کمال کی حوس اور درندگی نے اسے ایک عورت سے مجرم بنا دیا تھا۔"

جبرئیل نے صمن بیگم کی بتائی گئی ساری کہانی انہیں سنائی تو وہ دنگ رہ گئے۔

"جو بھی ہے جبرئیل وہ ہے تو ایک مجرم اور غدار ہی نہ وہ پھر میری بیٹی ہی کیوں نہ ہو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

وہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے تھے جبکہ پیچھے کھڑی ایس۔کے میں ایک بھی قدم اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ عورت جو ساری زندگی ایک شان سے حاکم بن کر زندگی گزارتی آئی تھی آج اس کی حیثیت ایک مٹی کے زرے برابر بھی نہیں بچی تھی بے شک وہی عزت اور ذلت دیتا ہے اللہ نے ایس۔کے کو عرش سے فرش پر پیٹخ دیا تھا اس کا سارا غرور ساری

حاکمیت خاک میں مل گئی تھی۔

کچھ دیر کے بعد آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اور ڈاکٹر باہر نکلا تھا جبرئیل، طراب اور اسامہ فوری ڈاکٹر کی جانب بڑھے تھے۔

"ڈاکٹر سر! کیسے ہیں اب؟"

جبرئیل نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"دیکھیں ہم نے ان کی باڈی سے ساری بلٹس نکال دی ہیں مگر ان کی بلیڈنگ بہت زیادہ ہو چکی ہے ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے وہ بالکل ہلکے سے ہوش میں ہیں اور کسی ایس۔ کے کو بلا رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے انہیں کہا تو ان تینوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر جبرئیل کاریڈور میں ایک جانب لگے بینچ پر بیٹھی ایس۔ کے کی جانب بڑھا۔

"صلاح! تمہیں سر احسن اندر بلا رہے ہیں۔"

اس کے جملوں نے ایس۔ کے کو حیرت کے سمندر میں ڈال دیا تھا۔

"مجھ۔مجھے؟"

اس نے اپنی طرف انگلی رکھ کر کہا تو جبرئیل نے اثبات میں سر ہلایا وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے کہنے پر اٹھ کر آئی سی یو کی جانب بڑھی تھی اس نے گہرا سانس بھر کر دروازہ

دھکیلا تھا تو وہ کھلتا چلا گیا اندر بستر پر وہ شخص لیٹا ہوا تھا جو شاہد اسے ساری دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا کیونکہ ایک وہی تو تھا جس کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ ایک عام عورت کی طرح سوچتی تھی محبت سے گوندھی ہوئی ایک عام عورت بے شمار مشینوں میں جکڑا ہوا وہ وجود اس لمحے ایس۔کے کے جسم کے ہزار ٹکرے کر رہا تھا وہ اس کے بستر کے قریب آئی تھی۔ اس نے مندی ہوئی آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا تھا اور اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا تھا وہ بالکل اس کے بیڈ کے پاس کھڑی ہوئی تھی احسن نے ہاتھ بڑھا کر منہ پر لگا ہوا آکسیجن ماسک ہٹایا تھا اور نقاہت بھری آواز میں گویا ہوا تھا۔

"جان۔تی۔ ہو محبت کا سب سے پہلا احساس تمہارا پانچواں خط پڑھ کر جاگا تھا جس میں تم نے محبت کو آکاش کے گہرے نیلے پن سے زیادہ درجہ دیا تھا محبت کے سمندر میں میں نے ہر لمحہ تمہارے آگے خود کو بے بس پایا ہے تم میرے لیے صرف ایک سراب تھی ایک ان دیکھا سراب.جس کے پیچھے بھاگنے کے لیے مجھے ہر لمحہ اپنے نفس سے لڑنا پڑتا تھا اپنے آخری خط میں تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا سفیدی سیاہی کو قبول کر سکتی ہے میں۔۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ محبت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ سفیدی سیاہی کو قبول کر لے اگر وجود داغدار ہو تو سفیدی اسے اجلا کر دیتی ہے لیکن اگر دل سیاہ ہو تو سفیدی اپنا اجلا پن نہیں چھوڑ سکتی وہاں۔ می۔۔ میں۔۔ محبت میں تو سیاہی قبول کر سکتا ہوں لیکن دل

For more visit (exponovels.com)

میں سیاہی نہیں وطن سے غدار انسان کا کالا دل میں نے اپنی محبت سے آزاد کیا
تم۔۔سزا۔۔کی۔۔ مستحق۔۔ہو۔"
اس کے لفظ ٹوٹ رہے تھے اس کا سانس اکھڑ رہا تھا دروازہ کھول کر کرنل خاور تیزی سے اندر آئے تھے۔
"احسن! کیا تم ٹھیک ہو؟ میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔"
وہ جانے لگے تھے جب اس نے ان کا بازو تھاما تھا۔
"میں۔۔میں۔۔نہ۔۔نے آ۔۔آپ۔۔کے سا۔۔سارے بازو صیح۔۔سلامت۔۔آپ تک پہنچا دیے۔۔سر۔۔میں۔۔نے۔۔اپنا۔۔وعدہ۔۔پورا کیا۔۔۔میر۔۔میرے۔۔جنازے۔۔۔پر اس۔۔لڑ۔۔کی کو۔۔شامل۔۔ہونے۔۔کی اجا۔۔زت نہیں۔"
وہ لمبے اور گہرے سانس لے رہا تھا سامنے لگی مشین پر دل کی دھڑکن تیزی سے گر رہی تھی کرنل خاور کی آنکھیں نم تھی مشین پر زیرو کے ساتھ لکیر بالکل سیدھی ہو چکی تھی اس کی دھڑکن بند ہو چکی تھی ایس۔کے کی آنکھیں پھیل چکی تھیں اس کی آنکھوں کے گوشے سے دو تین بے رحم آنسو ٹپکے تھے۔
"انا للہ وان الیہ راجعون۔"

کرنل خاور نے بلند آواز سے پڑھا تھا اور سفید کپڑے سے اس کا چہرہ ڈھک دیا تھا ایک اور جانباز وطن پر اپنی جان ہار گیا تھا کرنل احسن احمد خوشقسمت تھا جسے شہادت کا رتبہ ملا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

احمد ہاوس کے لان میں تمام آفیسرز اپنے یونیفارم میں سیلوٹ کیے کھڑے تھے۔ لان کے درمیان میں کرنل احسن کا جسد خاکی سبز پرچم میں لپٹا ہوا رکھا تھا فوجی جوان انہیں سلامی دے رہے تھے بی اماں قریب کرسی رکھے بیٹھی ہوئی تھیں آنکھیں خشک تھیں اور جھولی پھیلی ہوئی تھی زبان پر صرف ایک ہی طرز کے کلمات جاری تھے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے میرا برسوں پرانا خواب پورا کر دیا تو نے میرے احسن کو شہادت کا رتبہ دیا۔"

وہ مسلسل جھولی پھیلائے شکر ادا کر رہی تھیں۔

جبرئیل طراب اور اسامہ میجر کے عہدے پر تھے وہ تینوں یونیفارم میں ملبوس فوجی کیپس پہنے فوجی دستے کے ساتھ چلتے ہوئے آئے تھے اور ان کے جسد خاکی پر پھول چڑھائے تھے ہر آنکھ آشکبار تھی ایس۔ کے کو جیل منتقل کر دیا گیا تھا جبکہ داور کمال کی ذہنی حالت ناقابل یقین حد تک بگڑ چکی تھی ہاسپٹل سے سیدھا انہیں مینٹل ہاسپٹل شفٹ کر دیا گیا تھا۔ احسن کی تدفین کے بعد وہ سارے خان ولا آ گئے تھے۔ کرنل خاور کا ارادہ وہاں سے

For more visit (exponovels.com)

نگہت آرا کو اپنے گھر لے جانے کا تھا۔

"بھابھی! اجازت دیں میں نگہت کو لے کر اب چلتا ہوں۔"

وہ خاصے بجھے بجھے اور افسردہ دیکھائی دے رہے تھے آنکھیں ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"کچھ دیر تو روکیں خاور بھائی کھانا کھا کر جائیے گا۔"

عشرت جہاں نے کہا تو انہوں نے ان کی جانب دیکھا ان کے لہجے میں بڑا مان تھا کرنل خاور کو ان کی بات ماننا ہی پڑی تھی وہ باہر نکلی تو جبرئیل طراب اور اسامہ اندر داخل ہوئے تھے تینوں کی شکلیں روئی روئی تھیں۔

"وطن کی خاطر جان کی بازی لگانے والے تو خوشقسمت ہوتے ہیں مجھے احسن پر فخر ہے مجھے تم لوگوں پر بھی فخر ہوتا اگر اس کی جگہ تم تینوں میں سے بھی کوئی ہوتا تو اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنی جان ہار کر اس نے میرے سارے بازو بچا لیے۔"

وہ آج صیح معنوں میں نڈھال لگ رہے تھے۔

"سر! ہم آئیندہ بھی وطن کے لیے جان کی بازی لگانے سے کبھی گریز نہیں کریں گئے۔"

جبرئیل نے کہا تو طراب اور اسامہ نے بھی سر ہلایا۔

"مجھے فخر ہے تم لوگوں پر چوبیس سال سے لٹکے ہوئے کیس کو تم لوگون نے آخر حل کر ہی لیا

لاکھوں لڑکیوں کی عزت بچالی آئی ایم پراوڈ آف یو مائی ٹائیگرز۔"
انھوں نے کھڑے ہو کر تینوں کو گلے لگایا تھا دروازے پر ہونے والی دستک نے ان چاروں کو الگ کیا تھا دروازے پر صمن بیگم کھڑی تھی نہیں بلکہ دروازے پر انہیں ایک ہاری ہوئی عورت دکھی تھی سب کچھ ہاری ہوئی جبرئیل، طراب اور اسامہ باہر نکل گئے تھے۔ وہ قدم قدم چلتی ہوئی ان کے بالکل سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔
"تمھیں پتہ ہے خاور؟ میں بہت معافی مانگتی ہوں اللہ سے مگر وہ میری طرف ایک دفعہ بھی نظر کرم نہیں کرتا کیونکہ بے وفا عورتوں کو وہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تو دیکھو خاور میرا سکون چھین لیا میرا وجود میری خواہشیں میری ساری حسرتیں اس نے مٹی میں ملا دی ہیں صرف سکون کی تلاش میں ہوں اور وہ مجھے تب ہی ملے گا جب تم مجھے معاف کرو گے ایک تمہاری معافی کے لیے میں نے برسوں انتظار کیا ہے خاور! میری بیٹی انسان سے حیوان بن گئی دوسری بیٹی کو داور کمال کی بیٹی ہونے پر رسوائی تحفے میں ملی ہے تم۔۔ مجھ۔۔مجھے معاف کر دو۔"
وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے تھیں کرنل خاور نے انتہائی ضبط سے ان کے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھے تھے کچھ بھی تھا انھوں نے اپنی زندگی کے کئی سال اس عورت سے محبت کرنے میں برباد کیے تھے۔

"کاش صمن! تم میری بیٹی کو میرے لیے چھوڑ جاتی تو آج وہ جہاں ہے وہاں نہ ہوتی جاو میں نے تمہیں معاف کیا۔"

انہوں نے ان سے کہا اور وہاں سے باہر چلے گئے۔

وہ اکثر مجھ سے کہتی تھی
وفا ہے ذات عورت کی
مگر جو مرد ہوتے ہیں
بڑے بے درد ہوتے ہیں
کسی بھنورے کی صورت
گل کی خوشبو لوٹ لیتے ہیں
سنو تم کو قسم میری
روایت توڑ دینا تم
نہ تنہا چھوڑ کر جانا
نہ یہ دل توڑ کر جانا
پھر یوں ہوا محسن
مجھے انجان رستے پر

اکیلا چھوڑ کر اس نے

میرا دل توڑ کر اس نے

محبت چھوڑ دی اس نے

وفا ہے ذات عورت کی

روایت توڑ دی اس نے

شمس کو صمن بیگم سب کچھ پہلے ہی بتا چکی تھیں وہ اپنے گھر فون کر کے بھی باقی کی معلومات لے چکا تھا اس لیے وہ علینہ کو چھوڑ کر کشمیر چلا گیا تھا اس کا ارادہ یہاں سے اب باقاعدہ آکر علینہ کو رخصت کروانے کا تھا صمن بیگم کو جو تحفضات علینہ کی ذات کو لے کر تھے وہ سارے کے سارے شمس نے غلط ثابت کیے تھے اب وہ کم از کم ایک طرف سے تو پر سکون تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچ سال بعد:

جبرئیل کی پوسٹنگ کشمیر سے پشاور ہی ہوگئی تھی وہ اب وہی خان ولا میں ہوتا تھا وہ ابھی گھر میں داخل ہوا تھا جب چار سالہ میرال اس کی ٹانگوں سے آکر لپٹ گئی تھی۔

"بابا! آئی ڈونٹ لائک یور جاب"

For more visit (exponovels.com)

وہ خاصہ منہ بگاڑ کر بولی تھی پیچھے سے آتی زارا نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

"بٹ پرنسس یور مما لوز می اینڈ مائی جاب ٹو۔"

اس نے زارا کو دیکھتے ہوئے میرال کو گود میں اٹھا لیا تھا۔

"کیوں میرال کی مما؟"

وہ اب اس کے قریب آتے ہوئے زارا سے پوچھ رہا تھا۔

"یس میرال آئی ایم پراوڈ اف یور بابا۔"

زارا نے میرال کے بال بگاڑتے ہوئے کہا تو جبرئیل نے ایک بار میرال اور ایک بار زارا کی پیشانی چومی تھی۔

"کیا بات ہے آج خان ولا میں بڑا سناٹہ ہے؟"

اس نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"زیبا اور آنیہ اپنے بچے میرے اور ماں کے پاس چھوڑ کر شاپنگ پر گئی ہوئی ہیں آرون اور سبتے پولیس سٹیشن ماں ماہ رخ چچی اور صمن پھوپھو کے ساتھ پچھلے لان میں بیٹھی ہوئی ہیں۔"

اس نے تمام تر افراد کی تفصیل فراہم کی تھی آرون اور سبتے دونوں کا ایک ایک بیٹا تھا صاریہ کے اور اسامہ کے پچھلے سال ہی ٹوئنز پیدا ہوئے تھے بیچاری صاریہ پاگل ہو کر رہ

گئی تھی۔ مائرہ اور طراب کی ابھی تک کوئی اولاد نہیں تھی جبکہ شمس اور علینہ صمن بیگم کو ملنے آکثر خان ولا آتے رہتے تھے دونوں کی ایک بیٹی تھی صمن بیگم کو معاف کرنے میں جبرئیل کو وقت ضرور لگا تھا مگر جب کرنل خاور نے انہیں معاف کردیا تھا تو پھر اس کا تو کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

نگہت آرا کرنل خاور کے ساتھ اپنے پشاور والے گھر میں ہی رہائش پزیر تھیں ان کے کمرے کی ایک بھی چیز کرنل خاور نے نہیں ہلائی تھی وہ وہاں وقت ضرور گزارتے تھے مگر ہر چیز جوں کی توں تھی اپنے ماضی کا ہر واقعہ کرنل خاور کو سنا کر وہ بار بار اذیت سے روتی رہتی تھیں سب کی زندگیاں پرسکون تھیں سوائے ان دو لوگوں کے جو فرش پر ہی خود کو عرش کا مالک سمجھ بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صلاح خاور ارف ایس۔کے کو عدالت کی جانب سے سنگین غداری کیس میں عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی وہ اب بھی جیل میں بیٹھی ہوئی تھی خوبصورت چہرہ ماند پڑ گیا تھا وہ تو اس قابل بھی نہیں سمجھی گئی تھی کہ اس کا باپ اسے ایک نظر دیکھ لیتا وہ آج بھی احسن کے کہے آخری جملے جیل میں موجود عورتوں کو بار بار دھرا کر سناتی تھی بتاتی تھی کہ اسے اس کی محبت کا جنازہ دیکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی اس سے زیادہ سیاہی کی کیا دھتکار ہوگی سچ کہتے ہیں کچھ

گناہوں کی معافی اور بخشش نہیں ہوتی خالصتن تب جب آپ اس کی حدود سے تجاوز کر گئے ہو اللہ کو نہیں جھٹلایا تھا اس نے مگر اس کے بندوں کو جھٹلا چکی تھی اور یہ اللہ معاف نہیں کرتا۔

اس کی مٹھی میں ابھی بھی وہ سفید کاغذ جکڑا ہوا تھا جو اسے ہسپتال میں جبرئیل نے دیا تھا اس نے ایک بار پھر سے غلام بخش کی لکھائی میں لکھی گئی وہ تحریر ہر بار اس کے آنسوں میں اضافہ کرتی تھی۔

"ایس۔ کے مجھے غدار مت سمجھیے گا میں نے آپ سے اپنی محبت آخری سانس تک نبھائی ہے محبت اور وفاداری کو ثابت کرنے کی تگ و دو نے مجھ سے زندہ رہنے کی تمنا چھین لی تھی اللہ آپ کی بخشش فرمائے آمین۔"

وہ آج بھی اسی چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا بڑھی ہوئی داڑھی سفید بکھرے بال کالی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں سب اسے دیوانا بلاتے تھے کیونکہ وہ دیوانا تھا اس کا دل خالی اور بے چین تھا نہ اسے قرار تھا اور نہ وہ مرتا تھا معافی اس نے مانگی نہیں تھی کئی لوگوں سے اللہ توبہ کی توفیق بھی چھین لیتا ہے اور داور کمال کا شمار بھی انہی لوگوں مین تھا جن سے توبہ کی توفیق بھی چھین لی گئی تھی وہ موت مانگتا تھا اسے موت بھی نہیں آتی تھی آرا نے کہا تھا اس کا انجام وہ ہوگا کہ دیکھ کر روح کانپے گی آج اس کا انجان اگر وہ دیکھ لیتی تو اس کی روح کانپ جاتی اس کی

زندگی اور اس کا مقصد سب تمام ہو چکا تھا وہ صرف موت مانگتا تھا اور موت اسے تب تک نہیں آنی تھی جب تک وہ اپنے سارے ظلموں کا حساب نہیں چکا دیتا ابھی تو اس کی اذیت شروع ہوئی تھی منزلیں بے شمار تھیں۔ کوئی قانون اسے سزا نہیں دے پایا تھا کیونکہ اس کی سزا کا تعین صرف اللہ نے کرنا تھا اور وہ بہتر کر رہا تھا۔

ہر عروج کو زوال ہے ہر محبت کی حد ہے ہر جرم کی سزا ہے پھر انسان کیوں بھول جاتا ہے کہ اسے اپنی حد میں رہنا ہے اگر وہ اپنی حد سے باہر نکلے گا اللہ کی لگائی گئی باڑ کو توڑ ڈالے گا تو سزا بھگتے گا اگر انسان یہ سوچ لے تو دنیا میں جرائم کی کمی ہو جائے انسانیت کے لیے محبت بڑھ جائے دوسروں کے لیے رکھا گیا مثبت رویہ آپ کو لاکھ پریشانیوں سے نجات دلا دیتا ہے۔

ختم شد